

وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

موسوعه فقہیہ

اردو ترجمہ

جلد - ۴۰

نائچہ — تقاڈ

www.KitaboSunnat.com

مجمع الفقہ الإسلامی الہند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربعہ
معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

© جملہ حقوق بحق وزارت اوقاف و اسلامی امور کویت محفوظ ہیں
پوسٹ بکس نمبر ۱۳، وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

اردو ترجمہ

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

161-F، جوگابائی، پوسٹ بکس 9746، جامعہ نگر، نئی دہلی - 110025

فون: 91-11-26981779

Website: <http://www.ifa-india.org>

Email: fiqhacademy@gmail.com

موسوعہ فقہیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي
الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

(سورہ توبہ، ۱۲۲)

”اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ (آئندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ
ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے، تاکہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ
حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس
آجائیں ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں!“۔

”من یرد اللہ بہ خیراً

یفقہہ فی الدین“

(بخاری و مسلم)

”اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے

اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے“۔

فہرست موسوعہ فقہیہ

جلد - ۲۰

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|-------|--|--------------------|
| ۳۳-۳۳ | ناکھ | ۲-۱ |
| ۳۳ | تعریف | ۱ |
| ۳۳ | اجمالی حکم | ۲ |
| ۳۳ | ناب | دیکھئے: سن |
| ۳۴ | نار | دیکھئے: احراق |
| ۳۴ | نازلہ | دیکھئے: قنوت، جاکھ |
| ۴۱-۳۴ | ناض | ۶-۱ |
| ۳۴ | تعریف | ۱ |
| ۳۴ | ناض سے متعلق احکام | ۲ |
| ۳۴ | زکاۃ تجارت کے وجوب کے لئے نقد ہونے کی شرط لگانا | ۲ |
| ۳۷ | شرکت کے فسخ کرنے میں نقد ہونے کا اثر | ۳ |
| ۳۷ | عقد مضاربت کے فسخ کرنے میں نقد ہونے کا اثر | ۴ |
| ۳۸ | عقد مضاربت کے فسخ ہو جانے کے بعد اس کے مکمل کرنے میں نقد ہونے کا اثر | ۵ |
| ۴۱ | عقد مضاربت کے متعدد ہونے کی صورت میں نقد ہونے کا اثر | ۶ |
| ۴۳-۴۲ | ناظر | ۵-۱ |
| ۴۲ | تعریف | ۱ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|-------|--|-------------------------|
| ۴۲ | متعلقہ الفاظ: یتیم، متولی، وصی | ۲ |
| ۴۳ | اجمالی حکم | ۵ |
| ۴۳ | نافلہ | دیکھئے: نفل |
| ۴۴-۴۵ | ناقصہ | ۴-۱ |
| ۴۴ | تعریف | ۱ |
| ۴۴ | مسئلہ ناقصہ کے نقصان کی وجہ | ۲ |
| ۴۴ | مسئلہ ناقصہ میں کن چیزوں کا مکمل پایا جانا ضروری ہے | ۳ |
| ۴۵ | مسئلہ ناقصہ کا حکم | ۴ |
| ۴۵ | ناقوس | دیکھئے: اہل کتاب، معابد |
| ۴۶-۵۱ | نباش | ۱۰-۱ |
| ۴۶ | تعریف | ۱ |
| ۴۶ | متعلقہ الفاظ: سارق، طرار | ۲ |
| ۴۶ | نباش سے متعلق احکام | ۴ |
| ۴۶ | نباش کو چور سمجھنا | ۴ |
| ۵۱ | کفن چور کا فریق | ۱۰ |
| ۵۲-۶۲ | نبش | ۱۶-۱ |
| ۵۲ | تعریف | ۱ |
| ۵۲ | نبش سے متعلق احکام | ۲ |
| ۵۲ | اول۔ بوسیدہ ہونے سے قبل بلا ضرورت قبر کو کھولنا | ۲ |
| ۵۲ | دوم: بوسیدہ ہونے سے قبل ضرورت کی وجہ سے قبر کو کھولنا | ۳ |
| ۵۲ | الف: قبر میں گرے ہوئے مال کی وجہ سے اس کو کھولنا | ۴ |
| ۵۳ | ب: اس مال کی وجہ سے قبر کھولنا جس کو میت نے نکل لیا ہو | ۵ |

| صفحہ | عنوان | فقہہ |
|-------|---|------|
| ۵۶ | ج: غصب کردہ کفن کی وجہ سے قبر کو کھولنا | ۶ |
| ۵۷ | د: اگر غصب کردہ زمین میں میت کو دفن کیا جائے تو قبر کھولنے کا حکم | ۷ |
| ۵۸ | ھ: حمل کی وجہ سے حاملہ عورت کی قبر کا کھولنا | ۸ |
| ۵۸ | سوم۔ خود میت کے حقوق کے تعلق سے قبر کھولنا | ۹ |
| ۵۸ | الف: غسل سے قبل میت کو دفن کرنا | ۱۰ |
| ۵۹ | ب: میت کو کفنانے کے لئے قبر کھولنا | ۱۱ |
| ۵۹ | ج: میت پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے اس کی قبر کھولنا | ۱۲ |
| ۶۰ | د: اگر میت غیر قبلہ کی طرف دفن کر دیا گیا ہو تو قبر کو کھولنا | ۱۳ |
| ۶۰ | چہارم۔ میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے قبر کھولنا | ۱۴ |
| ۶۱ | پنجم۔ کسی دوسرے کو اس کے ساتھ دفن کرنے کے لئے قبر کھولنا | ۱۵ |
| ۶۱ | ششم۔ کسی صحیح مقصد کی خاطر کفار کی قبریں کھولنا | ۱۶ |
| ۶۲-۶۳ | نبہرجہ | ۵-۱ |
| ۶۲ | تعریف | ۱ |
| ۶۲ | متعلقہ الفاظ: جہاد، ستوقہ | ۲ |
| ۶۳ | نبہرجہ سے متعلق احکام | ۴ |
| ۶۳ | نبہرجہ کے ساتھ آپس میں معاملہ کرنا | ۴ |
| ۶۳ | نبہرجہ کو جیاد سے فروخت کرنا | ۵ |
| ۶۴-۶۸ | نبوت | ۸-۱ |
| ۶۴ | تعریف | ۱ |
| ۶۴ | متعلقہ الفاظ: رسالت | ۲ |
| ۶۵ | نبی کی نبوت کے دلائل | ۳ |
| ۶۵ | سابق انبیاء کی شریعتیں | ۴ |
| ۶۶ | نبوت کا دعویٰ کرنے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے کا حکم | ۷ |
| ۶۸ | نبیذ | |
| | دیکھئے: اُشرہ | |

| صفحہ | عنوان | فقہہ |
|-------|---|------|
| ۶۸-۹۲ | نبی | ۱-۴۶ |
| ۶۸ | تعریف | ۱ |
| ۶۹ | متعلقہ الفاظ: رسول | ۲ |
| ۶۹ | نبیوں اور رسولوں کی تعداد | ۳ |
| ۶۹ | آخری نبی | ۴ |
| ۷۰ | اولوالعزم رسول | ۵ |
| ۷۰ | ان حضرات کا ذکر جن کے نبی ہونے میں اختلاف ہے | ۶ |
| ۷۰ | الف- خضر | ۶ |
| ۷۱ | ب- لقمان | ۷ |
| ۷۱ | ج- ذوالکفل | ۸ |
| ۷۱ | د- عزیر | ۹ |
| ۷۱ | نبیوں کے ساتھ مخصوص احکام | ۱۰ |
| ۷۱ | الف- ان پر صدقہ کا حرام ہونا | ۱۱ |
| ۷۲ | ب- ان کے اموال میں وراثت جاری نہ ہوگی بلکہ ان کے بعد سب صدقہ ہوں گے | ۱۲ |
| ۷۳ | ج- نبی کو وہیں دفن کیا جائے گا جہاں ان کا وصال ہو | ۱۳ |
| ۷۳ | انبیاء کے تعلق سے امت پر ثابث شدہ احکام | ۱۴ |
| ۷۳ | الف- انبیاء کی نبوت اور رسولوں کی رسالت پر ایمان کا واجب ہونا | ۱۴ |
| ۷۳ | ب- انبیاء کی اطاعت، ان کی اتباع اور ان سے محبت رکھنا | ۱۵ |
| ۷۵ | ج- انبیاء کے احترام کا واجب ہونا | ۱۶ |
| ۷۵ | د- انبیاء کرام پر درود و سلام بھیجنا | ۱۷ |
| ۷۶ | ه- انبیاء کے درمیان تفریق کا حکم | ۱۸ |
| ۷۸ | انبیاء میں کسی کو کسی سے افضل قرار دینا | ۱۹ |
| ۷۹ | انبیاء اور دوسرے لوگوں کے مابین کسی کو کسی سے افضل قرار دینا | ۲۰ |
| ۸۰ | انبیاء کے نام پر نام رکھنا | ۲۱ |
| ۸۰ | کسی نبی کو تکلیف پہنچانے والے یا ان کی توہین کرنے والے کا حکم | ۲۲ |

| صفحہ | عنوان | فقرہ |
|------|---|------|
| ۸۱ | انبیاء کی تصویر کا حکم | ۲۳ |
| ۸۱ | اللہ کے نبی محمد ﷺ | ۲۴ |
| ۸۱ | الف۔ نبی اکرم محمد ﷺ کی اقتدا و پیروی کرنا | ۲۵ |
| ۸۲ | ب۔ نبی اکرم محمد ﷺ کی خصوصیات | ۲۶ |
| ۸۳ | ج۔ محمد ﷺ پر ایمان لانا | ۲۷ |
| ۸۳ | د۔ محمد ﷺ سے محبت رکھنا | ۲۹ |
| ۸۵ | ھ۔ نبی کریم ﷺ کے لئے خیر خواہی | ۲۹ |
| ۸۵ | و۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر | ۳۰ |
| ۸۶ | آپ ﷺ کو پکارنے اور آپ کا نام لینے میں آپ کی توقیر | ۳۱ |
| ۸۶ | آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی توقیر اور آپ کے پاس آواز کو پست کرنا | ۳۲ |
| ۸۷ | نبی کریم ﷺ کی آل اور آپ کے صحابہ کی توقیر اور ان کے ساتھ بھلائی و محبت کا معاملہ کرنا | ۳۳ |
| ۸۸ | ز۔ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا | ۳۴ |
| ۸۸ | ح۔ نبی کریم ﷺ کے لئے وسیلہ کی دعا کرنا | ۳۵ |
| ۸۹ | ط۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ تقرب حاصل کرنا | ۳۶ |
| ۸۹ | ی۔ نبی کریم ﷺ کی شفاعت طلب کرنا | ۳۷ |
| ۸۹ | ک۔ نبی کریم ﷺ یا کسی دوسرے نبی کی قسم کھانا | ۳۸ |
| ۸۹ | ل۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے آثار سے برکت حاصل کرنا | ۳۹ |
| ۹۰ | م۔ نبی کریم ﷺ کے نام پر نام رکھنا اور آپ کی کنیت پر کنیت رکھنا | ۴۰ |
| ۹۰ | ن۔ نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا واجب ہونا | ۴۱ |
| ۹۰ | س۔ نبی کریم ﷺ کے طبعی افعال میں آپ کی اتباع کرنا | ۴۲ |
| ۹۱ | ع۔ نبی کریم ﷺ کا اجتہاد | ۴۳ |
| ۹۱ | ف۔ جس نے نبی کریم ﷺ کی تنقیص کی یا آپ کو حقیر جانا یا ایذا پہنچائی اس کا حکم | ۴۴ |
| ۹۱ | ص۔ نبی کریم ﷺ کے بارے میں گفتگو کرنے میں بے ادبی کرنے والے کا حکم | ۴۵ |
| ۹۲ | ق۔ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کا حکم | ۴۶ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|---|------|
| ۹۳-۹۵ | نتر | ۸-۱ |
| ۹۳ | تعریف | ۱ |
| ۹۳ | متعلقہ الفاظ: استنجا، استبراء | ۲ |
| ۹۳ | نتر سے متعلق احکام | ۴ |
| ۹۳ | نتر کی جگہ اور اس کا موقع | ۴ |
| ۹۴ | نتر کا حکم | ۵ |
| ۹۴ | نتر کے حکم میں اختلاف کا اثر | ۶ |
| ۹۵ | نتر کا طریقہ اور اس کی شرط | ۷ |
| ۹۵ | نتر کی تعداد | ۸ |
| ۹۶-۱۰۰ | نیف | ۱۱-۱ |
| ۹۶ | تعریف | ۱ |
| ۹۶ | متعلقہ الفاظ: حلق، استحداد، ہت | ۲ |
| ۹۶ | نیف سے متعلق احکام | ۵ |
| ۹۶ | محرم کا بال اکھیڑنا | ۵ |
| ۹۷ | حرم میں شکار کا پراکھیڑنا | ۶ |
| ۱۰۰ | چہرہ کا بال اکھیڑنا | ۹ |
| ۱۰۰ | بغل کا بال اکھیڑنا | ۱۰ |
| ۱۰۰ | سفید بال کا اکھیڑنا | ۱۱ |
| ۱۰۱-۱۰۳ | نثار | ۴-۱ |
| ۱۰۱ | تعریف | ۱ |
| ۱۰۱ | متعلقہ الفاظ: توزیع | ۲ |
| ۱۰۱ | شرعی حکم | ۳ |
| ۱۰۲ | کس کے لئے لینا جائز ہے اور کس کے لئے جائز نہیں ہے | ۴ |
| ۱۰۳-۱۴۶ | نجاست | ۵۶-۱ |
| ۱۰۳ | تعریف | ۱ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|------|---|-----|
| ۱۰۳ | متعلقہ الفاظ: طہارت، استنجاء | ۲ |
| ۱۰۴ | کیا چیز نجس ہے اور کیا نجس نہیں ہے | ۴ |
| ۱۰۵ | نجاست کی تقسیم، نجاست عینی اور نجاست حکمی | ۵ |
| ۱۰۷ | آدمی کی طہارت و نجاست | ۶ |
| ۱۰۹ | زندہ جانوروں کی طہارت و نجاست | ۸ |
| ۱۰۹ | الف۔ کتا | ۸ |
| ۱۰۹ | ب۔ خنزیر | ۹ |
| ۱۱۰ | شکاری جانور اور شکاری پرندے | ۱۰ |
| ۱۱۰ | مردار جانور کی طہارت و نجاست | ۱۱ |
| ۱۱۰ | الف۔ وہ مردار جانور جس میں ہنسنے والا خون نہیں ہے | ۱۱ |
| ۱۱۱ | ب۔ دریائی اور پانی و خشکی دونوں میں رہنے والا مردار جانور | ۱۲ |
| ۱۱۲ | ج۔ خشکی کا مردار جانور | ۱۳ |
| ۱۱۲ | د۔ جانور سے جدا شدہ عضو | ۱۴ |
| ۱۱۴ | ھ۔ جانور کی کھال | ۱۵ |
| ۱۱۴ | انسان اور جانوروں کے بدن سے نکلنے والی اشیاء کا حکم | ۱۶ |
| ۱۱۴ | الف۔ تھوک، رینٹ اور بلغم | ۱۶ |
| ۱۱۶ | ب۔ قتی و قلس (معدہ سے نکلنے والا پانی) | ۱۷ |
| ۱۱۷ | ج۔ جگالی کرنے والے جانور کی جگالی | ۱۹ |
| ۱۱۷ | د۔ جانور کا پسینہ | ۲۰ |
| ۱۱۷ | ھ۔ دودھ | ۲۱ |
| ۱۱۸ | و۔ اِنْفَح | ۲۲ |
| ۱۱۸ | ز۔ خون، پیپ | ۲۳ |
| ۱۱۹ | ح۔ حیض، استحاضہ اور نفاس کا خون | ۲۴ |
| ۱۲۰ | ط۔ مٹک، زباد اور عنبر | ۲۵ |
| ۱۲۱ | ی۔ پیشاب اور پاؤں | ۲۶ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|------|--|-----|
| ۱۲۲ | ک۔ منی، مزی اور ودی | ۲۷ |
| ۱۲۲ | ل۔ عورت کی شرمگاہ کی رطوبت | ۲۸ |
| ۱۲۳ | شراب کا حکم | ۲۹ |
| ۱۲۳ | نجاست سے ملنے والی چیز کا حکم | ۳۰ |
| ۱۲۳ | الف۔ دو خشک چیزوں کا ملنا، یا پاک خشک چیز کا ناپاک سیال یا تر چیز سے یا اس کے برعکس ملنا | ۳۰ |
| ۱۲۴ | ب۔ کسی سیال یا جامد چیز میں نجاست کا گرنا | ۳۱ |
| ۱۲۵ | ج۔ نجاست سے ملنے والے پانی | ۳۳ |
| ۱۲۵ | د۔ محل طہارت سے جدا ہونے والا پانی | ۳۴ |
| ۱۲۵ | ھ۔ کنویں کا ناپاک ہونا | ۳۵ |
| ۱۲۹ | نجاست کے حامل اور جس کو دوران نماز نجاست لگ جائے اس کی نماز | ۳۹ |
| ۱۳۰ | نجاستوں سے بچنا | ۴۰ |
| ۱۳۰ | نجاستوں سے طہارت حاصل کرنا | ۴۱ |
| ۱۳۱ | اگر دباء میں شراب رکھی جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ | ۴۲ |
| ۱۳۱ | نجاست اور ناپاک اشیاء کی بیج | ۴۳ |
| ۱۳۳ | نجاست سے اور ناپاک چیز سے پاک کئے بغیر اس سے فائدہ اٹھانا | ۴۴ |
| ۱۳۶ | جو چیز اکثر حالات میں ناپاک رہتی ہو اس کا استعمال | ۴۵ |
| ۱۳۷ | ناپاک رنگ سے خضاب کرنا اور کپڑوں کو رنگنا | ۴۶ |
| ۱۳۷ | نجاست سے دھونی دینا | ۴۷ |
| ۱۳۷ | نجاست سے علاج کرنا | ۴۸ |
| ۱۳۷ | ناپاک پانی کے ذریعہ کھیتی کی سینچائی کرنا اور نجاست کھاد میں ڈالنا | ۴۹ |
| ۱۳۸ | جانوروں کو نجاست یا ناپاک چارہ کھلانا | ۵۰ |
| ۱۳۹ | نجاست کے درجات | ۵۱ |
| ۱۳۹ | الف۔ نجاست غلیظہ | ۵۱ |
| ۱۴۱ | ب۔ نجاست خفیفہ | ۵۲ |
| ۱۴۳ | ج۔ جو نجاست معاف ہیں | ۵۳ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|--|--------------|
| ۱۴۷-۱۴۹ | نجش | ۶-۱ |
| ۱۴۷ | تعریف | ۱ |
| ۱۴۷ | متعلقہ الفاظ: سوم، مزایدہ | ۲ |
| ۱۴۷ | شرعی حکم | ۴ |
| ۱۴۸ | بیع نجش کا صحیح یا فاسد ہونا | ۵ |
| ۱۴۸ | رد کرنے میں مشتری کا اختیار | ۶ |
| ۱۴۹ | نجوم | دیکھئے: تجیم |
| ۱۴۹ | نجاس | دیکھئے: معدن |
| ۱۵۰-۱۵۲ | نحر | ۷-۱ |
| ۱۵۰ | تعریف | ۱ |
| ۱۵۰ | متعلقہ الفاظ: عقر | ۲ |
| ۱۵۰ | نحر سے متعلق احکام | ۳ |
| ۱۵۰ | الف- نحر کے ذریعہ ذبح کرنے کا طریقہ | ۳ |
| ۱۵۱ | ب- نحر کئے جانے والے جانور کو ذبح کرنا اور ذبح کئے جانے والے جانور کو نحر کرنا | ۴ |
| ۱۵۱ | ج- ایام نحر | ۵ |
| ۱۵۲ | د- نحر کی شرطیں | ۶ |
| ۱۵۲ | ه- نحر کے مستحبات | ۷ |
| ۱۵۲ | نخلہ | دیکھئے: ہبہ |
| ۱۵۳-۱۵۴ | نُخاع | ۵-۱ |
| ۱۵۳ | تعریف | ۱ |
| ۱۵۳ | متعلقہ الفاظ: نُخ، نُقرہ | ۲ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|---|------|
| ۱۵۳ | نخاع سے متعلق احکام | ۴ |
| ۱۵۳ | اول۔ ذبائح میں | ۴ |
| ۱۵۴ | دوم۔ زخمی کرنے میں | ۵ |
| ۱۵۶-۱۵۴ | نخامہ | ۶-۱ |
| ۱۵۴ | تعریف | ۱ |
| ۱۵۴ | متعلقہ الفاظ: مخاط، قلس | ۲ |
| ۱۵۵ | نخامہ سے متعلق احکام | ۴ |
| ۱۵۵ | نخامہ کی طہارت و نجاست | ۴ |
| ۱۵۵ | روزہ کی حالت میں نخامہ کا نگلنا | ۵ |
| ۱۵۵ | مسجد میں کھنکار پھینکنا | ۶ |
| ۱۵۶ | نخیل | |
| | دیکھئے: زکاۃ | |
| ۱۵۸-۱۵۷ | ندب | ۴-۱ |
| ۱۵۷ | تعریف | ۱ |
| ۱۵۷ | مندوب سے متعلق احکام | ۳ |
| ۱۵۷ | مندوب مامور بہ ہے یا مامور بہ نہیں ہے | ۳ |
| ۱۵۸ | میت پر رونا | ۴ |
| ۱۶۵-۱۵۸ | ندرت | ۱۳-۱ |
| ۱۵۸ | تعریف | ۱ |
| ۱۵۹ | متعلقہ الفاظ: غالب، شاذ | ۲ |
| ۱۵۹ | اول: ندرت (بمعنی قلت) سے متعلق احکام | ۴ |
| ۱۵۹ | کبھی نادر کو غالب پر مقدم کرنا | ۴ |
| ۱۶۰ | نادر اور غالب کو ایک ساتھ نظر انداز کرنا | ۶ |
| ۱۶۱ | نادر کو غالب کے ساتھ لاحق کرنا | ۷ |
| ۱۶۱ | نادر اگر دائی نہ ہو تو وہ قضاء کا متقاضی ہے | ۸ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|--|------|
| ۱۶۲ | نادرا گردائی ہو تو وہ غالب کے حکم میں ہوتا ہے | ۹ |
| ۱۶۲ | جس چیز میں بیع مسلم کیا جائے اس میں ندرت | ۱۰ |
| ۱۶۳ | نادرا الوجود میں عقد مضاربت | ۱۱ |
| ۱۶۳ | عدت پوری ہونے میں ندرت | ۱۲ |
| ۱۶۴ | دوم: ندرت (بمعنی معدن) سے متعلق احکام | ۱۳ |
| ۱۶۵ | ندم | |
| | دیکھئے: توبہ | |
| ۱۶۵-۲۵۳ | نذر | ۷۰-۱ |
| ۱۶۵ | تعریف | ۱ |
| ۱۶۵ | متعلقہ الفاظ: فرض، تطوع، بیہین | ۲ |
| ۱۶۶ | نذر کا مشروع ہونا | ۵ |
| ۱۶۷ | نذر کا حکم | ۶ |
| ۱۶۹ | نذر کے الفاظ | ۷ |
| ۱۷۰ | نذر کی اقسام | ۸ |
| ۱۷۲ | الف۔ نذر اللجاج | ۹ |
| ۱۷۵ | ب۔ نذر الطاعہ | ۱۳ |
| ۱۷۵ | اول: عبادات مقصودہ کی نذر | ۱۴ |
| ۱۷۶ | دوم: عبادات غیر مقصودہ کی نذر | ۱۵ |
| ۱۷۷ | ج۔ نذر المعصیہ | ۱۶ |
| ۱۸۱ | د۔ نذر المباح | ۱۸ |
| ۱۸۳ | مباح کی نذر پوری نہ کرنے کی صورت میں اس پر کیا واجب ہوگا | ۱۹ |
| ۱۸۴ | ھ۔ واجب کی نذر | ۲۰ |
| ۱۸۵ | اول: واجب علی العین کی نذر | ۲۱ |
| ۱۸۵ | دوم: واجب علی الکفایہ کی نذر | ۲۲ |
| ۱۸۷ | و۔ نذر مستحیل | ۲۳ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|------|---|-----|
| ۱۸۷ | ز۔ نذر مہم | ۲۴ |
| ۱۸۹ | اپنے تمام مملوکہ مال کے صدقہ کرنے کی نذر | ۲۵ |
| ۱۹۲ | مطلق نماز یا روزہ کی نذر کا حکم | ۲۶ |
| ۱۹۲ | الف۔ مطلق نماز کی نذر | ۲۶ |
| ۱۹۳ | ب۔ مطلق روزہ کی نذر | ۲۷ |
| ۱۹۴ | صوم دہر کی نذر | ۲۸ |
| ۱۹۵ | غیر معینہ مہینے کے روزہ کی نذر | ۲۹ |
| ۱۹۶ | ایسے مہینہ کے روزہ کی نذر جس کی ابتدا کسی غائب شخص کے آنے کے دن سے ہو اور اتفاق سے اس کا آنا رمضان کے شروع میں ہو | ۳۰ |
| ۱۹۷ | غائب کے آنے کے دن کے روزہ کی نذر ماننا، اتفاق سے اس کا آنا ایسے دن میں ہو جس دن روزہ رکھنا حرام ہے | ۳۱ |
| ۲۰۰ | جس نے مطلق ایک سال کے روزہ کی نذر مانی اس کے روزہ کا طریقہ (یعنی تسلسل واجب ہے یا نہیں) | ۳۲ |
| ۲۰۱ | تسلسل کے ساتھ نذر مانے ہوئے غیر معین روزہ میں عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ ترک کر دینا | ۳۳ |
| ۲۰۱ | الف۔ مسلسل روزہ کی نذر میں بلا عذر روزہ چھوڑ دینا | ۳۳ |
| ۲۰۲ | ب۔ مسلسل روزہ میں عذر کی وجہ سے نذر ماننے والے کا روزہ چھوڑ دینا | ۳۴ |
| ۲۰۴ | نذر مانے ہوئے معین روزہ میں عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ ترک کر دینا | ۳۵ |
| ۲۰۴ | الف۔ معین روزہ میں بلا عذر ترک روزہ کا حکم | ۳۶ |
| ۲۰۵ | ب۔ معین روزہ میں عذر کی وجہ سے نذر ماننے والے کا روزہ ترک کر دینا | ۳۷ |
| ۲۰۷ | روزہ کے لئے متعین مدت کے درمیان روزہ کے صحیح ہونے کی شرطیں نہ پائی جائیں | ۳۸ |
| ۲۰۸ | اعتکاف کی نذر اور اس کی وجہ سے نذر ماننے والے پر کیا واجب ہوگا | ۴۰ |
| ۲۰۸ | اول۔ معین مکان میں اعتکاف کی نذر | ۴۰ |
| ۲۰۸ | الف۔ مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر | ۴۱ |
| ۲۱۰ | ب۔ نبی کریم ﷺ کی مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر ماننا | ۴۲ |
| ۲۱۱ | ج۔ مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنے کی نذر | ۴۳ |
| ۲۱۴ | د۔ تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر ماننا | ۴۴ |
| ۲۱۵ | دوم۔ معین زمانہ میں اعتکاف کرنے کی نذر ماننا | ۴۵ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|------|--|-----|
| ۲۱۷ | سوم۔ معین زمانہ میں نذر مانے ہوئے اعتکاف میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت | ۴۶ |
| ۲۱۷ | الف۔ کسی خاص رات کے اعتکاف کی نذر میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت | ۴۷ |
| ۲۱۸ | ب۔ کسی خاص دن کے اعتکاف کی نذر میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت | ۴۸ |
| ۲۱۹ | ج۔ کسی مہینہ کے اعتکاف کی نذر میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت | ۴۹ |
| ۲۲۰ | د۔ رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی نذر میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت | ۵۰ |
| ۲۲۱ | چہارم۔ نذر مانے ہوئے اعتکاف میں تسلسل کا حکم | ۵۱ |
| ۲۲۱ | الف۔ جس نذر مانے ہوئے اعتکاف میں تسلسل کی شرط لگائی گئی ہو اس میں تسلسل کا حکم | ۵۱ |
| ۲۲۱ | ب۔ جس نذر مانے ہوئے اعتکاف میں تسلسل کی شرط نہ لگائی گئی ہو اس میں تسلسل کا حکم | ۵۲ |
| ۲۲۲ | پنجم۔ اعتکاف کرنے والا اپنے نذر مانے ہوئے اعتکاف کے دوران اپنے اوپر روزہ کو لازم کرے تو اس کا کیا حکم ہوگا | ۵۳ |
| ۲۲۲ | بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر ماننا | ۵۵ |
| ۲۲۵ | پیدل بیت اللہ جانے کی نذر کو پورا کرنے سے عاجز شخص کا حکم | ۵۶ |
| ۲۲۷ | پیدل مکہ یا اس کے کسی حصہ میں جانے کی نذر ماننا | ۵۷ |
| ۲۲۹ | پیدل مدینہ منورہ، بیت المقدس یا ان کی مساجد تک جانے کی نذر ماننا | ۵۸ |
| ۲۳۰ | جس شخص پر حج فرض ہو اس کا اسی سال بیت اللہ کے حج کی نذر ماننا | ۵۹ |
| ۲۳۱ | مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر ماننا | ۶۰ |
| ۲۳۱ | الف۔ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر | ۶۰ |
| ۲۳۳ | ب۔ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر ماننا | ۶۱ |
| ۲۳۴ | مکہ کے علاوہ کے لئے ہدیٰ کی نذر ماننا | ۶۲ |
| ۲۳۶ | تعیین کے بغیر ہدیٰ کی نذر ماننا | ۶۳ |
| ۲۳۷ | ایسی طاعت کی نذر جس کی طاقت نذر ماننے والے کو نہ ہو یا قدرت کے بعد اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے | ۶۴ |
| ۲۴۰ | نذر مانی ہوئی طاعت پر عمل کرنے سے قبل موت آ جائے | ۶۵ |
| ۲۴۰ | اول: جو شخص حج کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے پہلے مر جائے | ۶۵ |
| ۲۴۰ | الف۔ جو شخص حج کی نذر مانے اور اس کی ادائیگی پر قادر ہونے سے قبل مر جائے | ۶۵ |
| ۲۴۲ | ب۔ اگر کوئی شخص حج کی نذر مانے اور اس کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود مر جائے | ۶۶ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|---|-----|
| ۲۴۴ | دوم: اگر روزہ کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے قبل مرجائے | ۶۷ |
| ۲۴۸ | سوم: اعتکاف کی نذر ماننے والا اگر اس کو ادا کرنے سے پہلے مرجائے | ۶۸ |
| ۲۵۰ | چہارم: اگر کوئی شخص نماز کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے قبل مرجائے | ۶۹ |
| ۲۵۲ | پنجم: اگر کوئی صدقہ کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے قبل مرجائے | ۷۰ |
| ۲۵۵-۲۵۴ | فرد | ۳-۱ |
| ۲۵۴ | تعریف | ۱ |
| ۲۵۴ | متعلقہ الفاظ: شرطی | ۲ |
| ۲۵۴ | نزد کھیلنے کا حکم | ۳ |
| ۲۵۵ | نزاع | |
| | دیکھئے: دعویٰ | |
| ۲۵۷-۲۵۵ | نزول | ۶-۱ |
| ۲۵۵ | تعریف | ۱ |
| ۲۵۵ | نزول سے متعلق احکام | ۲ |
| ۲۵۵ | جمعہ کے خطیب کا اپنے خطبہ سے فارغ ہو کر اترنا | ۲ |
| ۲۵۶ | مسجد میں کفار کے وفد کا اترنا | ۳ |
| ۲۵۶ | سجدہ تلاوت کے لئے سوار کا اترنا | ۴ |
| ۲۵۶ | سجدہ تلاوت کے لئے خطیب کا اترنا | ۵ |
| ۲۵۷ | روزہ دار کے حق میں شہوت کے ساتھ منیٰ کا نکلنا | ۶ |
| ۲۶۱-۲۵۷ | نساء | ۴-۱ |
| ۲۵۷ | تعریف | ۱ |
| ۲۵۷ | متعلقہ الفاظ: نقد | ۲ |
| ۲۵۸ | نساء سے متعلق احکام | ۳ |
| ۲۵۸ | عقود میں نساء | ۳ |
| ۲۵۹ | شریک، وکیل اور مضارب کا ادھار فروخت کرنا | ۴ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|-------|---|
| ۲۶۱ | نساء | دیکھئے: امرأۃ |
| ۲۸۶-۲۶۱ | نسب | ۵۶-۱ |
| ۲۶۱ | | ۱ تعریف |
| ۲۶۱ | | ۲ متعلقہ الفاظ: عصبہ، ولاء، رحم، مصاہرۃ، رضاع، تعدد |
| ۲۶۳ | | ۸ نسب سے متعلق احکام |
| ۲۶۳ | | ۸ نسب کے اقرار کا حکم |
| ۲۶۳ | | ۹ نسب کے حقوق |
| ۲۶۴ | | ۱۰ نسب کے اسباب |
| ۲۶۴ | | ۱۱ سبب اول: نکاح |
| ۲۶۵ | | ۱۲ نکاح فاسد |
| ۲۶۶ | | ۱۳ نکاح فاسد میں نسب کی مدت کا اعتبار کب سے کیا جائے گا |
| ۲۶۶ | | ۱۴ شہر میں وطی کرنا |
| ۲۶۶ | | ۱۵ ایک عورت سے وطی میں شرکت |
| ۲۶۷ | | ۱۶ منی کو رحم میں داخل کرنے کی وجہ سے نسب کا ثبوت |
| ۲۶۷ | | ۱۷ زنا کی وجہ سے نسب کا ثبوت یا عدم ثبوت |
| ۲۶۷ | | ۱۸ سبب دوم: استنیلاد |
| ۲۶۷ | | ۱۹ ثبوت نسب کے دلائل |
| ۲۶۷ | | ۱۹ الف- فراش |
| ۲۶۹ | | ۲۰ ب- قیافہ |
| ۲۶۹ | | ۲۱ ج- وعودۃ |
| ۲۶۹ | | ۲۲ د- حمل |
| ۲۷۰ | | ۲۳ ہ- بینہ |
| ۲۷۰ | | ۲۴ و- اقرار |
| ۲۷۹ | | ۳۵ کسی شخص کے اقرار سے اس کے نسب کا ثبوت |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|--|------|
| ۲۷۹ | سفیہ اگر نسب کا اقرار کرے | ۳۶ |
| ۲۷۹ | نسب کے اقرار سے رجوع کرنا | ۳۷ |
| ۲۷۹ | لقیظ کا نسب | ۳۸ |
| ۲۷۹ | ز۔ قرعہ | ۳۹ |
| ۲۸۰ | ح۔ سماع | ۴۰ |
| ۲۸۲ | ط۔ قاضی کا فیصلہ | ۴۴ |
| ۲۸۴ | ی۔ بلا دعویٰ شہادت سے نسب کا ثابت ہونا | ۴۵ |
| ۲۸۴ | نسب میں حکم بنانا | ۴۶ |
| ۲۸۴ | نسب کے دعویٰ میں قسم کھلانا | ۴۷ |
| ۲۸۵ | نسب کے آثار | ۴۸ |
| ۲۸۵ | الف۔ نفقہ | ۴۸ |
| ۲۸۵ | ب۔ قصاص کا ساقط ہونا | ۴۹ |
| ۲۸۵ | ج۔ ولایت کا ثابت ہونا | ۵۰ |
| ۲۸۵ | د۔ میراث | ۵۱ |
| ۲۸۵ | ھ۔ نکاح کا حرام ہونا | ۵۲ |
| ۲۸۵ | کفایت میں نسب کا اعتبار | ۵۳ |
| ۲۸۵ | لعان کی وجہ سے نسب کا ختم ہو جانا | ۵۴ |
| ۲۸۶ | نسب قابل اسقاط نہیں ہے | ۵۵ |
| ۲۸۶ | نسب کی نفی پر متفق ہو جانا | ۵۶ |
| ۲۸۷-۲۹۰ | نسخ | ۱۱-۱ |
| ۲۸۷ | تعریف | ۱ |
| ۲۸۷ | متعلقہ الفاظ: تخصیص، محکم، تآویل | ۲ |
| ۲۸۷ | نسخ کی قسمیں | ۵ |
| ۲۸۸ | نسخ کا واقع ہونا | ۶ |
| ۲۸۸ | نسخ کے واقع ہونے کی شرطیں | ۷ |
| ۲۸۹ | ثقیل سے خفیف کی طرف اور اس کے برعکس نسخ کا جائز ہونا | ۸ |
| ۲۸۹ | آحاد کے ذریعہ متواتر نسخ | ۹ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|---|------|
| ۲۸۹ | سنت سے قرآن کا نسخ | ۱۰ |
| ۲۸۹ | حائضہ اور جنبی کے لئے منسوخ شدہ آیت کی تلاوت کرنا اور اس سے نماز ادا کرنا | ۱۱ |
| ۲۹۰ | نسر | |
| | دیکھئے: اُطعمہ | |
| ۲۹۰ | نسک | |
| | دیکھئے: حج، عمرہ | |
| ۲۹۵-۲۹۱ | نسل | ۱۲-۱ |
| ۲۹۱ | تعریف | ۱ |
| ۲۹۱ | نسل سے متعلق احکام | ۲ |
| ۲۹۱ | الف۔ نوع انسانی کی بقا کے لئے نسل کی اہمیت | ۲ |
| ۲۹۱ | ب۔ کثرت نسل پر فخر کرنا | ۳ |
| ۲۹۲ | ج۔ نسل کی محافظت | ۴ |
| ۲۹۲ | عزل سے روکنا | ۴ |
| ۲۹۲ | خصاء کا حرام ہونا | ۵ |
| ۲۹۲ | جس چیز سے نسل ختم ہو جائے یا کم ہو جائے اس کے استعمال کا ممنوع ہونا | ۶ |
| ۲۹۳ | استقاط حمل کا ممنوع ہونا | ۷ |
| ۲۹۳ | قطع نسل کا سبب بننے والے کی سزا | ۸ |
| ۲۹۳ | د۔ غصب کردہ جانور کی نسل کا تاوان | ۹ |
| ۲۹۴ | ھ۔ رہن رکھے ہوئے جانور کی نسل | ۱۰ |
| ۲۹۴ | و۔ وقف میں لفظ نسل استعمال کیا جائے تو اس میں کون لوگ داخل ہوں گے | ۱۱ |
| ۲۹۴ | ز۔ جانور کی نسل میں بیع سلم | ۱۲ |
| ۲۹۵ | نسیبہ | |
| | دیکھئے: نساء | |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|---|------|
| ۲۹۵-۳۱۴ | نسیان | ۱-۳۴ |
| ۲۹۵ | تعریف | ۱ |
| ۲۹۶ | متعلقہ الفاظ: خطا | ۲ |
| ۲۹۶ | اہلیت پر نسیان کا اثر | ۳ |
| ۲۹۸ | نسیان پر مرتب ہونے والے احکام | ۴ |
| ۲۹۸ | اول: اخروی حکم | ۴ |
| ۲۹۸ | دوم: دنیوی حکم | ۵ |
| ۲۹۹ | نسیان کی اقسام | ۶ |
| ۲۹۹ | پہلی قسم: مامور بہ کے ترک میں نسیان | ۶ |
| ۲۹۹ | الف۔ وضو کی ابتدا میں بسم اللہ کو بھول جانا | ۶ |
| ۳۰۰ | ب۔ وضو میں کسی عضو کا دھونا یا نہ رہے | ۷ |
| ۳۰۰ | ج۔ وضو کی کسی سنت کو بھول جانا | ۸ |
| ۳۰۰ | د۔ جنبی کا جنابت کو بھول کر حدث اصغر کے لئے تیمم کرنا | ۹ |
| ۳۰۰ | ھ۔ پانی بھول کر تیمم کرنا | ۱۰ |
| ۳۰۲ | و۔ فرض نماز کو بھول جانا | ۱۱ |
| ۳۰۲ | ز۔ بھول کر نماز کے کسی حصہ کو ترک کر دینا | ۱۲ |
| ۳۰۳ | ح۔ نمازی کا بدن یا کپڑے میں نجاست کو بھول جانا | ۱۳ |
| ۳۰۴ | ط۔ سجدہ سہو کو بھول جانا | ۱۴ |
| ۳۰۴ | ی۔ بھولے ہوئے مال کی زکاۃ | ۱۵ |
| ۳۰۵ | ک۔ رمضان کی قضا بھول گیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا | ۱۶ |
| ۳۰۵ | ل۔ جس روزہ میں تسلسل واجب ہو اس کے تسلسل کے ختم ہونے میں نسیان کا اثر | ۱۷ |
| ۳۰۵ | پہلا مسئلہ: بھول کر کھانا، پینا یا جماع کر لینا | ۱۷ |
| ۳۰۶ | دوسرا مسئلہ: جس روزہ میں تسلسل واجب ہے اس میں بھول کر نیت ترک کر دینا | ۱۸ |
| ۳۰۶ | تیسرا مسئلہ: ظہار کرنے والے کا بھول کر وطی کر لینا | ۱۹ |
| ۳۰۶ | م۔ متعین دن کے روزہ کی نذر کو بھول جانا | ۲۰ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|---|------|
| ۳۰۷ | ن۔ اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھے اور اس کو بھول جائے | ۲۱ |
| ۳۰۸ | س۔ کھانے اور پینے کے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے | ۲۲ |
| ۳۰۸ | ع۔ ذبح کے وقت بسم اللہ بھول جانا | ۲۳ |
| ۳۰۸ | ف۔ شہادت میں بھولنے کا اثر | ۲۴ |
| ۳۰۹ | دوسری قسم: جس ممنوع فعل میں اتلاف نہ ہو اس کو بھول کر کرنا | ۲۵ |
| ۳۰۹ | الف۔ آدمی کا اپنی حائضہ عورت سے بھول کر وطی کر لینا | ۲۵ |
| ۳۱۰ | ب۔ نماز میں بھول کر بات کر لینا | ۲۶ |
| ۳۱۰ | ج۔ نماز میں بھول کر کھانا پینا | ۲۷ |
| ۳۱۰ | د۔ رمضان میں بھول کر کھانا پینا یا جماع کرنا | ۲۸ |
| ۳۱۱ | ه۔ اعتکاف میں بھول کر جماع کرنا | ۲۹ |
| ۳۱۲ | و۔ حج میں بھول کر جماع کرنا | ۳۰ |
| ۳۱۲ | ز۔ طلاق میں بھول ہو جانا | ۳۱ |
| ۳۱۴ | تیسری قسم: جس ممنوع چیز کے کرنے میں اتلاف ہو اس کو بھول کر کرنا | ۳۴ |
| ۳۱۴ | نشل | |
| | دیکھئے: طرار | |
| ۳۱۵-۳۲۹ | نشوز | ۳۷-۱ |
| ۳۱۵ | تعریف | ۱ |
| ۳۱۵ | متعلقہ الفاظ: طاعة، اعراض، بغض | ۲ |
| ۳۱۶ | نشوز کا شرعی حکم | ۵ |
| ۳۱۸ | کس عمل سے زوجہ ناشزہ ہو جائے گی | ۶ |
| ۳۲۱ | نفقہ پر نشوز کا اثر | ۷ |
| ۳۲۲ | نشوز سے باز آ جانے کی وجہ سے نفقہ کا لوٹ آنا | ۸ |
| ۳۲۴ | مدت ایلاء میں نشوز کا اثر | ۹ |
| ۳۲۴ | زوجہ کے لئے باری میں نشوز کا اثر | ۱۰ |
| ۳۲۵ | ناشزہ کو زکاة کے مال سے دینا | ۱۱ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|---|-----|
| ۳۲۵ | ناشرہ کی تادیب کا مشروع ہونا اور اس کی تادیب کا حق | ۱۲ |
| ۳۲۶ | نشوز میں تادیب کیسے ہوگی | ۱۳ |
| ۳۲۷ | الف۔ وعظ | ۱۴ |
| ۳۲۸ | ب۔ ہجر | ۱۵ |
| ۳۲۹ | ج۔ ضرب | ۱۶ |
| ۳۳۱ | کیا ضرب کے مشروع ہونے کے لئے نشوز کی تکرار شرط ہے | ۱۷ |
| ۳۳۲ | تادیب کی مار میں ضمان | ۱۸ |
| ۳۳۳ | تادیب میں ترتیب | ۱۹ |
| ۳۳۴ | نشوز کے بارے میں زوجین کا اختلاف | ۲۰ |
| ۳۳۵ | شوہر کا نشوز یا اس کا اعراض کرنا | ۲۱ |
| ۳۳۷ | شوہر کا ظلم کرنا | ۲۲ |
| ۳۳۸ | زوجین میں سے ہر ایک کا دوسرے پر ظلم کرنا | ۲۳ |
| ۳۳۹ | زوجین کے درمیان شقاق کی صورت میں حکم بنانا | ۲۴ |
| ۳۴۰ | الف۔ وہ حالات جن میں حکمین بھیجے جائیں گے | ۲۵ |
| ۳۴۰ | ب۔ حکمین کے بھیجنے کا مخاطب اور اس کا حکم | ۲۶ |
| ۳۴۰ | ج۔ حکمین کا زوجین کے خاندان سے ہونا | ۲۷ |
| ۳۴۱ | د۔ حکمین کی شرطیں | ۲۸ |
| ۳۴۲ | ھ۔ حکمین کی صفت اور ان دونوں کی صلاحیت | ۲۹ |
| ۳۴۶ | و۔ ایک حکم کی تقرری | ۳۴ |
| ۳۴۷ | ز۔ حکمین کو کیا کرنا چاہئے | ۳۵ |
| ۳۴۸ | ح۔ زوجین میں سے کسی کا غائب یا مجنون ہونا | ۳۶ |
| ۳۴۹ | ط۔ حکمین کو وکیل بنانے سے زوجین کا گریز اختیار کرنا | ۳۷ |
| ۳۵۰-۳۵۰ | نصاب | ۵-۱ |
| ۳۵۰ | تعریف | ۱ |
| ۳۵۰ | متعلقہ الفاظ: مقدار | ۲ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|--|------|
| ۳۵۰ | نصاب سے متعلق احکام | ۳ |
| ۳۵۰ | الف۔ نماز جمعہ میں نصاب | ۳ |
| ۳۵۰ | ب۔ زکاۃ میں نصاب | ۴ |
| ۳۵۰ | ج۔ چوری کی حد میں نصاب | ۵ |
| ۳۵۱ | نصاری | |
| | دیکھئے: اہل کتاب | |
| ۳۵۱ | نصرۃ | |
| | دیکھئے: عاقلہ | |
| ۳۵۵-۳۵۱ | نصیب | ۱۵-۱ |
| ۳۵۱ | تعریف | ۱ |
| ۳۵۱ | متعلقہ الفاظ: فرض | ۲ |
| ۳۵۲ | نصیب سے متعلق احکام | ۳ |
| ۳۵۲ | اول۔ میراث میں نصیب | ۳ |
| ۳۵۳ | دوم۔ شرکت میں نصیب | ۴ |
| ۳۵۳ | شریک کے حصہ میں تصرف کرنا | ۴ |
| ۳۵۳ | شریک کے حصہ کا ضمان | ۵ |
| ۳۵۳ | سوم۔ تقسیم میں حصہ | ۶ |
| ۳۵۳ | تقسیم کرنے والوں کے حصہ کی مقدار کے مطابق تقسیم کرنے کی اجرت کو بانٹنا | ۶ |
| ۳۵۳ | اراضی کی تقسیم میں حصہ | ۷ |
| ۳۵۴ | تقسیم کرنے میں حصہ کی تعیین | ۸ |
| ۳۵۴ | تقسیم میں حصہ کی ملکیت اور اس میں تصرف کرنا | ۹ |
| ۳۵۴ | باری میں اپنے ساتھی کے حصہ سے شریک کا فائدہ اٹھانا | ۱۰ |
| ۳۵۴ | چہارم۔ شفعہ میں نصیب | ۱۱ |
| ۳۵۴ | دائر کردہ حق شفعہ کے حصہ میں شفیق کی ملکیت | ۱۱ |
| ۳۵۴ | جس حصہ میں حق شفعہ کا دعویٰ کیا گیا ہے اس میں مشتری کا تعمیر کرنا | ۱۲ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|---|------|
| ۳۵۵ | جس حصہ میں حق شفعہ دائر ہے اس میں دوسرے کا حق نکل آئے | ۱۳ |
| ۳۵۵ | جس حصہ میں حق شفعہ کا دعویٰ ہے اس کے ہلاک ہونے کا تاوان | ۱۴ |
| ۳۵۵ | پنجم۔ مشترک غلام میں حصہ کا آزاد کرنا | ۱۵ |
| ۳۶۲-۳۵۶ | نسیحت | ۱۵-۱ |
| ۳۵۶ | تعریف | ۱ |
| ۳۵۶ | متعلقہ الفاظ: خدیعہ، غش، تونخ | ۲ |
| ۳۵۷ | شرعی حکم | ۵ |
| ۳۵۸ | دین میں نسیحت کا درجہ | ۶ |
| ۳۵۸ | نسیحت کس کے لئے واجب ہوگی اور کیسے ہوگی | ۷ |
| ۳۶۰ | نسیحت کی ضرورت | ۸ |
| ۳۶۱ | پوشیدہ طور پر نسیحت کرنا | ۹ |
| ۳۶۱ | نسیحت کرنے میں اخلاص | ۱۰ |
| ۳۶۲ | نسیحت کرنے والے کی اہلیت | ۱۱ |
| ۳۶۲ | نسیحت مکارم اخلاق میں سے ہے | ۱۲ |
| ۳۶۳ | غائب کے لئے نسیحت | ۱۳ |
| ۳۶۳ | ذمی اور کافر کے لئے نسیحت | ۱۴ |
| ۳۶۴ | مسلمان زندگی میں اور مرنے کے وقت بھی نسیحت کرے گا | ۱۵ |
| ۳۶۶-۳۶۵ | نضح | ۴-۱ |
| ۳۶۵ | تعریف | ۱ |
| ۳۶۵ | نضح سے متعلق احکام | ۲ |
| ۳۶۵ | استنجاء کے بعد شرم گاہ اور پانچامہ پر پانی چھڑکنا | ۲ |
| ۳۶۵ | نضح کے ذریعہ بچہ کے پیشاب کو پاک کرنا | ۳ |
| ۳۶۶ | اونٹ کے ذریعہ سیراب کردہ پیداوار کی زکاۃ | ۴ |
| ۳۶۸-۳۶۷ | نطفہ | ۷-۱ |
| ۳۶۷ | تعریف | ۱ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|--|------|
| ۳۶۷ | متعلقہ الفاظ: علقہ، مضغہ، جنین | ۲ |
| ۳۶۸ | نطفہ سے متعلق احکام | ۵ |
| ۳۶۸ | الف۔ نطفہ سے عدت کا پورا ہونا | ۵ |
| ۳۶۸ | ب۔ نطفہ کو ساقط کرنا | ۶ |
| ۳۶۸ | ج۔ نطفہ پر جنایت | ۷ |
| ۳۶۹-۳۷۰ | نطق | ۶-۱ |
| ۳۶۹ | تعریف | ۱ |
| ۳۶۹ | متعلقہ الفاظ: عبارة | ۲ |
| ۳۶۹ | نطق سے متعلق احکام | ۳ |
| ۳۶۹ | الف۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا | ۴ |
| ۳۷۰ | ب۔ دنیوی تصرفات | ۵ |
| ۳۷۰ | ج۔ نطق کا ختم ہو جانا | ۶ |
| ۳۷۱-۳۷۲ | نطیجہ | ۶-۱ |
| ۳۷۱ | تعریف | ۱ |
| ۳۷۱ | متعلقہ الفاظ: مہیہ، منخہ، موقوذہ، متردیہ | ۲ |
| ۳۷۱ | اجمالی حکم | ۶ |
| ۳۷۲ | نظارۃ | |
| | دیکھئے: وقف | |
| ۳۷۲-۴۰۳ | نظر | ۳۵-۱ |
| ۳۷۲ | تعریف | ۱ |
| ۳۷۳ | متعلقہ الفاظ: رؤیت | ۲ |
| ۳۷۳ | نظر سے متعلق احکام | ۳ |
| ۳۷۳ | مرد کا عورت کو دیکھنا | ۳ |
| ۳۷۳ | مرد کا نوجوان اجنبی عورت کو دیکھنا | ۷-۳ |
| ۳۷۳ | قول اول | |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|------|---|-----|
| ۳۷۵ | قول دوم | |
| ۳۷۷ | قول سوم | |
| ۳۷۷ | قول چہارم | |
| ۳۷۸ | مرد کا بوڑھی اجنبی عورت کو دیکھنا | ۸ |
| ۳۷۹ | مرد کا نابالغہ بچی کو دیکھنا | ۹ |
| ۳۷۹ | مرد کا اپنی محرم عورتوں کو دیکھنا | ۱۰ |
| ۳۸۰ | جن مردوں کو شہوت نہ ہو ان کا عورت کو دیکھنا | ۱۱ |
| ۳۸۲ | نابالغ لڑکے کا اجنبی عورت کو دیکھنا | ۱۲ |
| ۳۸۳ | مراہق (قریب البلوغ بچہ) کا عورت کو دیکھنا | ۱۳ |
| ۳۸۴ | مرد کا عورت کے جدا شدہ عضو کو دیکھنا | ۱۴ |
| ۳۸۵ | مرد کا پانی یا آئینہ کی راہ سے عورت کو دیکھنا | ۱۵ |
| ۳۸۵ | مرد کا مردہ عورت کو دیکھنا | ۱۶ |
| ۳۸۵ | مرد کا مرد کو دیکھنا | ۱۷ |
| ۳۸۶ | مرد کا بے ریش نوجوان کا چہرہ دیکھنا | ۱۸ |
| ۳۸۶ | عورت کا مرد کو دیکھنا | ۱۹ |
| ۳۸۶ | عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا | ۱۹ |
| ۳۸۹ | عورت کا اپنے محرم مردوں کو دیکھنا | ۲۰ |
| ۳۹۰ | عورت کا عورت کو دیکھنا | ۲۱ |
| ۳۹۰ | مسلمان عورت کا کسی عورت کو دیکھنا | ۲۲ |
| ۳۹۱ | کافرہ عورت کا مسلمان عورت کو دیکھنا | ۲۳ |
| ۳۹۴ | بدکار عورت کا پاک دامن عورت کو دیکھنا | ۲۴ |
| ۳۹۴ | زوجین کا ایک دوسرے کو دیکھنا | ۲۵ |
| ۳۹۶ | انسان کا خود اپنی شرمگاہ کو دیکھنا | ۲۶ |
| ۳۹۶ | خنثی کا دیکھنا | ۲۷ |
| ۳۹۶ | جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے اس کی طرف دیکھنے میں رخصت | ۲۸ |
| ۳۹۶ | اچانک نگاہ پڑ جانا | ۲۹ |

| صفحہ | عنوان | فقہ |
|---------|---|-----|
| ۳۹۷ | ضرورت کی نگاہ | ۳۰ |
| ۳۹۷ | اول۔ پیغام نکاح کے لئے دیکھنا | ۳۱ |
| ۳۹۷ | دوم۔ علاج اور اس کے متعلقات کے لئے دیکھنا | ۳۲ |
| ۴۰۰ | سوم۔ قضاء و شہادت کے لئے دیکھنا | ۳۳ |
| ۴۰۲ | چہارم۔ معاملہ کرنے کے لئے دیکھنا | ۳۴ |
| ۴۰۳ | پنجم۔ تعلیم کے لئے دیکھنا | ۳۵ |
| ۴۰۳-۴۰۵ | نُعَاس | ۵-۱ |
| ۴۰۳ | تعریف | ۱ |
| ۴۰۳ | متعلقہ الفاظ: نوم، اِغْمَاء | ۲ |
| ۴۰۴ | نُعَاس سے متعلق احکام | ۴ |
| ۴۰۴ | وضو میں نُعَاس کا اثر | ۴ |
| ۴۰۴ | جمعہ کے دن مسجد میں نُعَاس | ۵ |
| ۴۰۵ | نُعَام | |
| | دیکھئے: اَطْعَمَہ | |
| ۴۰۵-۴۱۰ | نَعْي | ۹-۱ |
| ۴۰۵ | تعریف | ۱ |
| ۴۰۵ | متعلقہ الفاظ: نَدْب، نُوْح | ۲ |
| ۴۰۶ | نَعْي کے الفاظ | ۴ |
| ۴۰۶ | نَعْي کا شرعی حکم | ۵ |
| ۴۰۷ | مستحب نَعْي | ۶ |
| ۴۰۸ | مباح نَعْي | ۷ |
| ۴۰۹ | مکروہ نَعْي | ۸ |
| ۴۱۰ | حرام نَعْي | ۹ |
| ۴۱۱-۴۱۲ | نُفَاذ | ۵-۱ |
| ۴۱۱ | تعریف | ۱ |

| | | |
|-----|--------------------------|---|
| ۴۱۱ | متعلقہ الفاظ: اجازت، صحت | ۲ |
| ۴۱۱ | نفاذ کے احکام | ۴ |
| ۴۱۲ | نفاذ کے آثار | ۵ |
| ۴۱۳ | تراجم فقہاء | |

☆☆☆

موسوع فقہیہ

سائے کرہ

وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

ناحہ ۱-۲، ناب

اور بے صبری کا حکم دیتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے (۱)۔

شیرازی نے کہا ہے کہ محتسب (انسداد جرائم کا نگران) اظہار غم کے لئے جمع ہونے کی جگہوں اور مقابر کی نگرانی کرے گا، اگر میت پر رونے والی اور نوحہ کرنے والی کسی عورت کو پائے گا تو اس کو سزا دے گا اور اس کو منع کرے گا، کیونکہ نوحہ کرنا حرام ہے (۲)، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”النائحة ومن حولها في النار“ (۳) (نوحہ کرنے والی اور اس کے پاس رہنے والے جہنم میں داخل ہوں گے)۔

اس موضوع سے متعلق احکام کی تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”نیاحہ“۔

ناحہ

تعریف:

۱- لغت میں ناحہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو میت پر روئے اور اس کے محاسن کو بیان کرے (۱)۔

اس لفظ کا اصطلاحی معنی اس کے لغوی معنی سے الگ نہیں ہے (۲)۔

اجمالی حکم:

۲- فقہاء کی رائے ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت کو سزا دی جائے گی، اور توبہ کرنے تک اس کو قید میں رکھا جائے گا (۳)، اوزاعی کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے رونے کی آواز سنی تو اندر داخل ہوئے، ان کے ساتھ ایک آدمی اور تھا اور ان کو مارنے لگے، جب نوحہ کرنے والی عورت کے پاس پہنچے تو اس کو مارا، یہاں تک کہ اس کا دوپٹہ گر گیا، تو آپ نے فرمایا کہ مارو، کیونکہ یہ نوحہ کرنے والی ہے، اور قابل احترام نہیں ہے، یہ تمہارے غم کی وجہ سے نہیں رو رہی ہے، بلکہ تم سے روپے لینے کے لئے اپنے آنسو بہا رہی ہے، یہ تمہارے مردوں کو ان کی قبروں میں اور زندوں کو ان کے گھروں میں ایذا پہنچا رہی ہے، یہ صبر کرنے سے روکتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا ہے،

(۱) المغرب للمطری۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۵/۳۴، شرح المنہاج للمحلی ۱/۳۴۳، الزواجر ۱/۱۶۱۔

(۳) فتح القدیر ۴/۳۱۸، طبع الامیر۔

ناب

دیکھئے: ”سن“۔

(۱) الزواجر عن اقتراف الکبائر ۱/۱۶۰ طبع دارالمعارف۔

(۲) نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبہ ص ۱۱۰ طبع دارالثقافہ بیروت۔

(۳) حدیث: ”النائحة ومن حولها في النار“ کی روایت شیرازی نے ان الفاظ کے ساتھ نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبہ (ص ۱۱۰ طبع دارالثقافہ) میں کی ہے، اور حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے، ان الفاظ کے ساتھ کس نے اس حدیث کی روایت ہے ہمیں معلوم نہ ہو سکا، البتہ طبرانی (۱۲/۴۲۶، ۴۲۷ طبع العراق) نے ایک مرفوع روایت ان الفاظ میں ذکر کی ہے: ”النائحة ومن حولها من امرأة عليهم لعنة الله والملائكة والناس أجمعين“ اسے پٹمی نے مجمع الزوائد (۱/۱۹۱ طبع القدسی) میں نقل کیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی اسناد میں دو راوی ہیں جن کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

ناض

تعریف:

۱- ناض، لغت میں: نض فعل سے اسم فاعل ہے، کہا جاتا ہے: نض الماء پانی تھوڑا تھوڑا بہا، ماء ناض کا معنی ہے دیر تک باقی رہنے والا پانی، کہا جاتا ہے: نض الثمن: آسانی سے اور جلدی وصول ہوا، نض: خاموش درہم، سامان میں ناض اس کو کہتے ہیں جو نوٹ یا نقد کی صورت میں ہو جائے، اہل جاز دراہم و دنانیر کو نض اور ناض کہتے ہیں، اور اس کو ناض اس وقت کہتے ہیں جب وہ سامان کے بعد نقدی ہو جائے، اس لئے کہ کہا جاتا ہے: مانض بیدی منہ شیء (مجھ کو اس سے کچھ حاصل نہیں ہوا) حضرت عمرؓ کی حدیث میں ہے: وہ نقد مال سے زکاۃ لیتے تھے^(۱)۔ اور یہ وہ مال ہے جو سونا یا چاندی ہو، نوٹ یا نقدی ہو^(۲)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۳)۔

ناض سے متعلق احکام:

زکاۃ تجارت کے وجوب کے لئے نقد ہونے کی شرط لگانا:
۲- اگر تاجر مدیر ہو یعنی وہی خرید و فروخت کرتا ہو جیسے دوکان کے

(۱) حدیث عمرؓ: ”کان يأخذ الزکاۃ من ناض المال“ کی روایت ابن الاثیر

(النبہایہ ۲/۵ طبع دار الفکر) نے کی ہے۔

(۲) لسان العرب، المصباح الممیر۔

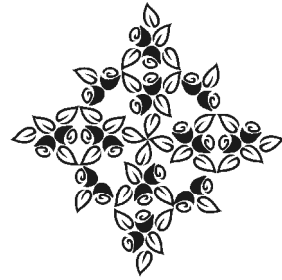
(۳) حاشیۃ الدسوقی ۳/۵۳۵، حاشیۃ الجمل ۲/۲۶۸، کشف القناع ۳/۵۰۶۔

نار

دیکھئے: ”إحراق“۔

نازلہ

دیکھئے: ”قنوت“، ”جائزہ“۔



ناض ۲

تک اس کا کچھ مال نقد نہ ہو جائے قیمت نہیں لگائے گا، اور اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی، امام مالک نے فرمایا: جو شخص نقد اور سامان دونوں کے بدلہ فروخت کرتا ہے وہی قیمت لگائے گا^(۱)۔

”الخطاب“ میں ہے: مشہور یہ ہے کہ نقد کے بغیر زکاۃ واجب نہ ہوگی، اور اگر سامان کو سامان سے فروخت کرے گا تو اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی، الرجراجی نے لین دین کرنے والے کے بارے میں کہا ہے کہ اگر وہ زکاۃ کو ساقط کرنے لئے وسیلہ کے طور پر سامان کو سامان سے فروخت کرتا ہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے، اس پر مذہب کے تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اور اس کے پاس جو بھی مال ہوگا اس کی زکاۃ اس سے وصول کی جائے گی، ابن جزئی نے کہا ہے: جو شخص سامان کو سامان سے فروخت کرتا ہے اور اس کے ثمن میں سے کچھ بھی اس کو نقد حاصل نہیں ہوتا ہے اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی، البتہ اگر وہ ایسا زکاۃ سے راہ فرار اختیار کرنے کے لئے کرتا ہے تو زکاۃ اس سے ساقط نہ ہوگی^(۲)۔

اگر کافر تا جرا اسلام قبول کر لے، اور وہ لین دین کرتا ہو اور اس کے اسلام لانے کے بعد اس کو کچھ نقد حاصل ہو جائے تو خواہ ایک ہی درہم ہو تو اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے سامان اور دیون کی قیمت لگائے گا اور اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد سال پورا ہونے پر اس کے پاس جو بھی نقد و سامان ہوگا اس کی زکاۃ ادا کرے گا، ایک قول یہ ہے کہ لین دین کرنے والے سامان میں سے جو کچھ اس نے فروخت کیا ہے اس کے ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد سال شمار کرے گا اگر وہ نصاب کے برابر ہو، اس لئے کہ اس کی حیثیت فائدہ کی طرح ہوگی، لہذا اگر نصاب سے کم ہوگا تو اس پر زکاۃ واجب

مالک، تو سامان تجارت کی زکاۃ کے بارے میں مشہور مذہب کے مطابق مالکیہ نے شرط لگائی ہے کہ کچھ مال نقد ہو جائے، خواہ کم ہی کیوں نہ ہو، مثلاً ایک درہم ہی کیوں نہ ہو، البتہ ایک درہم سے کم کا اعتبار نہیں ہے، لہذا اگر ایک درہم یا اس سے زائد نقد ہو جائے تو وہ سال کے آخر میں اپنے سامان تجارت کی قیمت لگائے گا، اور قیمت لگائی گئی اشیاء کی طرف سے زکاۃ سے نقد ادا کرے گا، خود سامان زکاۃ نہیں دے گا، خواہ یہ نقد شروع سال سے ہو یا درمیان یا آخر سال میں ہو^(۱)۔

اشہب نے ذکر کیا ہے کہ نصاب کے برابر نقد ہونا شرط ہے، اور ابن حبیب نے کہا ہے کہ وہ بہر حال زکاۃ ادا کرے گا، خواہ کچھ بھی نقد نہ ہو^(۲)۔

لہذا اگر تاجر کے پاس کچھ بھی نقد نہ ہو تو اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی، بخون نے ابن القاسم سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، جو تجارت کے لئے اپنے مال میں لین دین کرتا ہے، مگر اس کے پاس کچھ بھی نقد نہیں ہوتا ہے، چنانچہ اس نے اپنے تمام موجود مال کے بدلہ میں گندم خرید لیا، اور جب وہ مہینہ آیا جس میں وہ قیمت لگاتا ہے تو اس کا پورا مال جس میں تجارت کرتا ہے گندم ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس گندم کا چالیسواں حصہ ناپ کر کے مساکین کو زکاۃ میں دوں گا، قیمت نہیں لگاؤں گا ابن القاسم نے کہا ہے کہ مجھ سے امام مالک بن انس نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تجارت میں اپنے مال میں لین دین کرتا ہے اور اس کو کچھ بھی نقد حاصل نہیں ہوتا ہے وہ سامان کو صرف سامان سے فروخت کرتا ہے تو یہ شخص قیمت نہیں لگائے گا اور اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی، یعنی جب

(۱) المدونہ ۲۵۴/۲۵۵، ۲۵۵۔

(۲) الخطاب ۳۲۱/۲۔

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدرستی ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، الخطاب ۳۲۰/۲۔

(۲) الخطاب ۳۲۰/۲۔

ناض ۲

نہ ہوگی (۱)۔

پورا ہونے سے قبل اس سے کوئی سامان خرید لے تو نفع کی زکاۃ الگ اس کے سال کے پورے ہونے پر اور اصل کی زکاۃ الگ اس کا سال پورا ہونے پر نکالے گا، یہ اظہر قول کے مطابق ہے، اور خواہ یہ نقد بیع کی وجہ سے ہو یا کسی اجنبی کے ضائع کرنے کی وجہ سے ہو، لہذا اگر کوئی سامان دو سو درہم میں خریدے اور چھ ماہ کے بعد اس کو تین سو درہم میں فروخت کر دے اور درہم سال کے مکمل ہونے تک باقی رکھے یا اس سے کوئی سامان خرید لے اور سال کے آخر میں اس کی قیمت تین سو درہم کے برابر ہو تو وہ دو سو درہم کی زکاۃ ادا کرے گا اور پھر دوسرے چھ ماہ گزرنے پر ایک سو درہم کی زکاۃ ادا کرے گا، اظہر کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ اصل کا سال پورا ہونے پر نفع کی زکاۃ بھی ادا کرے گا جیسا کہ مادہ جانور میں سال پورا ہونے پر ان سے پیدا ہونے والے بچوں کی زکاۃ بھی ادا کی جاتی ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب نقد اس المال کی جنس سے ہو، لیکن اگر جس نقد سے سامان فروخت کیا گیا ہے وہ اس المال کی جنس سے نہ ہو تو وہ سامان کو سامان سے فروخت کرنے کی طرح ہوگا یعنی نفع کو اصل کے ساتھ ملا دیا جائے گا، یہی راجح مذہب ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو اس المال کی جنس سے ہونے میں ہے۔

اور اگر اس المال نصاب سے کم ہو، مثلاً کوئی سامان دو سو درہم میں خریدے اور چھ ماہ کے بعد اس کو دو سو درہم میں فروخت کر دے اور اس کو خریداری سے سال پورا ہونے تک باقی رکھے اور ہم صرف سال کے آخر میں نصاب کے پورا ہونے کا اعتبار کریں تو اگر مرجوح قول کے مطابق نقد نفع کو اصل کے ساتھ ملا دیں تو دونوں کی زکاۃ ادا کرے گا، اور اگر راجح قول کے مطابق نفع کو اصل کے ساتھ نہ ملائیں تو نفع کے دو سو درہم کی زکاۃ چھ ماہ کے بعد ادا کرے گا، اور اصل کے

مال مضاربت کے بارے میں ”المواق“ میں ہے کہ ابن رشد نے کہا ہے: اگر کام کرنے والا رب المال کے ساتھ موجود ہو اور دونوں لین دین کرتے ہوں تو جب تک مال نقد نہ ہو جائے اور وہ دونوں الگ نہ ہو جائیں ان پر زکاۃ واجب نہ ہوگی، اگرچہ اس کے قبضہ میں مال چند سال تک رہ جائے (۲)۔

”الدسوقی“ میں ہے: اگر عامل اور رب المال دونوں لین دین کرتے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی نقد ہو جانا کافی ہے، اور اگر صرف عامل لین دین کرتا ہو تو ضروری ہے کہ اس کے پاس کچھ نقد ہو جائے۔

المقتانی نے کہا ہے: کہ اس کے لئے نقد ہونا شرط ہے جس کے لئے فیصلے کا حق ہو (۳)۔

شافیہ کے نزدیک تجارت کے نفع کو اصل کے ساتھ ملانے اور نہ ملانے کے بارے میں نقد ہونے کا اثر ظاہر ہوگا۔

چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ سال کے دوران تجارت سے حاصل ہونے والا نفع سال میں اصل مال کے ساتھ ضم کیا جائے گا، اگر نقد نہ ہو لہذا اگر کوئی سامان دو سو روپے میں خریدے، اور سال پورا ہونے سے چند لمحہ قبل اس کی قیمت تین سو روپے ہو جائے تو وہ سال کے آخر میں مکمل سامان کی زکاۃ ادا کرے گا، خواہ یہ نفع خود سامان میں اضافہ کی وجہ سے ہو، مثلاً جانور ہو اور وہ موٹا ہو گیا ہو یا بازار میں گرانی کی وجہ سے حاصل ہوا ہو۔

لیکن اگر کل نقد ہو جائے، اور جو اس المال نصاب ہو اس کی جنس درہم یا دینار ہو جائے اور اس کو آخر سال تک روک رکھے یا سال

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۱/۳۷۷۔

(۲) المواق بہامش الخطاب ۲/۳۲۵۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی ۱/۳۷۷۔

ناض ۳-۴

لیکن اگر راس المال نقد نہ ہو مثلاً سامان کی شکل میں ہو تو اگر دونوں فنخ پر راضی ہوں تو جائز ہے^(۱)۔

اور اگر رب المال یا عامل اس کے نقد کرانے کا مطالبہ کرے تو مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر رب المال یا عامل مال کو نقد کرانے کا مطالبہ کرے تو صرف قاضی غور کرے گا کہ اس کو ابھی نقد کر لینا بہتر ہے یا تاخیر سے نقد کرانا اچھا ہوگا اور اسی کے مطابق حکم دے گا، تو اگر دونوں اس کو نقد کرانے پر متفق ہو جائیں تو جائز ہے، اسی طرح اگر قیمت لگا کر سامان کو تقسیم کر لینے پر متفق ہو جائیں تو یہ بھی درست ہے، اور اگر شرعی حاکم نہ ہو تو مسلمانوں کی جماعت یہ کام کرے گی اور اس کے لئے دو مسلمان کافی ہوں گے، العدوی نے اس کو ظاہر فرما دیا ہے کہ اگر ایک آدمی بھی ماہر ہو اور دونوں اس کے فیصلہ پر راضی ہوں تو یہ بھی کافی ہوگا^(۲)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ فنخ کے وقت اگر راس المال سامان ہو اور مالک اس کو نقد کرانے کا مطالبہ کرے تو عامل پر اس کو نقد کرانا لازم ہوگا، خواہ مال میں نفع ہو یا نہ ہو، اور اگر فنخ کے وقت مال نقد ہو لیکن راس المال کی جنس سے نہ ہو یا راس المال کی جنس سے تو ہو مگر اس کی حالت میں صحیح نہ ہو اور ٹوٹے ہوئے ہوں، تو یہ سامان کے حکم میں ہے۔

اور اگر مالک نقد کرانے کا مطالبہ نہ کرے تو نقد کرانا واجب نہ ہوگا، البتہ اگر مال، مجبور علیہ کا ہو اور اس کا فائدہ نقد کرانے میں ہو تو نقد کرانا واجب ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ اگر نفع نہ ہو تو عامل پر نقد کرانا واجب نہ ہوگا، کیونکہ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے^(۳)۔

= ۳۱۹/۲، ۳۲۰، کشاف القناع ۳/۵۰۶، ۵۰۷، المغنی ۵/۶۳

(۱) الدسوقی ۳/۵۳۵، مغنی المحتاج ۲/۳۱۹، المغنی ۵/۶۳

(۲) الشرح الکبیر ۳/۵۳۶، ۵۳۷

(۳) مغنی المحتاج ۲/۳۲۰

سود رہم کی زکاۃ اس سے قبل تجارت کا سال پورا ہونے پر ادا کرے گا اس لئے کہ نقد ہونا اس کے نصاب ہونے کو ختم نہیں کرے گا۔

اور اگر ہم پورے سال میں یا سال کے دونوں کناروں میں نصاب کے ہونے کا اعتبار کریں تو سب کے سال کی ابتدا فروخت کرنے اور نقد ہو جانے کے وقت سے ہوگی، اور جب سال پورا ہو جائے گا تو دوسو کی زکاۃ ادا کرے گا^(۱)۔

شرکت کے فنخ کرنے میں نقد ہونے کا اثر:

۳- شرکت جائز غیر لازم عقد ہے، ہر ایک شریک کو عقد شرکت کے فنخ کر دینے کا اختیار ہوتا ہے۔

یہ جمہور فقہاء کے نزدیک ہے، البتہ بعض فقہاء نے شرکت کے فنخ کرنے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ مال شرکت نقد یعنی درہم یا دنانیر کی شکل میں ہو، اگر مال شرکت سامان کی شکل میں ہو تو عقد شرکت کو فنخ کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ مال کے نقد ہونے تک شرکت باقی رہے گی، یہ فی الجملہ ہے۔

اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”شرکتہ العقد“ (فقہ ۵۶، ۵۷)۔

عقد مضاربہ کے فنخ کرنے میں نقد ہونے کا اثر:

۴- اگر مضاربہ کا راس المال نقد ہو جائے یعنی درہم یا دینار کی شکل میں ہو جائے، تو متعاقدین میں سے ہر ایک کے لئے عقد مضاربہ فنخ کر دینا جائز ہے، اس لئے کہ عقد مضاربہ عقد غیر لازمہ میں سے ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے^(۲)۔

(۱) مغنی المحتاج ۱/۳۹۹، شرح الحلی مع القلیو بی ۲/۲۹۲، ۳۰، الجمل علی شرح لمج

۲/۲۶۸، روضۃ الطالبین ۲/۲۶۹، ۲۷۰

(۲) البدائع ۶/۱۰۹، ۱۱۲، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۵۳۵، مغنی المحتاج

ناض ۵

اگر رب المال بیع کا مطالبہ کرے اور عامل انکار کرے تو صاحب ”المغنی“ نے دو صورتیں ذکر کی ہیں:

اول یہ کہ عامل کو بیع پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ جیسا اس سے نقد لیا ہے، اسی طرح نقد واپس کرنا اس پر لازم ہے۔

دوم یہ کہ اگر مال میں نفع نہ ہو یا نفع میں سے اپنا حق ساقط کر دے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ فسخ کی وجہ سے اس کا حق تصرف ختم ہو گیا ہے، اور وہ مال کے بارے میں اجنبی ہو گیا ہے، اور یہ اس وکیل کے مشابہ ہو گیا جو ایسی چیز خریدے جس کا واپس کرنا ضروری ہے، اور اس کی واپسی کے قبل ہی اس کی وکالت ختم ہو جائے^(۱) (تو اس پر اس چیز کو واپس کرنا ضروری نہ ہوگا)۔

اور اگر عامل بیع کا مطالبہ کرے اور رب المال انکار کرے اور مال میں بظاہر نفع ہو تو رب المال کو بیع پر مجبور کیا جائے گا، یہ اسحاق اور ثوری کا قول ہے، اس لئے کہ نفع میں عامل کا حق ہے، اور وہ فروخت کئے بغیر ظاہر نہیں ہو سکے گا، اور اگر بظاہر نفع نہ ہو تو اس کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اس میں عامل کا کوئی حق نہیں ہے، اور اس کا مالک اس کو اسی حال میں رکھنے پر راضی ہے، لہذا اس کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا^(۲)۔

عقد مضاربت کے فسخ ہو جانے کے بعد اس کے مکمل کرنے میں نقد ہونے کا اثر:

۵- جن صورتوں میں عقد مضاربت فسخ ہو جاتا ہے ان میں رب المال یا عامل کا مرجانا ہے، اسی طرح ان دونوں میں سے کسی کا پاگل ہو جانا ہے، اس لئے کہ عقد مضاربت عقد جائز (غیر لازم) ہے، لہذا وکالت کی طرح دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا جنون سے فسخ

(۱) المغنی ۵/۶۵۔

(۲) المغنی ۵/۶۴، کشف القناع ۳/۵۲۰۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ عقد مضاربت فسخ ہو جائے اور مال سامان کی شکل میں ہو اور رب المال سامان سے اپنا مال لینے پر راضی ہو جائے تو اس کو اس کا حق ہے، وہ سامان کی قیمت لگائے گا اور عامل کو اس کا حصہ دیدے گا، اس لئے کہ اس نے عامل سے بیع کو ساقط کر دیا، اور نفع میں اس کی تصدیق کی، لہذا اس کو اپنا مال فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، جس کے فروخت کرنے میں عامل کو کوئی فائدہ نہ ہو، اگر یہ عامل کے نفع کو ختم کرنے کا حیلہ نہ ہو مثلاً گرمی میں اوننی کپڑا خرید لے تاکہ جاڑا میں نفع حاصل کرے یا اسی طرح کا کوئی کام کرے تو اس کے نفع میں عامل کا حق باقی رہے گا، پھر اگر قیمت لگانے اور عامل کو اس کا حصہ دینے کے بعد قیمت بڑھ جائے تو عامل اس سے کچھ مطالبہ کرنے کا حق دار نہیں ہوگا، جیسا کہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت بڑھ جائے۔

اور اگر رب المال اس سامان سے اپنا مال لینے پر راضی نہ ہو اور فروخت کرنے کا مطالبہ کرے، یا عقد مضاربت کو فسخ کئے بغیر ابتدا ہی میں بیع کا مطالبہ کرے تو اس کو اس کا حق ہے، اور اس کو فروخت کرنا اور اس کے ثمن پر قبضہ کرنا عامل پر لازم ہوگا، اگرچہ مال میں نفع نہ ہو، اس لئے کہ عامل پر لازم ہے کہ جیسے مال نقد لیا ہے، اسی طرح نقد واپس کرے، اور اگر عامل پورا اس المال نقد کر دے اور مالک باقی کے نقد کرنے کا بھی مطالبہ کرے تو عامل پر اس المال کی طرح باقی کو نقد کرنا بھی لازم ہوگا۔

اور اگر اس المال درہم ہو اور نقد دینا ہو جائے یا اس کے برعکس ہو یعنی اس المال دینا ہو اور نقد درہم ہو جائے تو وہ سامان کے حکم میں ہے، اگر رب المال اس پر راضی ہو جائے ورنہ عامل پر لازم ہوگا، کہ اس المال جیسا تھا اس جنس میں نقد کرے^(۱)۔

(۱) کشف القناع ۳/۵۲۱۔

ناض ۵

ہو جاتا ہے، یہ جمہور فقہاء کے نزدیک ہے^(۱)۔
 اگر عقد مضاربت کسی ایک کی موت کی وجہ سے فسخ ہو تو مال کے
 نقد یا سامان کی شکل میں ہونے کے بارے میں فقہاء کے نزدیک کچھ
 تفصیلات ہیں:
 حنفیہ نے کہا ہے کہ متعاقبین میں سے کسی ایک کی موت کی
 صورت میں عقد مضاربت باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ عقد
 مضاربت میں وکالت بھی ہوتی ہے، اور مؤکل یا وکیل کی موت سے
 وکالت باطل ہو جاتی ہے، خواہ عامل کو رب المال کے مرجانے کا علم ہو
 یا نہ ہو اس لئے کہ یہ عزل حکمی ہے، لہذا علم پر موقوف نہ ہوگا جیسا کہ
 وکالت میں ہوتا ہے، البتہ اگر اس المال سامان ہو تو نقد ہونے تک
 وکیل کو فروخت کرنے کا حق ہوگا^(۲)۔

صاحب ”الدرمختار“ نے ”البرازیہ“ سے نقل کیا ہے کہ اگر عامل
 مرجائے اور مال سامان ہو تو اس کا وصی اس کو فروخت کرے گا اور اگر
 رب المال مرجائے اور مال نقد ہو تو تصرف کے حق میں وکالت باطل
 ہو جائے گی، اور اگر مال سامان کی شکل میں ہو تو رب المال کے شہر
 کے علاوہ دوسری جگہ سفر کرنے کے حق میں وکالت باطل ہو جائے گی،
 تصرف کے حق میں باطل نہ ہوگی، لہذا اس کو حق ہوگا کہ سامان یا نقد
 کے بدلہ اس کو فروخت کرے^(۳)۔

مالکیہ کے نزدیک عاقدین میں سے کسی کی موت سے عقد
 مضاربت فسخ نہیں ہوتا ہے، لہذا اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو اس
 کا وارث اس کے قائم مقام ہوگا^(۴)۔

(۱) بدائع الصنائع ۶/۱۱۲، الدر المختار علی حاشیہ ابن عابدین ۴/۸۹، مغنی المحتاج
 ۳/۱۹، المغنی ۵/۶۶۔
 (۲) بدائع الصنائع ۶/۱۱۲۔
 (۳) الدر المختار ۴/۸۹۔
 (۴) التفریح لابن الجلاب ۳/۱۹۶۔

ناض ۵

القاضی نے ایک دوسرا قول ذکر کیا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ عقد مضاربت موت کی وجہ سے باطل ہو چکا ہے، اور یہ ازسرنو سامان پر عقد مضاربت کیا جا رہا ہے، یہ قول قیاس کے مطابق ہے، اس لئے کہ اگر مال نقد ہو تو یہ ایک نیا عقد مضاربت ہوگا اور نفع میں عامل کا حصہ اس کی شرکت ہوگی جو اس کے ساتھ خاص ہوگی، رب المال کے لئے نہیں ہوگی۔

اور اگر مال خسارہ یا تلف کے ساتھ نقد کی صورت میں ہو تو ابتداء مضاربت کی حالت میں اس میں سے جو موجود ہوگا وہ اس المال ہوگا، لہذا اگر ہم یہاں ازسرنو عقد مضاربت کرنے کو جائز قرار دیں اور ان کی بنا عقد مضاربت ہو تو نفع میں سے عامل کا حصہ اس کے ساتھ خاص نہیں رہ جائے گا، اور نفع میں سے ان دونوں کا حصہ دونوں کے درمیان مشترک ہوگا، اور مال کے کم ہونے کی صورت میں عامل کے حق میں سامان کا حساب اس کی قیمت سے زیادہ کے ساتھ کیا جائے گا، اور یہ صورت عقد مضاربت میں جائز نہیں ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام احمد کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ وراثت کی اجازت سے خرید و فروخت کرے گا جیسا کہ عقد مضاربت کے فسخ ہونے کے بعد اس کی خرید و فروخت کرے گا۔

اور اگر عامل مر جائے یا پاگل ہو جائے اور مالک اس کے وارث یا ولی کے ساتھ ازسرنو عقد مضاربت کرنا چاہے تو اگر مال نقد کی صورت میں ہو تو جائز ہے جیسا کہ ہم نے رب المال کے مرنے کی صورت میں کہا ہے، اور اگر مال سامان کی شکل میں ہو تو ازسرنو عقد مضاربت کرنا جائز نہ ہوگا، البتہ اس طریقہ سے جائز ہو سکتا ہے جس طرح سامان پر نیا عقد مضاربت جائز ہوتا ہے، یعنی سامان کی قیمت لگائی جائے گی، اور عقد کے دن اس کی جو قیمت ہوگی اس کو اس

اور وہ اس کو سمجھ کر اس کو قبول کر لیں، اور کبھی کبھی سابق عقد کے واجبات کے مطابق نیا عقد کرنے کے لئے برقرار رکھنے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ عقد مضاربت کرنے والوں میں سے کوئی بھی مر جائے یا پاگل ہو جائے تو عقد فسخ ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ عقد جائز (غیر لازم) ہے، لہذا ان دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا جنون سے فسخ ہو جائے گا، جیسا کہ توکیل ختم ہو جاتی ہے، پھر اگر موت یا جنون رب المال کو ہو اور اس کا وارث یا ولی اس کو مکمل کرنا چاہے اور مال نقد کی صورت میں ہو تو یہ جائز ہے، اس المال اور نفع میں اس کا حصہ دونوں مل کر اس المال قرار پائے گا، اور نفع میں عامل کا حصہ شرکت ہوگی جو عام ہوگی، اور یہ عموم مانع نہ ہوگا اس لئے کہ شریک ہی عامل ہے اور یہ چیز تصرف سے مانع نہ ہوگی، اور اگر مال سامان کی صورت میں ہو اور وہ اس کو پورا کرنا چاہیں تو امام احمد کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائز ہے، اس لئے کہ انہوں نے علی بن سعید کی روایت میں کہا ہے کہ اگر رب المال مر جائے تو وراثت کی اجازت کے بغیر عامل کے لئے خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عامل عقد مضاربت پر باقی رہے گا، اس لئے کہ یہ عقد مضاربت کی تکمیل ہے، اس کی ابتدا نہیں ہے، نیز اس لئے کہ عقد مضاربت سامان میں اس لئے ممنوع ہے کہ علاحدگی کے وقت اس کا مثل یا اس کی قیمت واپس کرنی ہوگی، اور یہ الگ الگ وقت میں الگ الگ ہوتے ہیں، اور یہ صورت حال یہاں موجود نہیں ہے کیونکہ اس المال سامان کے علاوہ ہے اور اس کا حکم باقی ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عامل کو حق ہے کہ اس کو فروخت کر دے تاکہ اس المال حوالہ کر دے اور باقی کو تقسیم کر لے۔

(۱) اسی المطالب ۳۹۰/۲، معنی المحتاج ج ۱۹/۲، ۳۲۰۔

ناض ۶

دوسرے مال میں عامل کا نفع پہلے مال میں نفع کی طرح سے ہو مثلاً دونوں میں نفع کا تہائی ہو۔

اگر دوسرے مال میں عامل کے لئے مقرر شدہ نفع کا حصہ اس کے خلاف ہو جو پہلے مال میں مقرر کیا گیا ہے تو جائز نہ ہوگا، ان دونوں شرطوں کا تذکرہ خلیل نے کیا ہے۔

درریر اور دسوقی نے کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ اگر پہلا اس المال کے برابر نقد ہوا ہو تو دینا مطلقاً جائز ہوگا، خواہ دونوں میں نفع کا حصہ یکساں ہو یا الگ الگ ہو اگر دونوں نے ملانے کی شرط لگا دی ہو، ورنہ مطلقاً ناجائز ہوگا، خواہ دونوں میں نفع کا حصہ یکساں ہو یا الگ الگ ہو^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر رب المال عامل کو دو وقت میں دو ہزار دے تو عامل رب المال کی اجازت کے بغیر دونوں کو نہیں ملائے گا، اس لئے کہ دونوں کے لئے عقد الگ الگ ہے، لہذا دو عقد ہوں گے، اگر پہلے مال میں عامل کے تصرف کرنے سے قبل رب المال اس کو ملانے کی اجازت دے دے تو جائز ہے، اسی طرح اگر تصرف کرنے کے بعد بھی ملانے کی اجازت دے دے تو جائز ہے، بشرطیکہ پہلا مال نقد کی صورت میں ہو گیا ہو اور پورے مال میں ایک عقد مضاربت ہو جائے گا، اور اگر پہلے مال میں عامل نے تصرف کر دیا ہے اور وہ ابھی نقد کی شکل میں نہیں ہوا ہے، اور اس کو ملانے کی اجازت دے دی ہے تو ملانا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ پہلے عقد کا حکم برقرار ہے، لہذا اس کا نفع و نقصان اس کے ساتھ خاص ہوگا^(۲)۔

المال قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ جس کی طرف سے عمل ہوا تھا وہ مرچکا یا پاگل ہو چکا ہے اور اس کا عمل ختم ہو چکا ہے، اس نے کوئی اصل نہیں چھوڑی ہے جس پر اس کا وارث بنیاد رکھے۔

اگر مال نقد کی صورت میں ہو تو اس میں از سر نو عقد مضاربت کرنا جائز ہوگا اگر اس کو پسند کرے، لیکن اگر دونوں از سر نو عقد مضاربت نہ کریں تو وارث کے لئے خرید و فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ رب المال صرف اس کے مورث کے عمل پر راضی ہوا تھا^(۱)۔

عقد مضاربت کے متعدد ہونے کی صورت میں نقد ہونے کا اثر:

۶- مالک نے کہا ہے کہ پہلے مال کے بعد جس میں عامل عقد مضاربت کے طور پر کام کر رہا تھا رب المال نے اس کو دوسرا مال دے دیا تو اگر پہلا مال دراہم یا دنانیر کی شکل میں نقد ہو گیا ہو، یعنی اس نے خرید کردہ سامان کو فروخت کر کے اس کے ثمن دراہم یا دنانیر پر قبضہ کر لیا ہو، تو دوسرے مال میں دو شرطوں کے ساتھ عقد مضاربت جائز ہوگا۔

شرط اول یہ کہ پہلا مال نفع نقصان کے بغیر اس المال کے برابر نقد کی صورت میں ہو گیا ہو، اس طرح کہ اس المال ایک ہزار تھا اور نقد بھی ایک ہزار ہو گیا ہو، اور اگر نفع یا نقصان کے ساتھ نقد ہوا ہو تو جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اگر نفع کے ساتھ نقد ہوا ہو تو عامل کا نفع ضائع ہو جائے گا، اور اگر نقصان کے ساتھ نقد ہوا ہو تو دوسرا عقد کے خسارہ کی تلافی کرے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں کا حصہ یکساں ہو، اس طرح کہ

(۱) جواہر الإکلیل ۲/۱۷۴، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدر سوتی ۳/۵۲۵۔

(۲) کشاف القناع ۳/۵۱۶۔

(۱) المغنی ۵/۶۶، ۶۷۔

ناظر ۱-۴

ان دونوں میں تعلق یہ ہے کہ دونوں کو مسلمانوں کے مصالح اور ان کے اموال کی حفاظت و نگرانی کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، البتہ قیم کو قاضی مقرر کرتا ہے اور ناظر کو کبھی قاضی مقرر کرتا ہے، اور کبھی واقف مقرر کرتا ہے^(۱)۔

ناظر

ب- متولی:

۳- المتولی لغت میں تولى الامر سے اسم فاعل ہے، جب کوئی کسی چیز کی ذمہ داری قبول کر لے اور اس کا انتظام کرے، کہا جاتا ہے: تولیت فلانا (میں نے اس کی پیروی کی اور اس سے راضی ہوا)۔ فقہاء کی اصطلاح میں: متولی وہ شخص ہے، جس کو مال وقف میں تصرف کرنے اور اس کے معاملات کے انتظام کی نگرانی سپرد کی جائے۔

دونوں میں تعلق: ابن عابدین نے ”الخیر“ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ فقہاء کے کلام میں قیم، متولی، ناظر ایک ہی معنی میں ہیں، پھر کہا ہے: اگر الگ الگ استعمال ہو تو یہ ظاہر ہے^(۲)۔ لیکن اگر واقف متولی اور اس پر ناظر کی شرط لگا دے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو ناظر سے مراد نگران ہوگا۔

ج- وصی:

۴- لغت میں وصی اسماء اضداد میں سے ہے، اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی کو وصی مقرر کرے اور اس کو بھی کہتے ہیں جس کو وصی مقرر کیا جائے، اس معنی میں وصی فعل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہوگا،

(۱) غریب القرآن للآصفہانی، المعجم الوسیط، جواہر الکلیل ۲/۹۸، القلیونی وعمیرہ

۱۷۸/۳، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۳۱-۳۳۲

(۲) غریب القرآن للآصفہانی، المعجم الوسیط، المصباح المنیر، قواعد الفقہ للمبرکتی،

حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۳۱-۳۳۲

تعریف:

۱- لغت میں ناظر: نظر سے اسم فاعل ہے، نظر کا معنی کسی چیز کو دیکھنے اور اس کو سمجھنے کے لئے نگاہ و بصیرت کو استعمال کرنا ہے۔ نظرت فی الامر کا معنی ہے: میں نے اس میں غور و فکر کیا^(۱)۔ فقہاء کی اصطلاح میں وقف کا ناظر وہ شخص ہے جو وقف کا نگران اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہو، اس کی آمدنی کی حفاظت کرے اور اس کے واقف کی شرطوں کو نافذ کرے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- قیم:

۲- لغت میں القیم قام بالامر قیاماً وقوماً کا اسم ہے، یعنی اس نے انتظام و نگہبانی کا اہتمام کیا۔

فقہاء کی اصطلاح میں: قیم وہ شخص ہے جس کو قاضی ایسے شخص کی وصیتوں کو نافذ کرنے کے لئے مقرر کرے جس نے کسی متعین شخص کو وصیت نہ کی ہوتا کہ اس کی وصیت کو نافذ کرے، بچوں، پاگلوں اور سفہاء میں جو مجبور (پابند) ہوں ان کے امور کی نگرانی کرے، اور جو لوگ مفقود (گم شدہ) ہوں اور ان کا کوئی وکیل نہ ہو، ان کے اموال کی حفاظت کرے، مالکیہ اس کو مقدم القاضی کہتے ہیں۔

(۱) المعجم الوسیط، المصباح المنیر، المفردات فی غریب القرآن۔

(۲) کشف القناع ۴/۲۶۹۔

ناظر، ۵، نافلہ

کے مال کے لئے چند ناظر کا ہونا جائز ہے؟
ان احکام کی تفصیلات اصطلاح ”وقف“ میں ہے۔

نافلہ

دیکھئے: ”نفل“۔



جمع اوصیاء ہے، کہا جاتا ہے: ”أوصیت إلیہ بمال“ یعنی میں نے اس کے لئے مال کی وصیت کی، اوصیتہ بولدہ یعنی میں نے بچہ پر اس کو مہربانی کرنے کے لئے کہا^(۱)۔

اصطلاح میں: وصی اس شخص کو کہتے ہیں جس کو وصیت کنندہ کی موت کے بعد ان معاملات میں تصرف کرنے کا اختیار دیا جائے جن میں وصیت کنندہ کو تصرف کرنے کا اختیار تھا، یعنی اس کے قرضوں کی ادائیگی، ان کی وصولی، امانتوں کو واپس کرنا، ان کو واپس لینا، اس کی وصیت کو نافذ کرنا اگر کوئی وصیت ہو، اور اس کی اولاد پر ولایت کا ہونا جن پر خود اس کو ولایت حاصل ہو، یعنی جو بچے ہوں، پاگل ہوں، اور جن میں رشد محسوس نہ ہو، ان کے اموال کی حفاظت و نگرانی کرنا اور اس کی مصلحت کے مطابق ان کے اموال میں تصرف کرنا^(۲)۔

ناظر اور وصی میں تعلق یہ ہے کہ ناظر وقف کے معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے اور وصی وصیت وغیرہ کی تنفیذ کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس لئے وصی عام ہے۔

اجمالی حکم:

۵- فقہاء ناظر کے احکام کے بارے میں بحث کرتے ہیں کہ کیا ان کو واقف مقرر کرے گا یا قاضی؟ اور اس کی شرطیں کیا ہیں جن کا مکمل پایا جانا ضروری ہے، تاکہ وہ وقف کے اموال کے انتظام کرنے کا اہل ہو سکے، اور وقف کے اموال میں تصرف کرنے کے سلسلہ میں اس کے اختیارات کیا ہوں گے؟ اور جب اس کی اہلیت کی کوئی شرط مفقود ہو جائے تو کس کو حق ہوگا کہ ناظر کو معزول کر دے، اور کیا ایک وقف

(۱) المصباح المنیر، المفردات للآصفہانی، المعجم الوسیط، لسان العرب، مغنی المحتاج

۳۷، ۳۸، حاشیہ ابن عابدین ۵/۱۳۴، ۳۷، ۳۷۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۵/۱۳۴، ۳۷، جواہر الإکلیل ۲/۹۹، مغنی المحتاج

۳۷، ۳۷، المغنی لابن قدامہ ۶/۱۳۳، ۱۳۵۔

ناقصہ ۱-۳

کم ہو جانا ہے، مسائل کے اصول جمہور فقہاء کے نزدیک صرف تین ہیں:

اول: عادلہ: یہ وہ اصل ہے جس میں اصحاب فرائض کے سہام اصل مسئلہ کے ساتھ برابر ہوں، مثلاً کوئی عورت شوہر، ماں اور ایک اخیانی بھائی کو چھوڑ کر مر جائے تو شوہر کو نصف، ماں کو تہائی اور اخیانی بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا۔

دوم: ناقصہ (یا قاصرہ، یا عادلہ یا مسئلۃ الرد) یہ وہ اصل ہے جس میں اصحاب فرائض کے سہام اصل مسئلہ سے کم ہو جائیں، مثلاً کوئی عورت شوہر اور ماں کو چھوڑ کر مر جائے تو شوہر کو نصف، اور ماں کو تہائی ملے گا اور چھٹا حصہ جو ورثاء کے سہام سے زائد ہے باقی رہ جائے گا۔

سوم: عائکہ، یہ وہ اصل ہے جس میں اصحاب فرائض کے سہام، اصل مسئلہ سے زیادہ ہو جائیں مثلاً کوئی عورت شوہر، حقیقی بہن اور ماں کو چھوڑ کر مر جائے تو اس صورت میں شوہر کو نصف، حقیقی بہن کو نصف اور ماں کو تہائی ملے گا، یہاں اصحاب فرائض کے سہام اصل مسئلہ سے ٹکٹ زائد ہیں^(۱)۔

مسئلہ ناقصہ میں کن چیزوں کا مکمل پایا جانا ضروری ہے:

۳- چونکہ مسئلہ ناقصہ کی تعریف میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، اس لئے اس میں کن چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے، اس میں بھی ان کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک مسئلہ ناقصہ میں دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط: ورثاء کے سہام اصل مسئلہ سے کم ہوں، اگر زائد (۱) المبسوط ۲۹/۱۶۱، ۱۶۱، الفتاویٰ الہندیہ ۲۶/۳۶۸، شرح الزرقانی ۲۱۵/۸، حاشیہ الجبل علی المنجیح ۳۶/۴، المغنی لابن قدامہ ۲۸۷/۶۔

ناقصہ

تعریف:

۱- لغت میں ناقصہ نقص سے ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے: نقص الشئ ینقص نقصاً نقصاناً حصہ میں کم ہونا، گھٹ جانا، انتقص: کسی چیز کے مکمل ہونے کے بعد اس کا کچھ حصہ کم ہو گیا^(۱)۔

اصطلاح میں: حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ناقصہ اس مسئلہ کو کہتے ہیں جس میں (اصحاب فرائض) اصل مسئلہ سے کم ہوں، اور وہاں کوئی عصبہ بھی نہ ہو۔

حنابلہ اس مسئلہ کو ناقصہ کہتے ہیں جس میں نہ عول ہو، نہ رد ہو اور اس میں کوئی عصبہ ہو۔

جمہور کے نزدیک جو مسئلہ ناقصہ ہے، وہ حنابلہ کے نزدیک رد ہے^(۲)۔

مسئلہ ناقصہ کو کبھی قاصرہ اور عادلہ بھی کہتے ہیں^(۳)۔

مسئلہ ناقصہ کے نقصان کی وجہ:

۲- مسئلہ ناقصہ کے نقصان کی وجہ اصل مسئلہ سے سہام (حصوں) کا

(۱) لسان العرب، المصباح المنیر۔

(۲) المبسوط ۲۹/۱۶۱، ۱۶۱، حاشیہ ابن عابدین ۵۰۱/۵ طبع بولاق، شرح الزرقانی ۲۱۵/۸، حاشیہ الجبل علی المنجیح ۳۶/۴، کشاف القناع ۴/۴۳۰، مطالب اولی النہی ۵۸۰/۴، المغنی مع الشرح الکبیر ۳۱/۷ طبع المنار۔

(۳) المبسوط ۲۹/۱۶۱، حاشیہ ابن عابدین ۵۰۱/۵۔

ناقصہ ۴، ناقوس

ناقوس

دیکھئے: ”اہل کتاب“، ”معابد“۔



ہو جائیں تو عادلہ اور برابر ہوں تو عادلہ ہے۔

دوسری شرط: وراثت میں عصبہ میں سے کوئی نہ ہو، اگر ان میں عصبہ میں سے کوئی ہوگا تو وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے ترکہ کا باقی لے لے گا، اصحاب فرائض پر رد نہیں کیا جائے گا^(۱)۔

ان کے نزدیک اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کوئی عورت شوہر اور ماں کو چھوڑ کر مر جائے، تو شوہر کو نصف اور ماں کو تہائی ملے گا، اور چھٹا حصہ جو وراثت کے سہام سے زائد ہے باقی رہ جائے گا^(۲)۔

مسئلہ ناقصہ میں حنا بلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس میں عول اور رد نہ ہو اور اس میں عصبہ میں سے کوئی ہو^(۳) جیسے کوئی عورت شوہر اور باپ کو چھوڑ کر مر جائے^(۴)۔

مسئلہ ناقصہ کا حکم:

۴۔ جمہور علماء کی رائے ہے کہ مسئلہ ناقصہ میں اصحاب فرائض کے سہام دینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ کو رد کرنا واجب ہے، لیکن کن لوگوں پر رد کیا جائے گا اس کے بارے میں ان کے تین مختلف اقوال ہیں۔ اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”ارث“ (فقہہ ر ۶۳، ۷۳)۔

- (۱) الاختیار ۹۹/۵، الفتاویٰ الہندیہ ۶/۶۶۸، مواہب الجلیل ۶/۴۱۴، طبع دار الفکر، حاشیہ الدسوقی ۴/۶۶۵، طبع دار الفکر، حاشیہ البجوری علی ابن قاسم ۲/۷۷، طبع النجفی، الإقناع لشرف الدین المقدسی ۳/۹۳، طبع دار المعرفہ۔
- (۲) المبسوط ۲۹/۱۶۰، ۱۶۱، الفتاویٰ الہندیہ ۶/۶۶۸، شرح الزرقانی ۸/۲۱۵، حاشیہ الجمل علی المنہج ۴/۳۶، المغنی لابن قدامہ ۶/۲۸۷۔
- (۳) مطالب اولی النہی ۴/۵۸۰۔
- (۴) شرح فتہی الارادات ۱/۵۹۶۔

نباش ۱-۴

نباش اور سارق میں یہ تعلق ہے کہ نباش سارق سے خاص

ہے۔

طرار:

۳- لغت میں طرار وہ شخص ہے جو روپیوں کی تھیلی کاٹتا ہے، اور مالک کی غفلت میں اس کو لے لیتا ہے^(۱)۔

اصطلاح میں: طرار وہ شخص ہے جو تھیلی، جیب اور ہٹوہ کو کاٹ دیتا ہے اور اس میں جو کچھ ہوتا ہے مالک کی غفلت میں اس کو آہستہ سے نکال لیتا ہے^(۲)۔

الحادی نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ طرار وہ شخص ہے جو بیدار شخص کا مال اس کی غفلت میں لے لیتا ہے^(۳)۔

طرار اور نباش میں تعلق یہ ہے کہ دونوں ناحق خفیہ طور پر کوئی چیز لیتے ہیں، البتہ طرار اموال لیتا ہے جبکہ نباش کفن لیتا ہے۔

نباش سے متعلق احکام:

نباش سے متعلق بعض احکام درج ذیل ہیں:

نباش کو چور سمجھنا:

۴- اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نباش حرام کام کا ارتکاب کرنے والا ہے، البتہ نباش کو چور سمجھا جائے گا یا نہیں، اس پر چور کے احکام، ہاتھ کاٹنا وغیرہ جاری ہوں گے، یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

نباش

تعریف:

۱- نباش لغت میں نبش سے ماخوذ ہے، یعنی ذن شدہ شی کو نکالنا، کہا جاتا ہے: نبش المستور اور نبش عن المستور یعنی اس نے ظاہر کیا۔

نباش (کفن چور) وہ شخص ہے جو مردوں کی قبریں ان کے کفن اور زیورات چرانے کے لئے کھودتا ہے، نباشہ کفن چرانے کا پیشہ ہے^(۱)، فقہاء کی اصطلاح میں نباش وہ شخص ہے جو ذن کرنے کے بعد مردوں کے کفن چراتا ہے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

سارق:

۲- لغت میں سارق کا معنی دوسرے کا مال چھپا کر لینے والا ہے، یہ سرقہ سے ماخوذ ہے یعنی جس چیز کے لینے کا حق نہ ہو اس کو چھپا کر لینا۔

اصطلاح میں سارق وہ شخص ہے جو دوسرے کے مال کو مال کے مناسب محفوظ جگہ سے چھپا کر ظماً لے لے^(۳)۔

(۱) المعجم الوسيط۔

(۲) البحر الرائق ۲۰/۵، فتح القدير ۱۳۷/۵، الحاوی الکبیر ۱۲/۱۸۳۔

(۳) المفردات فی غریب القرآن، المصباح الممیر، المعجم الوسيط، معنی المحتاج

۱۵۸/۴

(۱) المصباح الممیر، المعجم الوسيط۔

(۲) المغنی ۲۵۶/۸، فتح القدير ۱۵۰/۵۔

(۳) منافع الدقائق فی شرح جامع الحقائق، لابی سعید الحادی ص ۷۵ طبع

الآستانہ۔

نباش ۴

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”من حرق حرقناه ومن غرق غرقناه ومن نبش قطعناه“^(۱) (جو جلانے گا ہم اس کو بھی جلائیں گے، جو ڈبوئے گا ہم اس کو بھی ڈبو دیں گے، اور جو قبر کھود کر کفن چرائے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ لیں گے)، فقہاء نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے مکمل نصاب کے برابر مال محفوظ مقام سے چرایا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے، لہذا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جیسا کہ اگر وہ کسی زندہ کا لباس چراتا (تو ہاتھ کاٹا جاتا) اس لئے کہ آدمی ہر حال میں محترم ہے، خواہ زندہ ہو یا مردہ ہو، نیز اس لئے کہ چوری خفیہ طور پر مال کو لینے کا نام ہے، اور یہ معنی نباش میں بھی پایا جاتا ہے، اور کفن کا کپڑا مردہ کو پہنانے سے قبل مال تھا تو مردہ کو پہننا دینے سے اس میں کوئی خلل نہیں پیدا ہو جائے گا، رہا محفوظ ہونا تو ابتداء آفرینش سے لوگوں میں یہ رواج ہے کہ وہ قبروں میں کفن کو محفوظ سمجھتے ہیں، اور قبر سے زیادہ محفوظ مقام پر اس کے محفوظ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، تو تمام لوگوں کے متفق ہونے کی وجہ سے قبر کفن کے لئے محفوظ متعین مقام ہوگی، اور اس کے محفوظ ہونے میں کسی طرح کا شبہ باقی نہیں رہ جائے گا، اس لئے کہ عام طور پر قبر سے زیادہ مضبوط مقام پر اس کو محفوظ نہیں کیا جاتا ہے^(۲) اور اس لئے کہ نبی ﷺ سے مروی ہے: ”أنه أمر بقطع المختفی“^(۳) (آپ نے مختفی کا ہاتھ کاٹنے

قول اول: جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، حنفیہ میں امام ابو یوسف، ابراہیم نخعی، حماد بن ابی سلیمان، ربیعہ بن ابی عبد الرحمن، اسحاق بن راہویہ، حسن بصری اور عمر بن عبد العزیز کا ہے کہ نباش چور سمجھا جائے گا، اور اس پر چوروں کے احکام جاری ہوں گے، لہذا اگر مردوں کا اتنا کفن چرائے جو نصاب سرقہ کے برابر ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اس لئے کہ کفن مال معقوم ہے، اور محفوظ جگہ یعنی قبر سے چرایا گیا ہے، جس طرح آبادی میں بند مکان محفوظ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ یہی رواج ہے اگرچہ اس میں کوئی نہ ہو، اسی طرح قبر بھی رواج کے مطابق مردہ کے کفن کے لئے محفوظ جگہ سمجھی جائے گی۔

ان حضرات نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے، ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ“^(۱) (اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے کرتوتوں کے عوض میں، اللہ کی طرف سے بطور عبرت ناک سزا کے، اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے)، سرقہ میں نباش بھی داخل ہے، اس کی دلیل حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ہے: ”سارق أمواتنا كسارق أحيائنا“^(۲) (ہمارے مردوں کا چور ہمارے زندوں کے چور کی طرح ہے)، سخی نسائی سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز سے نباش کے بارے میں لکھ کر پوچھا تو انہوں نے لکھا کہ وہ چور ہے۔

(۱) حدیث: ”من حرق حرقناه.....“ کی روایت بیہقی (معرفۃ السنن ۴۰۹/۱۲، طبع دار الوعی حلب) نے حضرت براءؓ سے کی ہے، پھر کہا کہ اسناد میں بعض راوی مجہول ہیں۔
 (۲) المبسوط للسرخسی ۱۵۹/۹، ۱۶۱، البحر الرائق ۶۰/۵، فتح القدر ۱۳۷/۱۵، الدرستی ۳۴۰/۴، الحاوی الکبیر ۱۷۱/۱۸۳ اور اس کے بعد کے صفحات، مغنی المحتاج ۱۹۶/۲، کشف القناع ۱۳۸۔
 (۳) حدیث: ”أنه أمر بقطع المختفی“ کے مرفوع ہونے کا علم نہیں ہو سکا البتہ حضرت عمر بن عبد العزیز پر موقوف ہو کر مروی ہے، اس کے الفاظ معمر سے اس طرح منقول ہیں: ”بلغني أن عمر بن عبد العزيز قطع نباشا“ اس کی

(۱) سورة مائدہ ۳۸۔
 (۲) اثر حضرت عائشہؓ کی روایت بیہقی نے (معرفۃ السنن ۴۰۹/۱۲، طبع دار الوعی حلب) میں کی ہے، اور ابن ابی شیبہ (۳۳/۱۰، طبع الدار السلفیہ) نے اس کی روایت ابراہیم اور شعبی پر موقوف ہونے کی صورت میں کی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: ”يقطع سارق أمواتنا كما يقطع سارق أحيائنا“۔

نباش ۵-۶

جگہ ہے، خواہ کہیں بھی ہو، اگر اس کو رواج کے مطابق پاٹ دیا گیا ہو، اور اس لئے کہ عام طور پر مردوں سے خوف محسوس ہوتا ہے^(۱)۔

اس مسئلہ میں شافعیہ نے اصح قول کے مطابق ان سے اختلاف کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: کفن چور کا ہاتھ کاٹنے میں یہ شرط ہے کہ جس قبر سے اس نے کفن چرایا ہے وہ یا تو محفوظ گھر میں ہو یا شہر کے آباد (علاقوں کے) قبرستانوں میں سے کسی قبرستان میں ہو یا ایسے قبرستان میں ہو جو آبادی کے کنارہ پر ہو، کہ جس وقت کفن چرایا جاتا ہے اس وقت اس آبادی سے آنے والوں کا پیچھے رہ جانا شاذ و نادر ہو، یا ایسے قبرستان میں ہو جس پر باخوہ نگران مقرر ہوں کہ وہ بھی محفوظ مکان کے درجہ میں ہے۔

اگر مقبرہ شہروں سے دور ہو یا غیر محفوظ جنگل میں ہو اور اس پر کوئی رکھوالی کرنے والا نہ ہو تو اصح قول کے مطابق ان کے نزدیک کفن چور کا ہاتھ کاٹنا واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ اس وقت قبر محفوظ نہ ہوگی، نیز اس لئے کہ وہ کسی خوف و خطر کے بغیر کفن لے سکتا ہے^(۲)۔

۶- شافعیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ کی رائے ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹنے میں یہ شرط ہے کہ کفن مشروع ہو، اگر کفن غیر مشروع ہو مثلاً مرد کو تین لفافوں سے زیادہ میں کفنا یا گیا ہو، یا عورت کو پانچ کپڑوں سے زیادہ کفن دیا گیا ہو، اور اس نے اس زائد کپڑے کو چرایا ہو تو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے کہ شرعاً اس کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے قبر اس کے لئے محفوظ جگہ نہیں ہے، جیسا کہ اگر کفن کے ساتھ کوئی دوسری چیز رکھ دی جائے، یا مردہ کے ساتھ خوشبو کا ڈبہ، سونا، چاندی یا جواہرات رکھ دیئے جائیں تو ان میں سے کسی چیز کے لئے لینے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے کہ یہ مشروع نہیں ہے، اور

کا حکم دیا ہے) اصمعی کہتے ہیں کہ اہل حجاز نباش کو مخفی کہتے ہیں یا تو اس لئے کہ وہ کفن کو چھپ کر لیتا ہے یا اس لئے کہ مردہ کا کفن لے لینے سے اس کا اظہار ہو جاتا ہے، کبھی اس کو مظہر بھی کہتے ہیں، اس طرح یہ اسماء اضداد میں سے ہے۔

جمہور کی ایک دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر نے میدان عرفات میں ایک کفن چور کا ہاتھ کاٹا، یہ حاجیوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے، اس لئے وہاں جو کچھ ہو وہ اس زمانہ کے علماء پر مخفی نہ رہا ہوگا، ان میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، نیز اس لئے کہ مردہ کا بدن قابل ستر ہے، اس کا چھپانا واجب ہے، لہذا مناسب ہے کہ اس کو چھپانے والی چیز کے چرانے میں ہاتھ کاٹنا واجب ہو، نیز اس لئے کہ جس مال کا اس کے مالکان کے پاس باقی رکھنا واجب ہے اس کی حفاظت کے لئے چوری میں ہاتھ کاٹنا مقرر کیا گیا ہے، تاکہ لوگ اس کو لینے میں خوف محسوس کریں، لہذا مردہ کے کفن کی چوری میں دو وجہ سے ہاتھ کاٹنا زیادہ ضروری ہے، ایک تو یہ کہ وہ خود اپنی حفاظت پر قدرت نہیں رکھتا ہے، دوسرے یہ کہ اگر اس سے لے لیا جائے تو دوبارہ اس کے انتظام پر وہ قادر نہیں ہے^(۱)۔

یہ فی الجملہ جمہور کا مذہب ہے، بعض تفصیلات اور شرطوں میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

۵- مالکیہ و حنابلہ کی رائے، شافعیہ کے نزدیک اصح کے بالمقابل قول (اور یہی ان حنفیہ کے کلام کا مفہوم ہے جو ہاتھ کاٹنے کے قائل ہیں) یہ ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹنے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ قبر جس سے کفن لیا گیا ہے شہر کے مانوس قبرستان میں ہو، بلکہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، خواہ قبر آبادی سے قریب ہو یا دور ہو، قبر کفن کے لئے محفوظ

= روایت ابن ابی شیبہ (۱۰/۳۴ طبع الدار السنلیہ) نے کی ہے۔

(۱) الدسوقی ۳/۳۰، کشف القناع ۶/۱۳۸، مغنی المحتاج ۳/۱۶۹، البسوط للرخسی ۱۶۰/۹، الحاوی للکبیر ۱۷/۱۸۳ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۱) الدسوقی ۳/۳۰، کشف القناع ۶/۱۳۸، مغنی المحتاج ۳/۱۶۹۔

(۲) الحاوی للکبیر للماوردی ۱۷/۱۸۹، مغنی المحتاج ۳/۱۶۹۔

نباش ۷-۸

خوف وغیرہ سے باہر نکالے بغیر اس کو چھوڑ دے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے کہ اس نے اس کو محفوظ جگہ سے پوری طرح نہیں نکالا ہے۔

شافعیہ نے مزید کہا ہے کہ اگر کفن کو میت کے ساتھ پوری قبر سے نکال لے، اور اس کے بدن سے نہ اتارے تو اس کا ہاتھ کاٹنے میں دو اقوال ہیں:

اول: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے کہ اس نے کفن کو مردہ کے بدن پر باقی چھوڑ دیا ہے۔

دوم: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اس لئے کہ اس نے کفن کو اس کی محفوظ جگہ سے باہر نکال لیا ہے^(۱)۔

ہاتھ کاٹنے میں ان کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ کفن میں مردہ موجود ہو، لہذا اگر مردہ کو کوئی درندہ کھا جائے، سیلاب اس کو بہا لے جائے اور کفن باقی رہ گیا ہو اور اس کو کوئی چور چرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ مالکیہ نے کہا ہے کہ مردہ سڑگل جائے اور کفن باقی رہ جائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اس لئے کہ قبر کا کفن کے لئے محفوظ جگہ ہونا ختم نہیں ہوا ہے۔

بعض شافعیہ نے ہاتھ کاٹنے میں یہ شرط لگائی ہے کہ قبر قابل احترام ہوتا کہ غصب کردہ زمین میں موجود قبر اس حکم سے نکل جائے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ خود مردہ بھی قابل احترام ہوتا کہ حربی کا فراس حکم سے نکل جائے^(۲)۔

۸- جو فقہاء کفن چور کو سارق قرار دیتے ہیں، ان کے درمیان اختلاف ہے کہ سمندر کو کفن کے لئے محفوظ مقام قرار دیا جائے گا؟ کہ اس کے چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب مردہ کو

مردہ کے ساتھ اس کو قبر میں چھوڑ دینا مال کو ضائع کرنا ہے اور ایک قسم کی حماقت ہے، لہذا وہ قبر میں محفوظ نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر مردہ کو تابوت میں چھوڑ دیا جائے اور وہ تابوت کو چرائے تو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ یہ مشروع نہیں ہے، چنانچہ تابوت میں دفن کرنے سے منع کیا گیا ہے، لہذا قبر اس کے لئے محفوظ جگہ نہ ہوگی۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر کفن بہت قیمتی ہو کہ اس جیسا کفن چوکیدار کے بغیر چھوڑنے کا رواج نہ ہو تو اس کے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا^(۱)۔

ظاہر مذہب کے مطابق مالکیہ کی رائے ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹنے میں کفن کا مشروع ہونا شرط نہیں ہے، لہذا اگر کسی کو دس کپڑوں میں دفن کیا جائے تو جو شخص شرعی کفن سے زائد کپڑے کو چرائے گا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، ”المدونہ“، ”الرسالۃ“، ”الجلاب“ اور ”المتلقین“ سے یہی ظاہر ہوتا ہے^(۲)۔

۷- جمہور فقہاء جو کفن چور کے ہاتھ کاٹنے کو جائز کہتے ہیں ان کی رائے ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹنے کے لئے یہ شرط ہے کہ قبر گہری ہو، جس قدر گہری قبر کھودنے کا رواج ہو، نیز اس کو عرف و رواج کے مطابق پاٹ دیا گیا ہو، لہذا اگر قبر گہری نہ ہو یا رواج کے مطابق پاٹی نہ گئی ہو تو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا^(۳)۔

اسی طرح ان حضرات کے نزدیک کفن کی وجہ سے ہاتھ کاٹنے میں یہ شرط ہے کہ کفن کو مردہ کے بدن سے اتارنے کے بعد پوری طرح قبر سے نکال لے، لہذا اگر لحد سے فضا کی طرف نکال لے، اور کسی

(۱) الحاوی الکبیر ۱/۱۸۳ اور اس کے بعد کے صفحات، مغنی المحتاج ۳/۱۹۶،

کشاف القناع ۶/۱۳۸، ۱۳۹، الدرستی ۴/۳۴۰۔

(۲) الدرستی ۴/۳۴۰۔

(۳) الحاوی الکبیر ۱/۱۹۰، کشاف القناع ۶/۱۳۸، ۱۳۹۔

(۱) مغنی المحتاج ۳/۱۶۹، الحاوی ۱/۱۸۷، ۱۹۰، کشاف القناع ۶/۱۳۸۔

(۲) مغنی المحتاج ۳/۱۶۹، ۱۷۰، کشاف القناع ۶/۱۳۸، ۱۳۹، دیکھئے: الحاوی

الکبیر ۱/۱۸۹۔

نباش ۹

کفن کے ساتھ سمندر میں بہا دیا جائے۔
 مالکیہ نے کہا ہے کہ قبر اور سمندر دونوں کفن کے لئے محفوظ جگہ ہیں، لہذا اس کے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، دسوقی نے کہا ہے کہ جب تک مردہ کفن میں ہو کفن کے لئے سمندر کا محفوظ مقام ہونا ظاہر ہے، البتہ اگر کوئی شخص سمندر وغیرہ میں ڈوب جائے تو اس کے بدن پر موجود سامان کو چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، یہ مالکیہ کے نزدیک ہے^(۱)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ جس مردہ کو سمندر میں بہا دیا جائے اس کے کفن کے لئے سمندر محفوظ جگہ نہیں ہے، لہذا اس کے لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے کہ یہ بالکل واضح اور ظاہر ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ اگر مردہ کو قبر کے کنارے رکھ دیا جائے اور کوئی اس کا کفن لے لے، اگر پانی میں ڈوب جائے تو اس کے لینے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے کہ پانی میں اس کو بہا دینا، اس کو محفوظ کرنا نہیں قرار دیا جائے گا، جیسا کہ اگر اس کو زمین کے اوپر چھوڑ دے اور آندھی وغیرہ کی وجہ سے وہ مٹی میں چھپ جائے^(۲)۔

”البحر الرائق“ میں کہا ہے: کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے کہ اس کی ملکیت میں شبہ پیدا ہو گیا ہے، کیونکہ درحقیقت مردہ کی ملکیت نہیں ہے، اور وارث کی ملکیت بھی نہیں ہے، اس لئے کہ مردہ کی حاجت مقدم ہے، اور ہاتھ کاٹنے کا جو مقصد ہے، یعنی برائی سے رکنا اس میں خلل ہے، اس لئے کہ یہ جرم خود ہی نادر الوجود ہے، اس حکم میں صحیح قول کے مطابق وہ قبر بھی داخل ہے، جو تالا بند گھر میں ہو، اسی طرح وہ بھی اس حکم میں داخل ہے کہ قافلہ میں تابوت ہو جس میں مردہ رکھا ہوا ہو اس میں سے کفن چرانے والے، اسی طرح اگر قبر سے کفن کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا چرانے والے، اس لئے کہ یہ سب محفوظ نہیں ہیں، اور اس گھر سے جس میں مردہ کی قبر ہے، کفن کے علاوہ کوئی دوسرا مال چرانے تو بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ یہ سمجھا جائے گا کہ قبر کی زیارت کے لئے گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہے، یہی حکم اس گھر سے چوری کرنے کا ہے جس میں مردہ رکھا ہوا ہو، کیونکہ یہ سمجھا جائے گا کہ مردہ کا جنازہ تیار کرنے کے لئے گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہے، یہ سب سے زیادہ ظاہر ہے، اس لئے کہ عام طور پر گھر میں داخل

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۳۰۰۔
 (۲) مغنی الحاج ۳/۱۷۰۔
 (۳) حدیث: ”لاقطع علی المختفی“ کی روایت زلیعی (نصب الرایہ ۳/۳۶۷ طبع مجلس العلمی) نے کی ہے، اور کہا ہے کہ غریب ہے، پھر ذکر کیا ہے ابن ابی شیبہ نے اس کی روایت حضرت ابن عباسؓ پر موقوف کر کے کی ہے: ”لیس علی النباش قطع“ یہ حدیث مصنف (۳۶۱۰ طبع الدار السنلیہ) میں ہے۔

(۱) المبسوط للسخی ۱۵۶/۹، ۱۵۹، البحر الرائق ۶۰/۵، دیکھئے: الحاوی الکبیر ۱۷/۱۱۸۳ اور اس کے بعد کے صفحات، فتح القدیر مع الحواشی ۵/۱۱۳ اور اس کے بعد کے صفحات۔

نباش ۱۰

ہونے کی اجازت ہوتی ہے (۱)۔
کفن باقی رہ جائے تو اللہ کے قانون کے مطابق وراثت اس کو آپس میں تقسیم کر لیں گے (۱)۔

اور اگر کفن کسی اجنبی یا کسی سردار کی طرف سے اس کے مال سے ہو تو مطالبہ کرنے والا مستحق فریق کفن کا پہلا مالک اجنبی یا سردار ہوگا، اس لئے کہ میت کی طرف ملکیت کو منتقل کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ وہ ابتداء مالک نہیں ہو سکتا ہے، لہذا کفن دینے والا ایسی عاریت پر دینے والا ہوگا جس میں رجوع نہ ہو جیسے دفن کے لئے زمین عاریت پر دینا ہے۔

اور اگر کفن بیت المال سے ہو تو امام المسلمین فریق ہوگا (۲)۔
حنا بلہ نے کہا ہے: کفن کی چوری میں وراثت فریق ہوں گے، اس لئے کہ مطالبہ کرنے میں وہی میت کے قائم مقام ہیں، اور اگر وراثت نہ ہوں تو اس کے دوسرے حقوق کی طرح اس میں بھی نائب امام فریق ہوگا، اگر کفن اجنبی کی طرف سے ہو تو بھی اس کی چوری میں وراثت ہی فریق ہوں گے، اس لئے کہ وہ اپنے مورث کے قائم مقام ہیں۔

اور اگر میت کو مثلاً درندہ کھا جائے اور کفن باقی رہ جائے تو یہ اس کا ہوگا جس نے تبرع کیا ہے، وراثت کا نہ ہوگا، بہوتی نے کہا ہے کہ بہت لوگوں نے اسی کو قطعی کہا ہے، صاحب ”الافتاح“ نے اس کو یقین کے ساتھ کہا ہے، اس لئے کہ میت کو مالک بنانا ناممکن ہے، لہذا یہ بقدر حاجت اباحت ہوگی، اور جب ضرورت ختم ہو جائے گی تو اس کے مالک کے لئے متعین ہو جائے گا (۳)۔

ابن الہمام نے ”فتح القدر“ میں کہا ہے: کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے کہ کفن کے مال ہونے میں کمی ثابت ہے، اس لئے کہ مال اس کو کہا جاتا ہے جس کی رغبت ہوتی ہے، اور اس میں بخل سے کام لیا جاتا ہے، اور جس شخص کو معلوم ہو جائے کہ اس کپڑے میں مردہ کو کفنایا گیا تھا تو وہ کفن سے نفرت کرے گا، شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کو نفرت نہ ہو، نیز شریعت نے حد کو اس لئے مشروع قرار دیا ہے کہ برائی سے روکا جاسکے، لہذا یہ اس برائی میں ہوگی جو کثرت سے پائی جاتی ہو، جس برائی کا وجود ہی نادر و نایاب ہو، اس میں حد مشروع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ بے ضرورت جگہ پر ہو جائے گی، اس لئے کہ اس سے رکنا طبعی طور پر پایا ہی جاتا ہے جیسا کہ ہم نے چوپائے سے وطی کرنے میں حد کے واجب ہونے کے سلسلہ میں کہا ہے (۲)۔

کفن چور کا فریق:

۱۰- کفن کی چوری میں فریق کون ہوگا اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے، شافعیہ کی رائے ہے کہ اس کے بارے میں فریق کفن کا پہلا مالک ہوگا۔

لہذا اگر کفن میت کے ترکہ سے یا وراثت کی طرف سے ہو تو وراثت ہی اس کی چوری میں فریق ہوں گے، اسی لئے اگر کوئی وارث یا کسی وارث کی اولاد چرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اگر کوئی شخص قبر کھول کر اس سے کفن لے لے اور کفن میت کے ترکہ سے دیا گیا ہو تو وراثت لینے والے سے اس کا مطالبہ کریں گے، اس لئے کہ وہ ان کی ملکیت ہے، اور اگر میت کو درندہ کھا جائے، یا سیلاب میں بہ جائے اور

(۱) البحر الرائق شرح کنز الحقائق ۶۰/۵، المبسوط ۱۵۹/۹، ۱۶۰، فتح القدر

(۱) مغنی المحتاج ج ۳، ۱۶۹/۳، ۱۷۰۔

(۲) مغنی المحتاج ج ۳، ۱۶۹/۳، دیکھئے: الحاوی الکبیر ۱۷، ۱۸۸ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۳) کشف الفتاح ۱۳۸/۶۔

نبش ۱-۴

دوم: بوسیدہ ہونے سے قبل ضرورت کی وجہ سے قبر کو کھولنا:
 ۳-۱ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ بوسیدہ ہونے سے قبل قبر کھولنا اگر کسی
 ضرورت یا شرعی غرض سے ہو تو جائز ہے، ان اغراض میں سے وہ بھی
 ہے جس کا تعلق مالی حقوق سے ہو اور وہ بھی ہے جس کا تعلق خود میت
 کے حقوق سے ہو اور وہ بھی ہے جس کا تعلق قبر کی جگہ سے ہو^(۱)۔
 اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نبش

تعریف:

الف- قبر میں گرے ہوئے مال کی وجہ سے اس کو کھولنا:
 ۴- فی الجملہ فقہاء کی رائے ہے کہ اگر قبر میں قابل قیمت مال
 گر جائے اور مردہ کے ساتھ دفن ہو جائے، تو قبر کھول کر مال نکال لیا
 جائے گا، جس مال کے نکالنے کے لئے قبر کھولی جائے گی، اس کے
 لئے کسی متعین حد کی شرط نہیں ہے، بلکہ اگر مال تھوڑا بھی ہو تو یہ جائز
 ہے، خواہ ایک ہی درہم ہو جیسا کہ حنفیہ و مالکیہ نے کہا ہے، یا ایک
 انگوٹھی ہو جیسا کہ شافعیہ و حنابلہ نے صراحت کی ہے^(۲)۔
 اس کھولنے کے حکم کے بارے میں فقہاء کی عبارتیں مختلف ہیں،
 کہ کیا یہ واجب ہے یا نہیں؟ اور کیا اس میں شرط ہے کہ میت میں کوئی
 تغیر نہ ہوا ہو یا شرط نہیں ہے؟

۱- لغت میں نبش، نبشت الارض نبشا سے ماخوذ ہے،
 زمین کو کھودنا، کہا جاتا ہے: نبشت السر یعنی میں نے راز کو ظاہر کیا،
 کہا جاتا ہے: نبشت الأرض والقبر والبئر، نبشت المستور،
 نبشت عن المستور، یعنی ظاہر کرنا، نبش کا معنی دفن کردہ شیئی کا
 نکالنا ہے، اسی سے نباش (کفن چور) ماخوذ ہے، جو مردوں کے کفن
 اور زیورات چرانے کے لئے ان کی قبریں کھولتا ہے، نباشہ کا معنی: قبر
 کھولنے کا پیشہ^(۱) (کفن چرانے کا پیشہ) ہے۔
 اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۲)۔

نبش سے متعلق احکام:

نبش سے متعلق چند احکام درجہ ذیل ہیں:

اول: بوسیدہ ہونے سے قبل بلا ضرورت قبر کو کھولنا:

۲- اس زمین سے متعلق ماہر باخبر لوگوں کے نزدیک بوسیدہ ہونے
 سے قبل قبر کو کھولنا حرام ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے اگر یہ کام
 بلا ضرورت ہو، اس لئے کہ اس میں میت کی بے حرمتی ہے^(۳)۔

= ۳۶۶/۱، ۳۶۷، دلیل الفالحین ۵۶۳/۴، المغنی لابن قدامہ ۵۱۱/۲،
 ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، المجموع للنووی ۳۰۳/۵۔
 (۱) حاشیہ ابن عابدین ۶۰۲/۱، جواہر الإکلیل ۱۱۷/۱، مغنی المحتاج ۳۶۶/۱، المغنی
 لابن قدامہ ۵۵۲/۲، ۵۵۳، ۵۵۴، المجموع للنووی ۳۰۳/۵۔
 (۲) حاشیہ ابن عابدین ۶۰۲/۱، جواہر الإکلیل ۱۱۷/۱، مغنی المحتاج ۳۶۶/۱،
 المجموع للنووی ۳۰۰/۵، ۳۰۳، المغنی لابن قدامہ ۵۵۳/۲، کشاف
 القناع ۱۴۵/۲۔

(۱) المصباح المنیر، المغرب فی ترتیب العرب، المعجم الوسیط۔

(۲) مغنی المحتاج ۳۶۷/۱۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۶۰۲/۱، جواہر الإکلیل ۱۰۸/۱، ۱۱۷، مغنی المحتاج

نیش ۵

ہوگا، جیسا کہ وارث کو کچھ نہیں ملے گا اگر مال قیمتی نہ ہو یعنی ایسا مال ہو جس کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر قبر میں ایسا مال گرجائے جو عرف میں قابل قیمت ہو یا اس کا مالک اس میں ڈال دے تو قبر کھولی جائے گی اور اس سے بعینہ وہی مال لے لیا جائے گا کہ اس کے لینے میں کوئی ضرر نہیں ہے، اس لئے کہ مروی ہے: ”أن المغيرة بن شعبة[ؓ] وضع خاتمه في قبر رسول الله ﷺ ثم قال: خاتمي، فدخل وأخذه وكان يقول: أنا أقربكم عهداً برسول الله ﷺ“^(۲) (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی انگوٹھی رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک میں رہ گئی تو انہوں نے کہا کہ میری انگوٹھی! پھر اندر گئے اور اس کو لے لیا، اور وہ کہتے تھے کہ میں تم لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب العہد ہوں) امام احمد نے کہا ہے کہ اگر قبر کھونے والا اپنا پھاوڑا قبر میں بھول جائے تو قبر کھولنا جائز ہے^(۳)۔

ب۔ اس مال کی وجہ سے قبر کھولنا جس کو میت نے نکل لیا ہو:

۵۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کا مال نکل لے اور اس کے پاس کوئی مال نہ ہو، اور مرجائے تو کیا اس کا پیٹ پھاڑا جائے گا؟ اس میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: اس پر قیمت واجب ہوگی، اس کا پیٹ نہیں پھاڑا

(۱) جواہر الإكليل ۱/۱۱۷، الخرشبي مع حاشية العدوي ۲/۱۲۴، ۱۳۵۔

(۲) حدیث: ”أن المغيرة بن شعبة وضع خاتمه“ کی روایت ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۹/۶۰ طبع دار الفکر) میں کی ہے، اور نووی نے المجموع (۵/۳۰۰ طبع المنیر یہ) میں کہا ہے کہ حضرت مغیرہ کی حدیث ضعیف اور غریب ہے، پھر ابو احمد الحاکم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۳) کشف القناع ۲/۱۳۵۔

میں تغیر پیدا ہو گیا ہو، اگرچہ مال ترکہ کا ہو یا بیت المال کا ہو، جب تک اس کا مالک چشم پوشی نہ کرے، لہذا اگر مالک اس کا مطالبہ نہ کرے تو قبر کھولنا حرام ہوگا، جیسا کہ بعض فقہاء شافعیہ نے کہا ہے، شریبنی خطیب نے کہا ہے کہ کفن پر قیاس کرتے ہوئے بظاہر یہی رائے قابل اعتماد ہے، زرکشی نے کہا ہے کہ جب تک مال کا مالک مجبور علیہ (پابند) نہ ہو یا ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کے بارے میں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے، ابن القاسم عبادی نے کہا ہے کہ یہ رائے ظاہر ہے بعض فقہاء کی رائے ہے کہ قبر کھولنا واجب ہے، خواہ اس کا مالک مطالبہ کرے یا نہ کرے، اور خواہ میت میں تغیر واقع ہو گیا ہو، اس لئے کہ اس میں اس کو چھوڑ دینا یا مال کو ضائع کرنا ہے^(۱)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ مٹی ڈالنے کے بعد صرف آدمی کے حق کی وجہ سے نکالا جائے گا مثلاً قبر میں کوئی سامان گرجائے یا غصب کئے ہوئے کپڑے میں کفنا یا گیا ہو، یا اس کے ساتھ مال دفن ہو گیا ہو اگرچہ مال ایک ہی درہم ہو^(۲)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ جن چیزوں کی وجہ سے قبر کھولی جاتی ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بھول کر اس کے ساتھ مال رہ جائے مثلاً کوئی کپڑا یا انگوٹھی یا دنانیر، لیکن اگر مال میت کے علاوہ کسی دوسرے کا ہو تو مطلقاً نکالا جائے گا، اور اگر میت کا ہو تو جب قیمتی ہو اور وراثت چشم پوشی سے کام نہ لیں تو نکالا جائے گا^(۳)۔

مالکیہ نے قبر کھولنے کے جائز ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ میت میں تغیر نہ ہو، لہذا اگر میت میں تغیر ہو گیا ہو تو غیر وارث کو اس کا عوض لینے پر مجبور کیا جائے گا، اور اس کے وارث کے لئے کچھ نہ

(۱) المجموع للعدوي ۵/۳۰۰، ۳۰۳، تحفة المحتاج مع الحاشيتين ۳/۲۰۴، مغنی المحتاج ۱/۳۶۶۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۰۲، فتح القدر ۲/۱۰۱۔

(۳) جواہر الإكليل ۱/۱۱۷، الخرشبي وبهامش حاشية العدوي ۲/۱۲۴، ۱۳۵۔

عیش ۵

مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر اپنی زندگی میں مال نکل جائے اور مرجائے اور مال ابھی اس کے پیٹ میں ہو تو اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا، خواہ اس کا مال ہو یا کسی دوسرے کا ہو، بشرطیکہ مال زیادہ ہو جو نصاب زکاۃ کے برابر ہو جائے، البتہ اس میں یہ قید ہے کہ یہ اس صورت میں ہوگا جبکہ اس پر بینہ قائم ہو جائے^(۱)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر میت موتی یا کوئی دوسرا مال نکل جائے تو دیکھا جائے گا، اگر اس نے اپنا مال نکل لیا ہے تو خطیب وغیرہ نے اس کو راجح کہا ہے کہ مال نکالنے کے لئے اس کی قبر نہیں کھولی جائے گی اور اس کا پیٹ نہیں چاک کیا جائے گا، اس لئے کہ اس نے اپنی حیات میں اپنا مال ضائع کیا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ایک قول یہ ہے کہ اگر اپنا مال نکل جائے تو اس کو برآمد کرنے کے لئے اس کی قبر کھولی جائے گی اور اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا، اس لئے کہ اس کے مرنے کے بعد یہ مال اس کے ورثاء کا ہو گیا ہے، لہذا یہ اجنبی کے مال کی طرح ہوگا^(۲)۔

اگر نگلا ہو مال دوسرے کا ہو پھر وہ مرجائے اور دفن کر دیا جائے اور اس کا مالک مطالبہ کرے اور ورثاء میں سے کوئی یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اس کے بدل کا ضامن نہ ہو تو واجب ہوگا کہ مال کو برآمد کرنے کے لئے اس کی قبر کھولی جائے اور اس کا پیٹ چاک کیا جائے، اور اس کے مالک کو دے دیا جائے، لیکن اگر ورثاء میں سے کوئی یا کوئی دوسرا آدمی اس کا ضامن ہو جائے یا صاحب مال کو اس کا بدل ادا کر دے تو اس وقت اس کی قبر کو کھولنا اور اس کے پیٹ کو چاک کرنا حرام ہوگا، اس لئے کہ اس کا بدل اس کے قائم مقام ہوگا اور مردہ بے حرمتی سے بچ جائے گا، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا اگر مال کا مالک

(۱) جواہر الإکلیل ۱/۱۱۷۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۳/۲۰۴، قلیوبی وعمیرہ ۱/۵۲۳، المجموع للنووی ۵/۳۰۰۔

۳۰۳۔ مفتی المحتاج ۱/۳۶۶۔

جائے گا، اس لئے کہ اس میں ادنیٰ یعنی مال کو بچانے کے لئے اعلیٰ یعنی آدمی کی حرمت باطل ہوگی، نیز اس لئے کہ مسلمان کا احترام مرنے کے بعد اسی طرح واجب ہے جیسے اس کی زندگی میں واجب ہے، اگر مال نکل جائے اور وہ فضلات کے ساتھ باہر نہ نکلے تو زندگی میں اس کا پیٹ نہیں پھاڑا جائے گا، یہ متفق علیہ ہے، تو اسی طرح مرنے پر بھی نہیں پھاڑا جائے گا۔

دوسرا قول: اس کا پیٹ پھاڑا جائے گا، اس لئے کہ آدمی کا حق اللہ تعالیٰ کے حق پر مقدم ہے، اور تعدی کرنے والے ظالم کے حق پر بھی مقدم ہے، نیز اس لئے کہ اگرچہ آدمی کی حرمت مال کی حرمت سے اعلیٰ و افضل ہے، لیکن اس نے تعدی کر کے اپنے احترام کو خود ہی ختم کر دیا ہے، حنفیہ نے کہا ہے کہ یہ قول زیادہ بہتر ہے، اور اگر اس نے مال چھوڑا ہوگا، تو جو کچھ نکل لیا ہے، اس کا تاوان لیا جائے گا اور اس کا پیٹ نہیں پھاڑا جائے گا، یہ متفق علیہ ہے، اسی طرح مطلقاً زندہ آدمی کا پیٹ نہیں پھاڑا جائے گا، صرف اس کے احترام کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ اس کی وجہ سے اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے^(۱)۔

البتہ حنفیہ نے یہ صراحت نہیں کی ہے کہ نکلنے والے کے پیٹ کے پھاڑنے کا حکم دفن کرنے کے پہلے اور اس کے بعد الگ الگ ہوگا، یا دونوں صورتوں میں یکساں حکم ہوگا؟ ان کے کلام کا قریب ترین مفہوم یہ ہے کہ دونوں برابر ہوں گے، یعنی نکلے ہوئے مال کو برآمد کرنے کے لئے اس کا پیٹ پھاڑا جائے گا، یہاں تک کہ اس کے دفن کرنے کے بعد بھی اور اس غرض کے لئے اس کی قبر کھولنے کے بعد ایسا کیا جائے گا، جیسا کہ اگر اس کے ساتھ مال دفن ہو جائے (تو اس کی قبر کھولی جائے گی)۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۰۲، فتح القدیر ۲/۱۰۲ طبع دار احیاء التراث العربی۔

عیش ۵

اپنے مال کا مطالبہ نہ کرے۔

اگر دوسرے کا مال اس کے مالک کی اجازت سے نکلے تو جس مال کو اس کے مالک کی اجازت سے نکلے اس کا ضامن نہیں ہوگا، اور اس کے مالک کو حق نہ ہوگا کہ میت کے ترکہ سے اس کا مطالبہ کرے، اس لئے کہ خود اسی نے اس کو اس کا موقع دیا ہے، اور میت کے بوسیدہ ہونے سے قبل نہ اس کی قبر کھولی جائے گی، نہ اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا، اس لئے کہ مالک نے خود ہی اجازت دے کر اس کو اپنے مال پر مسلط کیا ہے، تو اب وہ میت کے مال کی طرح ہے^(۱)۔

اگر اس کا جسم بوسیدہ ہو جائے اور غالب گمان ہو کہ مال ابھی تک باقی ہوگا، اور میت کے اعضاء سے الگ ہو کر ظاہر ہو گیا ہوگا، تو اس وقت قبر کھولنا اور مال نکال کر اس کے مال کو دے دینا جائز ہوگا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إن هذا قبر أبي رغال وكان بهذا الحرم يدفع عنه، فلما خرج أصابته النقمة التي أصابت قومه بهذا المكان فدفن فيه، وآية ذلك أنه دفن معه غصن من ذهب إن أنتم نبشتم عنه أصبتموه معه، فابتدره الناس فاستخرجوا الغصن“^(۲) (یہ ابورغال کی قبر ہے، وہ اس حرم میں اپنے کو محفوظ رکھتا تھا، جب نکلا تو اس کو وہ سزا ملی جو اس جگہ اس کی قوم کو ملی تھی، اور یہیں دفن کیا گیا، اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ دفن کی گئی ہے، اگر تم اس کی قبر کو کھولو گے تو اس کو اس کے ساتھ پاؤ گے، تو لوگوں نے جلدی کی اور شاخ کو برآمد کر لیا) نیز اس لئے کہ اس کو چھوڑ دینا مال کو ضائع کرنا ہے^(۳)۔

شافیہ کے نزدیک ایک قول یہ ہے کہ اس کی قبر نہیں کھولی جائے گی، اس کا پیٹ چاک نہیں کیا جائے گا، بلکہ نگلے ہوئے مال کی قیمت اس کے ترکہ میں واجب ہوگی، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: ”أن رسول الله ﷺ قال: كسر عظم الميت ككسره حياً“^(۱) (مردہ کی ہڈی کو توڑنا زندگی میں اس کے توڑنے کی طرح ہے) انہوں نے کہا ہے کہ اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ موتی وغیرہ کو برآمد کرنے کے لئے زندگی میں ہڈی کو توڑنا اور پیٹ کو چاک کرنا جائز نہیں ہے، تو یہی حکم موت کے بعد بھی ہوگا^(۲)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر نکل جائے اور اس کی مالیت ابھی باقی ہو مثلاً انگوٹھی نکل لے، اور اس کا مالک مطالبہ کرے تو قبر نہیں کھولی جائے گی، بلکہ اس کا تاوان اس کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا تاکہ ضرر کے بغیر اس کی حرمت بچائی جاسکے، اور اگر میت کے ترکہ کے نہ ہونے یا کسی دوسری وجہ سے اس کے نگلے ہوئے مال کا تاوان ادا کرنا ممکن نہ ہو تو قبر کھولی جائے گی، اور اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا، اور مال لے کر اس کے مالک کو دے دیا جائے گا، اور یہ اس وقت ہوگا کہ وارث یا کوئی دوسرا آدمی بطور تبرع مالک کو اس کے مال کی قیمت نہ دے دے ورنہ صاحب مال کے ضرر کے بغیر اس کی حرمت کو بچانے کے لئے قبر نہیں کھولی جائے گی، اور

(۱) حدیث: ”كسر عظم الميت ككسره حياً“ کی روایت ابوداؤد (۵۴۴/۳ طبع حمص) اور ابن حبان نے اپنی صحیح (الاحسان ۷/۷۷۳ طبع مؤسسۃ الرسالہ) میں کی ہے، اور ملا علی قاری نے مرقات (۳۸۰/۲) میں ابن القطان سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اس کی اسناد حسن ہے۔
(۲) تحفۃ المحتاج ۲۰۴/۳، قلیوبی وغیرہ ۵۲/۱، المجموع للبیہقی ۳۰۰/۵، ۳۰۳/۳، مغنی المحتاج ۳۶۶/۱۔

(۱) کشف القناع ۱۴۵/۲، ۱۴۶/۱۔

(۲) حدیث: ”هذا قبر أبي رغال.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۲۶۳ طبع حمص) نے کی ہے، ابوالطیب (عون المعبود ۳۶۸/۳ طبع دار الفکر) نے کہا ہے کہ اس میں بجزیر بن ابی بجزیر مجہول ہیں۔

(۳) کشف القناع ۱۴۵/۲، ۱۴۶/۱، المغنی لابن قدامہ ۵۵۲/۲۔

نبش ۶

ہو، ورنہ قبر نہیں کھولی جائے گی، بلکہ کفن کے مالک کو اس کی قیمت دی جائے گی^(۱)۔

غضب کردہ کفن کی وجہ سے قبر کے کھولنے کو راجح قرار دینے میں شافعیہ کے تین اقوال ہیں:

نووی نے کہا ہے کہ اگر میت کو غضب کردہ یا چوری کے کپڑے میں دفن کر دیا جائے تو اس کے بارے میں تین اقوال ہیں:

سب سے صحیح قول یہ ہے کہ جس طرح غضب کردہ زمین میں دفن کئے ہوئے کی قبر کھولی جاتی ہے، اسی طرح اس کی قبر بھی کھولی جائے گی، بغوی اور دوسرے فقہاء شافعیہ نے اسی کو قطعاً کہا ہے، امام غزالی، متولی اور رافعی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا قول: قبر کھولنا جائز نہیں ہے بلکہ کپڑے کے مالک کو اس کی قیمت دی جائے گی، اس لئے کہ کپڑا گویا ہلاک ہو چکا ہے، نیز اس کا کپڑا اتارنے میں اس کی بے حرمتی زیادہ ہے، اس کو القاضی ابوالطیب نے اپنی تعلیق میں نیز ابن الصباغ اور العبدری نے قطعاً کہا ہے، یہی دارمی اور ابو حامد کا قول ہے، اس کو شیخ ابو حامد اور محاملی نے دوسرے اصحاب شافعیہ سے نقل کیا ہے۔

تیسرا قول: اگر میت میں تغیر ہو گیا ہو اور اس کے کھولنے میں اس کی بے حرمتی ہو تو قبر نہیں کھولی جائے گی ورنہ کھولی جائے گی، صاحب ”العدة“ اور شیخ نصر المقدسی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، شیخ ابو حامد اور محاملی نے اصحاب شافعیہ سے نقل کرنے کے بعد اپنے لئے اسی کو اختیار کیا، دارمی نے بھی اسی کو مختار کہا ہے۔

امام نووی نے کہا ہے کہ اگر مرد کو ریشمی کپڑے میں دفن کر دیا جائے تو رافعی نے کہا ہے کہ غضب کردہ کپڑے کی طرح اس کی قبر کے

اور اگر اپنا مال نکلے تو اس کے جسم کے بوسیدہ ہونے سے قبل اس کی قبر نہیں کھولی جائے گی، اس لئے کہ یہ اپنی حیات میں اپنے مال کو ہلاک کرنا ہے، یہ ایسا ہے کہ اس نے خود اس کو ضائع کر دیا، البتہ اس پر قرض ہو تو اس کی قبر کھولی جائے گی اور اس کا پیٹ چاک کر کے مال نکالا جائے گا، اور اس کی طرف سے اس پر واجب قرض ادا کیا جائے گا، تاکہ جلد از جلد اس کا ذمہ قرض سے بری ہو جائے^(۱)۔

ابن قدامہ نے کہا ہے کہ اگر اپنا مال نکلے تو اگر تھوڑا ہو تو ممکن ہے کہ چھوڑ دیا جائے، اور اگر اس کی قیمت زیادہ ہو تو اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا، اور مال نکال لیا جائے گا، اس لئے کہ اس میں مال کو ضائع ہونے سے بچانا ہے اور ان ورثاء کو فائدہ پہنچانا ہے، جن کا حق اس کی بیماری میں اس کے مال سے متعلق ہو گیا ہے^(۲)۔

ج- غضب کردہ کفن کی وجہ سے قبر کو کھولنا:
۶- اگر غضب کردہ کفن میں میت کو کفنا یا گیا ہو تو اس کی وجہ سے اس کی قبر کو کھولنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر میت کو غضب کردہ کپڑے میں کفنا یا گیا ہو تو قبر کھولی جائے گی۔

مالکیہ کی رائے بھی حنفیہ کی رائے کے موافق ہے کہ غضب کردہ کفن کی وجہ سے قبر کھولی جائے گی، البتہ انہوں نے چند شرطیں لگائی ہیں:

اول: کفن کا مالک اس کی قیمت لینے سے انکار کرے۔
دوم: میت میں کوئی تغیر نہ ہو، اگر تغیر ہو گیا ہو تو کفن کے مالک کو وارث سے اس کی قیمت لینے پر مجبور کیا جائے گا۔

سوم: اتنی مدت نہ گزرے جو جس میں کفن کا خراب ہو جانا یقینی

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۰۲، فتح القدیر ۲/۱۰۱، ۱۰۲، جواہر الإکلیل ۱/۱۱،

الخرشی مع العودی ۲/۱۴۴، ۱۴۵۔

(۱) کشف القناع ۲/۱۳۶۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۲/۵۵۲۔

نبش ۷

وارث ہو یا کوئی دوسرا شخص ہو، اگر کوئی اس کی قیمت ادا کر دے تو اس وقت قبر نہیں کھولی جائے گی، اس لئے کہ میت کی بے حرمتی کے بغیر ضرر کو دور کرنا ممکن ہے^(۱)۔

ان کے نزدیک ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر کفن اپنی حالت پر باقی ہو تو قبر کھولی جائے گی تاکہ مال اس کے مالک کو لوٹا یا جاسکے، اور اگر بوسیدہ ہو گیا ہو تو اس کی قیمت اس کے ترکہ سے ادا کی جائے گی^(۲)۔

د- اگر غصب کردہ زمین میں میت کو دفن کیا جائے تو قبر کھولنے کا حکم:

۷- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر میت کو غصب کردہ زمین میں دفن کر دیا جائے اور اس کا مالک اس کی قیمت لینے پر راضی نہ ہو بلکہ قبر کھولنے کا مطالبہ کرے تو اس کی قبر کو کھولنا جائز ہے، اس لئے کہ زمین میں قبر کے رہنے میں ضرر دائمی اور زیادہ ہوگا، نیز اس کی ملکیت کو ناحق مشغولیت سے خالی کر دینا ضروری ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ مالک کے لئے بہتر ہے کہ میت کے بوسیدہ ہونے تک قبر کھولنے کو چھوڑ دے، کیونکہ اس میں میت کی بے حرمتی ہے۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ مالک کو اختیار ہے کہ میت کو نکال دے یا قبر کو زمین کے برابر کر دے تاکہ اس میں مثلاً کھیتی کر سکے، اس لئے کہ اس کا حق زمین کے ظاہر اور باطن دونوں میں ہے، لہذا اگر چاہے گا تو زمین کے باطن میں اپنا حق چھوڑ دے گا اور چاہے گا تو وصول کر لے گا۔

مالکیہ نے قبر کھولنے کے جائز ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے

کھولنے میں یہ تینوں اقوال ہوں گے، میں نے کسی دوسرے کا یہ قول نہیں دیکھا ہے، اور یہ قول محل غور و فکر ہے، مناسب یہ ہے کہ غصب کردہ کے برخلاف، اس میں قبر کھولنا جائز نہ ہو، اس لئے کہ غصب میں قبر کھولنا مالک کے حق کی وجہ سے ہوتا ہے، فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ یہی قول معتمد ہے، اس لئے کہ یہ حق اللہ ہے اور حق اللہ میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے^(۱)۔

شربنی اخطیب نے کہا ہے: اگر غصب کردہ زمین یا غصب کردہ کپڑے میں دفن کر دیا جائے اور ان کے مالک ان کا مطالبہ کریں تو اگرچہ میت میں تغیر ہو گیا ہو، اور اگرچہ اس میں بے حرمتی ہے، مگر قبر کھولی جائے گی تاکہ حق اس کے مستحق کو پہنچایا جاسکے، البتہ ان کے مالکان کے لئے بہتر یہ ہے کہ چھوڑ دیں، غصب کردہ کپڑے کی صورت میں اس وقت قبر کھولنا جائز ہوگا جبکہ میت کو کفن کرنے کے لئے دوسرا کپڑا موجود ہوگا ورنہ قبر کھولنا جائز نہ ہوگا، شیخ ابو حامد وغیرہ کے کلام کا مقتضا یہی ہے، اس لئے کہ اگر ہمیں کوئی کپڑا نہ ملے تو اس کے مالک سے زبردستی لیا جائے گا، ننگے نہیں دفن کیا جائے گا، یہی ”البحر“ وغیرہ میں ہے، اور اسی کو اذرعی نے صحیح کہا ہے^(۲)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر میت کو غصب کردہ کپڑے میں دفن کر دیا جائے، اور اس کا مالک اس کا مطالبہ کرے تو قبر نہیں کھولی جائے گی، بلکہ اس کے ترکہ سے اس کا تاوان دیا جائے گا، اس لئے کہ میت کی بے حرمتی کے بغیر ضرر کو دور کرنا ممکن ہے، اگر ترکہ کے نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے تاوان دینا ممکن نہ ہو، تو قبر کھولی جائے گی اور غصب کردہ کفن لے کر اس کے مالک کو دے دیا جائے گا، اگر بطور تبرع کفن کی قیمت ادا کرنے والا کوئی نہ ہو، خواہ

(۱) المجموع للنووی ۵/۲۹۹، معنی المحتاج ۱/۳۶۶۔

(۲) معنی المحتاج ۱/۳۶۶۔

(۱) کشاف القناع ۲/۱۳۵۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۲/۵۵۴۔

نبش ۸-۱۰

یہ ہے کہ بچہ زندہ نہیں رہے گا^(۱)، امام احمد کی دلیل نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ”کسر عظم المیت ککسر عظم الحی“^(۲) (مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا)۔

سوم: خود میت کے حقوق کے تعلق سے قبر کھولنا:

۹- میت کے حقوق کی وجہ سے قبر کے کھولنے کے جائز ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً میت کو غسل دینے یا اس کو کفن دینے یا اس پر نماز جنازہ پڑھنے سے قبل ہی دفن کر دیا گیا ہو، یا قبیلہ کی دوسری طرف رخ کر کے دفن کر دیا گیا، یا اس طرح کی کوئی دوسری خامی رہ گئی ہو، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

الف- غسل سے قبل میت کو دفن کرنا:

۱۰- اگر میت کو غسل یا تیمم کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر کو کھولنا جائز ہے یا نہیں، اس بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں:

حنفیہ کی رائے اور شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس پر مٹی ڈال دینے کے بعد غسل کے لئے قبر نہیں کھولی جائے گی، خواہ میت میں تغیر ہو گیا ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ اس میں اس کی بے حرمتی ہے، نیز اس لئے کہ قبر کھولنا ایک طرح کا مثلہ ہے، جس سے منع کیا گیا ہے^(۳) جیسا کہ حنفیہ نے کہا ہے۔

حنابلہ کی رائے اور شافعیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اگر میت کو غسل

کہ میت میں تغیر واقع نہ ہو، لہذا اگر میت میں تغیر ہو گیا ہو تو مالک کو عوض لینے پر مجبور کیا جائے گا۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ قبر کھولنا واجب ہے، خواہ میت میں تغیر واقع ہو گیا ہو اور خواہ اس میں میت کی بے حرمتی ہوتا کہ حق دار کو اس کا حق دیا جاسکے^(۱)۔

ھ- حمل کی وجہ سے حاملہ عورت کی قبر کا کھولنا:

۸- حمل کی وجہ سے حاملہ کی قبر کے کھولنے کے بارے میں فقہاء کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول: شافعیہ کا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی عورت دفن کر دی جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو اور اس کی زندگی کی امید ہو، اس طرح کہ اس پر چھ ماہ یا اس سے زائد گزر گئے ہوں، تو اس کی قبر کھولی جائے گی، اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا، اور بچہ کو نکال لیا جائے گا، تاکہ واجب کا تدارک ہو سکے، کیونکہ دفن سے قبل اس کے پیٹ کو چاک کرنا واجب تھا، البتہ اگر بچہ کی زندگی کی امید نہ ہو تو عورت کی قبر نہیں کھولی جائے گی، اور اگر دفن نہ کی گئی ہو، تو چھوڑ دی جائے گی تاکہ بچہ مر جائے پھر دفن کی جائے گی^(۲)۔

دوسرا قول: مالکیہ و حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حاملہ کا پیٹ چاک نہیں کیا جائے گا، بہوتی نے کہا ہے کہ اگر حاملہ مر جائے اور بچہ کی زندگی کی امید ہو تو حمل کی وجہ سے اس کا پیٹ چاک کرنا حرام ہے، خواہ مسلم ہو یا ذمیہ ہو، اس لئے کہ اس میں موہوم زندگی کی بقاء کے لئے یقینی بے حرمتی کا ارتکاب کرنا ہے، اس لئے کہ غالب اور ظاہر

(۱) جواہر الإکلیل ۱/۱۱۷، ابن عابدین ۱/۶۰۲، کشاف القناع ۲/۱۳۶، المغنی لابن قدامہ ۲/۵۵۱، ۵۵۲۔

(۲) حدیث: ”کسر عظم المیت.....“ کی تخریج فقرہ ۵/۱۵ میں گزر چکی ہے۔

(۳) اس کے بارے میں حدیث موجود ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن النهی والمثلة“، اس کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۱۱۹ طبع السلفیہ) نے حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ سے کی ہے۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۰۲، جواہر الإکلیل ۱/۱۱۷، المغنی للحجاج ۱/۳۶۶، تحفۃ الحجاج ۳/۲۰۳، المغنی لابن قدامہ ۲/۵۵۳، کشاف القناع ۲/۱۳۷۔

(۲) المغنی للحجاج ۱/۳۶۷، تحفۃ الحجاج ۳/۲۰۵۔

نبش ۱۱-۱۲

ہے: ”أن أسود۔ رجلاً أو امرأة۔ كان يقم المسجد فمات، ولم يعلم النبي ﷺ بموته، فذكره ذات يوم قال: ما فعل ذلك الإنسان؟ قالوا: مات يا رسول الله، قال: أفلا آذنتموني؟ فقالوا: إنه كان كذا و كذا - قصته - قال: فحقروا شأنه قال: فدلوني على قبره - فأتى قبره فصلى عليه“ (۱) (ایک حبشی مسجد میں رہا کرتا تھا وہ مر گیا اور حضور اکرم ﷺ کو اس کی موت کی خبر نہ ہو سکی، ایک دن اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وہ آدمی کیا ہو گیا؟ صحابہ نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ وہ تو مر گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھ کو کیوں نہ بتایا، ان لوگوں نے کہا کہ اس کا معاملہ ایسا ویسا تھا، راوی کہتے ہیں کہ حضرات صحابہ نے ان کی شان کو بہت گھٹا کر بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر بتاؤ، چنانچہ آپ ﷺ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کی نماز جنازہ ادا کی)۔

امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی قبر کھول کر اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس لئے کہ اس کو ایک واجب پر عمل کے بغیر دفن کر دیا گیا ہے، لہذا اس واجب پر عمل کرنے کے لئے قبر کھولی جائے گی جیسا کہ اگر بغیر غسل کے دفن کر دیا جائے اور قبر پر نماز جنازہ تو صرف ضرورت کے وقت پڑھی جائے گی۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ میت میں کوئی تغیر نہ ہوا ہو، لہذا اگر میت میں تغیر ہو گیا ہو تو کسی بھی حال میں قبر نہیں کھولی جائے گی (۲)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو اس کو

(۱) حدیث: ”أن أسود۔ رجلاً أو امرأة.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲۰۵/۳ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۶۰۲/۱، تحفۃ المحتاج ۳۶۷، ۲۰۵، ۲۰۴/۳، ۲۰۵، مغنی المحتاج ۳۶۶/۱، ۲۶۷، ۲۶۸، مغنی لابن قدامہ ۵۵۳/۲۔

یا تیمم کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو اس کو غسل دینے کے لئے قبر کھولنا واجب ہے، اس لئے کہ غسل دینا واجب ہے، لہذا اگر بدبو یا اعضاء کے الگ الگ ہونے کے ذریعہ اس میں کوئی تغیر نہ ہوا ہو تو اس کا تدارک کیا جائے گا ورنہ چھوڑ دیا جائے گا۔

شافعیہ کا تیسرا قول یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی جزء بھی باقی ہو تو قبر کھولی جائے گی (۱)۔

ب- میت کو کفننانے کے لئے قبر کھولنا:

۱۱- حنفیہ کی رائے، شافعیہ کا صحیح قول اور حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر میت کو بغیر کفن کے دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر نہیں کھولی جائے گی، شافعیہ و حنابلہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ میت کو کفن دینے کا مقصد اس کی پردہ پوشی ہے، اور یہ مقصد مٹی کے ذریعہ حاصل ہو گیا ہے، نیز قبر کھولنے میں میت کی بے حرمتی ہے۔

اصح کے بالمقابل شافعیہ کا قول اور حنابلہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ قبر کھول کر کفن دیا جائے گا، اس لئے کہ کفن دینا واجب ہے، لہذا وہ غسل کے مشابہ ہوگا (۲)۔

ج- میت پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے اس کی قبر کھولنا:

۱۲- حنفیہ و شافعیہ کی رائے اور امام احمد کی ایک رائے جس کو القاضی نے مختار کہا ہے، یہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنے کے لئے اس کی قبر نہیں کھولی جائے گی، اس لئے کہ اس میں میت کی بے حرمتی ہے، نیز قبر پر نماز جنازہ پڑھ لینا ممکن ہے، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۶۰۲/۱، مغنی المحتاج ۳۶۶/۱، المغنی لابن قدامہ ۵۵۳/۲۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۶۰۲/۱، مغنی المحتاج ۳۶۶/۱، ۳۶۷، تحفۃ المحتاج ۲۰۵/۳، ۲۰۴، مغنی لابن قدامہ ۵۵۳/۲۔

نبش ۱۳-۱۴

ہرگز قابل التفات نہیں ہے، اس بارے میں مشائخ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، کہ اس کی قبر نہیں کھولی جائے گی حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما علی نبینا الصلوٰۃ والسلام کو ان کے آباء و اجداد کے ساتھ جمع کرنے کے لئے مصر سے شام منتقل کیا گیا تو یہ ہم سے پہلے کی شریعت ہے، ہمارے لئے اس کے مشروع ہونے کی تمام شرطیں موجود نہیں ہیں^(۱)۔

حنا بلہ کی رائے ہے کہ میت کو جس جگہ دفن کیا گیا ہے اس سے بہتر جگہ میں دفن کرنے کی غرض سے اس کو منتقل کرنے کے لئے اس کی قبر کو کھولنا جائز ہے، مثلاً کسی نیک شخص کے بغل میں دفن کرنا تاکہ اس کو اس کی برکتیں حاصل ہوں، یا جس کو اس کے ساتھ دفن کیا گیا ہے اس سے علاحدہ الگ قبر میں اس کو تہا دفن کرنا، ان مقاصد کے لئے اس کی قبر کو کھولنا جائز ہے^(۲)، اس لئے کہ حضرت جابر کا قول ہے: ”دفن

مع أبي رجل، فلم تطب نفسي حتى آخر جنته فجعلته في قبر علي حدة، وفي رواية: كان أول قتيل - یعنی یوم أحد - ودفن معه آخر في قبر، ثم لم تطب نفسي أن أترکه مع الآخر، فاستخر جنته بعد ستة أشهر، فإذا هو كيوم وضعته هنية غير أذنه“^(۳) (میرے والد کے ساتھ ایک آدمی کو دفن کیا گیا، مجھ کو اچھا نہیں لگا، یہاں تک کہ میں نے ان کو نکالا اور الگ ایک قبر میں دفن کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ وہ غزوہ احد میں پہلے شہید تھے، ان کے ساتھ ایک قبر میں ایک دوسرے آدمی کو دفن کیا گیا، پھر مجھے اچھا نہیں لگا کہ ان کو کسی دوسرے کے ساتھ چھوڑ دوں، میں نے چھ ماہ کے بعد ان کو نکالا تو وہ ٹھیک اسی طرح تھے جس طرح میں نے

نماز کے لئے نکالا جائے گا بشرطیکہ نماز کا موقع فوت نہ ہو گیا ہو، یعنی اس میں تغیر ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، اگر تغیر کا اندیشہ ہوگا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی^(۱)۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”جنازہ“ (فقہ ۱/۳۷۷)۔

د- اگر میت غیر قبلہ کی طرف دفن کر دیا گیا ہو تو قبر کو کھولنا:
۱۳- اگر میت کو غیر قبلہ کی طرف دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر کھولنے کے بارے میں فقہاء کے دو اقوال ہیں:

اول: شافعیہ، حنا بلہ اور ابو ثور کا قول ہے کہ واجب کی تلافی کے لئے قبر کھول کر میت کو قبلہ کی طرف پھیر دینا واجب ہے، البتہ اگر تغیر واقع ہو گیا ہو یا پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو چھوڑ دیا جائے گا، قبر نہیں کھولی جائے گی^(۲)۔

دوسرا قول: حنفیہ کا ہے کہ اگر میت کو غیر قبلہ کی طرف دفن کر دیا گیا ہو تو اس کو بے حرمتی سے بچانے کے لئے قبر نہیں کھولی جائے گی^(۳)۔

چہارم: میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے قبر کھولنا:
۱۴- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے قبر کھولنا جائز نہیں ہے، ایک عورت کے بارے میں جس کے بیٹے کو اس کے غائبانہ میں دوسرے شہر میں دفن کر دیا گیا، وہ صبر نہیں کر سکی اور اس کو منتقل کرنا چاہا، تو مشائخ حنفیہ نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے، لہذا بعض متاخرین کا اس کو جائز قرار دینا

(۱) فتح القدیر ۲/۱۰۱، ۱۰۲، حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۰۲، مغنی المحتاج ۱/۳۶۶۔

(۲) کشف القناع ۲/۸۶، ۱۳۲۔

(۳) حدیث حضرت جابر: ”دفن مع أبي رجل.....“ کی روایت بخاری (فتح

الباری ۳/۲۱۵، ۲۱۴ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۱) حاشیہ العدوی علی الخرشنی ۲/۱۳۲۔

(۲) تحفہ المحتاج ۳/۲۰۳، ۲۰۵، مغنی المحتاج ۱/۳۶۶، ۳۶۷، المغنی لابن قدامہ

۲/۵۵۳۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۰۲، فتح القدیر ۲/۱۰۱، ۱۰۲۔

نیش ۱۵-۱۶

اور یہ مدت الگ الگ ممالک اور آب و ہوا کے اعتبار سے الگ الگ ہو سکتی ہے، چنانچہ سرد علاقوں کے مقابلہ میں گرم علاقوں میں مردہ جلد بوسیدہ ہو جائے گا۔

اور اگر اس کے بوسیدہ ہونے میں شک و شبہ ہو تو واقف کار ماہرین کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر قبر کھودے اور اس میں ہڈیاں ملیں تو ان کو وہیں دفن کر کے مٹی جیسی تھی اسی طرح اس کو برابر کر دے گا، کسی دوسرے مردہ کو اس میں دفن کرنا جائز نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر مردہ بوسیدہ ہو جائے تو دفن کی جگہ پر کاشت کاری وغیرہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ واقف کی شرائط کی خلاف ورزی نہ ہو یا قبرستان مباح عام نہ ہو^(۱)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر مردہ بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جائے تو دوسرے کو اس کی قبر میں دفن کرنا، اس پر کاشت کرنا یا مکان بنانا جائز ہے^(۲)۔

ششم: کسی صحیح مقصد کی خاطر کفار کی قبریں کھولنا:

۱۶- حنفیہ نے کہا ہے کہ مال کو طلب کرنے کے لئے کفار کی قبریں کھولنا جائز ہے، حنا بلہ کی رائے یہی ہے^(۳)۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر مشرکین کی قبروں میں مال ہو تو اس کے لئے ان کی قبریں کھولنا جائز ہے جیسا کہ ابورغال کی قبر^(۴)، اس لئے کہ نبی ﷺ سے

ان کو قبر میں رکھا تھا..... سوائے ان کے کان کے کہ وہ کچھ متاثر تھا)۔ حنا بلہ نے میت کو اس کی جگہ سے بہتر جگہ کی طرف منتقل کرنے کے لئے قبر کھولنے سے اس شہید کو مستثنیٰ کیا ہے جس کو اس کی شہادت کی جگہ میں دفن کیا گیا ہو، لہذا موضع شہادت سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے اس کی قبر نہیں کھولی جائے گی، یہاں تک کہ اگر اس کو منتقل کر دیا گیا ہو تو اس کو موضع شہادت کی طرف لوٹا دیا جائے گا، اس لئے کہ شہید کو اس کی شہادت کی جگہ میں دفن کرنا سنت ہے^(۱)۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے شہداء احد کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”ادفنوا القتلى في مصارعهم“^(۲) (شہداء کو ان کے مقام شہادت میں دفن کرو)۔

شہداء کے علاوہ کے بارے میں ابن قدامہ نے ”المغنی“ میں کہا ہے کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے لوگ جنگلات میں دفن کئے جاتے رہے ہیں^(۳)۔

پنجم: کسی دوسرے کو اس کے ساتھ دفن کرنے کے لئے قبر کھولنا:

۱۵- مالکیہ و حنا بلہ کی رائے ہے کہ کسی دوسرے مردہ کے لئے ایسے مردہ کی قبر کھولنا حرام ہے جس کی لاش ابھی باقی ہو، (یعنی بوسیدہ نہ ہوئی ہو) اس لئے کہ اس میں پہلے مردہ کی بے حرمتی ہے، جب یقین ہو جائے یا غالب گمان ہو کہ مردہ پرانا ہو گیا ہے، اس کی ہڈی بوسیدہ ہو چکی ہوگی تو اس کی قبر کھول کر اس میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہوگا،

(۱) کشف القناع ۲/۱۴۳، ۱۴۳، حاشیہ العدوی علی الخرشبی ۲/۱۴۳۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۶۷۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۱/۲۲۵، کشف القناع ۲/۱۴۳۔

(۴) ابورغال ان حبشیوں کا رہنما تھا جو کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے مکہ آئے تھے، وہ راستہ میں مر گئے، لوگ اس کی قبر پر پتھر پھینکتے ہیں، دیکھئے: کشف القناع ۲/۱۴۳۔

(۱) کشف القناع ۲/۸۶، ۱۴۲۔

(۲) حدیث: ”ادفنوا القتلى في مصارعهم“ کی روایت نسائی (۹/۴) طبع التجاریہ الکبریٰ اور عبدالرزاق (المصنف ۵/۲۸۷ طبع مجلس العلمی) نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے کی ہے۔

(۳) المغنی لابن قدامہ ۳/۴۱۳ طبع ہجر۔

نمبر چہ

تعریف:

- ۱- نبہرج اور نبہرجۃ دونوں عجمی الفاظ ہیں، عربی میں ان کو استعمال کیا گیا ہے، ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ نبہرج باطل ادنیٰ درہم ہے، اہل عرب کے نزدیک ہر در کردہ شی کو بہرج اور نبہرج کہتے ہیں، بہرج کا معنی باطل گھٹیا شی ہے۔
- اصطلاح میں: حنفیہ نے کہا ہے کہ نبہرج کھوٹا درہم ہے، یا وہ درہم ہیں جن کو تاجر حضرات رد کر دیتے ہیں، یا حکومت کے ٹکسال کے علاوہ دوسری جگہ ڈھالا گیا ہو^(۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- جیاد:

- ۲- جیاد، جید کی جمع ہے، درہم جیاد وہ درہم ہیں جو خالص چاندی کے ہوں، تجارتوں میں رائج ہوں، بیت المال میں رکھے جاتے ہوں^(۲)۔
- ان دونوں میں تضاد کا تعلق ہے۔

ب- ستوقہ:

- ۳- الستوقہ: بیتل کے وہ درہم ہیں جن پر چاندی کا پانی چڑھایا

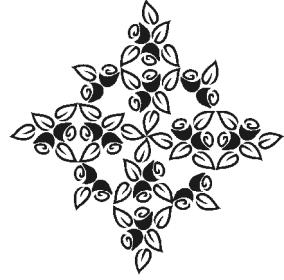
(۱) لسان العرب، التعریفات للجر جانی، حاشیہ ابن عابدین ۲/۲۱۸، قواعد الفقہ للمبرکتی۔

(۲) لسان العرب، ابن عابدین ۲/۲۱۸۔

مروی ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہذا قبر ابي رغال..... وآية ذلك أن معه غصنا من ذهب إن أنتم نبشتم عنه أصبتموه معه فابتدره الناس فاستخر جوا الغصن“^(۱) (یہ ابورغال کی قبر ہے..... اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ دفن کی گئی ہے، اگر تم اس کی قبر کو کھولو گے تو اس کو اس کے ساتھ پاؤ گے، تو لوگوں نے جلدی کی اور شاخ کو برآمد کر لیا)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر کسی کافر کو حرم میں دفن کر دیا جائے تو اس کی قبر کھول کر اس کو حرم سے باہر نکال دیا جائے گا^(۲)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ مشرکین کی قبروں پر مسجد بنانے کے لئے ان کو کھولنا جائز ہے^(۳)۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی مسجد کی جگہ مشرکین کی قبریں تھیں، آپ ﷺ نے ان کو کھود کر اس پر مسجد بنانے کا حکم دیا^(۴)۔



(۱) حدیث ابی رغال کی تخریج فقہ ۵/۵ میں گذری چکی ہے۔

(۲) مفتی الہیاء ۱/۳۶۷۔

(۳) کشف القناع ۲/۱۴۴۔

(۴) حدیث: ”موضع مسجد النبی ﷺ.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۵۲۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱/۳۷۳ طبع عیسیٰ الخلی) نے حضرت انس بن مالکؓ سے کی ہے۔

نمبر چہ ۴-۵

چاندی کے نصاب یعنی دو سو درہم کے برابر ہو جائے یا اس میں تجارت کی نیت ہو تو اس میں زکاۃ واجب ہوگی^(۱)۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”زیوف“ (فقہہ ۶/۸)۔

نمبر چہ کو جیاد سے فروخت کرنا:

۵- جید کو ردی اور نمبر چہ سے فروخت کرنا اگر برابر نہ ہو تو جائز نہ ہوگا^(۲)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”زیوف“ (فقہہ ۹)۔



گیا ہو، اس کا تانبا اس کی چاندی سے زیادہ ہو^(۱)۔

الجر جانی نے کہا ہے کہ ستوقہ وہ درہم ہے جس کا کھوٹ چاندی سے زائد ہو^(۲)۔

دونوں میں تعلق یہ ہے کہ دونوں میں کھوٹ زیادہ ہوتا ہے، اور ستوقہ نمبر چہ سے زیادہ گھٹیا ہوتا ہے۔

نمبر چہ سے متعلق احکام:

نمبر چہ کے ساتھ آپس میں معاملہ کرنا:

۴- نمبر چہ کھوٹ والے درہم ہیں، اس قسم کے درہم میں اگر چاندی زیادہ ہو تو یہ خالص درہم کے حکم میں ہے، اس لئے کہ اس میں جو کھوٹ ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، لہذا اس میں خالص درہم کے احکام جاری ہوں گے، اور کھوٹا ہونے کی حالت میں بھی اس کے ذریعہ آپس میں معاملہ کرنا جائز ہوگا، اگرچہ اس میں کھوٹ کی مقدار کا علم نہ ہو، اور بعض فقہاء کے نزدیک اس میں زکاۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ جس درہم میں چاندی، کھوٹ پر غالب ہو اس کو مطلقاً درہم کہا جاتا ہے، اور شریعت نے درہم کے نام سے ہی زکاۃ واجب کی ہے۔
اگر کھوٹ غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں نہیں ہوگا، پھر دیکھا جائے گا اگر رائج ہو یا تجارت کی نیت ہو تو اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر ان معمولی درہم کے اعتبار سے جن میں چاندی غالب ہوتی ہے اور زکاۃ واجب ہوتی ہے، نصاب کے برابر ہو جائے تو اس میں زکاۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں^(۳)۔

اگر وہ بطور ثمن رائج نہ ہوں، اور تجارت کی نیت بھی ان میں نہ ہو تو ان میں زکاۃ واجب نہ ہوگی، البتہ اگر اس میں جو چاندی ہے وہ

(۱) ابن عابدین ۲/۲۱۸۔

(۲) التعریقات للجر جانی۔

(۳) البحر الرائق ۲/۲۳۵۔

(۱) البحر الرائق ۲/۲۳۵۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۲/۱۸۳۔

نبوت ۱-۲

فراء نے کہا ہے کہ نبی أنبأ عن الله سے ماخوذ ہے، پھر ہمزہ متروک ہو گیا ہے۔

زجاج نے کہا ہے کہ النبیین اور الانبیاء میں جس قرأت پر اتفاق ہے اس میں ہمزہ متروک ہے، اہل مدینہ کی ایک جماعت نے اس لفظ میں پورے قرآن میں ہمزہ کو باقی رکھا ہے، مگر ہمزہ کو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے^(۱)۔

نبوت

تعریف:

اصطلاح میں نبوت: لوگوں میں ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ نبی کی ذات میں ایک صفت ہے، جبکہ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ یہ نبی کی ذات میں ثابت شدہ کوئی صفت نہیں ہے، بلکہ محض ان کے ساتھ خطاب الہی کے تعلق کا نام ہے۔

صحیح یہ ہے کہ نبوت دونوں کو جامع ہے، چنانچہ نبوت نبی کی ذات میں ثابت شدہ صفت بھی ہے، اور محض ان کے ساتھ خطاب الہی کے تعلق کی نسبت سے صفت اضافیہ بھی ہے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

رسالت:

۲- لغت میں الرسالة إرسال کے معنی میں اسم مصدر ہے، کہا جاتا ہے: أرسلت إلی فلان یعنی میں نے اس کے پاس بھیجا، نیز کہا جاتا ہے: أرسلته فی رسالة، میں نے اس کو پیغام دے کر بھیجا، لہذا وہ مرسل بھی ہے، اور رسول بھی ہے^(۳)۔

الرسالة اصطلاح میں: کسی شخص کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام لوگوں یا بعض لوگوں تک احکام پہنچانے کے لئے بھیجا ہوا ہونا، دونوں میں تعلق یہ ہے کہ رسالت نبوت سے خاص ہے۔

(۱) لسان العرب الجلیط، فتح الباری ۶/۳۶۱۔

(۲) کتاب النبوات لابن تیمیہ ص ۳۸۹، دارالکتب العلمیہ بیروت۔

(۳) لسان العرب، التعریفات للبحر جانی، قواعد الفقه للمرکتی۔

۱- لغت میں نبوة نبا ینبو سے ماخوذ ہے یا النبا سے ماخوذ ہے، نبا الشئی کا معنی بلند ہونا ہے، اسی سے نبی ماخوذ ہے، جس کا لغوی معنی اونچی زمین ہے۔

ابن منظور نے کہا ہے: کہ نبی زمین کی اس علامت کو بھی کہتے ہیں جس سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، جیسے پہاڑ وغیرہ۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے ”نبی“ مشتق ہے، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے برتر ہوتا ہے، نیز اس لئے کہ ان سے ہدایت و رہنمائی ملتی ہے۔

ابن السکیت نے کہا ہے کہ اگر ”نبی“ نبوة اور نباوة سے ماخوذ ہو جس کا معنی زمین کا بلند ہونا ہے، تو اس لئے ہوگا کہ نبی کا مقام بہت اونچا ہوتا ہے اور وہ تمام مخلوقات میں سب سے اشرف ہوتے ہیں، اس صورت میں یہ مہوز نہ ہوگا۔

جن لوگوں نے اس کو نبأ (مہوز) سے ماخوذ قرار دیا ہے، انہوں نے انباء کے معنی کا لحاظ کیا ہے، جس کا معنی خبر دینا ہے، اہل عرب بولتے ہیں: انبأت فلانا نبوءة یعنی میں نے اس کو خبر دی، اسی سے نبی ماخوذ ہے، جس کی اصل نبیء ہے، یعنی فاعل کے وزن پر ہے، مفعول یا فاعل کے معنی میں ہے، یعنی جس کو خبر دی گئی ہے، یا جو خبر دینے والا ہے، پھر ہمزہ میں تسہیل ہو گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”ما من الأنبياء نبي إلا أعطي من الآيات ما مثله آمن عليه البشر، وإنما كان الذي أوتيته وحياً أو حاه الله إلهي، فأرجو أني أكثرهم تابعاً يوم القيامة“^(۱) (ہر نبی کو اتنی نشانیاں دی گئیں جن کے برابر لوگ ان پر ایمان لائے اور مجھ کو جو کچھ دیا گیا وہ صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے پاس بھیجا، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے)۔

سابق انبیاء کی شریعتیں:

۴- سابقہ شریعتوں کے جو احکام قرآن و حدیث میں تو مذکور نہیں ہیں، لیکن جو کتابیں سابقہ انبیاء کی طرف منسوب ہیں، جیسے تورات، انجیل، ان میں ان کا ذکر ہے، وہ احکام ہمارے لئے مشروع نہیں ہیں، اس پر سب کا اتفاق ہے، اور ہم سے شرعاً اس کا مطالبہ بھی نہیں ہے کہ سابقہ کتابوں کے احکام کو تلاش و معلوم کریں خواہ ان کا تعلق کسی بھی مسئلہ سے ہو۔

چنانچہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک کتاب لے کر آئے جو ان کو بعض اہل کتاب سے ملی تھی، اور آپ کے پاس پڑھنا شروع کیا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور فرمایا: ”أمتھو کون فیہا یا ابن الخطاب؟ والذي نفسی بیدہ لو أن موسیٰ علیہ السلام کان حیاً ما وسعہ إلا أن یتبعنی“^(۲) (ابن الخطاب کیا تم کو اس سلسلہ میں کوئی حیرانی

نبی کی نبوت کے دلائل:

۳- اللہ تعالیٰ جب کسی کو رسول بنا کر بھیجتا ہے اور لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی تصدیق کریں اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں تو یہ حکم اس وقت مکمل ہوتا ہے جب رسول کے ساتھ علامات، دلائل، قرآن اور معجزات ہوں، جو اس کی رسالت کے صحیح ہونے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کے سچ بولنے پر حجت ہوں، عقلمند آدمی کے اطمینان کے لئے جس کو عناد و انکار نہ ہو، یہ کافی ہے کہ جو شخص ان معجزات کو لے کر آیا ہے، وہ اس اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے، اس لئے کہ یہ آیات و معجزات عام عادات کے خلاف اور انسان کی طاقت و قوت سے باہر ہوتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ نبی ان کے ذریعہ لوگوں کو چیلنج کرتا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے، اور انسان اس کا مقابلہ کرنے اور اس کا مثل لانے سے عاجز ہوتا ہے^(۱)۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جس وقت ان کو عصا اور عیب کے بغیر ان کے ہاتھ کی سفیدی کا معجزہ دیا، ارشاد فرمایا: ”فَإِن كَفَرَ بَرْهَانٍ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ“^(۲) (سو یہ دو سندیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس (جانے کے لئے))، اور اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی رسالت کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”يَأْيُهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا“^(۳) (اے لوگو! تمہارے پاس یقیناً ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آچکی ہے اور ہم تمہارے اوپر ایک کھلا ہوا نور اتار چکے)۔

(۱) حدیث: ”ما من الأنبياء نبي“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۹) اور ۳۷۱/۲۲ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۳/۱۳ طبع عیسیٰ الخلی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”أمتھو کون فیہا یا ابن الخطاب.....“ کی روایت احمد (۳۸۷/۳ طبع الیمینی) نے مفصل کی ہے، ابن حجر نے اس کو فتح الباری

(۱۳/۳۳۲ طبع السلفیہ) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ

(۱) مثلاً دیکھئے، کتاب النبوات ص ۱۳۸، ۱۵۳، ۱۵۶، اعلام النبوة ص ۵۶ اور

اس کے بعد کے صفحات، للمواردی، المواقف للعضد ص ۳۳۹ وغیرہ۔

(۲) سورہ قصص ص ۳۲۔

(۳) سورہ نساء ص ۱۷۴۔

نبوت ۵-۷

اور ان کو رد کرنے یا منسوخ کرنے کی کوئی خبر ہماری شریعت میں نہیں ہے، ان کے بارے میں جمہور علماء کی رائے ہے کہ وہ ہمارے لئے مشروع ہیں۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ وہ ہمارے لئے مشروع نہیں ہیں، اگرچہ ہماری شریعت میں ان کو برقرار رکھنے والی چیز منقول ہو^(۱)۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”شرع من قبلنا“ (فقہہ ۳) اور ”اصولی ضمیمہ“۔

نبوت کا دعویٰ کرنے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے کا حکم:

۷- جو شخص اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے نبوت کا دعویٰ کرے وہ یقیناً جھوٹا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحت کر دی ہے کہ محمد ﷺ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں، ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا^(۲)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“^(۳) (محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، البتہ اللہ کے رسول ہیں اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں)، نبی

ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا)۔

۵- جن گذشتہ شرائح کا ذکر قرآن میں ہے یا جن کا تذکرہ حضور ﷺ سے منقول احادیث میں ہے، اگر ان کا تعلق دین کے اصول سے ہو جیسے اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسولوں پر، حساب پر، قیامت کے دن پر ایمان لانا وغیرہ تو یہ ہمارے حق میں بھی ثابت ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ“^(۱) (اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کیا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا) بہت سے انبیاء کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمُ افْتَدَتْهُ“^(۲) (یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلئے)، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ“^(۳) (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کے طریقہ پر چلئے جو بالکل ایک رخ کے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے)۔

۶- کتاب و سنت میں انبیاء سابقین کے جو جزوی احکام منقول ہیں،

= ہیں، البتہ مجاہد میں تھوڑا ضعف ہے، مہو کو کون کا معنی متغیرون ہے (لسان العرب)۔

(۱) سورۃ شوریٰ ۱۳۱۔

(۲) سورۃ انعام ۹۰۔

(۳) سورۃ نحل ۱۲۳۔

(۱) المستصفیٰ للغزالی ۲۴۵/۱ طبع بولاق، البحر المحیط للورکشی ۳۹۶/۱، کویت، وزارة الاوقاف، روضۃ الناظر لابن قدامہ مع شرحہ للشیخ عبدالقادر بدران ۴۰۰/۱، ۴۰۲، القاہرہ، المکتبۃ السلفیہ، تفسیر القرطبی ۲۱۱/۸، الہدایۃ والنبایۃ لابن کثیر ۱۵۳/۲، ۱۵۴، القاہرہ، المکتبۃ التجاریہ، اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ص ۱۷۲، مکتبۃ انصار السنۃ القاہرہ، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح لابن تیمیہ ص ۳۳/۲۔

(۲) فتح الباری (۸۶/۱۳) المکتبۃ السلفیہ، القاہرہ ۷۰/۳ (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح لابن تیمیہ ص ۲۷۲/۲، شرح العقیدۃ الطحاویۃ لابن ابی العزیز الاذری کے مؤلف کے قول: ”وخاتم الانبیاء“ کے ضمن میں۔

(۳) سورۃ احزاب ۲۰۔

نبوت ۸

نہیں ہے، انہوں نے کہا ہے کہ مشہور قول کے مطابق اس کی توبہ قابل قبول ہے^(۱)۔

عبدالقاہر بغدادی نے کہا ہے: کہ اہل سنت نے نبوت کے ہر مدعی کو کافر کہا ہے، خواہ اسلام سے پہلے ہو جیسے زرادشت، یوراسف، مانی، دیسان، مرقیون اور مزدک یا اسلام کے آنے کے بعد ہو، جیسے مسیلہ، سجاح، اسود بن یزید العنسی اور ان کے بعد کے تمام مدعیان نبوت^(۲)۔

۸۔ جو شخص نبوت کے کسی مدعی کی تصدیق کرے گا تو وہ مدعی نبوت کی طرح کفر کی وجہ سے مرتد ہو جائے گا^(۳)، اس لئے کہ اس نے ایسے امر کا انکار کیا ہے، جس پر پوری امت کا اجماع ہے۔

قرانی نے اشہب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر نبوت کا مدعی ذمی ہو اور اعلانیہ دعویٰ کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر توبہ کر لے گا تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا^(۴)، ابن القاسم نے کہا ہے کہ نبوت کے مدعی کو قتل کر دیا جائے گا، خواہ خفیہ دعویٰ کرے یا اعلانیہ کرے۔

اور جو شخص کسی دوسرے آدمی کی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ مرتد ہو جائے گا^(۵)، عبدالقاہر نے کہا ہے کہ اہل سنت نے اس شخص کو کافر کہا ہے جو ائمہ کے لئے الوہیت یا نبوت کا دعویٰ کرے، جیسے سیدہ،

کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”أنا خاتم النبیین“^(۱) (میں آخری نبی ہوں) نیز ارشاد گرامی ہے: ”فضلت علی الأنبیاء بست.....“ الحدیث (مجھ کو انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے) اس میں یہ جملہ بھی ہے: ”وختم بی النبیین“^(۲) (مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے)، نیز ارشاد ہے: ”سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلہم یزعم أنه نبی، وأنا خاتم النبیین لا نبی بعدی“^(۳) (میری امت میں تیس کذاب ہوں گے، ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)۔

اس مسئلہ پر پوری امت کا اجماع ہے کہ یہ دین کا بدیہی علم ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ محمد ﷺ کے ساتھ رسالت میں شریک ہے یا یہ کہے کہ قلب کی صفائی اور نفس کی تہذیب کے ذریعہ نبوت و رسالت کا حاصل کرنا جائز ہے، وہ کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح اگرچہ وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے مگر یہ دعویٰ کرے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے، تو کافر ہو جائے گا^(۴)، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ رسالت و نبوت کے دعویٰ دار کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف

(۱) جواہر الإکلیل ۲/۲۸۱، الشفانی حقوق المصطفیٰ مع شرحہ للشیخ علی القاری ۴/۷۸، ۴/۷۹، محمد حسین مخلوف، القاہرہ مطبعۃ المدنی۔

(۲) الفرق بین الفرق لعبد القاہر البغدادی ص ۳۰۲، بیروت، دارالمعرفہ ۱۴۱۵ھ۔

(۳) شرح المحلی علی المنہاج للوہدوی ۳/۱۵۵، القاہرہ، عیسیٰ الحلی، الذخیرہ ۲۲/۱۲۔

(۴) الذخیرہ ۱۲/۲۳۔

(۵) الذخیرہ ۱۲/۲۷، قرانی نے کہا ہے کہ اس کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۱) حدیث: ”أنا خاتم النبیین“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/۵۵۸ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۹۱۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”فضلت علی الأنبیاء بست.....“ کی روایت مسلم (۱/۳۷۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”سیکون فی امتی کذابون.....“ کی روایت ابو داؤد (۳/۵۵۲ طبع جمص) اور ترمذی (۴/۳۹۹ طبع المکتبۃ التجاریہ) نے حضرت ثوبانؓ سے کی ہے، اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے۔

(۴) جواہر الإکلیل شرح مختصر خلیل ۲/۸۲، الذخیرہ ۲/۲۳، ۲۸/۱۲، بیروت، دارالغرب الإسلامي ۱۹۹۳ء۔

نبی، نبی

بیانیہ، خطابیہ اور ان کے قائم مقام (۱)۔

نبی

نبی

تعریف:

۱- نبی لغت میں انباء سے ماخوذ فعل کا صیغہ ہے، اس کا معنی خبر دینا ہے، نبی، فعل کے وزن پر مہوز ہے، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتا ہے، ہمزہ کو یاء سے بدل کر ادغام کرنا راجح لغت ہے، قرأت سب سے دونوں طرح پڑھا گیا ہے (۱)۔

دیکھئے: ”اُشریہ“۔

اصطلاح میں نبی: عبدالقاہر بغدادی نے کہا ہے: نبی ہر وہ شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ کے ذریعہ وحی نازل ہو اور خارق عادات کرامات کے ذریعہ اس کی تائید کی گئی ہو (۲)۔

ایسا نہیں ہے کہ جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آجائے وہ نبی ہو جائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ“ (۳) (اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں القاء کیا)، نیز ارشاد ہے: ”وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ“ (۴) (اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم انہیں



(۱) لسان العرب، المصباح المنیر، فتح الباری ۶/۳۶۱، النبوات لابن تیمیہ ص ۲۷۱، ۳۵۵، ۳۵۸، دارالکتب العربی، بیروت طبع ۲، ۱۳۱۱ھ۔

(۲) تفسیر القرطبی ۱۲/۱۸۰، القاہرہ، دارالکتب المصریہ، اعلام النبوة للملحدی ص ۳۸ القاہرہ، مکتبۃ کلیات الازہریہ ۱۳۹۱ھ، النبوات لابن تیمیہ ص ۳۰۱، کشف القناع ۶/۱، نیل المآرب بشرح دلیل الطالب (۳۵۱) طبع دارالفلاح ۱۳۰۳ھ۔

(۳) سورہ نحل ۶۸۔

(۴) سورہ قصص ۷۔

(۱) الفرق بین الفرق ص ۳۰۲۔

نبی ۲-۴

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ”وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ“ تا وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا، وَكَلَّا فَضَّلْنَا عَلَىٰ الْعَالَمِينَ“^(۱) (یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی..... اور ہم نے ہدایت دی تھی اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی تھی) دوسرے سات حضرات کا ذکر دوسری جگہوں پر ہے، اور وہ حضرت آدم، ادریس، ہود، صالح، شعیب، ذوالکفل اور محمد خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ صراحت کی ہے کہ یہاں کچھ دوسرے رسول بھی ہیں، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ”وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ“^(۲) (اور (دوسرے) پیغمبروں پر کہ ان کا حال ہم پیشتر آپ سے بیان کر چکے ہیں (ہم نے وحی بھیجی تھی) اور (ایسے) پیغمبروں پر (بھی) کہ ان کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا)، نیز ارشاد ہے: ”وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ“^(۳) (اور ہم نے آپ سے پیشتر بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے نہیں بیان کیا ہے)۔

آخری نبی:

۴- بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی محمد ﷺ ہیں، اس پر پوری امت کا اجماع ہے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی

- (۱) سورۃ انعام ۸۳، ۸۶۔
(۲) سورۃ نساء ۱۶۳۔
(۳) سورۃ غافر ۷۸۔

دودھ پلاؤ، ارشاد ہے: ”وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَىٰ الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي“^(۱) (اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب میں نے حواریوں کو حکم دیا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر)، ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ یہ لوگ جن سے ہم کلامی ہوتی ہے اور جن کو خطاب کر کے الہام ہوتا ہے ان کے پاس وحی آتی ہے، مگر وہ معصوم انبیاء نہیں جن کی ہر بات قابل تصدیق ہو^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

رسول:

۲- لغت میں رسول کا معنی بھیجا ہوا، مذکر مونث، واحد و جمع سب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے: ”إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ“^(۳) (ہم پروردگار عالم کے رسول ہیں) اس کی جمع رسل وارسل بھی آتی ہے^(۴)۔

اصطلاح میں: رسول وہ انسان ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی تبلیغ کے لئے لوگوں کے پاس بھیجتا ہے^(۵)۔
رسول نبی سے خاص ہے، الکلہی اور الفراء نے کہا ہے کہ ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہے^(۶)۔

نبیوں اور رسولوں کی تعداد:

۳- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بعض انبیاء کا ذکر ان کے نام کے ساتھ مختلف مقامات پر کیا ہے، ان میں اٹھارہ رسول ہیں جن کا ذکر

- (۱) سورۃ مائدہ ۱۱۱۔
(۲) النبوات ص ۲۷۳۔
(۳) سورۃ شعراء ۱۶۔
(۴) المعجم الوسیط۔
(۵) التعریقات للبحر جانی۔
(۶) التعریقات للبحر جانی۔

نبی ۵-۶

”فَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ“^(۱) (تو) آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور مچھلی والے (پیسیر) کی طرح نہ ہو جائیے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم بھی ان میں سے نہیں ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَقَدْ عَاهَدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا“^(۲) (اور) (بہت زمانہ) قبل ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔

دوسرا قول: اولو العزم بعض رسول ہیں، پھر ان کے اسماء گرامی کی تعیین میں دس سے زائد مختلف اقوال ہیں، سب سے مشہور قول وہ ہے جو مجاہد نے کہا ہے: وہ پانچ ہیں: حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ علیہم اجمعین^(۳)۔

ان حضرات کا ذکر جن کے نبی ہونے میں اختلاف ہے:
جن حضرات کی نبوت میں اختلاف ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

الف- خضر:

۶- حضرت خضر حضرت موسیٰ کے معاصر ہیں، ان دونوں کا قصہ سورۃ الکہف میں مذکور ہے، ان کا شمار ان انبیاء میں ہوتا ہے، جن کی نبوت متفق علیہ نہیں ہے^(۴)، قرطبی نے کہا ہے کہ جمہور کے نزدیک خضر نبی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ نیک بندے تھے نبی نہیں تھے، لیکن

ہے: ”إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتاً فأحسنه وأجمله إلا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به و يعجبون له ويقولون: هلا وُضعت هذه اللبنة! قال: فانا اللبنة، وأنا خاتم النبيين“^(۱) (میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی مکان بنایا، اچھا اور خوبصورت مکان بنایا، البتہ ایک کنارے ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، لوگ اس کا طواف کرتے ہیں، اس کو پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں آخری نبی ہوں۔)

اولو العزم رسول:

۵- اللہ تعالیٰ نے اولو العزم رسولوں کا ذکر کیا ہے، ارشاد ہے: ”فَأَصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ“^(۲) (آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا)، عزم سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور اس کا کلمہ بلند کرنے میں قوت و شدت سے کام لینا، ہشیاری و دوراندیشی سے کام لینا اور کام کو کر گزرنا، منع کرنے والوں کی بات نہ سننا، اور اس میں سستی و کاہلی نہ کرنا ہے۔

اولو العزم رسولوں کی تعیین کے بارے میں علماء کے دو مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: تمام رسول، یا حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے علاوہ تمام رسول اولو العزم ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) حدیث: ”إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل.....“ کی روایت بخاری (بخاری ۵۵۸/۶ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۷۱/۳) طبع عیسیٰ الحلی نے حضرت ابو ہریرہ سے کی ہے۔

(۲) سورۃ احقاف ۳۵۔

(۱) سورۃ قلم ۴۸۔

(۲) سورۃ طہ ۱۱۵۔

(۳) تفسیر ابن کثیر ۱۷۲/۴، تفسیر القرطبی ۱۶/۲۲۰، ۲۲۱، شرح العقیدۃ الطحاویہ ص ۳۱۱۔

(۴) جواہر الکلیل ۲/۲۸۲، الذخیرہ للقرآنی ۱۲/۳۰، الزواجر عن اقتراف الکبائر للہیثمی ۱/۵۴، القاہرہ طبع دار الحدیث ۱۴۱۳ھ، تفسیر القرطبی ۱۱/۱۶، ۱۷، ۱۸۔

نبی ۷-۱۱

ابن کثیر نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر حضرات انبیاء کے ساتھ کرنے اور ان کی تعریف کرنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے، انہوں نے کہا ہے کہ یہی مشہور ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ وہ نبی نہیں تھے، وہ صرف ایک دانشور، نیک، انصاف پسند اور عادل آدمی تھے، انہوں نے لکھا ہے کہ ابن جریر نے توقف سے کام لیا ہے، واللہ اعلم^(۱)۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”أَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنَ لَدُنَّا عِلْمًا“^(۱) (جس کو ہم نے اپنا ایک خاص فضل مرحمت کیا تھا اور ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک (خاص) علم سکھا یا تھا)، سے ان کی نبوت معلوم ہوتی ہے، اور ان کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي“^(۲) (اور یہ (کوئی کام) میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا)، کا تقاضا ہے کہ وہ نبی ہیں^(۳)۔

ب- لقمان:

د- عزیر:
۹- ابن کثیر نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت عزیر انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی ہیں^(۲)۔

۷- حضرت لقمان کا ذکر اس سورت میں ہے جو ان کے نام سے موسوم ہے، بعض علماء ان کی نبوت کے قائل ہیں، علامہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ جمہور سلف کی رائے ہے کہ وہ نبی نہیں تھے، ان کا نبی ہونا صرف حضرت عکرمہ سے منقول ہے^(۴)۔

ج- ذوالکفل:

نیوں کے ساتھ مخصوص احکام:
۱۰- حضرات انبیاء دوسرے انسانوں کی طرح مکلف ہیں، جو چیز ان کی امتوں کے حق میں مشروع ہے وہ فی الجملہ ان کے حق میں بھی مشروع ہے، البتہ کچھ احکام ایسے بھی ہیں جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۸- ذوالکفل کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں کیا ہے: ”وَاسْمِعِيلَ وَاذْرِيَسَ وَذَا الْكُفْلِ كُلُّ مِّنَ الصَّابِرِينَ، وَاَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ“^(۵) (اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل (کا تذکرہ کیجئے) یہ سب ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت (خاص) میں داخل کر لیا تھا بے شک وہ (سب) صالح لوگوں میں سے تھے)

الف- ان پر صدقہ کا حرام ہونا:

۱۱- خاص طور پر محمد رسول اللہ ﷺ پر صدقہ حرام ہے، خواہ صدقہ فرض ہو یا نفل ہو، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان الصدقة لا تنبغي لآل محمد، إنما هي أوساخ الناس“^(۳) (صدقہ آل

(۱) سورۃ کہف / ۶۵۔

(۲) سورۃ کہف / ۸۲۔

(۳) تفسیر ابن کثیر ۳/۹۹، البدایہ والنہایہ ۱/۲۹۹، ۳۹۸۔

(۴) تفسیر ابن کثیر ۳/۴۳، دیکھئے: البدایہ والنہایہ ۱/۱۲۵، جواہر الإکلیل

۲/۲۸۲، الذخیرہ للقرآنی ۱۲/۳۰۔

(۵) سورۃ انبیاء / ۸۵، ۸۶۔

(۱) البدایہ والنہایہ ۱/۲۲۵۔

(۲) البدایہ والنہایہ ۲/۳۶۶۔

(۳) حدیث: ”ان الصدقة لا تنبغي لآل محمد.....“ کی روایت مسلم

(۲/۵۳) طبع عینی الحلی نے حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث

سے کی ہے۔

نبی ۱۲

(علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء نے درہم و دینار وراثت میں نہیں چھوڑا بلکہ انہوں نے وراثت میں صرف علم چھوڑا ہے) علامہ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ وراثت میں دنیا کا مال چھوڑیں، تاکہ جو لوگ ان کی نبوت کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں، ان کو یہ شبہ نہ ہو کہ انہوں نے دنیا طلب کی اور اس کو اپنے وراثت کے لئے وراثت کے طور پر چھوڑا۔

ایک قول کے مطابق: یہ صرف ہمارے نبی محمد ﷺ کی خصوصیت ہے، دوسرے کسی نبی کی یہ خصوصیت نہ تھی، یہ ابن عطیہ کا قول ہے، جیسا کہ تفسیر قرطبی میں ہے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کا قول: ”لا نورث“ ایک آدمی کا اپنے بارے میں جمع کے صیغہ سے تعبیر کرنے کے قبیل سے ہے^(۱)، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے ظاہر سے استدلال کیا ہے، ارشاد باری ہے: ”وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ“^(۲) (اور داؤد کے جانشین سلیمان ہوئے)، حضرت زکریا کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے ارشاد ہے: ”فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا، يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ“^(۳) (مجھے (خاص) اپنے پاس سے وارث دے جو میرا بھی وارث بنے اور اولاد یعقوب کا بھی وارث بنے)۔

= (عاس) اور ترمذی (۴۹/۵ طبع الحلی) نے حضرت ابو درداءؓ سے کی ہے، اور ترمذی نے کہا ہے: ہمیں اس کا علم صرف عاصم بن رجاہ بن حیوہ سے ہوا ہے، میرے نزدیک سند متصل نہیں ہے۔

(۱) تفسیر القرطبی ۱۱/۸۱، ۸۲، تفسیر ابن کثیر ۱۱/۱۱۱، الذخیرہ للقرآنی ۱۳/۱۳، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/۲۱۳، العواصم من القواصم لابن العربی ص ۱۳، شائع کردہ محبت الدین الخطیب۔

(۲) سورہ نمل ۱۶۔

(۳) سورہ مریم ۶۵۔

محمد کے لئے مناسب نہیں ہے، یہ تو محض لوگوں کا میل ہے) آپ کے حالات کے بیان میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ ہدیہ کھاتے تھے، صدقہ نہیں کھاتے تھے^(۱)۔

بعض فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، مثلاً قلیوبی نے کہا ہے کہ صدقہ لینا اور اس کو قبول کرنا جائز ہے، مگر نبی کے لئے جائز نہیں ہے، انہوں نے کہا ہے کہ بظاہر تمام انبیاء کے لئے بھی حلال نہیں ہے^(۲)۔

ب۔ ان کے اموال میں وراثت جاری نہ ہوگی بلکہ ان کے بعد سب صدقہ ہوں گے:

۱۲۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: ”لَاتَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، مَا تَرَكَتْ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَوْئِنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ“^(۳) (میرے وراثت دینار و درہم کو تقسیم نہیں کریں گے، اپنی ازواج کے نفقہ اور اپنے عامل کے اخراجات کے بعد جو کچھ چھوڑوں گا وہ صدقہ ہے) دوسری حدیث ہے: ”إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَثُوا الْعِلْمَ“^(۴)

(۱) حدیث: ”أَنَّهُ يَأْكُلُ الْهَدِيَّةَ وَلَا يَأْكُلُ الصَّدَقَةَ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۲۰۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۵۶/۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے، اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَتَى بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ: أَهْدِيَةٌ أَمْ صَدَقَةٌ؟ فَإِنْ قِيلَ: صَدَقَةٌ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: كُلُوا، وَلَمْ يَأْكُلْ، وَإِنْ قِيلَ: هَدِيَّةٌ، ضَرَبَ بِيَدِهِ ﷺ فَأَكَلَ مَعَهُمْ“۔

(۲) القلیوبی علی شرح المنہاج ۳/۲۰۳، ۱۰۱۔

(۳) حدیث: ”لَاتَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۵/۲۰۶ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۳۸۲/۳ طبع الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے۔

(۴) حدیث: ”إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَرَثُوا الْعِلْمَ“ کی روایت ابو داؤد (۵۸/۴ طبع عزت عبید

نبی ۱۳-۱۵

أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفْرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ“^(۱) (کہہ دو کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد (یعقوب) پر اتارا گیا اور جو موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا اور اس پر جو دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ ہی کے حکم بردار ہیں)۔

جو شخص اجمالاً ان پر ایمان نہ لائے یا جن کی نبوت پر امت کا اجماع ہے، ان میں سے کسی کی نبوت میں شک و شبہ کرے تو وہ کافر ہوگا۔

جن کی نبوت پر امت کا اجماع نہیں ہے اگر ان میں سے کسی کے بارے میں کوئی شک و شبہ کرے جیسے حضرت خضر اور حضرت لقمان، تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ ان کی نبوت یقینی نہیں ہے۔

ابن عابدین نے کہا ہے کہ چونکہ حضرات انبیاء کرام کی تعداد یقینی طور پر معلوم نہیں ہے، اس لئے مناسب ہے کہ کہے کہ میں تمام حضرات انبیاء کرام پر ایمان لایا جن میں سب سے اول حضرت آدم اور سب کے آخر حضرت محمد ﷺ ہیں، یہ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں ہے کہ وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، اور ان میں رسول تین سو تیرہ ہیں، اس لئے کہ یہ خبر واحد ہے^(۲)۔

ب- انبیاء کی اطاعت ان کی اتباع اور ان سے محبت رکھنا:
۱۵- تمام مکلف انسانوں پر واجب ہے کہ جو انبیاء در رسول ان کے

(۱) سورہ بقرہ ۱۳۶۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۲۵۴/۱، المنہاج للنووی و شرحہ للنکلی ۱/۴۷۵، دیکھئے: الإیمان لابن تیمیہ ص ۲۶۸، شرح العقیدۃ الطحاوی ص ۳۱۱۔

ج- نبی کو وہیں دفن کیا جائے گا جہاں ان کا وصال ہو:
۱۳- نبی کو وہیں دفن کیا جائے گا جہاں ان کا وصال ہو، اس لئے کہ حضرت ابوبکرؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”ما دفن نبی قط إلا فی مکانہ الذی توفی فیہ“^(۱) (کسی نبی کو ان کی جائے وصال سے الگ نہیں دفن کیا گیا، چنانچہ حضور ﷺ کے لئے ان کے مکان میں قبر تیار کی گئی)۔

انبیاء کے تعلق سے امت پر ثابت شدہ احکام:

الف- انبیاء کی نبوت اور رسولوں کی رسالت پر ایمان کا واجب ہونا:

۱۴- اس امت کے ہر مکلف پر واجب ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت کے لئے چنا اور اپنی رسالت کے لئے انتخاب فرمایا ان پر ایمان لائے، ان پر ایمان کے دو درجے ہیں:

ایمان مجمل: یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء پر اجمالاً ایمان لائے، خواہ ان کے نام جانتا ہو یا ان سے ناواقف ہو۔

ایمان مفصل: یعنی اس طرح ایمان لائے کہ نوح علیہ السلام نبی و رسول ہیں، اسی طرح حضرت ابراہیم اور دوسرے تمام انبیاء جن کی نبوت یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں دونوں داخل ہیں: ”قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا

(۱) حدیث: ”ما دفن نبی قط إلا فی مکانہ الذی توفی فیہ“ کی روایت مالک نے الموطا (۲۳۱/۱ طبع عیسیٰ الخلی) میں حضرت ابوبکر الصدیقؓ سے کی ہے، ابن عبدالبر نے التجرید (ص ۲۵۵ طبع القدسی) میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ کسی ایک سند میں متصل نہیں پائی گئی ہے، لیکن وہ صحیح ہے، حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ سے ثابت سندوں کے ساتھ محفوظ ہے۔

نبی ۱۵

کے بارے میں کہا ہے: ”وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ“^(۱) (اور وہ پیغمبر ہوگا بنی اسرائیل کے لئے)۔

البتہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت عام ہے، لہذا جو انسان آپ کی دعوت کو سنے گا وہ اس بات کا مکلف ہے کہ آپ پر ایمان لائے، آپ کی اطاعت اور آپ کی اتباع کرے، دین اسلام میں داخل ہو، اور اس کے احکام کی پابندی کرے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“^(۲) (اور ہم نے آپ کو دنیا بھر کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)، نیز ارشاد ہے: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا“^(۳) (اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے بطور خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے کے)، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”أَعْطَيْتُ خُمْسًا لِّمَنْ يَعْطِيهِمْ أَحَدٌ قَبْلِي.....“ (مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں)، اس میں ذکر ہے: ”كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يَبْعَثُ إِلَىٰ قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبَعَثْتُ إِلَىٰ كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ“^(۴) (ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میری بعثت ہر کالے گورے انسان کی طرف ہے) سابقہ ادیان کے ماننے والوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے دین پر ثابت قدم رہے اور اسی پر اکتفا کرے بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا اور آپ کی اتباع کرنا اس پر لازم ہے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کو دوہرا اجر ملے گا، اللہ تعالیٰ نے علماء نصاریٰ کی ایک جماعت کے بارے میں جو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ساتھ

پاس بھیجے گئے ہیں، وہ ان کو جس کام کا حکم دیں اس میں ان کی اطاعت کریں، اس لئے کہ وہ صرف اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ سے قبل جتنے انبیاء گذرے ہیں ان میں ہر رسول خاص کر اپنی قوم کے پاس بھیجا گیا، چنانچہ حضرت نوحؑ کی رسالت ان کی قوم کے لئے تھی، حضرت ہودؑ کی رسالت قوم عاد کے لئے تھی، حضرت صالحؑ کی رسالت قوم ثمود کے لئے تھی، اور حضرت موسیٰؑ کی رسالت صرف ان کی قوم بنی اسرائیل کے لئے تھی، بنی اسرائیل کے علاوہ دوسرے لوگ حضرت موسیٰؑ کی اطاعت اور ان کی اتباع کے مکلف نہیں تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ“^(۱) (بالیقین ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا)، نیز ارشاد ہے: ”وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا“^(۲) (اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا)، نیز ارشاد ہے: ”وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا“^(۳) (اور ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو بھیجا)، نیز ارشاد ہے: ”وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا“^(۴) (اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا)، نیز ارشاد ہے: ”وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ، يَقَوْمِ لِمَ تُوَدُّونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ“^(۵) (اور وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میرے قوم والو! تم مجھے کیوں ایذا پہنچاتے ہو، درآنحالیکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں)، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ

(۱) سورة آل عمران / ۴۹۔

(۲) سورة انبیاء / ۱۰۷۔

(۳) سورة سباء / ۲۸۔

(۴) حدیث: ”أَعْطَيْتُ خُمْسًا لِّمَنْ يَعْطِيهِمْ أَحَدٌ قَبْلِي.....“ کی روایت مسلم (۱/۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے۔

(۱) سورة اعراف / ۵۹۔

(۲) سورة ہود / ۵۰۔

(۳) سورة نمل / ۴۵۔

(۴) سورة ہود / ۸۳۔

(۵) سورة صف / ۵۔

ج- انبیاء کے احترام کا واجب ہونا:

۱۶- حضرات انبیاء کرام کی توقیر ہر مکلف پر واجب ہے، یعنی ان کی عظمت کرنا، ان کے ذکر کا احترام کرنا، ہر ایسے قول و عمل سے پرہیز کرنا جس سے ان کی ناقدری ہو، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا یقولن أحدکم انی خیر من یونس بن متی“ (۱) (تم میں سے کوئی مجھ کو یونس بن متی سے بہتر نہ کہے) یعنی اس طرف اشارہ ہے کہ ان پر فضیلت دینا ان کے مقام کو گھٹانا ہے، علامہ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ حضرات انبیاء کے حقوق، ان کی تعظیم و توقیر کرنے اور ان سے ایسی محبت کرنے میں ہیں جو جان، مال اور اولاد کی محبت سے مقدم ہو، اسی طرح ان کی اطاعت و فرمانبرداری کو ترجیح دینے اور ان کے سنن کی اتباع وغیرہ میں ہے (۲)۔

د- انبیاء کرام پر درود و سلام بھیجنا:

۱۷- قرآن کریم میں ہم لوگوں کو محمد رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رہے دوسرے انبیاء تو قرآن کریم میں سوہ صافات میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت الیاس پر سلام بھیجنے کا ذکر ہے، اور سورت کے آخر میں تمام رسولوں پر سلام بھیجا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ”وَسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ“ (۳) (اور سلام ہو پیغمبروں پر)، سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر سلام بھیجنے کا ذکر ہے (۴) نیز ارشاد ربانی ہے:

حشہ سے آئے اور اسلام قبول کیا (۱)، ارشاد فرمایا: ”الَّذِیْنَ اَتٰیہُمْ الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ یُؤْمِنُونَ، وَاِذَا یُنزَّلَتْ عَلَیْہُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا بِہِ، اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَا اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہِ مُسْلِمِیْنَ، اُولٰٓئِکَ یُؤْتُوْنَ اَجْرَہُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا“ (۲) (جن لوگوں کو ہم نے کتاب اس (قرآن) کے قبل دے رکھی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے اور ہم تو اس سے پہلے بھی (اسے) مانتے تھے، ان لوگوں کو ان کا دہرا اجر ملے گا، اس لئے کہ یہ پختہ رہے)، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ثَلَاثَةٌ یُّؤْتُوْنَ اَجْرَہُمْ مَّرَّتَیْنِ: رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِیْہِ، وَاَدْرَکَ النَّبِیَّ ﷺ قَامَنَ بِہِ وَصَدَقَہُ وَاتَّبَعَہُ، فَلِہِ اَجْرَانِ“ (۳) (تین آدمیوں کو ان کا اجر دوہرا دیا جائے گا اہل کتاب کا ایک آدمی جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی پایا اور آپ پر بھی ایمان لایا، آپ کی تصدیق کی، آپ کی اتباع کی تو اس کو دوہرا اجر ملے گا)۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے کوئی اس کا مکلف نہیں ہے کہ سابق ادیان کی کتابوں کی طرف رجوع کرے تاکہ ان سے احکام معلوم کرے اور جو کچھ ان میں ہے اس پر عمل کرے، البتہ ان ادیان کے جو احکام قرآن و سنت میں مذکور ہیں، جمہور کے نزدیک ہم ان کے پابند ہیں، اس میں شافیہ کا اختلاف ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”نبوۃ“، ”شرع من قبلنا“ (فقہہ ۳)۔

(۱) حدیث: ”لا یقولن أحدکم انی خیر من یونس بن متی“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/۲۵۰ طبع السلفیہ) نے حضرت ابن مسعود سے کی ہے۔
(۲) اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۳۶۔
(۳) سورہ صافات ۱۸۱۔
(۴) سورہ مریم ۱۵، ۳۳۔

(۱) تفسیر القرطبی ۱۳/۲۹۶۔
(۲) سورہ قصص ۵۲، ۵۳۔
(۳) حدیث: ”ثَلَاثَةٌ یُّؤْتُوْنَ اَجْرَہُمْ مَّرَّتَیْنِ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۹۰/۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱/۱۳۴، ۱۳۵ طبع عیسیٰ الخلی) نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کی ہے، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

لیکن جمہور علماء نے کہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے پر قیاس کرتے ہوئے دوسرے انبیاء پر بھی درود بھیجنا جائز اور مستحب ہے، نیز اس لئے کہ ان میں اکثر جو حضرات ابراہیم کی ذریت میں سے ہیں ابراہیم پر درود کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم میں پہلے ہی داخل ہیں، نووی نے ”الاذکار“ میں کہا ہے کہ تمام قابل لحاظ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تمام انبیاء اور فرشتوں پر مستقل درود بھیجنا جائز و مستحب ہے^(۱)۔

ابن کثیر نے اس اثر کو نقل کیا ہے جس کی روایت ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ کچھ لوگوں نے آخرت کا کام کر کے دنیا حاصل کی ہے، اور کچھ قصہ گو لوگوں نے نبی کریم ﷺ پر درود کے برابر اپنے خلفاء اور امراء پر درود بھیجنا شروع کر دیا ہے، جب آپ کے پاس میرا یہ خط پہنچے تو حکم دیجئے کہ وہ درود صرف انبیاء پر بھیجیں اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کریں^(۲)۔

ھ- انبیاء کے درمیان تفریق کا حکم:

۱۸- ایمان لانے میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے درمیان فرق کرنا یا انبیاء میں بعض بعض میں فرق کرنا جائز نہیں ہے، لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور تمام انبیاء کا کفر کرے یا بعض انبیاء پر ایمان لائے اور دوسرے بعض کا کفر کرے تو وہ مؤمن کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا، اور جن لوگوں پر ایمان لایا ان پر ایمان لانے کی وجہ سے کفر کے استحقاق سے باہر نہیں ہوگا، اس کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے: ”إِنَّ

الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ، وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ

(۱) تفسیر القرطبی ۱۵/۹۰، ۱۲۲، شرح الشفا ۳/۸۳، الأذکار للنووی ص ۹۹ دمشق، دارالملاح، دیکھئے: جلاء الفہام لابن القیم ص ۳۱۲ طبع المنیر۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ۳/۵۱۷۔

”قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ“^(۱) (آپ کہہ دیجئے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے منتخب کیا)، اسی وجہ سے علماء کرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کہ حضرات انبیاء کرام پر سلام بھیجنا مستحب ہے، اس لئے کہ ارشاد ربانی مثلاً: ”وَتَوَكَّنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ، سَلَّمَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ“^(۲) (اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو) اس پر دلیل ہے، ”فی الْآخِرِينَ“ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ محمد ﷺ کی امت مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ ان کے بعد کی تمام امتیں مراد ہیں، دونوں اقوال کے مطابق یہ مشروعیت کی دلیل ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِذَا سَلَّمْتُمْ عَلَيَّ فِلسَلْمُوا عَلَيَّ الْمُرْسَلِينَ، فَإِنَّمَا أَنَا رَسُولُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ“^(۳) (جب تم لوگ مجھ پر سلام بھیجو تو تمام انبیاء پر بھی سلام بھیجا کرو، اس لئے کہ میں ان ہی میں کا ایک رسول ہوں)۔

رہا ان پر درود بھیجنا تو اس کے بارے میں خصوصیت سے کوئی صحیح خاص نص موجود نہیں ہے، اسی وجہ سے ایک قول میں امام مالک کی رائے جس کو صاحب ”الشفاء“ نے ذکر کیا ہے، اور امام مالک کے بعض شاگردوں نے بھی ذکر کیا ہے یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی نبی پر درود بھیجنا مشروع نہیں ہے، درود و سلام کو جمع کرنا محمد رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

(۱) سورہ نمل ۵۹۔

(۲) سورہ صافات ۱۰۸، ۱۰۹۔

(۳) حدیث: ”إِذَا سَلَّمْتُمْ عَلَيَّ فِلسَلْمُوا عَلَيَّ الْمُرْسَلِينَ، فَإِنَّمَا أَنَا رَسُولُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ“ کی روایت ابن جریر نے اپنی تفسیر (۱۱۶/۲۳) طبع الکلی میں حضرت قتادہ سے مرسل کی ہے، اور اسنادی نے القول البدیع ص ۵۲، ۵۳ میں اس کے شواہد ذکر کر کے اس کے قوی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لاتے خصوصاً اس نبی پر جس کی نبوت کے دلائل واضح اور برہان و حجت قوی ہیں^(۱)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام سے وعدہ لیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے، اور ان میں سے کسی کو جس میں علم و نبوت ہو اس کی اتباع اور نصرت سے نہیں روکیں گے جو اس کے بعد مبعوث ہوا ہو^(۲)، ارشادِ باری ہے: ”وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ، وَتَتَّبِعُونَهُ، قَالُوا أَأَقْرَبُكُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَيَّ دَلِيلًا مِنْكُمْ إِصْرِي، قَالُوا أَأَقْرَبُكُمْ قَالَ فَاشْهَدُوا وَإِنَّا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ، فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ“^(۳) (اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکم (کی قسم) سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا پھر فرمایا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں، فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی اس کے بعد بھی روگردانی کرے گا، سو یہی لوگ تو نافرمان ہیں)، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ”والذي نفسي بيده لو أن موسى عليه السلام كان حيا ما وسعه إلا أن يتبعني“^(۴) (اس ذات کی قسم جس

يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا، أُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا“^(۱) (بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان فرق رکھیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی پر تو ایمان لائے ہیں اور کسی کے ہم منکر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ایک راہ درمیانی نکالیں، تو یہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ایک عذاب رسوا کرنے والا تیار کر رکھا ہے)، یہ اس لئے کہ حضرات انبیاء ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں، تو جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے یا بعض رسولوں پر ایمان لائے تو اس کو اس کا ایمان کچھ بھی نفع نہ دے گا، اگر وہ کسی بھی رسول کا کفر کرے، اور جو ایسا کرے گا وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے گا جس نے ان کے پاس نبوت کی وحی بھیجی، نیز تمام انبیاء کے ساتھ کفر کرے گا۔

سابقہ ادیان کی اتباع کرنے والوں کو جنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے جو لوگ مؤمن کہتے ہیں وہ درحقیقت شریعت کی خلاف ورزی اور قرآن کے ساتھ معارضہ کرنے والے ہیں^(۲)۔

ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ اس لئے کہ ہر اس نبی پر ایمان لانا واجب ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا ہے، لہذا جو شخص حسد، عصبیت یا خواہشات نفس کی وجہ سے ان کی نبوت کو رد کر دیتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ جس نبی پر وہ ایمان لایا ہے اس کا ایمان شرعی ایمان نہیں ہے، بلکہ وہ صرف کسی غرض، خواہش نفس یا عصبیت کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ اگر وہ ان کے رسول ہونے کی وجہ سے ان پر ایمان لاتے تو ان جیسے دوسرے نبی پر بھی ضرور ایمان

(۱) سورۃ نساء ۱۵۰، ۱۵۱۔

(۲) تفسیر القرطبی ۶/۶۔

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱/۵۷۲۔

(۲) تفسیر القرطبی ۳/۱۲۴، ۱۲۵، تفسیر ابن کثیر ۱/۳۷۷، ۳۷۸۔

(۳) سورۃ آل عمران ۸۱، ۸۲۔

(۴) حدیث: ”والذي نفسي بيده لو أن موسى كان حيا.....“ کی روایت

احمد (۳۸۷/۳ طبع الیمینہ) نے کی ہے، ابن حجر نے فتح الباری (۱۳/

۳۳۴ طبع السنفیہ) میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں، صرف

مجالد میں کچھ ضعف ہے۔

لوگوں کا سردار ہوں گا)۔

انبیاء میں جو رسول ہیں وہ ان سے افضل ہیں جو رسول نہیں ہیں، قرطبی نے کہا ہے کہ جن کو رسول بنایا گیا ان کو رسالت کے ذریعہ دوسروں پر فضیلت دی گئی، اور نبوت میں سب برابر ہیں۔

رسولوں میں سب سے افضل وہ ہیں جو ان میں اولوالعزم ہیں، یہ قول حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔

ان سب میں مطلقاً افضل حضرت محمد ﷺ ہیں، پھر ان کے بعد ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، مشہور قول یہی ہے، ابن کثیر نے یہی کہا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے جو مروی ہے کہ آپ نے انبیاء میں ایک دوسرے کو افضل کہنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: ”لا تخیروا بین الأنبياء“^(۱) (انبیاء میں ایک دوسرے کو بہتر نہ کہو)، نیز ارشاد ہے: ”لا تفضلوا بین انبياء الله“^(۲) (اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں کسی کو کسی سے افضل نہ کہو)، نیز ارشاد ہے: ”لا تخیرونی علی موسی“^(۳) (مجھ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہتر نہ کہو)، نیز ارشاد ہے: ”لا یقولن أحدکم إني خیر من یونس بن

= ۱۸۶/۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۸۶/۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا ہے۔

(۱) حدیث: ”لا تخیروا بین الأنبياء“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۷۰/۵) اور مسلم (۱۸۴/۴ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے کہا ہے۔

(۲) حدیث: ”لا تفضلوا بین انبياء الله“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۴۵۰/۱، ۴۵۱/۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۸۴/۴ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا ہے۔

(۳) حدیث: ”لا تخیرونی علی موسی“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۷۰/۵ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۸۴/۴ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا ہے۔

کے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا)، لہذا یہ زیادہ مناسب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں پر یہ لازم ہو کہ وہ محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کریں ورنہ وہ یقیناً کافر ہوں گے۔

اس حکم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو یہ کہے کہ محمد ﷺ تو صرف خاص طور پر جاہلیت عرب کے پاس بھیجے گئے تھے، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے ماننے والوں پر ان کی اتباع ضروری نہیں ہے^(۱)۔

انبیاء میں کسی کو کسی سے افضل قرار دینا:

۱۹- اس بارے میں علماء کرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرات انبیاء کے مختلف درجات ہیں، اور ان میں سے بعض دوسرے بعض سے افضل ہیں، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا“^(۲) (اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض (دوسرے) نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی)، نیز ارشاد ہے: ”تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ“^(۳) (ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے، ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے، ان میں سے بعض کے درجے اس نے بلند کئے ہیں)، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أنا سيد الناس يوم القيامة“^(۴) (میں قیامت کے دن تمام

(۱) الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح لابن تيمية ۱۳۹/۱، ۱۶۱، ۱۷۱ مطبعة المجد -

(۲) سورة ابراهيم ۵۵-

(۳) سورة بقره ۲۵۳-

(۴) حدیث: ”أنا سيد الناس يوم القيامة“ کی روایت بخاری (فتح الباری

نبی ۲۰

انبیاء اور دوسرے لوگوں کے مابین کسی کو کسی سے افضل قرار دینا:

۲۰- اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء دوسرے تمام انسانوں سے اور تمام اولیاء سے افضل ترین ہیں، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے:

”وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ“..... وَاسْمِعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا، وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَىٰ الْعَالَمِينَ“ (۱) (یہ

تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی.....) (اور ہم نے ہدایت دی تھی) اسماعیل اور یسوع اور یونس اور

لوط کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی تھی) (ارشاد نبیوں کے ذکر کے بعد ارشاد ہے: ”وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَىٰ

الْعَالَمِينَ“ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر نبی تمام انسانوں سے افضل ہے: نیز ارشاد ربانی ہے: ”وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا

وَقَالَآ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ“ (۲) (اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو (ایک خاص) علم عطا

فرمایا اور وہ دونوں کہنے لگے (ساری) تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی)،

طحاوی نے کہا ہے کہ ہم کسی بھی ولی کو کسی بھی نبی سے افضل نہیں کہتے ہیں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے۔

اختلاف یہ ہے کہ انبیاء افضل ہیں یا فرشتے؟ حنفیہ کے نزدیک

مختار یہ ہے کہ بنی آدم کے خواص یعنی انبیاء تمام فرشتوں سے افضل ہیں، اور بنی آدم کے عوام یعنی متقی حضرات عام فرشتوں سے افضل

ہیں، ان کے نزدیک یہ مسئلہ ظنی اور مختلف فیہ ہے، چنانچہ حنفیہ کی ایک جماعت سے جس میں امام ابوحنیفہ بھی ہیں اس مسئلہ میں توقف کرنا

متی“ (۱) (تم میں سے کوئی مجھ کو یونس بن متی سے بہتر نہ کہے) تو اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ احادیث آیات تفضیل کے نازل

ہونے سے قبل کی ہیں، اور جب آپ کو بتایا گیا کہ آپ اولاد آدم کے سردار ہیں اس سے قبل کی ہیں، اس بنیاد پر اب ایک دوسرے کو افضل

کہنا جائز ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تواضع کے طور پر ارشاد

فرمایا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ صرف اس میں مشغول رہنے سے منع کیا گیا ہے، تاکہ اس کے نتیجے میں کسی کا ذکر غیر مناسب طریقہ پر نہ ہو جائے

اور ان کا احترام بحث و مباحثہ کم نہ ہو جائے۔ ابن عطیہ اور ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ معین طور پر کسی کو مفضل

کہنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے برخلاف اگر غیر معین طور پر کسی کو کسی سے افضل کہا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

”الطحاوی“ کے شارح نے کہا ہے کہ ممنوع وہ تفضیل ہے جو عصبیت، فخر، حمیت اور خواہش نفسانی کے طور پر ہو یا اس طرح ہو کہ

جس کو مفضل کہا جائے اس کی تنقیص لازم آرہی ہو۔

قرطبی کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ممنوع صرف وہ تفضیل ہے جو نبوت کے اعتبار سے ہو، کیونکہ یہ ایک ہی صفت ہے اس میں کوئی کمی یا

زیادتی نہیں ہے، اس میں سب برابر ہیں، تفضیل حالات، خصوصیات، کرامات اور عنایات کی زیادتی میں ہے (۲)۔

(۱) حدیث: ”لَا يَقُولُونَ أَحَدُكُمْ إِنْ خَيْرٍ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى“ کی تخریج فقرہ ۱۶ میں گزر چکی ہے۔

(۲) تفسیر القرطبی ۲۶۱/۳، ۲۶۳؛ تفسیر ابن کثیر ۴/۳، ۴۷۳، ۴۸۱، فتح الباری ۲/۲۵۲، لوائح الأنوار البیہ للسفاری ۱/۴۹، ۵۰، الصارم المسلول رص

(۱) سورۃ النعام ۸۳، ۸۶۔

(۲) سورۃ نمل ۱۵۔

نبی ۲۱-۲۲

”ولد لي الليلة غلام فسميته باسم أبي إبراهيم“^(۱) (آج رات مجھے ایک لڑکا پیدا ہوا، میں نے اس کا نام اپنے والد ابراہیم کے نام پر رکھا)۔

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء کے نام پر نام رکھنا مکروہ ہے، علامہ ابن القیم نے کہا ہے کہ جن لوگوں کی یہ رائے ہے غالباً ان کا مقصد انبیاء کے نام کو ابتذال (بے وقعتی) سے بچانا ہے^(۲)۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”تسمیة“ (فقہہ ۱۱)۔

کسی نبی کو تکلیف پہنچانے والے یا ان کی توہین کرنے والے کا حکم:

۲۲- کوئی شخص کسی ایسے نبی کو ایذا پہنچائے جن کے نبی ہونے پر امت کا جماع ہے، یا ان کو گالی دے، یا ان کی توہین کرے، یا ان کو جھٹلائے یا ان پر جھوٹ بولنے کو جائز قرار دے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ حرکتیں کرنے والے کا جو حکم ہوگا وہی اس کا بھی ہوگا، اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ“^(۳) (اور ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی تھی)، لہذا ان میں سے کسی کی تنقیص کرنا قرآن کریم کو جھٹلانا ہے۔

ان میں سے جس کی نبوت میں اختلاف ہے، ان کا حکم الگ ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ان میں جس کی نبوت میں اختلاف ہے، ان کو گالی دینے والے اور ان کا انکار کرنے والے کا حکم ان کے

مروی ہے، کیونکہ یقینی علم نہیں ہے، اور جس چیز کا علم یقینی نہ ہو اسے اس کے عالم کے سپرد کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

عبدالقادر بغدادی نے کہا ہے کہ مطلقاً اہل سنت انبیاء کو فرشتوں سے افضل کہتے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ اس کے برخلاف حسین بن فضل اور اکثر قدریہ کہتے ہیں کہ فرشتے انبیاء سے افضل ہیں^(۱)۔

انبیاء کے نام پر نام رکھنا:

۲۱- انبیاء کے نام پر نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ بعض فقہاء نے اس کو مستحب کہا ہے، اس بارے میں ابو وہب الجشمی کی حدیث موجود ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تسموا بأسماء الأنبياء“^(۲) (انبیاء کے نام پر نام رکھو) علامہ ابن القیم نے کہا ہے کہ سعید بن المسیب کا قول ہے: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام انبیاء کے نام ہیں، انہوں نے کہا کہ صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ اور عبد الرحمن سب سے زیادہ پسندیدہ نام ہیں^(۳)۔

حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۱/ ۳۵۴، الفرق بین الفرق ص ۳۴۳، تفسیر القرطبی ۲۶/ ۲۶، تفسیر فتح القدر للشوکانی ۱/ ۵۴۲، الکشاف وبذیلہ الإیضاف لابن المنیر ۱/ ۴۶۰، شرح العقیدة الطحاویہ ۲/ ۴۱۲۔

(۲) حدیث: ”تسموا بأسماء الأنبياء“ کی روایت ابوداؤد (۲۳۷/ ۵) طبع حمص) اور احمد (۳۴۵/ ۴) طبع الیمین) نے کی ہے، ذہبی نے میزان الاعتدال (۸۸/ ۳) طبع اکلسی) میں لکھا ہے کہ صحابی سے روایت کرنے والے راوی مجہول ہیں۔

(۳) تحفۃ المودوداً حکام المولود لابن القیم ص ۶۶ تصحیح وعلیق عبدالکیم شرف الدین، جس حدیث کو ابن القیم نے ذکر کیا ہے، وہ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے: ”إن أحب أسمائکم إلی اللہ عبد اللہ و عبد الرحمن“ کی روایت مسلم (۱۶۷۲/ ۳) طبع اکلسی) نے کی ہے۔

(۱) حدیث: ”ولد لي الليلة غلام فسميته باسم أبي إبراهيم“ کی روایت مسلم (۱۸۰۷/ ۴) طبع عیسیٰ اکلسی) نے کی ہے۔
(۲) تحفۃ المودود ص ۶۱، کشف القناع ۲۶/ ۳۔
(۳) سورۃ انعام ۸۶۔

نبی ۲۳-۲۵

(ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی ہوتا اور وہ مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں اس کی تصویریں رکھتے، یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے)۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب بیت اللہ میں تصویریں دیکھیں تو اس میں داخل نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آپ کے حکم سے اس کو مٹا دیا گیا، آپ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دونوں ہاتھوں میں ازلام (تیر) ہیں تو فرمایا: ”قاتلہم اللہ، واللہ ان استقسما بالأزلام قط“^(۱) (اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے، اللہ کی قسم ان دونوں حضرات نے ازلام کے ذریعہ کبھی تقسیم نہیں کیا)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ”اصطلاح ”تصویر“ (فقہ ۲۶)۔

اللہ کے نبی محمد ﷺ:

۲۴- اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا انتخاب فرمایا اور ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا، ان کو دونوں جہاں کے لئے رحمت بنایا، جن و انس کا رسول بنایا، آپ پر نبوت کو ختم فرمایا، چنانچہ آپ کے بعد تاقیامت کوئی نبی نہ ہوگا۔

آپ سے، آپ کے افعال سے اور آپ سے متعلق مکلفین کے افعال سے کچھ احکام متعلق ہیں، ان میں سے کچھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

الف- نبی اکرم محمد ﷺ کی اقتدا و پیروی کرنا:

۲۵- اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ جس چیز

(۱) حدیث: ”أن النبی ﷺ لما رأى الصور فى البيت.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/۳۸۷ طبع السلفیہ) نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے۔

حکم کی طرح نہیں ہے جن کی نبوت پر امت کا اجماع ہے، اس لئے کہ ان کے لئے یہ احترام ثابت نہیں ہے، البتہ ان کی تنقیص کرنے والے اور ان کو ایذا پہنچانے والے کی تعزیر و تادیب کی جائے گی، جن کی شان میں گستاخی کی گئی، ان کے مقام کا لحاظ کرتے ہوئے تعزیر کی جائے گی خصوصاً ان میں سے جن کی فضیلت اور جن کا صدیق ہونا معروف و مشہور ہوا اگرچہ ان کی نبوت ثابت نہ ہو، انہوں نے مزید کہا ہے کہ ان کی نبوت کا انکار اگر اہل علم کی طرف سے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے، اور اگر عوام الناس کی طرف سے ہو تو اس جیسے مسئلہ میں مشغول ہونے سے ان کی تنبیہ کی جائے گی، اگر دوبارہ ایسا کرے گا تو اس کو سزا دی جائے گی^(۱)۔

انبیاء کی تصویر کا حکم:

۲۳- فقہاء کا کہنا ہے کہ ہر ذی روح کی تصویر بنانا فی الجملہ حرام ہے اور انبیاء کی تصویر بنانا بدرجہ اولیٰ حرام ہے، اس لئے کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، نیز یہ اندیشہ بھی ہے کہ ان کی تصاویر اور مجسموں کی عبادت تک معاملہ پہنچ جائے، جیسا کہ جاہل نصاریٰ کرتے ہیں۔

چنانچہ مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”إن أولئك إذا كان فيهم الرجل الصالح فمات بنوا على قبره مسجداً، وصوروا فيه تلك الصور، فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة“^(۲)

(۱) الشفا و شرحہ ۵/۴۹۲، ۵۰۳، دیکھئے: الصارم المسلول علی شاتم الرسول لابن تیمیہ ص ۵۶۷، جواہر الإکلیل ۲/۲۸۰، ۲۸۲، ۳۶۰، الذخیرہ للقرانی ۲۰/۱۲، ۲۷، الروا ج عن اقراف الکبار للہیثمی ۱/۵۵، مغنی المحتاج ۳/۱۳۳، ۱۳۵۔

(۲) حدیث: ”إن أولئك إذا كان فيهم الرجل الصالح.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۵۲۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۷۶) نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کو جو کچھ کرتے ہوئے میں نے دیکھا ہے، اس میں سے کوئی کام میں نہیں چھوڑوں گا، بلکہ اس کو ضرور ادا کروں گا، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں اس میں سے کچھ بھی چھوڑ دوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔

اسی طرح جب حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے، اگر میں نے اپنے حبیب ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھ کو بوسہ نہ دیتا، اللہ کے رسول ﷺ کی ذات گرامی میں تمہارے لئے بہتر نمونہ موجود ہے، اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ ایک صحابی اپنی سواری سے اترے، وتر کی نماز ادا کی پھر ان سے جا ملے، انہوں نے پوچھا کہ کہاں رہ گئے تھے، انہوں نے کہا مجھے اندیشہ ہوا کہ صبح ہو جائے گی، اس لئے اتر کر وتر کی نماز ادا کر لی ہے، تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تمہارے لئے اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ نہیں ہے انہوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ اونٹ پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے^(۱)۔

نبی اکرم محمد ﷺ کی خصوصیات:

۲۶- دنیا و آخرت میں نبی کریم ﷺ کی کچھ خصوصیات اور کچھ درجات ہیں، جو کسی انسان کو حاصل نہیں ہیں، ان خصوصیات کی چند قسمیں ہیں:

اول: بعض احکام شرعیہ جن کا تعلق آپ کی امت سے نہیں

(۱) دیکھئے: المستند لابن الحسین البصری ۱/۳۷۷، المعنی لعبد الجبار ۱/۲۵۷، ان دونوں حضرات نے اس قاعدہ پر اجماع نقل کیا ہے، الاحکام للامدی ۱/۲۶۵، انہوں نے اس میں اختلاف نقل کیا ہے، تیسیر التحریر ۱۳/۱۲۰، فتح الباری ۱۱/۹۴۔

کے مکلف ہیں فی الجملہ پوری امت اس کی مکلف ہے، البتہ کچھ چیزیں مستثنیٰ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ خاص رکھا ہے، اور آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے، آپ کی اقتدا کرنا اور آپ کے افعال کی پیروی کرنا امت پر واجب ہے، اس کی دلیل آپ کا یہ ارشاد ہے: ”صلوا کما رأیتمونی أصلي“^(۱) (جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اس طرح تم بھی نماز ادا کرو)، نیز ارشاد ہے: ”خذوا عنی مناسککم“^(۲) (مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو)، نیز ارشاد نبوی ہے: ”لکنی أصوم وأفطر، وأصلي وأرقد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني“^(۳) (میں روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، لہذا جو میری سنت سے اعراض کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہ ہوگا) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی دلیل ہے: ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ“^(۴) (رسول اللہ ﷺ میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے)۔

حضرات صحابہؓ اس آیت سے مذکورہ مشابہت پر استدلال کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کا ارشاد ہے: اللہ کی قسم اس مال کے

(۱) حدیث: ”صلوا کما رأیتمونی أصلي“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۱/۲ طبع السلفیہ) نے حضرت مالک بن الحویرثؓ سے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”خذوا عنی مناسککم“ کی روایت مسلم (۹۴۳/۲ طبع الحلیمی) اور البیہقی (۱۲۵/۵ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے کی ہے، اور الفاظ تبتہی کے ہیں۔

(۳) حدیث: ”لکنی أصوم وأفطر، وأصلي وأرقد.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۹/۱۰۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۰۲۰/۲ طبع الحلیمی) نے حضرت انس بن مالکؓ سے کی ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۴) سورہ احزاب ۲۱۔

ہے، جیسے آپ کی وراثت کا جاری نہ ہونا وغیرہ۔
دوم: آخرت میں عزت افزائی مثلاً آپ کو شفاعت کا موقع دینا، آپ کا سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا وغیرہ۔
سوم: دنیوی فضائل مثلاً آپ کا لوگوں میں سب سے زیادہ سچا ہونا۔

چہارم: معجزات، جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا وغیرہ۔
جو احکام شرعیہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں وہ واجب ہیں، یا حرام ہیں یا مباح ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”اختصاص“ (فقہ ۷/۱۷۰) اور اس کے بعد کے صفحات)۔

ج- محمد ﷺ پر ایمان لانا:
۲۷- ہر مکلف پر واجب ہے کہ اللہ کے رسول محمد ﷺ جو شریعت لے کر آئے ہیں اس میں ان کی تصدیق کرے، اس کے بغیر ایمان مکمل نہ ہوگا۔

اسی طرح ہر مکلف پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت دے، اس لئے کہ یہ شہادت اسلام کا ایک رکن ہے، ارشاد ربانی ہے: ”فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا“ (۱) (تو اب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس نور پر بھی جو ہم نے نازل کیا ہے)، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله ويؤمنوا بي وبما جئت به، فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماءهم وأموالهم إلا بحقها، وحسابهم على الله“ (۲) (مجھے حکم ملا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے

۲۸- ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ کسی آدمی یا کسی چیز سے جتنی محبت کرتا ہے اس سے زیادہ اللہ ورسول سے محبت رکھے، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ، فَتَرْبُّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ، وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ“ (۱) (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا)، قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ اس میں تحریض و تنبیہ اور دلیل و حجت ہے کہ آپ کی محبت لازم و فرض ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے اور یہ آپ کا حق ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو

(۱) سورة التآبن ۸/ -

(۲) سورة توبہ ۲۴ -

بھی داخل ہے^(۱) جیسا کہ حضرت حسن و حسینؑ کے بارے میں آپ ﷺ کی حدیث میں ہے: ”اللهم اني أحبهما فأحبهما وأحب من يحبهما“^(۲) (اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، آپ بھی ان دونوں سے محبت کیجئے، اور جو ان دونوں سے محبت رکھے اس سے بھی محبت کیجئے) نیز ارشاد نبوی ہے: ”اللہ اللہ فی أصحابی، لا تتخذوہم غرضاً بعدی، فمن أحبہم فبحبی أحبہم، ومن أبغضہم فببغضی أبغضہم، ومن آذاہم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی اللہ، ومن آذی اللہ فیوشک أن يأخذه“^(۳) (اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ، جو ان سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا، اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا، جو ان کو ایذا پہنچائے گا، وہ مجھ کو ایذا پہنچائے گا، اور جو مجھ کو ایذا پہنچائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائے گا، اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے گا)۔

نبی کریم ﷺ کی محبت اس طرح پیدا ہوگی جیسا کہ قاضی

(۱) الشفا و شرحہ ۵۶۱/۳، ۵۸۳، دیکھئے: دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین لابن علان ۴۵۹/۱، الکویت، دار البیان، جامع العلوم والحکم لابن رجب رص ۱۵۰، بیروت، دار الخیر، الصارم المسلمون علی شاتم الرسول لابن تیمیہ رص ۴۲۶۔

(۲) حدیث: ”اللهم اني أحبهما وأحب من يحبهما“ کی روایت ترمذی (۶۵۷/۵ طبع اُحلی) نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے کی ہے، اور اس کی روایت بخاری (فتح الباری ۸۸/۷ طبع السلفیہ) نے: ”و أحب من یحبہما“ کے بغیر کی ہے۔

(۳) حدیث: ”اللہ اللہ فی أصحابی.....“ کی روایت ترمذی (۶۹۶/۵ طبع اُحلی) نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے کی ہے، اور کہا ہے کہ غریب ہے، اس حدیث کا علم ہم کو صرف اسی طریقہ سے ہوا ہے۔

جن کا مال اور اولاد ان کو اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہوں، تنبیہ کی ہے اور دھمکی دیتے ہوئے کہا ہے: ”حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ“ پھر آیت کے آخر میں ان کو فاسق کہا ہے^(۱)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من ولده ووالده والناس أجمعين“^(۲) (تم میں کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں) حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھ کو اپنی جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”والذی نفسی بیدہ حتی أكون أحب إليك من نفسك“ فقال عمر: فإنه الآن واللہ لأنت أحب إلي من نفسي، فقال النبي ﷺ: الآن يا عمر“^(۳) (اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب تک میں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (تو مؤمن نہیں ہو سکتا) پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اب اللہ کی قسم آپ مجھ کو اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب (تم مؤمن ہو گئے)۔

آپ کی محبت میں آپ کی سنت کی محبت، اس کی اتباع، اس کی حرص کرنا، اس کے حدود کی پابندی کرنا داخل ہے، اسی طرح آپ کی متقی اور نیک آل کی محبت اور آپ کے صحابہ مہاجرین و انصار کی محبت

(۱) الشفا ۵۳۵، ۵۳۸۔

(۲) حدیث: ”لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من ولده ووالده والناس أجمعين“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۵۸/۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۶۷۱/۱ طبع اُحلی) نے حضرت انسؓ سے کی ہے۔

(۳) حدیث حضرت عمرؓ: ”يا رسول الله ﷺ لأنت أحب إلي من كل شيء.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۵۲۳/۱۱ طبع السلفیہ) نے حضرت عبداللہ بن ہشامؓ سے کی ہے۔

کے سیکھنے اور آل و اصحاب سے محبت پر ثابت قدم رہا جائے، جو آپ کی سنت کو ناپسند کرے، اس سے انحراف کرے اس سے بغض رکھا جائے، اس سے علاحدگی اختیار کی جائے، اور اس سے بچا جائے^(۱)۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”النصيحة“۔

و- نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر:

۳۰- نبوت و رسالت، جو انسان کی پہنچ سے بلند و برتر ہے، اس کے علوم مقام کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر واجب ہے، ارشاد ربانی ہے: ”إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا“^(۲) (بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے) (اس لئے) تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہو، قرطبی نے کہا ہے کہ تعزروہ کا معنی ہے کہ تم ان کی تعظیم اور ان کی بڑائی کرو، تعزیر کا معنی تعظیم و توقیر ہے، ایک قول ہے کہ تعزروہ کا معنی یہ ہے کہ ان کی نصرت و مدد کرو اور ان کی طرف سے مدافعت کرو، پھر فرمایا: توقروہ، یعنی ان کو سردار بناؤ، ان دونوں افعال میں ضمیر ہاء نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے^(۳)۔

ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ تعزیر ایک جامع لفظ ہے، اس میں آپ ﷺ کی نصرت و تائید اور آپ ﷺ سے ہر تکلیف دہ چیز کو روکنا داخل ہے، اسی طرح توقیر بھی ایک جامع لفظ ہے، اس میں ہر قسم کی بڑائی و اکرام جس میں اطمینان و سکون ہو، داخل ہے، نیز یہ کہ آپ

(۱) شرح الشفا ۳/۶۰۲، ۶۰۵۔

(۲) سورہ فتح ۸/۹۔

(۳) تفسیر القرطبی ۱۶/۲۶۶۔

عیاض نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے کتاب و حکمت اپنی امت کو دے کر ان پر احسان و انعام کیا ہے، ان کی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی ہے، ان پر شفقت و مہربانی کی ہے، آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہنم کی آگ سے نجات دی ہے^(۱) (ان پر غور کیا جائے)۔

ھ- نبی کریم ﷺ کے لئے خیر خواہی:

۲۹- نبی کریم ﷺ کے لئے خیر خواہی واجب ہے، اس لئے کہ ارشاد نبوی ہے: ”الدين النصيحة، قالوا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم“^(۲) (دین سر اپنا نصیحت ہے، صحابہ نے عرض کیا: کس کے حق میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے لئے، اس کی کتاب، اس کے رسول، ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کے لئے) (خطابی نے کہا کہ نصیحت ایسا کلمہ ہے کہ جس کے حق میں نصیحت ہو اس کے لئے ہر قسم کے خیر کے ارادہ کی تعبیر اس سے کی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ کے لئے نصیحت یہ ہے کہ آپ کی نبوت کی تصدیق کی جائے، آپ کے اوامر و نواہی میں پوری پوری اطاعت کی جائے، آپ کی نصرت و حمایت کی جائے، ابو بکر الخفاف نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے نصیحت یہ ہے کہ آپ کی حیات میں اور وصال کے بعد آپ کی حمایت کی جائے، آپ کی سنت کو تلاش کر کے اس کو زندہ کیا جائے، اس کی طرف سے دفاع کیا جائے، اس کی نشر و اشاعت کی جائے، اسی کے مثل ابو بکر آلہ جری نے بھی کہا ہے، انہوں نے مزید اضافہ کیا ہے کہ آپ کے لئے نصیحت یہ ہے کہ آپ کی تعظیم و توقیر، بڑائی اور شدت محبت کا التزام کیا جائے، آپ کی سنت

(۱) الشفا ۳/۵۹۶، ۵۹۷۔

(۲) حدیث: ”الدين النصيحة.....“ کی روایت مسلم (۳/۱) طبع الحلبي نے حضرت تیم الداری سے کی ہے۔

نبی ۳۱-۳۲

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ“^(۱) (اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے)
 ”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ“^(۲) (اے ہمارے)
 پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے
 یہ (سب) آپ لوگوں تک پہنچا دیجئے، حالانکہ ارشاد ربانی ہے:
 ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ“^(۳) (اے آدم بتلا دو انہیں ان کے
 نام)، ”يُنزِلُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ“^(۴) (اے نوح یہ تمہارے
 گھر والوں ہی میں سے نہیں ہے) ”يَا أَيُّهَا هَيْمُ ائْتِنَا
 هَذَا“^(۵) (اے ابراہیم اسے جانے دو)، ”يَا أَيُّهَا مُوسَى ائْتِنَا
 هَذَا“^(۶) (اے موسیٰ میں نے تمہیں
 انسانوں پر ممتاز کیا)، ”يَا أَيُّهَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ائْتِنَا
 هَذَا“^(۷) (اے عیسیٰ بن مریم میرا انعام اپنے اور اپنی
 والدہ کے اوپر یاد کرو)۔

ہمارے حق میں آپ ﷺ کے ذکر کے وقت آپ کی توقیر
 مشروع ہے، لہذا صرف آپ ﷺ کا اسم گرامی صلاۃ و سلام کے بغیر
 لینا نامناسب ہوگا۔
 دیکھئے: اصطلاح ”الصلاة على النبي ﷺ“ (فقہہ ۱۳ اور اس
 کے بعد کے فقرات)۔

آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی توقیر اور آپ کے
 پاس آواز کو پست کرنا:
 ۳۲- امام مالک، عبدالرحمن بن مہدی اور ابن سیرین وغیرہم کی

ﷺ کے ساتھ عزت افزائی کا معاملہ کیا جائے جس کے ذریعہ وقار
 کے خلاف تمام چیزوں سے آپ ﷺ کی حفاظت ہو^(۱)۔
 ہم ذیل میں نبی کریم ﷺ کی توقیر سے متعلق کچھ اہم مسائل
 کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

آپ ﷺ کو پکارنے اور آپ کا نام لینے میں آپ کی
 توقیر:

۳۱- حضرات صحابہؓ کو حکم دیا گیا کہ جس وقت وہ لوگ آپ ﷺ
 کو پکاریں تو آپ کی توقیر کریں، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ”لَا تَجْعَلُوا
 دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا“^(۲) (تم لوگ
 رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلاتا
 ہے)، یعنی یا محمد نہ کہا کرو جیسا کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو نام
 لے کر پکارتے ہو، بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہا کرو^(۳)۔

ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یا محمد، یا احمد یا
 ابوالقاسم کہہ کر پکارنے سے منع کیا ہے، اور حکم دیا کہ یا نبی اللہ، یا رسول
 اللہ کہا کرو، انہوں نے کہا ہے کہ حضرات صحابہؓ آپ کو اس طرح کیوں
 مخاطب نہیں کریں گے جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ سے خطاب کرنے
 میں آپ کا اکرام کیا ہے، ایسا اکرام کسی دوسرے نبی کا نہیں کیا ہے،
 چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کبھی بھی آپ کو نام لے کر خطاب
 نہیں کیا ہے^(۴) بلکہ ارشاد ربانی ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ
 لَأَؤْتِيَنَّكُمْ“^(۵) (اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمادیں)

(۱) سورة احزاب / ۱۔

(۲) سورة مائدہ / ۶۷۔

(۳) سورة بقرہ / ۳۳۔

(۴) سورة ہود / ۲۶۔

(۵) سورة ہود / ۶۷۔

(۶) سورة اعراف / ۱۳۳۔

(۷) سورة مائدہ / ۱۱۰۔

(۱) الصارم المسلمول ص ۳۷۔

(۲) سورة نور / ۶۳۔

(۳) النبوات لابن تیمیہ ص ۲۷۰، تفسیر القرطبی ۱۶/۲۶۷، ۳۰۶، ۳۲۲/۱۲۔

(۴) الشفا للفاضل عیاض ۶۱۹/۳۔

(۵) الصارم المسلمول ص ۳۷، ۳۲۸۔

(۶) سورة احزاب / ۲۸۔

بارے میں ان کی رعایت کرو، نیز کہا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، نبی کریم ﷺ کی قرابت مجھ کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

رہے صحابہ کرام تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان، احسان اور جہاد کی وجہ سے ان کی تعریف کی ہے، چنانچہ ارشاد بانی ہے: ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ“^(۱) (محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلہ میں (اور) مہربان ہیں آپس میں)، نیز فرمایا: ”لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ“^(۲) (بے شک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے)، نیز ارشاد ہے: ”وَالسَّبِقُونَ الْأَوْلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“^(۳) (اور (جو) مہاجرین و انصار میں سے سابق و مقدم ہیں اور جتنے لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی اللہ ان (سب) سے راضی ہوا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوئے)، حضرات انصار کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ اخْتَارَ لِي وَاخْتَارَ لِي أَصْحَابًا، فَجَعَلَ لِي مِنْهُمْ زُرَّاءَ وَأَنْصَارًا وَأَصْهَارًا، فَمَنْ سَبَّهَمْ فَعَلِيهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“^(۴) (اللہ تعالیٰ نے میرا انتخاب کیا، اور میرے لئے صحابہ کا انتخاب کیا، ان

رائے ہے کہ جب حضور ﷺ کی حدیث پڑھی جائے تو تمام حاضرین پر واجب ہوگا کہ اس پر اپنی آواز بلند نہ کریں اور نہ اس سے بے توجہی برتیں، جیسا کہ آپ کی مجلس میں آپ کی گفتگو کے وقت ضروری تھا، ابو بکر بن العربی نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا احترام آپ کے وصال کے بعد اسی طرح ضروری ہے جس طرح آپ کی حیات مبارکہ میں ضروری تھا، آپ کے وصال کے بعد آپ سے منقول کلام کی عظمت وہی ہے جو آپ کی زبان مبارک سے سنے ہوئے کلام کی تھی، لہذا جب آپ کا کلام پڑھا جائے تو تمام حاضرین پر واجب ہے کہ اس پر اپنی آواز بلند نہ کریں اور نہ اس سے بے توجہی کریں، جیسا کہ آپ کی مجلس میں آپ کی گفتگو کے وقت ضروری تھا، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی تعظیم و توقیر اسی طرح ضروری اور لازم ہے، جس طرح آپ کی حیات مبارکہ میں لازم تھی، یعنی جب آپ کا ذکر مبارک ہو، آپ کی حدیث اور آپ کی سنت کا تذکرہ ہو، آپ کا نام مبارک سنا جائے، آپ کی سیرت کا بیان ہو، آپ کی اولاد اور اہل خاندان کے ساتھ معاملہ ہو، آپ کے اہل بیت اور حضرات صحابہ کی تعظیم کا مسئلہ ہو، ہر موقع پر آپ کی تعظیم و توقیر لازم ہے، نیز انہوں نے کہا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی قبر مبارک کے پاس بھی تعظیم و توقیر کی رعایت ضروری ہے^(۱)۔

نبی کریم ﷺ کی آل اور آپ کے صحابہ کی توقیر اور ان کے ساتھ بھلائی و محبت کا معاملہ کرنا:

۳۳- حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے

(۱) تفسیر القرطبی ۱۶/۳۰۷، الشفا للفاضل عیاض ۳۳/۶۳۳، ۶۳۴، ۶۶۰،
أحكام القرآن لابن العربي ۳/۱۳۶۔

(۱) سورہ فتح/۲۹۔

(۲) سورہ فتح/۱۸۔

(۳) سورہ توبہ/۱۰۰۔

(۴) حدیث: ”إِنَّ اللَّهَ اخْتَارَ لِي.....“ کی روایت طبرانی نے الاوسط (۲۸۲/۱) طبع مکتبۃ المعارف) میں حضرت عوم بن ساعدہ سے کی ہے، ابوشامی نے مجمع الزوائد (۱۰/۱۷۱) میں کہا ہے کہ اس میں ایک راوی غیر معروف ہیں۔

نبی ۳۴-۳۵

میں تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”الصلاة على النبي ﷺ“ (فقہہ ۱۳ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

میں سے کچھ کو میرا وزیر بنایا، کچھ کو مددگار بنایا کچھ کو سسرالی رشتہ دار بنایا، لہذا جو ان کو گالے دے گا اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی)۔

ح- نبی کریم ﷺ کے لئے وسیلہ کی دعا کرنا:

۳۵- فقہاء کی رائے ہے کہ مسلمان کے لئے مسنون ہے کہ آخرت میں نبی کریم ﷺ کے درجات کی بلندی کی دعا کرے یعنی ان کے لئے وسیلہ کی درخواست کرے، اس دعا کا موقع اذان کے مکمل ہونے اور مؤذن کا جواب دینے کے بعد ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی مرفوع روایت ہے: ”إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللَّهَ لِي الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَبْغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ، وَأُرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ اللَّهَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ“^(۱) (جب تم مؤذن کی اذان سنو تو وہ جو کچھ کہتا ہے تم بھی کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا، اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجے گا، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کی درخواست کرو، وسیلہ، جنت میں ایک منزل ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک ہی بندہ رہے گا، مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا، جو شخص میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعا کرے گا اس کے لئے میری سفارش واجب ہوگی)۔

اس کے مندوب الفاظ وہ ہیں جو حضرت جابر بن عبداللہؓ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، آپ نے فرمایا: ”مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ

(۱) حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ: ”إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ.....“ کی روایت مسلم (۲۸۸/۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی توقیر اور آپ کے ساتھ بھلائی میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کے اصحاب کی توقیر کی جائے، ان کے ساتھ بھلائی و احسان کا معاملہ کیا جائے، ان کا حق پہچانا جائے، ان کی اچھی تعریف کی جائے، ان کے لئے دعاء و استغفار کیا جائے، ان میں آپس میں جو اختلافات ہوئے ہیں، ان کے بارے میں توقف کیا جائے جو ان سے عداوت رکھے اس سے دشمنی رکھی جائے، مؤرخین کی جو خبریں ان میں سے کسی کی شان کے خلاف ہوں ان سے اعراض کیا جائے، ان میں سے کسی کا تذکرہ برائی کے ساتھ نہ کیا جائے^(۱)۔

ز- نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا:

۳۴- نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا مشروع ہے، اس کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“^(۲) (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو)۔
جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ بعض مواقع پر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، جبکہ دوسرے بعض مواقع پر درود بھیجنا مستحب ہے۔

درود و سلام کے الفاظ، ان کے اوقات اور احکام کے بارے

(۱) الشفا للقاضی عیاض ۶۷۰/۳، ۶۸۲، ۶۸۵، شرح العقيدة الطحاویہ ص ۲۶۷۔

(۲) سورة احزاب/۵۶۔

نبی ۳۶-۳۹

کرنا جائز ہے، جیسا کہ جب حضرت بریرہؓ کو آزادی ملی اور ان کو اختیار ملا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہیں، اور چاہیں تو علاحدگی اختیار کر سکتی ہیں، تو آپ ﷺ نے ان کے شوہر حضرت مغیث کے لئے سفارش فرمائی کہ بریرہ ان کے ساتھ ازدواجی رشتہ برقرار رکھیں تو حضرت بریرہ نے عرض کیا کہ مجھے ان کے ساتھ رشتہ برقرار نہیں رکھنا ہے^(۱)۔

اسی طرح قیامت کے دن لوگ آپ سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو آپ اللہ تعالیٰ سے شفاعت فرمائیں گے تاکہ حساب جلد کر لیا جائے، جیسا کہ صحیح حدیث میں منقول ہے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ سے شفاعت کی درخواست کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس طرح کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور کہے کہ اے اللہ! ہمارے بارے میں اپنے نبی محمد ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔

دیکھئے: اصطلاح ”شفاعت“ (فقہہ ۶/۸)۔

ک- نبی کریم ﷺ یا کسی دوسرے نبی کی قسم کھانا: ۳۸- انبیاء کی قسم کھانے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ انبیاء کی قسم کھانا مکروہ ہے، جبکہ دوسرے فقہاء کی رائے ہے کہ یہ حرام ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”ایمان“ (فقہہ ۷/۴، ۵۱)۔

ل- نبی کریم ﷺ اور آپ کے آثار سے برکت حاصل کرنا:

۳۹- اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے آثار

(۱) حدیث: ”لا حاجة لي فيه“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۹/۴۰۸، طبع السلفیہ) نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے۔

والصلاة القائمة آت محمداً الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته حلت له شفاعتي يوم القيامة“^(۱) (جو شخص اذان سن کر یہ کہے: اے اللہ! اے اس دعوت تامہ اور صلاۃ قائمہ کے رب! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود میں پہنچا جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، تو قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی)۔

بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ مذکورہ دعا اقامت کے وقت بھی مسنون ہے^(۲)۔

ط- نبی کریم ﷺ کے ذریعہ تقرب حاصل کرنا:

۳۶- نبی کریم ﷺ کے ذریعہ تقرب حاصل کرنا یعنی آپ پر ایمان لانے اور آپ سے محبت کرنے کے واسطے سے دعا کرنا جائز ہے، اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، مثلاً کہے: ”أسألك بنبيك محمد ﷺ“ اور مقصد یہ ہو کہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے اور ان سے محبت کرنے کے طفیل میں آپ سے سوال کرتا ہوں، اور اپنے ایمان و محبت کی بدولت آپ کا قرب چاہتا ہوں وغیرہ۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”توسل“ (فقہہ ۸/۱۴)۔

ی- نبی کریم ﷺ کی شفاعت طلب کرنا:

۳- آپ کی حیات مبارکہ میں آپ سے شفاعت کی درخواست

(۱) حدیث جابر بن عبد اللہ: ”من قال حين يسمع النداء“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲/۹۳، طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۲۲۸/۱، طبع سوم، تفسیر ابن کثیر ۲/۵۳، فتح القدر علی الہدایہ ۱/۲۵۰، مکة، المكتبة التجارية، نہایت المحتاج للطلی ۱/۴۲۲، المہذب للشیرازی تحقیق محمد زحلی ۱/۲۰۴، بیروت دار القلم۔

نبی ۴۰-۴۲

آپ کے نام ”محمد“ اور آپ کی کنیت ”ابوالقاسم“ دونوں کو جمع کرنا حرام ہے۔

آپ کی حیات مبارکہ میں کنیت اور نام کو جمع کرنا حرام ہے۔
اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”تسمیہ“ (فقہہ ۱۱)،
اور ”کنیہ“ (فقہہ ۴ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

ن- نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا واجب ہونا:

۴۱- نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَاتَّبِعُوا حَيْثُ فَتَنُوا“ (۱) (اے ایمان والو اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی اور اس سے روگردانی نہ کرو درآنحالیکہ تم سن رہے ہو)، نیز ارشاد ہے: ”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا“ (۲) (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی اور جو کوئی روگردانی کر لے تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں کر کے نہیں بھیجا ہے)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”طاعت“ (فقہہ ۶)۔

س- نبی کریم ﷺ کے طبعی افعال میں آپ کی اتباع کرنا:

۴۲- دین کے امور میں نبی کریم ﷺ کی اتباع واجب ہے، پوری امت پر خواہ مجتہد ہوں یا مقلد واجب ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سے برکت لینا مشروع ہے، سیرت، شمائل اور حدیث کے علماء نے ایسی بہت سی احادیث ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ متعدد شکلوں میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے۔

ابن رجب نے کہا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ صرف نبی کریم ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے، خود آپس میں ایک دوسرے کے آثار سے برکت نہیں حاصل کرتے تھے، اسی طرح حضرات تابعین صحابہ کرام کی جلالت قدر کے باوجود ان کے آثار سے برکت نہیں لیتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نبی کریم ﷺ کے آثار سے ہی برکت لینا مشروع ہے، مثلاً آپ کے وضو وغیرہ سے برکت لینا۔

ابن حجر اور نووی نے کہا ہے کہ اسی پر دوسرے آثار کو بھی قیاس کیا جائے گا (۱)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”تبرک“ (فقہہ ۶ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

م- نبی کریم ﷺ کے نام پر نام رکھنا اور آپ کی کنیت پر کنیت رکھنا:

۴۰- نبی کریم ﷺ کے نام پر نام رکھنے اور آپ کی کنیت پر کنیت رکھنے میں علماء کے چند مختلف اقوال ہیں:

آپ کے نام پر نام رکھنا تو جائز ہے لیکن آپ کی کنیت پر کنیت رکھنا جائز نہیں ہے۔

مطلقاً دونوں جائز ہیں۔

(۱) الحکم الحدیدیرہ بالإذاع من قول النبی ﷺ: بعثت بالسیف بین یدی الساع، لابن رجب احسنی رص ۴۶، فتح الباری ۳/۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، شرح صحیح مسلم للنووی (۱۶۱/۵، ۱۶۳/۷، ۱۶۳/۸)۔

(۱) سورة انفال/۲۰۔

(۲) سورة نساء/۸۰۔

نبی ۴۳-۴۵

لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا“ (۱)
 (بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے رہتے ہیں،
 ان پر اللہ لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے عذاب
 ذلیل کرنے والا تیار کر رکھا ہے)، نیز ارشاد ہے: ”وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ
 لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ، قُلْ أبا لِلَّهِ وَأَيْنَهُ، وَرَسُولُهُ
 كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ، لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنَّ
 نَعْفَ عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ يُعَدِّبُ طَائِفَةٌ بآئِنَهُمْ كَانُوا
 مُجْرِمِينَ“ (۲) (اور اگر آپ ان سے سوال کیجئے تو کہہ دیں گے کہ
 ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے، آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم
 استہزاء کر رہے تھے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے
 ساتھ (اب) باتیں نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے اپنے اظہار ایمان کے بعد
 اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو ایک کو تو سزا
 دیں گے ہی، اس لئے کہ وہ مجرم رہیں گے)، فقہاء کی رائے ہے کہ
 جو ایسا کرے گا وہ کافر ہو جائے گا (۳)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”ردۃ“ (فقہہ ۱۱، ۱۸)، ”استحفاف“
 (فقہہ ۵، ۷)۔

ص۔ نبی کریم ﷺ کے بارے میں گفتگو کرنے میں
 بے ادبی کرنے والے کا حکم:
 ۴۵۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جس کا مقصد مذمت کرنا، عیب

رہے آپ ﷺ کے طبعی افعال تو اس میں کچھ تفصیل ہے،
 دیکھئے: اصطلاح ”اتباع“ (فقہہ ۳، ۴)، اور ”اصولی ضمیمہ“۔

ع۔ نبی کریم ﷺ کا اجتہاد:

۴۳۔ نبی کریم ﷺ سے صادر ہونے والے احکام کے بارے
 میں علماء اصول کے دو مختلف اقوال ہیں:

اول: یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ ہیں، اس لئے کہ
 ارشاد ربانی ہے: ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ
 يُوحى، عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ“ (۱) (اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی
 سے باتیں بناتے ہیں (ان کا کام) تو تمام ترویجی ہی ہے جو ان پر بھیجی
 جاتی ہے، ان کو تو بڑی طاقت والے نے علم سکھایا ہے)۔

دوم: ان میں اکثر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ ہیں خواہ
 قرآن ہو یا اس کے علاوہ ہو، اور بعض آپ نے اپنے اجتہاد سے فرمایا
 ہے (۲)۔

تفصیل ”اصولی ضمیمہ“ میں ہے۔

ف۔ جس نے نبی کریم ﷺ کی تنقیص کی یا آپ کو حقیر
 جانایا ایذا پہنچائی اس کا حکم:

۴۴۔ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کی تنقیص یا آپ کے حقیر
 جاننے کو بہت بڑا جرم قرار دیا گیا ہے، اور ایسا کرنے والے پر لعنت
 کی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے: ”إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ،

(۱) سورۃ نجم ۳، ۵۔

(۲) تیسرے تفسیر ۱۸۹/۴، ۱۸۳/۴، ۲۳۶، القاہرہ، مصطفیٰ الحلیمی، احکام الأحكام

للآمدی ۳۳/۳، ۴۴، ۲۲۲، ۲۸۲، القاہرہ مکتبۃ المعارف، الرسالہ

للإمام الشافعی [شیخ أحمد شاكر ص ۹۲، اصول البردوی وشرح البخاری

۹۲۶/۳، ۹۳۳۔

(۱) سورۃ احزاب ۱، ۵۷۔

(۲) سورۃ توبہ ۶۵، ۶۶۔

(۳) الصارم المسلمول علی شاتم الرسول لابن تیمیہ ص ۵۲، ۵۲۹، الشفانی حقوق

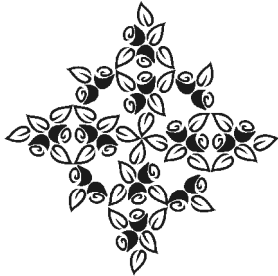
المصطفیٰ وشرحہ ۶/۲، ۱۹۲، جواہر الإکلیل ۱/۲۶۹، حاشیہ ابن عابدین

۲۹۰، ۲۹۱، الذخیرہ للقرانی ۱۲/۱۸۔

نبی ۴۶

ہی میں ابو محمد جو نبی بھی ہیں، ابن المنیر نے اسی کو مختار کہا ہے، اس کی وجہ ابن تیمیہ نے یہ بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنا دراصل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا ہے، اور اندر سے دین کو فاسد کرنا ہے۔

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں نبی کریم ﷺ سے سننے کے دعویٰ میں آپ پر جھوٹ بولنا، بھی حرام ہونے میں داخل ہے^(۱)، ارشاد نبوی ہے: ”من رآني في المنام فقد رآني، فإن الشيطان لا يتمثل بي، ومن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار“^(۲) (جو مجھ کو خواب میں دیکھے گا وہ درحقیقت مجھ ہی کو دیکھے گا، اس لئے کہ شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا ہے، جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے گا اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہئے)۔



لگانا، گالی دینا، تکذیب کرنا نہ ہو، لیکن ایسا مجمل کلام کرے یا ایسا مشکل لفظ استعمال کرے جس کو آپ ﷺ پر اور کسی دوسرے پر محمول کرنا ممکن ہو یا اس کی مراد واضح سمجھ میں نہ آئے کہ سلامتی مراد ہے یا شرم مراد ہے، تو اس کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے احترام کی عظمت کے پیش نظر اس کو قتل کر دیا جائے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ شبہ کی وجہ سے اس سے حد تو ساقط ہو جائے گی، کیونکہ اس کا کلام واضح نہیں بلکہ اس میں احتمال ہے، البتہ اگر توبہ نہ کرے تو اس کو سزا دی جائے گی۔

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کوئی ایسا عام لفظ استعمال کرے جس میں نبی کریم ﷺ بھی شامل ہوں، مثلاً بنو ہاشم کو گالی گلوں کرے^(۱)۔

ق- نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کا حکم:

۴۶- نبی کریم ﷺ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولنا، بہت بڑے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنا ہے، نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا: ”إن كذباً علي ليس ككذب علي احد، فمن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار“^(۲) (مجھ پر جھوٹ بولنا کسی دوسرے پر جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے، لہذا جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے گا اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہئے)، خواہ اس کا مقصد نیک ہو یا برا ہو، مثلاً طاعات کی ترغیب کے لئے احادیث وضع کرنا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ جو ایسا کرے گا وہ کافر ہو جائے گا، ان

(۱) الصارم المسلمون علی شاتم الرسول ص ۱۷۹، شرح المنهاج مع حاشية القليوبي وغيره ۷۵/۴، فتح الباری ۲۰۲/۳، ۱۶۲۔

(۲) حدیث: ”من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتمثل بي.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲۰۲/۱ طبع السلفیہ) نے حضرت ابو ہریرہ سے کی ہے۔

(۱) شرح الشفا ۱۹۲، ۲۴۲۔

(۲) حدیث: ”إن كذباً علي ليس ككذب علي أحد.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۶۰/۳ طبع السلفیہ) نے کی ہے، اور مسلم نے اپنی صحیح (۱۰۱/۱ طبع عیسیٰ الحطمی) کے مقدمہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے کی ہے۔

نتر ۱-۲

بعض فقہاء نے اس کا نام استنجا رکھا ہے، طیب یعنی پاکی حاصل کرنا اور یہ ڈھیلا اور پانی دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے فقہاء اس کو استنقاء کہتے ہیں، یعنی پتھر، مٹی کا ڈھیلا یا ان جیسی چیزوں سے صفائی حاصل کرنا البتہ استنجا صرف پتھر سے استنجا کو کہتے ہیں، یہ جمار سے ماخوذ ہے، جس کا معنی چھوٹا پتھر ہے (۱)۔

نتر اور استنجا میں تعلق یہ ہے کہ نتر استنجا کا مقدمہ ہے۔

ب- استبراء:

۳- استبراء کا لغوی معنی خلاصی طلب کرنا ہے (۲)۔

اصطلاحی معنی حدث سے پاکی طلب کرنا ہے، اور یہ اس طرح ہوگا کہ پیشاب پاخانہ کی جگہ پر جو نجاست ہو اس کو پوری طرح دور کر دیا جائے (۳)۔

نتر اور استبراء کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، چنانچہ ہر نتر استبراء ہے لیکن ہر استبراء نتر نہیں ہے۔

نتر سے متعلق احکام:

نتر کی جگہ اور اس کا موقع:

۴- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ نتر کی جگہ آلہ تناسل ہے، اس کا موقع قضاء حاجت کے بعد ہے (۴)، البتہ عورت کے استبراء کی

نتر

تعریف:

۱- نتر نون کے بعد تاء کے ساتھ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے، لغت میں اس کا معنی کسی چیز کو سختی یا ترشی کے ساتھ دباننا ہے، یہ باب نصر سے ہے، کہا جاتا ہے: استنتر من بولہ، یعنی استنجا کے وقت اپنے ذکر کو دبا کر اس سے پیشاب کے باقی حصہ کو نکالنا۔
نتر کا اصطلاحی معنی اس کے لغوی معنی سے الگ نہیں ہے (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- استنجا:

۲- لغت میں استنجا نجا سے ماخوذ ہے (۲) جس کا معنی ہے: درخت کو جڑ سے کاٹنا، ایک قول یہ ہے کہ وہ المنجوة سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: بلند زمین، اس لئے کہ آدمی اس کے ذریعہ اپنے کو لوگوں سے چھپاتا ہے (۳)۔

استنجا کا اصطلاحی معنی ہے: پیشاب پاخانہ کے راستہ سے نکلنے والی نجاست کو اس کے نکلنے کی جگہ سے پاک و صاف کرنا (۴)۔

= دارال فکر، آسنی المطالب ۱/۴۴، کشف القناع ۱/۵۸ طبع عالم الکتب۔

(۱) بدائع الصنائع ۱/۱۸، حاشیہ ابن عابدین ۱/۲۳۰ طبع بلاق، حاشیہ الدسوقی

۱/۱۱۰، ۱/۱۱۱، آسنی المطالب ۱/۴۴، کشف القناع ۱/۵۸۔

(۲) لسان العرب۔

(۳) مواہب الجلیل ۱/۲۸۲ طبع دارال فکر۔

(۴) حاشیہ الطحاوی ص ۲۴، حاشیہ الدسوقی ۱/۱۰۹، ۱/۱۱۰، آسنی المطالب ۱/۴۹،

نہایۃ المحتاج ۱/۱۴۱، ۱/۱۴۲، الإیضاف ۱/۱۰۲ طبع دار حیاء التراث العربی،

(۱) القلیوبی ۱/۴۱، الدسوقی ۱/۱۱۰، القاموس المحیط، دیکھئے: معجم مقاییس اللغة

لابن فارس ۵/۳۸۶ طبع الحلبي، المصباح المنیر، لسان العرب مادہ: "نتر"۔

(۲) المصباح المنیر۔

(۳) دیکھئے: لسان العرب، مادہ: "نجا" آسنی المطالب ۱/۴۴ طبع المکتبۃ

الإسلامیہ۔

(۴) بدائع الصنائع ۱/۱۸ طبع دارالکتب العربی، حاشیہ الدسوقی ۱/۱۱۰ طبع

نتر ۵-۶

کیفیت کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔
 حنفیہ کی رائے ہے کہ عورت کو اس کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ وہ
 تھوڑی دیر ٹھہر جائے گی پھر استنجاء کر لے گی^(۱)۔
 مالکیہ و شافعیہ کی رائے ہے کہ عورت کے حق میں استبراء یہ ہے
 کہ وہ اپنا ہاتھ پیڑ و پر رکھ کر دبائے گی، اس کے حق میں یہی متر کے قائم
 مقام ہے، خنثی مشکل مرد و عورت دونوں والا عمل کرے گا، اس میں
 احتیاط ہے^(۲)۔
 عمامة عذاب القبر منہ“^(۱) (پیشاب سے بچا کرو، کیونکہ اکثر
 عذاب قبر اس کی وجہ سے ہوتا ہے)۔
 اور یہ حدیث بھی ہے: ”اذا بال أحدکم فلینتر ذکرہ
 ثلاثاً“^(۲) (جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اس کو اپنا آلہ
 تناسل تین بار دبا لینا چاہئے)، یہ حدیث آلہ تناسل کے نچوڑنے کے
 حکم میں صریح ہے۔
 ب۔ دوسرا قول: متر مستحب ہے، یہ شافعیہ^(۳) و حنابلہ^(۴) کا
 قول ہے، شافعیہ نے یہ دلیل دی ہے کہ بظاہر پیشاب ختم ہونے کے
 بعد دوبارہ نہیں آتا ہے^(۵)۔
 نتر کا حکم:

۵- نتر کے حکم کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

الف۔ پہلا قول: نتر واجب ہے، یہ حنفیہ^(۳) اور مالکیہ^(۴) کا
 قول ہے، قاضی حسین^(۵)، بغوی^(۶) اور شافعیہ میں سے نووی نے
 اس کو مختار کہا ہے۔

قاضی حسین نے صرف اس صورت میں واجب کہا ہے جبکہ اس
 کو غالب گمان ہو کہ اگر نتر نہیں کرے گا تو استنجاء کے بعد اس سے کچھ
 نکل سکتا ہے^(۷)۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے: ”استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منہ.....“ کی

- (۱) حدیث: ”استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منہ.....“ کی
 روایت دارقطنی نے السنن (۱۲۸/۱ طبع الفنیۃ المتحدہ) نے حضرت ابو ہریرہؓ
 سے کی ہے، اور کہا ہے کہ درست بات یہ ہے کہ یہ مرسل ہے، پھر حضرت ابن
 عباسؓ سے اس کا ایک شاہد ذکر کیا ہے جس کو انہوں نے حضور ﷺ کی طرف
 منسوب کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ”عمامة عذاب القبر من البول
 فننزهوا من البول“ پھر دارقطنی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
 (۲) حدیث: ”اذا بال أحدکم فلینتر ذکرہ ثلاثاً.....“ کی روایت ابن ماجہ
 (۱۱۸/۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت یزید ابن فہرہؓ سے کی ہے، اور ابو بصیر
 نے مصباح الزجاجة (۹۷/۱ دار البیان) میں لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یزید کا
 صحابی ہونا ثابت نہیں ہے، اور زعمہ ضعیف ہیں۔
 (۳) ائسی المطالب ۴۹/۱، نہایۃ المحتاج ۱۴۱/۱، شرح المحلی مع القلیوبی
 و عمیرہ ۴۱/۱ طبع عیسیٰ الحلی۔
 (۴) الإلصاف ۱۰۲/۱، کشف القناع ۶۵/۱۔
 (۵) ائسی المطالب ۴۹/۱، شرح المحلی مع القلیوبی و عمیرہ ۴۱/۱۔

= کشف القناع ۶۵/۱، الأم ۲۲/۱ طبع دار المعرفہ۔

- (۱) حاشیہ ابن عابدین ۲۳۰/۱۔
 (۲) حاشیہ الدسوقی ۱۰۹/۱، ۱۱۰، ائسی المطالب ۴۹/۱، نہایۃ المحتاج ۱۴۱/۱، ۱۴۲۔
 (۳) حاشیہ ابن عابدین ۲۳۰/۱۔
 (۴) حاشیہ العدوی علی شرح ابی الحسن ۱۵۲/۱، ۱۵۳ طبع دار الباز، مواہب الجلیل
 ۲۸۲/۱، حاشیہ الدسوقی ۱۰۹/۱، ۱۱۰۔
 (۵) نہایۃ المحتاج ۱۴۲/۱۔
 (۶) شرح السنۃ ۳۷۵/۱ طبع المکتبہ الإسلامی۔
 (۷) نہایۃ المحتاج ۱۴۲/۱۔

نتر ۷-۸

نتر کی تعداد:

۸- جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ^(۱) کا اس پر اتفاق ہے کہ آلہ تناسل کے نتر کی تعداد تین ہے، اس سلسلہ میں ان کی دلیل یہ حدیث ہے: ”إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلْيَنْتَرِ ذَكَرَهُ ثَلَاثًا“^(۲) (جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اس کو اپنا آلہ تناسل تین بار دبا لینا چاہئے)۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ آلہ تناسل کو دبائے گا، پیشاب سے اس کے استبراء کے لئے تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں ہے^(۳)، شافعیہ میں سے نووی اور مالکیہ میں سے دسوقی کے نزدیک یہی مختار ہے۔

نووی نے کہا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ غالب گمان ہو جائے کہ پیشاب کے راستہ میں کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے، جس کے نکلنے کا اندیشہ ہو، بعض لوگوں کو یہ مقصود معمولی دبانے سے حاصل ہو جاتا ہے، بعض لوگوں کو کھانسنے کی ضرورت ہوتی ہے، بعض لوگوں کو چند قدم چلنا پڑتا ہے، بعض لوگ تھوڑی دیر ٹھہر جاتے ہیں، اور بعض لوگوں کو ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں پڑتی ہے^(۴)۔

دسوقی نے کہا ہے کہ مندوب یہ ہے کہ زور سے دبانے کے بجائے ہلکا دبا یا جائے تا آنکہ غالب گمان ہو جائے کہ پیشاب باقی نہیں رہا ہے، خواہ تین بار ہو یا کم و بیش ہو^(۵)۔

پھر وضو کرے تو اس کا استنجاء کرنا صحیح ہے، اور اس کا وضو بھی کامل ہوگا، اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ کوئی دوسری چیز نہیں نکلے گی، انہوں نے کہا ہے کہ استنجاء پیشاب کو ختم کر دیتا ہے، لہذا اس کا استنجاء اور وضو باطل نہ ہوگا الا یہ کہ کسی شی کے نکلنے کا یقین ہو جائے^(۱)۔

لیکن پہلے قول کے مطابق جس میں نتر کو واجب کہا گیا ہے اس کا استنجاء فاسد ہوگا، اور اس کا وضو اور اس کی نماز باطل ہوگی^(۲)۔

نتر کا طریقہ اور اس کی شرط:

۷- جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ آلہ تناسل کا نتر دو انگلیوں کے ذریعہ ہوگا جن کو آلہ تناسل کی جڑ سے اس کے منہ تک گزارے گا، شافعیہ نے اس کے لئے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور اس کے قریب کی انگلی کو مقرر کیا ہے جبکہ حنابلہ نے کہا ہے کہ اپنی بیچ والی انگلی کو آلہ تناسل کے نیچے اور انگوٹھے کو اس کے اوپر رکھے گا^(۳)، حنفیہ کے نزدیک نتر کا طریقہ یہ ہے کہ آلہ تناسل کو دبائے^(۴)۔

نتر کی شرط کے بارے میں جمہور فقہاء کی^(۵) رائے ہے کہ نرمی اور آہستگی کے ساتھ ہو، مالکیہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ زور سے نتر کے نتیجہ میں اس کی رگیں ڈھیلی ہو جائیں گی تو قطرہ ختم نہیں ہوگا اور اس سے مثانہ کو ضرر پہنچے گا، ممکن ہے کہ ایسا دگی ختم ہو جائے یا اس میں کمزوری پیدا ہو جائے جس سے زوجہ کا حق متاثر ہو^(۶)۔

(۱) المجموع ۲/۹۴ طبع المکتبۃ العالمیہ۔

(۲) شرح صحیح مسلم ۳/۲۰۵۔

(۳) مواہب الجلیل ۱/۲۸۲، أَسْنَى الْمَطَالِبِ ۱/۴۹، كَشَافُ الْقِتَاعِ ۱/۶۵۔

(۴) حاشیۃ الطحاوی ص ۲۴۔

(۵) حاشیۃ الطحاوی ص ۲۴، حاشیۃ الدسوقی ۱/۱۰۹، ۱۱۰، أَسْنَى الْمَطَالِبِ ۱/۴۹، نہایۃ المحتاج ۱/۱۴۱، ۱۴۲، المغنی لابن قدامہ ۱/۱۵۵ طبع الریاض۔

(۶) حاشیۃ العدوی ۱/۱۵۲، ۱۵۳، حاشیۃ الرہونی علی الزرقانی ۱/۱۶۴ طبع دار الفکر۔

(۱) مواہب الجلیل ۱/۲۸۲، أَسْنَى الْمَطَالِبِ ۱/۴۹، الإِنصَافُ ۱/۱۰۲، كَشَافُ

الْقِتَاعِ ۱/۶۵۔

(۲) مواہب الجلیل ۱/۲۸۲، حدیث: ”إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ.....“ کی تخریج

فقہ ۵/۵ میں گزر چکی ہے۔

(۳) حاشیۃ الطحاوی ص ۲۴۔

(۴) المجموع ۲/۹۴، دیکھئے: أَسْنَى الْمَطَالِبِ ۱/۴۹۔

(۵) حاشیۃ الدسوقی ۱/۱۰۹، ۱۱۰۔

نتف ۱-۵

ب- استحداد:

۳- استحداد کا لغوی معنی: استرہ وغیرہ سے صرف زیر ناف بالوں کا مونڈنا ہے۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۱)۔

نتف اور استحداد میں تعلق یہ ہے کہ دونوں میں بال کو دور کیا جاتا ہے۔

نتف

تعریف:

۱- نتف کا لغوی معنی: بال یا پراکھیڑنا، یا سفید بال اکھیڑنا ہے، یہ باب ضرب سے آتا ہے، کہا جاتا ہے: نتفت الشعور والريش أنتفه نتفاً یعنی میں نے چمٹی یا انگلیوں سے بال اکھیڑا، اکھیڑے ہوئے بالوں میں سے جو اکھڑ کر گرجائے اس کو نتاف اور نتافہ کہتے ہیں، نتافۃ الإبط کا معنی بغل سے اکھیڑا ہوا بال ہے، آکہ کو نتاف کہتے ہیں، انگلیوں سے اکھیڑی ہوئی گھاس وغیرہ کو نتفہ کہتے ہیں، اس کی جمع نتف آتی ہے^(۱)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۲)۔

ج- حفت:

۴- حفت کا لغوی معنی: چہرہ کا بال دور کرنا ہے، کہا جاتا ہے: حفت المرأة وجهها حفاً: عورت نے چہرہ کا بال دور کر کے اس کو سنوارا^(۲)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

نتف اور حفت میں تعلق یہ ہے کہ دونوں میں بال کو صاف کیا جاتا ہے۔

نتف سے متعلق احکام:

نتف سے متعلق چند احکام درج ذیل ہیں:

محرم کا بال اکھیڑنا:

۵- فقہاء کی رائے ہے کہ احرام کھولنے سے پہلے اکھیڑ کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے محرم کے بال کو صاف کرنا حرام ہے، خواہ سر، داڑھی، مونچھ، بغل اور زیر ناف کے بال ہوں، یا بدن کے کسی دوسرے حصہ کے بال ہوں، بدن کے کسی بھی حصہ سے ایک بال کا بھی اکھیڑنا حرام ہے، اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا، اور اس پر فدیہ

متعلقہ الفاظ:

الف- حلق:

۲- حلق کا ایک معنی: استرہ وغیرہ کسی ہتھیار سے انسان کے بال کو دور کرنا ہے، کہا جاتا ہے: حلق شعره حلقاً وحلاقاً اس نے استرہ وغیرہ سے بال کو مونڈا۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۳)۔

نتف اور حلق میں تعلق یہ ہے کہ دونوں میں بال صاف کیا جاتا

ہے۔

(۱) لسان العرب، المصباح المنیر۔

(۲) قواعد الفقہ للمبرکتی، المغرب۔

(۳) المصباح المنیر، لسان العرب۔

(۱) لسان العرب، نیل الأوطار ۱/۱۲۲۔

(۲) المصباح المنیر، لسان العرب۔

نصف ۶

اکھیڑ دیا جس کے بغیر وہ نہیں اڑ سکتا ہے پھر اس کو اپنے پاس روک رکھا اور اس کی جگہ پر دوسرا بال نکل آیا اور اس کو چھوڑ دیا تو اس پر جزا واجب نہ ہوگی^(۱)۔

شافعیہ کے نزدیک جیسا کہ ماوردی نے کہا ہے اگر حرم میں یا احرام کی حالت میں کسی قابل ضمان شکار پرندہ کا پراکھیڑ دے تو دو حال سے خالی نہ ہوگا، یا تو پر کے اکھیڑنے کے باوجود وہ اپنی حفاظت کر سکتا ہے یا پراکھیڑنے کے بعد اپنی حفاظت نہیں کر سکتا ہے، اگر پراکھیڑنے کے باوجود وہ اپنی حفاظت کر سکتا ہے تو اس پر بحث و فصلوں میں ہوگی:

اول: نصف کی وجہ سے اس کے نقص کا تاوان۔

دوم: تلف کی وجہ سے اس کے نقص کا تاوان۔

رہا نصف کی وجہ سے اس کے نقصان کا تاوان تو اس کی تین قسمیں ہیں:

اول: جو پراکھیڑ دیا گیا ہے اس کی جگہ پر دوسرا پرندہ آگ سکتے تو اس کی وجہ سے جو نقص ہوگا اس کا تاوان اس پر واجب ہوگا، اس کی صورت یہ ہوگی کہ اس کے پر کے اکھیڑنے سے قبل اس کی قیمت کیا ہو سکتی ہے، مثلاً اگر دس درہم ہو پھر پر کے اکھیڑنے کے بعد اس کی قیمت لگائی جائے گی، مثلاً اگر نو درہم ہو تو معلوم ہوگا کہ دونوں قیمتوں کے درمیان دسویں حصہ کا فرق ہے، اب جس پرندہ کا پراکھیڑا گیا ہے اس کو دیکھا جائے گا، اگر ایسا پرندہ ہے اس میں بکری واجب ہے تو امام شافعی کے نزدیک ایک بکری کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا، اور مزنی کے نزدیک بکری کا دسواں حصہ واجب ہوگا، اور اگر ایسا پرندہ ہے جس کی قیمت واجب ہوتی ہے تو اس کی قیمت میں جو نقص ہوا ہے اس کا تاوان واجب ہوگا، یعنی ایک درہم واجب ہوگا^(۲)۔

لازم ہوگا، اگر سر یا داڑھی کے بال میں کنگھی کرے اور اس کی وجہ سے کچھ بال اکھڑ جائیں تو یہ بھی حرام ہے، اور فدیہ واجب ہوگا، اگر فدیہ نہیں دے گا تو حرام تو نہیں ہوگا مگر مکروہ ہوگا، اگر کنگھی کرے اور بال اکھڑ جائے تو فدیہ لازم ہوگا، اگر کوئی بال گرے اور اس کو شبہ ہو کہ کنگھی سے گرا ہے یا پہلے ہی سے اکھڑا ہوا تھا تو شافعیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اس پر فدیہ نہ ہوگا^(۱)۔

نصف کے حرام ہونے کی دلیل ارشاد بانی ہے: ”وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ“^(۲) (اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے اپنے سر نہ منڈاؤ)، نصف کو حلق پر قیاس کیا گیا ہے، اس لئے کہ وہ بھی اسی معنی میں ہے، آیت میں حلق کے لفظ سے اس کی تعبیر اس لئے کی گئی ہے کہ عام طور پر بال کو دور کرنے کے لئے اسی کا استعمال کیا جاتا ہے^(۳)۔

حرم میں شکار کا پراکھیڑنا:

۶- حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر حرم میں شکار کا پراکھیڑ دے کہ وہ پکڑنے والے سے اپنے کو نہ بچا سکتے تو اس پر فدیہ لازم ہوگا، فدیہ کے واجب ہونے کے لئے تمام پر کا اکھیڑنا شرط نہیں ہے، بلکہ پر کا اتنا حصہ اکھیڑنا شرط ہے جس سے وہ اپنی حفاظت نہ کر سکے^(۴)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ حرم اگر شکار کا اتنا پراکھیڑ دے کہ اب وہ نہ اڑ سکے اور نہ ہی اس کا محفوظ ہونا معلوم ہو تو اس پر جزا واجب ہوگی، اور اگر وہ اڑ سکتا ہے تو جزا واجب نہ ہوگی، اگر اس نے اس کا وہ بال

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲/۲۰۴، الدسوقی ۲/۶۰، حاشیہ الجمل ۲/۵۱۱، ۵۱۲، تحفۃ المحتاج ۴/۱۷۰، الروضہ ۳/۱۳۵، کشف القناع ۲/۴۲۱، ۴۲۲۔

(۲) سورہ بقرہ ۱۹۶۔

(۳) تحفۃ المحتاج ۴/۱۷۰، کشف القناع ۲/۴۲۲۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۲/۲۱۶۔

(۱) الدسوقی ۲/۶۰۔

(۲) الحاوی الکبیر ۳/۳۳۷، طبع دارالکتب العلمیہ۔

نتف ے

موت مرجائے یا نتف کے علاوہ کسی دوسرے سبب سے مرجائے تو اس پر اس کی جان کا تاوان نہیں ہوگا البتہ اس کے نقص کا تاوان ہوگا۔

سوم: یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اکھیڑنے کی وجہ سے مرا ہے یا کسی دوسری وجہ سے مرا ہے تو احتیاط تو یہ ہے کہ پورا فدیہ دے اور اس کی جان کا تاوان دے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اکھیڑنے کی وجہ سے اس کی موت ہوئی ہو، لیکن لازم صرف اس کے نقص کے بقدر ہی اس پر تاوان ہوگا، اس لئے کہ اس کے بھاگ جانے کے بعد موت آنا بظاہر کسی دوسری وجہ سے ہے۔

اگر پر اکھیڑنے کی وجہ سے پرندہ اپنی حفاظت نہ کر سکے تو اس پر واجب ہوگا کہ اس کو روک رکھے، اس کو کھلائے پلائے تاکہ دیکھا جائے کہ آئندہ اس کا کیا حال ہوتا ہے، اگر اس نے اس کو روک کر کھلایا یا پلایا، تو پھر اگر وہ زندہ تو رہ گیا مگر ٹوٹے ہوئے ہاتھ پیر والے کی طرح اپنا بیج ہو کر رہ گیا تو اس پر اس کی جان کا تاوان اور پورے کا فدیہ واجب ہوگا، اس لئے کہ شکار اسی وقت تک ہے جب وہ اپنی حفاظت خود کر سکے لہذا جب اس کی جنایت (زیادتی) کی وجہ سے اپنی حفاظت کرنے کے لائق نہیں رہا تو گویا اس کو تلف کر دیا^(۱)۔

اگر وہ زندہ رہا اور اپنی حفاظت کرنے کے لائق بھی رہا اور پر اکھیڑنے سے قبل جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا تو اس میں دو اقوال ہیں: اول: اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ اس میں کوئی نقص نہیں رہ گیا ہے۔

دوم: پر نکل آنے کے بعد اپنی حفاظت کرنے کے لائق ہو گیا، اور پر اکھیڑی ہوئی حالت میں اپنی حفاظت کے لائق نہیں تھا، دونوں حالتوں کے درمیان قیمتوں میں جو فرق ہوگا اس کا تاوان اس پر واجب ہوگا، اگر نتف کے بعد شکار غائب ہو جائے اور یہ معلوم نہ

اگر اکھیڑے ہوئے پر کی جگہ دوسرا پر نکل آئے اور پرندہ پر اکھیڑنے سے قبل جس حالت میں تھا اسی حالت میں ہو جائے تو اس کے بارے میں دو اقوال ہیں:

اول: اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ جیسا تھا ویسا ہو گیا ہے۔

دوم: نیا پر نکلنے سے قبل اکھیڑنے کی وجہ سے جو نقص ہوا تھا، اس کا تاوان واجب ہوگا، اس لئے کہ اکھیڑنے کی وجہ سے جس پر کا تاوان واجب ہوگا وہ نکلے ہوئے پر کے علاوہ ہے، یہ دونوں اقوال دراصل امام شافعی کے دوسرے ان دو اقوال سے مستنبط ہیں جو اس مسئلہ میں ہیں کہ اگر کسی نے کسی کا دانت توڑ دیا، اس نے اس کی دیت وصول کر لی پھر نیا دانت نکل آیا تو کیا جو دیت وصول کی گئی ہے وہ واپس لی جائے گی یا نہیں لی جائے گی؟ اگر پرندہ بھاگ جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ نیا پر نکل آیا ہے یا نہیں تو اس کے بارے میں ایک ہی قول ہے کہ اس کے نقص کا تاوان اس پر واجب ہوگا، اس لئے کہ یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اپنی حالت پر باقی ہوگا^(۱)۔

ے - اگر تلف ہو جائے تو اس کی جان کے تاوان کی تین قسمیں ہیں:

اول: اکھیڑنے کی وجہ سے تلف ہوا ہے یعنی اکھیڑنے کے بعد وہ بھاگنا چاہے، اور مشقت اٹھا کر اڑ جائے پھر شدت تکلیف کی وجہ سے گر جائے اور مرجائے تو اس پر اس کی جان کا ضمان ہوگا، اس کے نقص کا تاوان ساقط ہو جائے گا، اگر ایسا پرندہ ہے کہ اس میں بکری واجب ہوتی ہے تو اس پر بکری واجب ہوگی، اور اگر ایسا پرندہ ہے کہ اس کی قیمت واجب ہوتی ہے تو پر کے اکھیڑنے سے قبل اس کی جو قیمت ہوگی وہ واجب ہوگی۔

دوم: اکھیڑنے کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے مرجائے، یا تو طبعی

(۱) الحادوی الکبیر ۳۳۸/۲۔

(۱) سابقہ مراجع۔

نصف ۸

اس حالت میں اس کی جو قیمت ہوگی وہ واجب ہوگی اور دوسرے پر اس کی وہ قیمت ہوگی جو اپنی حفاظت نہ کر سکنے کی حالت میں اس کی ہوگی، اور اگر نصف کے ذریعہ پہلے کی جنایت ٹھہری نہیں ہے اور پرندہ شفا یاب نہیں ہوا ہے، تو اگر دوسرا اس کو ہلاک کرنے کی وجہ سے قاتل ہوا ہے مثلاً اس کو ذبح کر دیا، یا اس کے پیٹ کو پھاڑ کر اس کی آنتیں باہر نکال دی تو تندرستی اور اکھڑی ہوئی حالت کے درمیان جو فرق ہوگا وہ پہلے پر واجب ہوگا، اس لئے کہ پراکھڑ کر اس نے زخمی کیا ہے اور دوسرے پر پورا فدیہ واجب ہوگا اس لئے کہ ہلاک کرنے کی وجہ سے وہ قاتل ہے، اور اگر دوسرے نے اس کو ہلاک کئے بغیر زخمی کیا تو دونوں برابر ہوں گے اور دونوں قاتل ہوں گے اور دونوں پر نصف نصف فدیہ واجب ہوگا۔

اگر شکار اپنی حفاظت کرنے کے لائق نہیں تھا، اور نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد مر گیا ہے اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پہلی جنایت کی وجہ سے مرا ہے یا اس جنایت کے علاوہ کسی دوسرے سبب سے مرا ہے، تو اس پر پورا فدیہ واجب ہوگا، اس لئے کہ پہلی جنایت کے بعد کسی دوسرے سبب کا ہونا غیر یقینی ہے، لہذا اس کی وجہ سے یقین کا حکم ساقط نہ ہوگا، نیز اس لئے کہ پہلا شخص اس کی پوری قیمت کا ضامن ہو گیا ہے، لہذا جس کا ضامن ہو اس میں کچھ بھی شک کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا، امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر کسی نے کسی پرندہ کو تیر مارا اور اس کو ایسا زخمی کر دیا کہ وہ اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتا ہے تو اس صورت میں وہی حکم ہوگا جو بال اکھڑنے کی صورت میں ہوگا^(۱)۔

۸- حنا بلہ نے کہا ہے کہ اگر محرم شکار کا پر یا اس کا بال اکھڑ دے، اور جو اکھڑا ہے، وہ اُگ آئے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ نقص ختم ہو چکا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے زخم بھر جائے، اگر پر وغیرہ کے

ہو سکے کہ وہ اپنی حفاظت خود کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟ البتہ اس کی جنایت معلوم ہو تو اس پر اس کی جان کا تاوان ہوگا، اس لئے کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ خود اپنی حفاظت کرنے کے لائق ہے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اپنی حفاظت خود کرنے کے لائق نہیں ہے، اور جو شکار اپنی حفاظت خود نہ کر سکے اس میں اس کی قیمت واجب ہوتی ہے، اگر شکار مر جائے تو اگر اکھڑنے کی وجہ سے مرا ہے تو اس پر اس کی قیمت کا تاوان یا اس کے مثل کا فدیہ واجب ہوگا، کیونکہ اس کی موت اس کی جنایت (زیادتی) کی وجہ سے ہوئی ہے، اور اگر نصف کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے مرا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ دوسرا سبب ایسا ہے کہ اگر صرف وہی ہوتا تو اس سے شکار کے ضمان کا تعلق نہ ہوتا مثلاً اس کو کوئی درندہ پھاڑ دے یا کوئی حلال (غیر محرم) اس کو قتل کر دے تو پہلی جنایت کرنے والے پر اس کا پورا فدیہ واجب ہوگا، اس لئے کہ وہ اس کا ضامن تھا۔

اگر دوسرا سبب ایسا ہے کہ اگر صرف وہی ہوتا تو اس سے شکار کے ضمان کا تعلق ہوتا، مثلاً اس کو کوئی محرم قتل کر دے یا کوئی حلال (غیر محرم) اس کو قتل کر دے اور شکار حرم میں ہو تو اگر نصف کی وجہ سے پہلے شخص کی جنایت ثابت رہ گئی ہے اور پرندہ اس حال میں شفا یاب ہوا ہے کہ وہ اپنی حفاظت خود کرنے کے لائق نہیں رہا ہے، تو اس صورت میں پہلے شخص پر پورا فدیہ لازم ہوگا، اس لئے کہ اسی نے پرندہ کو اپنی حفاظت سے معذور کر دیا ہے، اور دوسرے شخص پر بھی پورا فدیہ لازم ہوگا، اس لئے کہ اس نے ایک زندہ شکار کو قتل کیا ہے، پھر اگر ایسا پرندہ ہے جس کا تاوان بکری کے ذریعہ ہوتا ہے تو پہلے شخص پر ایک پوری بکری واجب ہوگی اور دوسرے شخص پر بھی ایک پوری بکری واجب ہوگی، اگر اس کا تاوان قیمت کے ذریعہ ادا ہوتا ہو تو پہلے پر اس کی قیمت واجب ہوگی یعنی جس وقت وہ اپنی حفاظت خود کر سکتا تھا

(۱) الحدادی الکبیر ۳۳۸/۳۳۹-۳۳۹

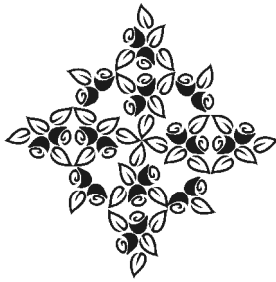
چیزیں سنت ہیں، ختنہ کرنا، موئے زیر ناف صاف کرنا، بغل کا بال اکھیڑنا، ناخن تراشنا اور مونچھ کا بال کاٹنا) اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ بغل کا بال اکھیڑنا مشروع ہے، اس کا حکم دیا گیا ہے، اگر حلق یا بال صفا پوڈر کے ذریعہ یا اور کسی ذریعہ سے بال صاف کر لیا جائے تو اصل سنت ادا ہو جائے گی، البتہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اکھیڑ کر صاف کیا جائے جیسا کہ حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”فطرۃ“ (فقہہ ۱۰)۔

سفید بال کا اکھیڑنا:

۱۱- اگر زینت اختیار کرنا مقصود نہ ہو تو سفید کو اکھیڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۱)۔

دیکھئے: اصطلاح ”لحیۃ“ (فقہہ ۱۳)۔



اکھیڑنے کی وجہ سے شکار اپنی حفاظت خود کرنے کے لائق نہیں رہا تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زخم کی وجہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے کے لائق نہ رہ جائے، اس صورت میں اس پر مکمل شکار کی جزا واجب ہوگی، اس لئے کہ اس نے اس کو بیکار کر کے گویا اس کو ضائع کر دیا اور اگر پر اکھیڑنے کے بعد شکار غائب ہو گیا اور اس کی خبر معلوم نہیں ہے تو اس پر نقص کا تاوان ہوگا (۱)۔

چہرہ کا بال اکھیڑنا:

۹- عورت کے چہرہ کا بال اکھیڑنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ یہ اس شخص (بال اکھیڑنا) میں داخل ہے، جو ممنوع ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حسن کے لئے گودنے والی، گودوانے والی، بال اکھیڑنے والی، اور دانتوں میں فاصلہ کرانے والی اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بد لئے والی پر لعنت فرمائی ہے (۲)۔

دوسرے فقہاء اس کے خلاف ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”تمص“ (فقہہ ۱۴ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

بغل کا بال اکھیڑنا:

۱۰- بغل کا بال اکھیڑنا سنن فطرت میں سے ہے جس کا تذکرہ حدیث نبوی میں ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”الفطرۃ خمس - أو خمس من الفطرۃ-: الختان والاستحداد و نتف الابط و تقليم الأظفار وقص الشارب“ (۳) (پانچ

(۱) کشاف القناع ۴۶۷/۲۔

(۲) حدیث: ”لَعْنَةُ النَّبِيِّ ﷺ الْوَاشِمَاتِ وَالْمَسْتُوشِمَاتِ

وَالْمَتَمَصَّاتِ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۷۲/۱۰ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۶۷۸/۳ طبع عیسیٰ الخلی) نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”الفطرۃ خمس - أو خمس من الفطرۃ-: الختان

= والاستحداد.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۳۳/۱۰ طبع السلفیہ) اور مسلم (۲۲۱/۱ طبع عیسیٰ الخلی) نے حضرت ابو ہریرہ سے کی ہے۔

(۱) ابن عابدین ۲۶۱/۵۔

متعلقہ الفاظ:

توزیع:

۲- توزیع کا لغوی معنی تقسیم کرنا اور الگ الگ کرنا ہے^(۱)، کہا جاتا ہے: وزعت المال توزیعاً: میں نے اس کو الگ الگ قسموں میں تقسیم کیا، اسی طرح توزیعاً یعنی ہم نے آپس میں اس کو تقسیم کر لیا^(۲)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

نثار اور توزیع میں تعلق یہ ہے کہ ہر نثار توزیع ہے مگر ہر توزیع نثار یا نثر نہیں ہے۔

شرعی حکم:

۳- حنفیہ کی رائے، شافعیہ کا اصح قول، بعض مالکیہ کی رائے اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ عقد نکاح وغیرہ کے موقع پر درہم و شکر وغیرہ بکھیرنا جائز ہے، اور اس کو اٹھالینا مباح ہے^(۳)۔

امام مالک کی رائے، حنابلہ کا رائج مذہب اور شافعیہ کے نزدیک اصح کے بالمقابل قول یہ ہے کہ بکھیرنا اور اس کو اٹھانا مکروہ ہے^(۴)، ان کی دلیل ارشاد نبوی ہے: ”النهبة لاتحل“^(۵) (لوٹی ہوئی چیز حلال نہیں ہے)، نیز ارشاد نبوی ہے: ”من انتهب نهبة

= داراحیاء التراث العربی۔

(۱) القاموس المحیط، لسان العرب۔

(۲) المصباح المنیر۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۳۴۵/۵، مواہب الجلیل ۶/۳، نہایۃ المحتاج ۱/۶، ۳۷۱/۶، الإیضاف ۳۴۱، ۳۴۰/۸۔

(۴) مواہب الجلیل ۶/۳، الإیضاف ۳۴۱، ۳۴۰/۸، نہایۃ المحتاج ۱/۶، ۳۷۱/۶۔

(۵) حدیث: ”النهبة لاتحل“ کی روایت حاکم (۲/۱۳۴ طبع دائرة المعارف)

اور ابن ماجہ (۲/۱۲۹۹ طبع عیسیٰ الخلیفی) نے حضرت ثعلبہ بن الحکم سے کی ہے،

البیوری نے مصباح الرجاہ (۲/۲۸۶ طبع دارالجمان) میں اس کی اسناد صحیح

قرار دیا ہے۔

نثار

تعریف:

۱- نثار لغت میں نشر الشئ ینثر، نشرًا ونثارًا سے ماخوذ ہے، یعنی اس نے اس کو بکھیرا^(۱)، نثار نون کے زیر کے ساتھ اور ایک لغت میں نون کے پیش کے ساتھ بھی ہے، نثر کا اسم فعل ہے اور کبھی منشور کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے کہ کتاب مکتوب کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے^(۲)۔

الیث نے کہا ہے کہ نثار کسی شی کو بکھیرنا یعنی الگ الگ پھینکنا ہے، جیسے اخروٹ، بادام اور شکر کا بکھیرنا، اسی طرح دانہ بکھیرنا ہے جب اس کو بویا جائے۔

نثار (نون کے پیش کے ساتھ) دسترخوان کے آس پاس بکھری ہوئی روٹیاں اور دوسری اشیاء ہیں^(۳)۔

نشر المتوضیٰ واستنشر کا معنی ہے: اس نے ناک میں پانی ڈالا، بعض فقہاء نے دونوں میں فرق کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا استنثار ہے، اور ناک میں موجود ریخت وغیرہ کو باہر کرنا استنثار ہے^(۴)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۵)۔

(۱) القاموس المحیط۔

(۲) المصباح المنیر۔

(۳) لسان العرب۔

(۴) المصباح المنیر، معجم مقاییس اللغلا بن فارس ۳۸۹/۵ طبع عیسیٰ الخلیفی۔

(۵) نہایۃ المحتاج ۱/۶، ۳۷۱/۶ طبع الخلیفی، شرح المنج مع حاشیہ الجمل ۲/۲۷۷ طبع

فلیس منا“^(۱) (جولوٹ کا مال لے وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔
 بکھیرے گا تو اس کو اس میں سے کچھ اٹھانے کا حق نہ ہوگا، اگر دی
 ہوئی چیز شکر ہو تو اس کو حق ہے کہ عام طور پر لوگ جتنا رکھ لیتے ہوں، اتنا
 رکھ لے، اسی کو فقید ابو اللیث نے مختار کہا ہے، ہمارے بعض مشائخ نے
 کہا ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے^(۱)۔

شافی نے کہا ہے کہ اس کے مالک کی رضامندی کے علم کی وجہ
 سے اٹھالینا جائز تو ہے لیکن چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے، ایک قول ہے کہ
 اس کا اٹھانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ گھٹیا کام ہے، ہاں اگر معلوم ہو کہ
 بکھیرنے والا اس کو نہیں اٹھائے گا اور اس کا اٹھالینا مروت کے خلاف
 نہ ہو تو اس کو چھوڑ دینا اولیٰ نہ ہوگا^(۲)، بکھیری ہوئی چیز کو اٹھانے
 والے کی شہادت رد نہیں کی جائے گی^(۳)۔

اسی طرح ان کے نزدیک ازار وغیرہ کے ذریعہ فضاء سے لے
 لینا مکروہ ہے، اگر اس کو فضاء سے لے لے یا اس کو اٹھالے یا اس کے
 لئے اپنا دامن پھیلا دے اور اس میں گر جائے تو وہ مالک ہو جائے گا،
 اور اگر اس کے لئے اپنا دامن نہ پھیلائے تو اس کا مالک نہ ہوگا، اس
 لئے کہ نہ تو مالک بننے کا ارادہ موجود ہے اور نہ اس کے لئے کوئی عمل کیا
 ہے، البتہ وہ دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہوگا، اگر کوئی دوسرا
 اس کو لے لے گا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اور اگر اس کے لینے
 کے ارادہ سے قبل ہی اس کی گود سے گر جائے یا کھڑا ہو جائے اور وہ
 گر جائے، تو اس کی خصوصیت ختم ہو جائے گی، اگر اس کو جھاڑ دے تو
 یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ زمین پر گر جائے یعنی اس کی خصوصیت ختم
 ہو جائے گی^(۴)۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳۴۶، ۳۴۵/۵ کچھ تصرف کے ساتھ۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۳۷۱/۶۔

(۳) اُسنی المطالب ۳۴۷/۴ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، مغنی المحتاج ۲۳۹/۳ اور اس
 کے بعد کے صفحات۔

(۴) شرح المنج و حاشیۃ الجمل ۲۷۸/۴، نہایۃ المحتاج ۳۷۱/۶، مغنی المحتاج
 ۲۳۹/۳ اور اس کے بعد کے صفحات۔

کس کے لئے لینا جائز ہے اور کس کے لئے جائز نہیں
 ہے:

۴- حنفیہ نے کہا ہے جیسا کہ ”الفتاویٰ الہندیہ“ میں ہے کہ نہبہ کا
 مالک اگر اجازت دے دے تو جائز ہے، لہذا اگر کوئی شخص شکر کی کچھ
 مقدار یا دراہم کی کچھ تعداد لوگوں کے سامنے رکھ دے اور کہے کہ جو
 چاہے اس میں سے کچھ لے لے، یا کہے: جو اس میں سے کچھ لے گا وہ
 اس کا ہو جائے گا، تو جو اس میں سے کچھ لے گا وہ اس کا مالک
 ہو جائے گا، کسی دوسرے کو حق نہ ہوگا کہ وہ چیز اس سے لے لے، اگر
 شکر بکھیرے، اور اس کو اٹھانے سے قبل کوئی شخص آجائے جو بکھیرنے
 کے وقت حاضر نہیں تھا، اور اس میں سے کچھ لینا چاہے تو کیا اس کو یہ
 حق ہوگا؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ اس کو
 لینے کا حق ہوگا، فقہ ابو جعفر نے کہا ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے۔

اگر شکر بکھیرے اور وہ کسی کے دامن یا آستین میں گر جائے تو
 اگر اس نے اپنا دامن یا آستین اس لئے پھیلا یا کہ اس میں شکر گرے
 تو کسی دوسرے کو حق نہ ہوگا کہ اس کو لے لے، اگر لے لے گا تو دامن
 و آستین والے کو حق ہے کہ اس سے واپس لے لے، اور اگر دامن
 اور آستین کو نہیں پھیلا یا تھا تو شکر لینے والے کا ہو جائے گا، دامن
 و آستین والا اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو شکر یا درہم شادی میں بکھیرنے کے
 لئے دے اور وہ اس میں سے کچھ اپنے لئے رکھ لینا چاہے تو اگر دی
 ہوئی چیز دراہم ہے تو اس کو یہ حق حاصل نہ ہوگا، اسی طرح اس کو یہ حق
 بھی نہ ہوگا کہ کسی دوسرے کو بکھیرنے کے لئے دے دے، اور جب

(۱) حدیث: ”من انتہب نہبۃ فلیس منا“ کی روایت ترمذی (۴۳۱/۳) طبع
 اُحلی نے حضرت عمران بن حصین سے کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے۔

نجاست ۱-۲

نجاست

تعریف:

- ۱- لغت میں نجاست کا معنی گندگی ہے، کہا جاتا ہے: تنجس الشيء چیز ناپاک ہوگئی، گندگی میں آلودہ ہوگئی^(۱)۔
- اصطلاح میں شافعیہ نے نجاست کی تعریف یہ کی ہے: ایسی گندگی جو نماز کے صحیح ہونے سے مانع ہو جہاں رخصت نہ ہو^(۲)۔
- مالکیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: ایسی حکمی صفت ہے کہ جس کے اندر یہ صفت ہو اس کی نماز اس کی وجہ سے مباح نہ ہوگی^(۳)۔

متعلقہ الفاظ:

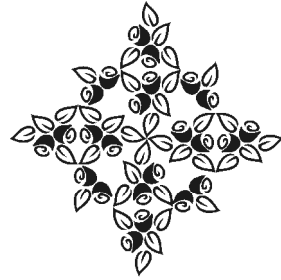
الف- طہارت:

- ۲- طہارت کا لغوی معنی: میل اور گندگی سے صفائی حاصل کرنا اور ہر عیب لگانے والی چیز سے بری ہونا ہے^(۴)۔
- اصطلاح میں طہارت ایسی حکمی صفت ہے کہ جس کے اندر ہو اس کی نماز مباح ہے^(۵)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر ان پر بکھیرا جائے کہ وہ جس طرح کھایا جاتا ہے اس طرح کھائیں اس کو نہ لوٹیں، تو ایسی صورت میں لوٹنا حرام ہوگا، حلال یا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کے نکالنے والے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح کھایا جاتا ہے اس کے کھانے میں سب برابر رہیں، تو جو شخص اپنے ساتھیوں کے ساتھ جتنا کھاتا ہے اس سے زیادہ لے گا تو حرام و ناجائز لے گا۔

اگر ان پر بکھیرا جائے کہ وہ اس کو لوٹیں تو اس کو امام مالک نے مکروہ کہا ہے، دوسرے لوگوں نے اجازت دی ہے اور انہوں نے انتہاب کی نہیں میں یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد اس چیز کا لوٹنا ہے جس کے لوٹنے کی اجازت نہیں ہے^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ جس کی گود میں بکھیری ہوئی چیز میں سے کچھ آجائے تو وہ اس کا مالک ہوگا، اسی طرح جو شخص اس میں سے کچھ لے لے تو وہ اس کا مالک ہوگا، ان دونوں صورتوں میں مطلقاً یہی راجح مذہب ہے، ایک قول یہ ہے کہ ارادہ کے بغیر مالک نہ ہوگا^(۲)۔



(۱) المصباح المنیر -

(۲) القلیوبی علی المنہاج ۶۸/۱، الإقناع للشری بنی الخطیب ۱۲۲/۱ -

(۳) الشرح الکبیر ۳۲/۱ -

(۴) المصباح المنیر، المعجم الوسیط، التعریفات للبحر جانی -

(۵) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳۰/۱ -

(۱) مواہب الجلیل ۶۳/۲ قدرے تصرف کے ساتھ -

(۲) الإیضاف ۳۴۰/۸، ۳۴۱ -

نجاست ۳-۴

اور استحاضہ کا خون، اور اسی طرح چھوٹے بچے اور بچی کا پیشاب خواہ وہ ابھی کھاتے ہوں یا نہ کھاتے ہوں، شراب، بننے والا خون، مردار کا گوشت، غیر ماکول اللحم کا پیشاب، لید، گوبر، پاخانہ، کتے کا پاخانہ، مرغی، لٹخ اور مرغابی کی بیٹ، درندے جانوروں، بلی، چوہے کا پاخانہ، سانپ کا پاخانہ اور اس کا پیشاب، جونک کا پاخانہ، جونک اور چھپکلی کا خون اگر وہ بننے والا ہو، یہ تمام اشیاء نجاست غلیظہ ہیں۔

انہوں نے حلال جانور اور گھوڑے کے پیشاب اور حرام پرندوں کی بیٹ کو نجاست خفیفہ میں شمار کیا ہے۔

مردار کے وہ اجزا جن میں خون نہیں ہوتا ہے، اگر سخت ہوں جیسے سینک، ہڈی، دانت، کھر، ٹاپ، پھٹے ہوئے کھر، بال، اون، پٹھا، سخت نسیم یہ اشیاء نجس نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ چیزیں مردار نہیں ہیں^(۱)، کیونکہ ارشاد ربانی ہے: ”وَمِنْ أَصْوَابِهَا وَأَوْبَادِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثْنَا وَمِئَاتًا إِلَى حِينٍ“^(۲) (اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے) تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدہ کی چیزیں بنائیں۔

مالکیہ نے پاک اشیاء کو ناپاک اشیاء سے ممتاز کرنے پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

الف۔ تمام جمادات جو نشہ آور نہ ہوں پاک ہیں۔

ب۔ تمام جانور پاک ہیں۔

ج۔ تمام مردار ناپاک ہیں۔

د۔ کھانے والی اشیاء کے کیڑے سب پاک ہیں، کھانے کے ساتھ ان کو کھانا حرام نہیں ہے، اور جس جانور میں بننے والا خون نہیں ہے وہ مرنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہے، اسی طرح جس پانی یا سیال چیز

طہارت ان عبادات کی ادائیگی کی بنیاد ہے، جو طہارت کے بغیر جائز نہیں ہوتی ہیں، مثلاً نماز، طواف، قرآن چھونا اور یہ اس حدیث یا نجاست کو زائل کرنے سے حاصل ہوتی ہے جو بدن، کپڑا یا مکان کے ساتھ قائم یا اس میں لگی ہوتی ہے۔

ب۔ استنجاء:

۳۔ لغت میں استنجاء کا ایک معنی کسی شے سے خالی ہونا ہے، کہا جاتا ہے: استنجیت الشجرة میں نے اس کو اس کی جڑ سے کاٹ دیا^(۱)۔

اصطلاح میں استنجاء کا معنی پا [] نہ اور پیشاب کے راستہ سے جو گندگی نکلے اس کو دھو کر یا پتھر وغیرہ سے پونچھ کر، نکلنے کی جگہ اور اس کے آس پاس سے دور کرنا ہے۔

استنجاء صرف پیشاب پاخانہ کے راستہ سے نجاست کو دور کرنے کے ساتھ خاص ہے باقی بدن یا کپڑے سے اس کا تعلق نہیں ہے، نجاست اور استنجاء میں تعلق یہ ہے کہ استنجاء نجاست کو محل سے دور کرنے اور اس کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔

ملاحظہ ہو: اصطلاح ”استنجاء“ (فقہ ۱/۱)۔

کیا چیز نجس ہے اور کیا نجس نہیں ہے:

۴۔ حنفیہ نے نجس اشیاء کی دو قسمیں کی ہیں: نجاست غلیظہ، نجاست خفیفہ، انہوں نے کہا ہے کہ انسان کے بدن سے نکلنے والی ہر وہ چیز جس کے نکلنے سے وضو یا غسل واجب ہو جاتا ہے، نجاست غلیظہ ہے جیسے پاخانہ، پیشاب، منی، مذی، ودی، پیپ جس میں خون کی آمیزش نہ ہو، پیپ جس میں خون کی آمیزش ہو، قتی جو بھرمنہ ہو، حیض، نفاس

(۱) لسان العرب۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۳۶، ۳۷، بدائع الصنائع ۱/۶۰۔

(۲) سوۃ نخل ۸۰۔

نجاست ۵

گندی سمجھی جاتی ہو۔

میں وہ مرجائیں وہ ناپاک نہیں ہوگا^(۱)۔

حدث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ایک شرعی وصف ہے، جو بدن کے اعضاء میں پایا جاتا ہے اور طہارت کو ختم کر دیتا ہے^(۱)، خواہ اصغر ہو یا اکبر ہو، چنانچہ اس کے رہتے ہوئے مثلاً نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، جب تک کہ نماز کا ارادہ کرنے والا طہارت حاصل نہ کر لے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إنه لا تتم صلاة لأحد من الناس حتى يتوضأ فيضع الوضوء مواضعه“^(۲) (کسی آدمی کی نماز اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ وہ پوری طرح وضو نہ کر لے) لہذا حدث نجاست حکمیہ سے طہارت کو واجب کرتا ہے۔

شافیہ کی رائے ہے کہ اشیاء میں اصل طہارت ہے، اس کے لئے ضابطہ کی تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اشیاء کی دو قسمیں ہیں: جمادات اور حیوانات۔

جمادات کل کے کل پاک ہیں۔

حیوان جو زندہ ہو، کتا، سور اور ان دونوں کی فروع کے علاوہ سب طاہر ہیں۔

حیوان کا جزء مردار کے حکم میں ہے۔

مردار سب ناپاک ہیں، البتہ مچھلی، ٹڈی، آدمی، جنین کی ماں کو ذبح کرنے کے بعد جنین اور وہ شکار جس کو ذبح کرنے کا موقع نہ مل سکے، پاک ہیں۔

خبث کے دور ہونے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیشہ سے فرمایا: ”اغسلي عنك الدم و صلي“^(۳) (خون دھو کر نماز پڑھ لیا کرو) دھونے سے نجاست حقیقی سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے^(۴)۔

حیوان سے جدا ہونے والا جزء یا تو اس سے رستا ہے، جیسے پسینہ، تو اس کا حکم زندہ جانور کے حکم کی طرح ہے، یا تو جسم کے اندر اس میں تغیر ہوتا ہے، جیسے پیشاب تو وہ نجس و ناپاک ہے، الا یہ کہ مستثنی ہو^(۲)۔

حکمی نجاست کا جس قدر جس طرح دور کرنا شرط ہے اس سے کچھ حصہ کا بھی رہ جانا حکمی نجاست کو باقی رکھے گا جبکہ اس کو دور کرنے والے ذریعہ کا استعمال نہ کیا گیا ہے، لہذا جس کو حدث اصغر لاحق ہو اس کے لئے یہ حدث مثلاً نماز کی ادائیگی سے مانع ہوگا، یہاں تک کہ

نجاست کی تقسیم، نجاست عینی اور نجاست حکمی:

۵- فقہاء نے نجاست کی مختلف تقسیمیں کی ہیں، ایک تقسیم وہ ہے جس میں وہ نجاست کی دو قسمیں کرتے ہیں: عینی و حکمی، اس سلسلہ میں حنفیہ کہتے ہیں: نجاست عینی سے مراد خبث اور نجاست حکمی سے مراد حدث ہے۔

انہوں نے خبث کی تعریف میں کہا ہے کہ وہ ایسی چیز ہے جو شرعاً

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱/۵۸، ۲۰۵ طبع بولاق۔

(۲) حدیث: ”إنه لا تتم صلاة لأحد من الناس.....“ کی روایت طبرانی نے الکبیر (۵/۳۸ طبع وزارة الأوقاف العراقية) میں حضرت رفاعہ الزرقی سے کی ہے، ہاشمی نے مجمع الزوائد (۲/۱۰۴ مطبوعہ القدسی) میں کہا ہے کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۳) حدیث: ”اغسلي عنك الدم و صلي“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۳۳۲ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱/۲۶۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت عائشہ سے کی ہے۔

(۴) الاختیار شرح المختار ۱/۴۳ طبع مطبعة تجازی، القاہرہ۔

(۱) عقد الجواہر الثمینیہ ۱/۱۱۔

(۲) حاشیہ البرسی مع القلیوبی علی الشرح الحلی للمنہاج ۱/۶۸، ۶۹، حاشیہ الجمل علی شرح المنہج ۱/۱۶۸، روضۃ الطالبین ۱/۱۳، الأشباہ والنظائر للسیوطی ص ۶۰، مغنی المحتاج ۱/۷۷۔

نجاست ۵

اور نجث ایک وصف ہے جو شرعاً عین نجاست کے ساتھ موجود ہوتا ہے^(۱)۔

اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں: نجاست حدث اور نجث ہے، حدث وہ مانع ہے جو سبب کے پائے جانے کی وجہ سے اعضاء کے ساتھ قائم ہوتا ہے، سبب پیشاب وغیرہ ہو یا جنابت، حیض یا نفاس ہو۔

اگر نماز پڑھنے کا ارادہ کرنے والے کے لئے ممنوع کپڑا یا جگہ ہو تو اس کو نجث سے طہارت حاصل کرنا کہتے ہیں، حدث و نجث صرف مطلق پانی سے ہی دور ہو سکتے ہیں۔

حدث کی دو قسمیں ہیں: اکبر اور اصغر، اکبر جنابت، حیض اور نفاس ہے، اصغر، پیشاب، پالانہ، ہوا، مزی اور ودی ہے۔

نجث وہ نجاست ہے جو آدمی کی ذات یا کپڑے یا جگہ کے ساتھ قائم رہتی ہے۔

ان ہی اشیاء کی تعبیر احداث اور اثبات سے کی جاتی ہے، مطلق پاک پانی کے بغیر ان سے طہارت حاصل نہیں ہوتی ہے، مطلق پانی وہ ہے جو اپنے وجود میں آنے والی حالت پر باقی ہو، یا اس چیز کی وجہ سے اس میں تبدیلی آتی ہے جو اکثر اس سے الگ نہیں ہوتی ہے، مثلاً پانی کا زیادہ دنوں تک رہ جانا یا اس سے پیدا ہونے والی چیز، ارشاد ربانی ہے: ”وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا“^(۲) (اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں خوب پاک و صاف (کرنے والا))، ماء طہور وہ ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے پاک ہو، اور دوسرے کو پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جیسے بارش، دریا اور کنوئیں کا پانی بشرطیکہ اس کے تینوں اوصاف، رنگ، بو اور مزہ میں سے کوئی وصف نہ

پانی کی موجودگی میں وضو کر لے اور اگر پانی موجود نہ ہو تو تیمم کی تمام شرائط کی رعایت کرتے ہوئے تیمم کر لے، اور جس کو حدث اکبر لاحق ہو جائے، اس کے لئے یہ حدث غسل کرنے تک نماز سے مانع ہوگا، اس تفصیل کے مطابق نجاست حکمیہ کا تھوڑا سا حصہ بھی نماز کے جواز سے مانع ہوگا، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

نجاست عینیہ (حقیقیہ) میں غلیظہ و خفیہ ہونے کے اعتبار سے حکم الگ الگ ہے، نجاست حقیقیہ اگر تھوڑی ہو تو معاف ہے، اور یہ نجاست غلیظہ میں ہتھیلی کے گہرے حصے کے برابر سے کم ہے (ایک درہم سے کم ہے) اور نجاست خفیہ میں کپڑے یا بدن کے چوتھائی حصہ سے کم ہے، نجاست مرئیہ (دیکھی جانے والی نجاست) میں عین نجاست کے دور ہو جانے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے، اور غیر مرئیہ (نہ دکھائی دینے والی نجاست) میں تین بار دھونے سے طہارت حاصل ہوتی ہے^(۱)۔

شافعیہ کہتے ہیں: عینیہ وہ ہے جو اپنے سبب کے پائے جانے کی جگہ سے ادھر ادھر تجاوز نہ کرے، جیسے نجاسات، اور حکمیہ وہ ہے جو سبب کے پائے جانے کی جگہ سے دوسری جگہ بھی تجاوز کر جائے، چنانچہ پیشاب پاخانہ کے نکلنے کی وجہ سے وضو کے اعضاء دھوئے جاتے ہیں، اور مزی کے نکلنے سے پورا بدن دھویا جاتا ہے۔

کبھی کبھی مجاز کے طور پر حکمیہ اس نجاست کو کہتے ہیں جس کا کوئی مزہ یا کوئی رنگ یا بو نہ ہو^(۲)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حدث ایک وصف ہے جو نماز وغیرہ سے مانع ہے، اور جو اپنے سبب کے پائے جانے کے وقت پورے بدن میں یا صرف اعضاء وضو میں شرعاً مقرر ہوتا ہے۔

(۱) مراتی الفلاح ص ۴۵، ۵۲، العنایہ بہامش فتح القدر ۱۳۲/۱، ابن عابدین

۲۱۵/۱ طبع سوم۔

(۲) القلیوبی ۱/۶۹، ۱۷۱۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۳۱، ۳۳، جوہر الاکلیل ۱/۵۱۔

(۲) سورہ فرقان ۲۸۔

نجاست ۶

(۱) بدلا ہو۔

ہیں: مغلطہ، مخففہ۔

جس کی نجاست میں دلائل یکساں ہوں وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مغلطہ ہے، خواہ اس میں علماء کا اختلاف ہو، اور اس میں عموم بلوی ہو یا نہیں، ورنہ وہ مخففہ ہوگی۔

امام ابو یوسف و امام محمد نے کہا ہے کہ جس کی نجاست پر علماء کا اتفاق ہو اور اس میں عموم بلوی نہ ہو وہ مغلطہ ہے ورنہ مخففہ ہے، ان حضرات نے دلائل کا لحاظ نہیں کیا ہے۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ نجاست عینیہ (خبث) کی تین قسمیں ہیں: مغلطہ، مخففہ اور متوسطہ۔

پہلی قسم: جو کتا، سور یا ان دونوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے پیدا شدہ کسی چیز سے ملنے کی وجہ سے نجس ہو۔

دوسری قسم: جو ایسے بچہ کے پیشاب کی وجہ سے نجس ہو جو ابھی دودھ کے علاوہ کچھ نہیں کھاتا ہے۔

تیسری قسم: جو ان دونوں کے علاوہ کسی چیز سے نجس ہو (۱)۔

آدمی کی طہارت و نجاست:

۶- فقہاء کی رائے ہے کہ زندہ آدمی خواہ مسلمان ہو یا کافر پاک ہے، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" (۲) (اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے)، نیز اس لئے کہ حدیث میں ہے: "أن النبي ﷺ أنزل وفد ثقیف فی المسجد" (۳) (نبی کریم

حنابلہ کہتے ہیں: حدث ایک وصف ہے جو بدن کے ساتھ قائم ہوتا ہے، اور نماز وغیرہ سے مانع ہوتا ہے، حدث اصغر میں یہ وصف وضو سے دور ہوتا ہے، اور حدث اکبر (جنابت، حیض اور نفاس) میں غسل سے دور ہوتا ہے۔

خبث گندگی اور پلیدی ہے، اس کی صفائی پانی سے دھو کر کی جاتی ہے، پانی حدث کو ختم کرتا ہے اور خبث کو زائل کرتا ہے (۲)، ارشاد ربانی ہے: "وَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَ كُمْ بِهِ" (۳) (اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی اتار رہا تھا کہ اس کے ذریعہ سے تمہیں پاک کر دے)، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "اللهم اغسل خطاياي بالماء والثلج والبرد" (۴) (اے اللہ! میری خطایا کو پانی، برف اور اولے سے دھو دیجئے) سمندر کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "هو الطهور ماؤه الحل ميتته" (۵) (اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے)۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ خبث صرف نجاست حقیقیہ کو کہتے ہیں، پھر انہوں نے نجاست حقیقیہ (خبث) کی دو قسمیں کی

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۳۲۰، ۴۰، الشرح الصغیر ۱/۲۵۶، ۳۶، أسهل المدارک شرح ارشاد السالک ۱/۳۴ طبع دار الفکر۔

(۲) منار السبیل فی شرح الدلیل ۱/۸۱ المکتبہ الإسلامی، نیل المآرب بشرح دلیل الطالب ۱/۳۸، شائع کردہ مکتبۃ الفلاح، المغنی لابن قدامہ مع الشرح ۱/۱۴ طبع دار الکتب۔

(۳) سورۃ انفال ۱۱۔

(۴) حدیث: "اللهم اغسل خطاياي بالماء والثلج والبرد" کی روایت بخاری (فتح الباری ۲/۲۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۲/۱۹ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۵) حدیث: "هو الطهور ماؤه الحل ميتته" کی روایت ابوداؤد (۱/۶۴ طبع حمص) اور ترمذی (۱/۱۰۱ طبع الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے، اور ترمذی نے کہا: حسن صحیح ہے۔

(۱) مراقی الفلاح ص ۸۲، مغنی المحتاج ۱/۸۳، ۸۵۔

(۲) سورۃ الإسراء ۷۰۔

(۳) حدیث: "أنزل النبي ﷺ وفد ثقیف فی المسجد" کی روایت ابوداؤد (۲/۳ طبع حمص) نے حضرت حسن بصری سے عثمان بن ابی العاصؓ کے واسطے سے کی ہے، المنذری نے مختصر السنن (۳/۲۴۴) میں کہا ہے کہ حسن بصری نے عثمان بن ابی العاصؓ سے نہیں سنا ہے۔

نجاست ۶

بن مظعونؓ بعد الموت“ (۱) (نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کا ان کے مرنے کے بعد بوسہ لیا) اگر وہ نجس ہوتے تو آپ ﷺ ایسا ہرگز نہ کرتے (۲)۔

اسی طرح شافعیہ بھی کہتے ہیں کہ مرد ار آدمی خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو پاک ہے، اس لئے کہ ارشادِ بانی ہے: ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“ (۳) (اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے)، ان کی عزت افزائی کا تقاضا ہے کہ زندگی میں مرنے کے بعد ان کو پاک کیا جائے نیز ان کے اکرام کا تقاضا ہے کہ مرنے کے بعد ان کو ناپاک نہ کہا جائے، اور اس بارے میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں، رہا ارشادِ بانی: ”إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ“ (۴) (مشرکین تو نرے ناپاک ہیں)، تو اس سے مراد اعتقاد کی نجاست ہے، یا یہ مقصود ہے کہ نجاست کی طرح ان سے بھی بچا جائے، ان کے بدن کا ناپاک ہونا مراد نہیں ہے (۵)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ صحیح اور رائج مذہب یہ ہے کہ آدمی زندہ و مردہ دونوں حالتوں میں پاک ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ“ (۶) (مؤمن ناپاک نہیں ہوتا

ﷺ نے وفدِ ثقیف کو مسجد میں اتارا) اگر ان کے بدن ناپاک ہوتے تو مسجد کی پاکی کی خاطر ان کو وہاں نہ اتارتے (۱)۔

جو آدمی مر جائے اس کے بارے میں عام مشائخِ حنفیہ کی رائے ہے کہ موت کی وجہ سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اس میں بہنے والا خون ہوتا ہے، جیسا کہ دوسرے وہ تمام جانور جن میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے، مرنے کی وجہ سے ناپاک ہو جاتے ہیں، اسی لئے اگر وہ کنویں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہو جائے گا، البتہ اگر مسلمان ہو تو غسل دینے کے بعد اس کے اکرام کی خاطر اس کے پاک ہونے کا حکم ہو جائے گا، اور اگر کافر ہو تو غسل کے بعد بھی پاک نہ ہو سکے گا اور جو اس کو اٹھائے ہوئے ہوگا اس حالت میں اس کی نماز صحیح نہ ہوگی (۲)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مرد ار آدمی اگر چہ کافر ہو معتد قول کے مطابق پاک ہے، ابن القاسم، ابن شعبان اور ابن عبدالحکم کی رائے اس کے نجس ہونے کی ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو غسل دینا اور اس کا اکرام کرنا اس کو نجس قرار دینے کے خلاف ہے، اس لئے کہ جو میت بمنزلہ نجاست کے ہو اس کو غسل دینے کا کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتا ہے، نیز اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے سہیل بن بیضاءؓ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی (۳)، نیز مروی ہے: ”أَنَّهُ عَلَّيْلٌ قَبْلَ عَثْمَانَ“

(۱) حدیث: ”قَبْلَ النَّبِيِّ ﷺ عَثْمَانُ بْنُ مِظْعُونٍ بَعْدَ الْمَوْتِ“ کی روایت ابوداؤد (۳/۵۱۳ طبع حمص) اور ترمذی (۳/۶۰۶ طبع کلجی) نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے، اور ترمذی نے کہا: حسن صحیح ہے۔

(۲) أسهل المدارک شرح ارشاد السالك ۱/۶۳، ۶۵ طبع دارالفکر، الشرح الکبیر ۱/۵۳، ۵۴۔

(۳) سورة اسراء/۷۰۔

(۴) سورة توبه/۲۸۔

(۵) الإقناع للشر بنی الخطیب ۱/۳۰۔

(۶) حدیث: ”إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۳۹۱ طبع السنی) اور مسلم (۲/۲۸۲ طبع عیسیٰ کلجی) نے حضرت ابوہریرہؓ سے کی ہے۔

(۱) الاختیار شرح المختار ۱/۱۷، الإقناع للشر بنی الخطیب ۱/۳۰، المغنی لابن قدامہ ۱/۲۳ طبع دارالکتب العربیہ۔

(۲) الاختیار شرح المختار ۱/۱۵ طبع جازی، بدائع الصنائع ۱/۲۹۹، حاشیہ ابن عابدین ۱/۱۲۱۔

(۳) حدیث: ”صَلَاتُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَهِيلِ بْنِ بِيضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ“ کی روایت مسلم (۲/۶۶۸ طبع عیسیٰ کلجی) نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے۔

نجاست ۷-۹

شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ کتا نجس العین ہے۔
حنفیہ کی رائے ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے، البتہ اس کا جوٹھا
اور اس کی رطوبات نجس ہیں۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ کتا طاهر العین ہے، اس لئے کہ ان کا قول
ہے کہ اشیاء میں اصل طہارت ہے، لہذا ہر زندہ جانور خواہ کتا ہو پاک
ہے، اسی طرح اس کا پسینہ، آنسو، ناک کا پانی اور لعاب پاک ہیں۔
اسی طرح کتے کے بال اور شکار میں کتے کی کاٹی ہوئی جگہ کے
حکم میں نجاست و طہارت کے اعتبار سے فقہاء میں اختلاف ہے،
بعض فقہاء کی رائے ہے کہ نجس ہے، جبکہ بعض دوسرے فقہاء کی رائے
اس کے طاهر ہونے کی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”کلب“ (فقہہ ۱۵، ۱۹)،
”شعر“، ”صوف“، ”وبر“ (فقہہ ۱۹)، ”صید“ (فقہہ ۴۴)۔

ب- خنزیر:

۹- حنفیہ، شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ سور نجس العین ہے، اسی طرح
اس کے تمام اعضاء اور اس سے الگ ہونے والی تمام چیزیں مثلاً
پسینہ اور لعاب سب ناپاک ہیں، اس لئے کہ ارشادِ ربانی ہے: ”قُلْ
لَا أُحِجُّ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ
يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ
فِسْقًا أَهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ“^(۱) (آپ کہہ دیجئے مجھ پر جو وحی آئی ہے
اس میں تو میں (اور) کچھ نہیں حرام پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو
اسے کھائے سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہو خون یا سور کا
گوشت ہو، کیونکہ وہ بالکل گندہ ہے یا جو فسق (کا ذریعہ) ہو غیر اللہ
کے لئے نامزد کیا گیا)، اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ

(۱) سورۃ انعام ۱۴۵۔

ہے)، نیز اس لئے کہ وہ آدمی ہے، اگر موت کی وجہ سے ناپاک
ہو جائے گا تو دوسرے تمام جانداروں کی طرح جو ناپاک ہو جاتے ہیں
اور وہ دھونے سے پاک نہیں ہوتے ہیں، یہ بھی پاک نہیں ہوگا۔
انہوں نے مسلم اور کافر کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، اس
لئے کہ آدمی ہونے میں نیز زندگی میں دونوں برابر ہیں، البتہ ہو سکتا
ہے کہ کافر موت کی وجہ سے ناپاک ہو جائے، کیونکہ حدیثِ مسلمان
کے بارے میں ہے اور کافر کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے
کہ اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی ہے، اور مسلمان کی طرح وہ قابل
احترام نہیں ہے^(۱)۔

۷- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ آدمی کے اجزاء اور اس کے اعضاء کا
حکم اس کے پورے بدن کے حکم کی طرح ہے، خواہ اس کی حیات میں
وہ جدا ہوا ہو یا اس کے مرنے کے بعد، اس لئے کہ یہ اس کے بدن ہی
کے اجزاء ہیں، نیز اس لئے کہ ان پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، لہذا
پورے بدن کی طرح اعضاء بھی پاک ہوں گے^(۲)۔

حنابلہ میں سے قاضی نے لکھا ہے کہ اعضاء نجس ہیں، ایک ہی
روایت ہے، اس لئے کہ وہ قابل احترام نہیں ہیں، کیونکہ ان پر نماز
جنازہ نہیں پڑھی جاتی ہے^(۳)۔

زندہ جانوروں کی طہارت و نجاست:

الف- کتا:

۸- طہارت و نجاست کے اعتبار سے کتے کے بارے میں فقہاء
کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) المغنی لابن قدامہ ۱/۴۶۔

(۲) الاختیار شرح المختار ۱/۱۵، مراقی الفلاح ص ۴۹، الشرح الکبیر مع حاشیہ

الدسوقی ۱/۵۴، الإقناع للشریبنی ۱/۳۰، المغنی لابن قدامہ ۱/۴۶۔

(۳) المغنی لابن قدامہ ۱/۴۵، ۴۶۔

نجاست ۱۰-۱۱

پہلی نوع: وہ نجس ہے ایک ہی روایت ہے، وہ کتا، سور اور ان دونوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے پیدا ہونے والا جانور ہے، وہ نجس عین ہے، اس کا جوٹھا اور اس سے نکلنے والی تمام اشیاء نجس ہیں: دوسری نوع: اس میں اختلاف ہے، یہ بلی اور جسامت میں اس سے چھوٹے جانوروں کے علاوہ تمام درندے جانور ہیں، اسی طرح تمام شکاری پرندے، پالتو گدھا اور خچر بھی ہیں، امام احمد سے منقول ہے کہ ان کا جوٹھا نجس ہے۔

دوسری قسم: اس کی ذات، اس کا جوٹھا اور پسینہ پاک ہے، اس کی تین انواع ہیں:

اول: آدمی، دوم: تمام حلال جانور، سوم: بلی اور جسامت میں اس سے چھوٹے جانور^(۱)۔

مردار جانور کی طہارت و نجاست:

الف- وہ مردار جانور جس میں بننے والا خون نہیں ہے:

۱۱- عام فقہاء کی رائے ہے کہ جس جاندار میں بننے والا خون نہیں ہے، جیسے مکھی، مچھر وغیرہ اگر وہ تھوڑے پانی یا کسی سیال چیز میں گر کر مر جائے تو جس میں گر کر مرے وہ ناپاک نہ ہوگا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "إِذَا وَقَعَ الذَّبَابُ فِي شَرَابٍ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمَسْهُ ثُمَّ لِيَنْزِعْهُ، فَإِنْ فِي إِحْدَى جَنَاحَيْهِ دَاءٌ وَالْآخَرَى شِفَاءٌ" (اگر تم میں سے کسی کے پینے کی چیز میں مکھی گر جائے تو اس کو ڈبو دے پھر اس کو نکال دے، اس لئے کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے، اور دوسرے میں شفاء ہوتی ہے) ایک دوسری روایت میں ہے: "وَإِنَّهُ يَنْقِي بِجَنَاحِهِ الَّذِي فِيهِ الدَّاءُ"^(۲) (وہ اس پر کے

(۱) المغنی مع الشرح الکبیر ۱/۴۱۱، ۴۴۔

(۲) حدیث: "إِذَا وَقَعَ الذَّبَابُ فِي شَرَابٍ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمَسْهُ....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/۳۵۹ طبع السلفیہ) نے حضرت ابو ہریرہ سے کی

رجس" میں ضمیر خنزیر کی طرف لوٹ رہی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین خنزیر اور اس کے تمام اجزاء حرام ہیں۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ عین خنزیر زندہ رہنے کی حالت میں پاک ہے، اس لئے کہ ہر زندہ میں اصل طہارت ہے، نجاست عارض ہوتی ہے، اس لئے زندگی کی وجہ سے اس کی ذات پاک ہوگی، اسی طرح اس کا پسینہ، لعاب، آنسو اور ناک کا پانی پاک ہوگا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح "خنزیر" (فقہہ ۴/۱۳ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

شکاری جانور اور شکاری پرندے:

۱۰- شکاری جانور اور شکاری پرندوں کی طہارت و نجاست کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ شکاری جانور جیسے شیر، تیندو، بھیڑ یا چیتا اور بندر اسی طرح شکاری پرندے جیسے شکرہ، باز اور چیل، سب نجس ہیں^(۱)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ تمام جانور جو زندہ ہوں پاک ہیں، ایک قول یہ ہے کہ کتا، سور اور مشرک ناپاک ہیں^(۲)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ کتا، سور اور ان دونوں سے یا کسی ایک سے پیدا شدہ جانور ناپاک ہے، ان کے علاوہ تمام جانور اور ان کا جوٹھا پاک ہے^(۳)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ جانور کی دو قسمیں ہیں: نجس اور طاہر۔

پہلی قسم: نجس، اس کی دو انواع ہیں:

(۱) تبیین الحقائق ۱/۳۱۱، ۳۴، مراقی الفلاح ص ۵ طبع الحلبي، الاختیار شرح

الختار ۱۸/۱ طبع مجازی، فتح القدیر ۴/۷۶، ۷۷۔

(۲) القوانین الفقہیہ ص ۲ طبع دار القلم، بیروت، پہلا ایڈیشن۔

(۳) روضۃ الطالبین ۱/۱۳ طبع المکتبہ الإسلامیہ۔

نجاست ۱۲

ب۔ دریائی اور پانی و خشکی دونوں میں رہنے والا مردار جانور:

۱۲۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ جس جانور کی پیدائش پانی میں ہو اگر وہ پانی میں مرجائے تو اس کی وجہ سے پانی ناپاک نہ ہوگا جیسے مچھلی، مینڈک اور کیڑا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”هو الطهور ماؤه الحل ميتته“^(۱) (اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کی وجہ سے وہ جانور خود ناپاک نہیں ہوتا ہے، اور جب وہ خود ناپاک نہ ہوگا تو جس پانی میں مرے گا، وہ بھی ناپاک نہ ہوگا، اسی طرح اگر پانی سے باہر مر کر اس میں گرجائے تو بھی پانی ناپاک نہ ہوگا۔

اگر پانی کے علاوہ مثلاً سرکہ، دودھ وغیرہ میں مرجائے تو امام محمد سے منقول ہے کہ ناپاک نہ ہوگا، خواہ اس میں پھول جائے یا نہ پھولے، ان سے منقول ہے کہ انہوں نے دریائی اور خشکی کے مینڈک کو یکساں قرار دیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اگر خشکی کے مینڈک میں بننے والا خون ہو تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور یہی صحیح ہے^(۲)۔

مالکیہ کے نزدیک پانی کے جانور پاک ہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”هو الطهور ماؤه الحل ميتته“ (اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے)، لہذا اس حدیث کی وجہ سے دریائی مردار جانور پاک ہے، خواہ طبعی موت سے مر کر اوپر پایا جائے یا اس کے ساتھ کوئی عمل کیا گیا ہو اور اس کی وجہ سے مرجائے، مثلاً مسلمان یا مجوسی کا شکار کرنا، یا آگ میں ڈال دیا جائے، یا مٹی میں چھپا دیا جائے، اور اس کی وجہ سے مرجائے یا کسی مچھلی یا پرندے کے پیٹ میں مردہ پایا جائے۔

(۱) حدیث: ”هو الطهور ماؤه.....“ کی تخریج فقہرہ ۵ میں گذر چکی ہے۔

(۲) الاختیار شرح المختار ۱۴ طبع مصطفیٰ الحلیمی ۱۹۳۶، فتح القدیر ۵۷۔

ذریعہ اپنا بچاؤ کرتی ہے جس میں بیماری ہوتی ہے) اور کبھی کبھی اس کے ڈبونے سے اس کی موت ہو جاتی ہے، تو اگر اس کے مرنے سے وہ چیز نجس ہو جاتی تو آپ ڈبونے کا حکم نہیں دیتے۔

شافعیہ کے نزدیک مشہور قول کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ جس چیز میں وہ گر کر مرجائے وہ ناپاک ہو جائے گی، جیسے دوسرے تمام مردار کی وجہ سے ناپاک ہو جاتی ہے۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اختلاف وہاں ہے، جہاں وہ پیدا نہ ہو، اگر اسی میں پیدا ہوا ہو اور اسی میں مرجائے تو یقینی طور پر وہ چیز ناپاک نہ ہوگی، جیسے سرکہ کا کیڑا^(۱)۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ جس جانور میں بننے والا خون نہیں ہے اس کی دو قسمیں ہیں: اول وہ جو پاک چیزوں میں پیدا ہوتا ہے تو وہ زندگی کی حالت میں بھی پاک ہوتا ہے، اور مرنے پر بھی پاک رہتا ہے، دوم وہ جو نجاستوں میں پیدا ہوتا ہے، جیسے پالانہ کا کیڑا تو وہ زندہ، مردہ دونوں حالتوں میں نجس ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ نجاست سے پیدا ہوتا ہے، لہذا نجس ہوگا جیسے کتا اور سور کا بچہ نجس ہوتا ہے۔

مروزی کی ایک روایت میں امام احمد نے کہا ہے کہ پالانہ اور پالانہ کے ٹینک میں پیدا ہونے والا کیڑا اگر برتن یا غلہ میں گرجائے تو پانی بہا دیا جائے، کنویں کا کیڑا گندگی نہیں کھاتا ہے، اور وہ ناپاک نہیں ہوتا ہے^(۲)۔

= ہے اور دوسری روایت ابوداؤد (۴/۱۸۳ طبع حمص) نے کی ہے۔

(۱) مرقی الفلاح رص ۷، ۱۰ طبع الحلیمی، الاختیار شرح المختار ۱۴، فتح القدیر ۵۷، الشرح الکبیر للرد سوئی ۴۸، ۴۹، معنی المختار ۲۳، ۲۴، المعنی مع

الشرح الکبیر ۳۹، ۴۰۔

(۲) المعنی مع الشرح الکبیر ۳۹، ۴۰۔

نجاست ۱۳-۱۴

دریائی جانور جو خشکی میں زندہ رہ سکتے ہیں، جیسے مینڈک، گھڑیاں اور ان کے مشابہ دوسرے جانور، مرنے کی وجہ سے ناپاک ہو جاتے ہیں، لہذا اگر قلیل پانی میں مرجائیں تو پانی ناپاک ہو جائے گا، کثیر پانی میں بھی اگر تغیر ہو جائے تو ناپاک ہو جائے گا، اس لئے کہ اگر پانی کے علاوہ دوسری چیز ناپاک ہو سکتی ہے تو پانی بھی ناپاک ہو جائے گا، جیسا کہ خشکی کے جانور کا حکم ہے، نیز اس لئے کہ یہ ایسا جانور ہے جس میں بہتا ہوا خون ہے، اور اس کا مردار مباح نہیں ہے، لہذا وہ پانی کے پرندہ کے مشابہ ہوگا، اور اس کا حکم مچھلی سے الگ ہوگا، کیونکہ مردار مچھلی مباح ہے، اور اگر پانی کے علاوہ دوسری چیز میں مچھلی مرجائے تو وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی ہے^(۱)۔

ج- خشکی کا مردار جانور:

۱۳- فقہاء کی رائے ہے کہ مچھلی اور ٹڈی کے علاوہ تمام مردار جانور ناپاک ہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”أحلت لنا ميتتان ودمان: فأما الميتتان فالحوت والجراد وأما الدمان فالكبد والطحال“^(۲) (ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال ہیں، مردے مچھلی اور ٹڈی ہیں، خون جگر اور تلی ہیں)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”میتہ“۔

د- جانور سے جدا شدہ عضو:

۱۴- نبی الجملہ فقہاء کی رائے ہے کہ زندہ جانور کا جو عضو جدا ہو جائے

کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ خشکی میں زیادہ دیر زندہ رہ سکے جیسے مچھلی، یا زیادہ دیر زندہ رہ سکے جیسے دریائی مینڈک اور دریائی کچھوا۔ عبدالحق سے منقول ہے کہ خشکی کا مردار مینڈک نجس ہے، جو دریائی جانور، خشکی میں زیادہ دیر زندہ رہ سکے جیسے گھڑیاں، اس کے مردار کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ وہ پاک ہے، یہی رائے امام مالک اور اکثر اصحاب مالکیہ کی ہے، البتہ اس کے خلاف شاذ قول بھی ہے^(۱)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ دریا کا مردار جانور پاک اور اس کا کھانا حلال ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے دریا کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ”هو الطهور ماؤه الحل ميتته“ (اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے)۔

انہوں نے کہا ہے کہ جو جانور پانی اور خشکی دونوں میں زندگی گذارتا ہے جیسے پانی کا پرندہ مثلاً بطخ، مرغابی وغیرہ وہ حلال ہے، البتہ اس کا مردار یقیناً حرام ہے، مشہور قول کے مطابق مینڈک اور کیکڑا حرام ہیں، زہریلے جانور یقیناً حرام ہیں، صحیح قول کے مطابق گھڑیاں اور اصح قول کے مطابق کچھوا حرام ہے^(۲)۔

حتماً بلکہ کی رائے ہے کہ مردار مچھلی اور وہ تمام دریائی جانور جو صرف پانی میں زندہ رہ سکتے ہیں، مباح ہیں، لہذا زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں پاک ہوں گے، اگر ایسا نہ ہو تو ان کا کھانا مباح نہ ہوگا، اگر اس سے پانی بدل جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

(۱) المغنی لابن قدام مع الشرح ۴۰۱/۱ دارالکتب العربی۔

(۲) حدیث: ”أحلت لنا ميتتان ودمان.....“ کی روایت احمد (۲/۹۷ طبع المصنوع) نے حضرت ابن عمر سے مرفوعاً کی ہے، اور بیہقی (۱/۲۵۴) نے ابن عمر سے مرفوعاً کی ہے، ابن حجر نے فتح الباری (۶۲۱/۹) میں لکھا ہے کہ اس کی روایت احمد اور دارقطنی نے مرفوعاً کی ہے، اور انہوں نے کہا ہے کہ موقوف اصح ہے، بیہقی نے بھی موقوف کو راجح کہا ہے، البتہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ مرفوع

(۱) أسهل المدارک شرح إرشاد السالك ۴۸/۱، ۴۹، دار الفکر، الشرح الکبیر وحاشیة الدسوقي علیہ ۴۹/۱، ۱۱۵/۲، الشرح الصغیر ۴۵/۱، ۱۱۵/۲، جواہر الإکلیل ۸/۱، ۲۱۶، شرح الزرقانی ۲۱/۱، ۲۲۔
(۲) المہذب ۱/۲۵۷، شرح المنہاج وحاشیة عمیرہ والقلیو بی علیہ ۲۵۷/۳، روضة الطالین ۳/۲۵۷ طبع المکتب الإسلامی۔

نجاست ۱۴

اس کی موت کے بعد الگ کئے گئے ہوں تو اگر مردہ جانور کو پاک قرار دیا جائے تو اس کے تمام اجزاء پاک ہوں گے، اور اگر اس کو نجس قرار دیا جائے تو اس کا گوشت نجس ہوگا۔

مردار کی ہڈی، سینگ، دانت اور کھر نجس ہیں، البتہ مردار کے بال اور اون پاک ہیں^(۱)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ زندہ سے جدا کیا ہوا حصہ اس کے مردار کی طرح ہے، یعنی اگر مردار پاک ہوگا تو وہ حصہ بھی پاک ہوگا، اور اگر مردار نجس ہوگا تو وہ حصہ بھی نجس ہوگا، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”ما قطع من البہیمۃ وہی حیۃ فہی میتۃ“ (زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے)، لہذا آدمی، مچھلی اور ٹڈی سے جدا کیا ہوا حصہ پاک ہوگا اور دوسرے جانور کا جدا کیا ہوا حصہ نجس ہوگا، البتہ حلال جانور کا بال، اون، اور پر بالا جماع پاک ہیں، اگر چہ جانور سے اکھیر لیا جائے، ارشاد بانی ہے: ”وَمِنْ أَصْوَابِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثْنَا وَمِئَاتًا إِلَى حِينٍ“^(۲) (اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فاندے کی چیزیں بنائیں)، یہ اس صورت پر محمول ہے کہ ذبح کے بعد لیا گیا ہو، یا زندگی میں معروف طریقہ پر لیا گیا ہو^(۳)۔

انہوں نے کہا ہے کہ مردار کی نجاست میں اس کے تمام اجزاء ہڈی، بال، اون، پشم وغیرہ سب داخل ہیں، اس لئے کہ ان سب میں زندگی ہوتی ہے^(۴)۔

وہ مردار کے حکم میں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”ما قطع من البہیمۃ وہی حیۃ فہی میتۃ“^(۱) (زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے)۔

بعض دوسری چیزوں میں اختلاف ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حنفیہ کی رائے ہے کہ سور کے علاوہ دوسرے مردار جانور کا بال، ہڈی، پٹھا مشہور قول کے مطابق کھر، سینگ جو چکنائی سے خالی ہو، اور اسی طرح ہر وہ عضو جس میں زندگی نہ ہو، یہ وہ عضو ہوتا ہے جس کے کاٹنے سے جانور کو تکلیف نہ ہو جیسے پر، چونچ اور کھر، یہ سب پاک ہیں۔

اس کے دونوں کانوں کے بارے میں اختلاف ہے، ”البدائع“ میں ہے کہ نجس ہیں، اور ”الغانیۃ“ میں ہے کہ نہیں، ”الاشباہ“ میں ہے کہ زندہ شخص سے جدا ہونے والا عضو مردار کے حکم میں ہے، البتہ خود اس شخص کے حق میں پاک ہے، اگرچہ زیادہ ہو^(۲)۔

دیکھئے: ”اطعمۃ“ (فقہہ ۷۴ اور اس کے بعد کے فقرات)۔ مالکیہ نے کہا ہے کہ بال و پر کے علاوہ مردار کے تمام اجزاء ناپاک ہیں۔

جانور کے اجزاء اگر اس کی زندگی میں اس سے الگ کر لئے جائیں تو بال اور اون کے علاوہ تمام اجزاء بالاتفاق نجس ہیں، اور اگر

= کے حکم میں ہے۔

(۱) أسهل المدارک شرح إرشاد السالك ۵۱/۱، ۵۲، الشرح الصغير ۱/۳۹، ۵۱، حاشیۃ الدرستی ۱/۳۹، ۵۴۔
(۲) سورہ نحل ۸۰۔
(۳) الإقناع للشریفة بنی الخطیب ۱/۳۰۔
(۴) مغنی المحتاج ۱/۸۷۔

(۱) حدیث: ”ما قطع من البہیمۃ وہی حیۃ فہی میتۃ“ کی روایت ابوداؤد (۲/۳۷۷ طبع تمص) اور ترمذی (۳/۳۷۷ طبع الخلیف) نے حضرت ابی واقد اللیشی سے کی ہے، ترمذی نے کہا ہے: حسن غریب ہے۔
(۲) حاشیہ ابن عابدین ۱/۱۳، ۱۳۸ طبع سوم، المطبعة الأ میریۃ الکبریٰ ۱۳۲۳ھ، الاختیار شرح المختار ۱/۵۱ مطبوعہ مجازی۔

نجاست ۱۵-۱۶

ھ- جانور کی کھال:
۱۵- جانور کی کھال یا تو مردار کی کھال ہوگی یا غیر ماکول اللحم زندہ جانور کی کھال ہوگی۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مردار کی کھال ناپاک ہے، البتہ اختلاف اس میں ہے کہ دباغت کے بعد وہ پاک ہو سکتی ہے یا نہیں۔ حنفیہ وشافعیہ کی رائے اور ماکول اللحم کے مردار کی کھال کے بارے میں امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ مردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، البتہ سور کی کھال ان کے نزدیک نجس العین ہونے کی وجہ سے پاک نہیں ہوتی ہے۔

مالکیہ میں سے سخون اور ابن عبدالحکم سے منقول ہے کہ بشمول سور تمام جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ شافعیہ نے بھی کتے کی کھال کو مستثنیٰ کیا ہے، اسی طرح حنفیہ میں سے امام محمد نے ہاتھی کی کھال کو مستثنیٰ کیا ہے، مالکیہ کا مشہور معتمد قول اور حنابلہ کا راجح قول یہ ہے کہ مردار کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی ہے۔

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ غیر ماکول اللحم زندہ جانور کی کھال ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتی ہے۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ جس جانور کی کھال ان کے نزدیک دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، وہ شرعی ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے، تفصیلات کے لئے دیکھئے: اصطلاحات ”جلد“ (فقہہ ۸، ۱۰)، ”دباغت“ (فقہہ ۹ اور اس کے بعد کے فقرات)، ”طہارۃ“ (فقہہ ۲۳)۔

انسان اور جانوروں کے بدن سے نکلنے والی اشیاء کا حکم:
الف- تھوک، ریٹ اور بلغم:

۱۶- حنفیہ کی رائے ہے کہ بلغم پاک ہے، لہذا جو بلغم قے کرے

حنابلہ نے کہا ہے کہ مردار کی ہڈی، سینگ، ناخن، پٹھا، کھر اس کے بال کی جڑ اگر اکھیڑا جائے، پر کی جڑ اگر اکھیڑا جائے، وہ تر ہو یا خشک ہو، سب ناپاک ہیں، اس لئے کہ یہ سب مردار کے اجزاء ہیں، لہذا مردار کے مشابہ ہوں گے، نیز اس لئے کہ بال اور پر کی جڑیں گوشت کا جزء ہیں جو ابھی مکمل بال یا پر نہیں بنے ہیں۔

جو جانور اپنی حیات میں پاک ہے مثلاً بکری، اس کے مردار کا اون پاک ہے، اس کا بال، پشم اور پر پاک ہیں، اگرچہ ان کا گوشت کھانا حلال نہ ہو، جیسے بلی، اور جسامت میں اس سے چھوٹے جانور، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَمِنْ أَصْوَابِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثْنَا وَمِئَاتًا إِلَى حِينٍ“ (اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدے کی چیزیں بنائیں)، یہ آیت احسان جتانے کے لئے لائی گئی ہے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ زندگی و موت کی دونوں حالتیں اس میں داخل ہوں گی، پر کو ان ہی تینوں پر قیاس کیا گیا ہے۔

زندہ جانور کی سینگ، چکیتی، کھر اور چمڑا اگر الگ کر لئے جائیں تو طہارت یا نجاست میں ان کا حکم وہی ہوگا جو اس جانور کے مردار کی طہارت و نجاست کا حکم ہوگا^(۱) اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”ما قطع من البهيمة وهي حية فهي ميتة“ (زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے)۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاحات ”شعر“، ”صوف“، ”وبر“ (فقہہ ۱۷ اور اس کے بعد کے فقرات)، ”عظم“ (فقہہ ۲)، ”انظار“ (فقہہ ۱۲)۔

(۱) کشاف القناع ۱/۵۶، ۵۷۔

نجاست ۱۶

سے معدہ کی طہارت کے قائل ہیں، لہذا اس سے جو بھی نکلے گا وہ پاک ہوگا اور قے کی نجاست کی علت اس کا فساد کی طرف منتقل ہونا ہے^(۱)۔

شافیہ کہتے ہیں کہ جاندار کے اندر سے جو کچھ نکلتا ہے وہ اندر تیار ہو کر جمع نہیں ہوتا ہے بلکہ رستار ہوتا ہے، مثلاً لعاب، آنسو، پسینہ اور رینٹ تو جس جانور سے نکلا ہے اسی کے حکم میں ہوگا یعنی اگر جانور نجس ہوگا تو یہ سب اشیاء بھی نجس ہوں گی اور اگر جانور پاک ہوگا تو یہ چیزیں بھی پاک ہوں گی۔

وہ کہتے ہیں کہ معدہ سے چڑھنے والا بلغم ناپاک ہے۔ اس کے برخلاف سر سے آنے والا، حلق یا سینہ سے نکلنے والا بلغم پاک ہوگا^(۲)۔

حنا بلکہ کہتے ہیں: کہ آدمی کا تھوک، رینٹ اور بلغم پاک ہے، چنانچہ حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے: "أن النبي ﷺ رأي نخامة في القبلة فشق ذلك عليه حتى رؤي في وجهه، فقام فحكه بيده فقال: إن أحدكم إذا قام في صلاته فإنه ينجس ربه - أو: إن ربه بينه وبين القبلة - فلا يبرق أحدكم قبل قبلته، ولكن عن يساره أو تحت قدميه ثم أخذ طرف رداثة فبصق فيه ثم رد بعضه على بعض فقال: أو يفعل هكذا"^(۳) (نبی کریم ﷺ نے قبلہ کی سمت میں بلغم دیکھا تو آپ کو گراں معلوم ہوا، چہرہ مبارک پر گرانی کے آثار نظر آئے، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور اس کو اپنے ہاتھ سے کھرچ

اگرچہ منہ بھر کر ہوا اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ وہ پاک ہے، اس لئے کہ: "لأنه ﷺ أخذ طرف رداثة فبصق فيه ورد بعضه على بعض"^(۱) (نبی کریم ﷺ نے اپنی چادر کا کنارہ لیا اور اس میں تھوکا اور چادر میں ہی اس کو جذب کر دیا)، اسی وجہ سے سر سے اترنے والا بلغم بالا جماع ناقص وضو نہیں ہے، اس کی چکنائی کی وجہ سے اس میں نجاست سرایت نہیں کرتی ہے، اور اس کے اوپر جو نجاست ہوتی ہے وہ بہت کم ہوتی ہے، اور قلیل ناقص نہیں ہے، صرفاء اس کے برخلاف ہے، اس میں نجاست سرایت کر جاتی ہے۔

امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ اگر بلغم معدہ سے نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ معدہ محل نجاست ہے، لہذا وہ صرفاء کے مشابہ ہو جائے گا^(۲)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ زندہ دریائی ہو یا خشکی کا ہو، کتا ہو، یا آدمی ہو، مسلمان ہو یا کافر ہو ان سب کا لعاب یعنی بیداری یا نیند میں ان کے منہ سے بہنے والا سیال مادہ پاک ہے، اگر اس کی زردی اور بدبو کی وجہ سے محسوس ہو کہ وہ معدہ سے نکلا ہے تو ناپاک ہوگا اور اس وقت اس کو لعاب نہیں کہا جائے گا، اگر مسلسل نکلے تو معاف ہوگا ورنہ نہیں، اسی طرح رینٹ یعنی ناک سے نکلنے والا سیال مادہ بھی پاک ہے^(۳)۔

بلغم پاک ہے، وہ رینٹ کی طرح تیار ہوتا ہے، آدمی وغیرہ کے سینہ سے نکلتا ہے یا سر سے آتا ہے، کیونکہ وہ حضرات زندگی کی وجہ

(۱) حدیث: "أن النبي ﷺ أخذ طرف رداثة فبصق فيه ورد بعضه على بعض" کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۵۱۳ طبع السلفیہ) نے حضرت انسؓ سے کی ہے۔
(۲) مراقی الفلاح ص ۱۸ طبع الحکمی، الاختیار شرح المختار ۹/ طبع الحکمی۔
(۳) حاشیہ الدسوقی ۵۰۶، جواہر الإکلیل ۸/۱، أسهل المدارک شرح إرشاد السالک ۶۳، ۶۵۔

نجات ۱۷-۱۸

يغسل الثوب من خمس وعد منها القيء“ (۱) (کپڑا صرف پانچ چیزوں کی وجہ سے دھویا جائے گا..... اور آپ نے ان میں قی کو بھی شمار کیا)۔

حنفیہ کے نزدیک اگر قی منہ بھر کر ہو تو نجس ہے، اور کم ہو تو پاک ہے، امام ابو یوسف کا مختار قول یہی ہے (۲)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ نجس وہ قی ہے جو کھانے کی حالت سے بدل گئی ہو، چنانچہ اگر اس کی تبدیلی صفر یا بلغم کی وجہ سے ہو، اور وہ کھانے کی حالت سے نہ بدلی ہو تو پاک ہوگی (۳)۔

لہذا اگر کھٹے پن وغیرہ کے ذریعہ تبدیلی ہوئی ہوگی تو ناپاک ہوگی، بظاہر ”المدونہ“ سے یہی معلوم ہوتا ہے (۴)۔

۱۸- قلنس (قاف کے زبر اور لام کے سکون کے ساتھ)، جیسا کہ مالکیہ نے کہا ہے: وہ پانی ہے جس کو معدہ یا ریاح معدہ کے منہ سے اوپر کی طرف پھینکتی ہے، کبھی کبھی اس کے ساتھ کچھ کھانا بھی ہوتا ہے (۵)۔

حنفیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ قلنس نجس ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: ”قال رسول الله ﷺ من أصابه قئ أو رعاف أو قلنس أو مذى فلينصرف“

= قدامہ مع الشرح ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷۔

(۱) حدیث: ”إنما يغسل الثوب من خمس.....“ کی روایت دارقطنی (۱۲۷/۱ طبع الفقیہ المتحدہ) نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے کی ہے، پھر دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد میں دوراوی ضعیف ہیں۔

(۲) فتح القدیر ۱۴۱/۱، مراقی الفلاح ص ۱۶، ۱۸، ۳۰ طبع الحلبي، الاختيار شرح المختار ۸/۹، ۸، ۹ طبع حجازی۔

(۳) حاشیہ الدسوقی ۵۱/۱، جواہر الإکلیل ۹/۱، مواہب الجلیل ۹۳/۱، الخرش علی مختصر خلیل ۸۶/۱، سہل المدارک شرح إرشاد السالك ۶۳ طبع دار الفکر۔

(۴) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۵۱/۱۔

(۵) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۵۱/۱، الخرش علی مختصر خلیل ۸۶/۱۔

دیا، پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، یا آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے اور قبلہ کے درمیان اس کا رب ہوتا ہے، لہذا کوئی قبلہ کی سمت میں نہ تھو کے بلکہ بائیں جانب یا اپنے پیروں کے نیچے تھو کے، پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر کا کنارہ لیا، اس میں تھو کا اور اس میں اس کو جذب کر دیا اور فرمایا کہ یا اس طرح کر دے (اگر نجس ہوتا تو آپ نماز کی حالت میں کپڑے میں جذب کرنے اور پیر کے نیچے ڈالنے کا حکم نہ کر دیتے۔ سر سے اترنے والے اور سینہ سے نکلنے والے بلغم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حلال جانور کا تھوک پاک ہے، اور جو جانور حلال نہیں ہیں اور ان سے بچنا ممکن ہے، ان کی دو قسمیں ہیں:

اول: کتا، سور، یہ دونوں اپنے تمام اجزاء اور فضلات کے ساتھ نجس ہیں، اور ان سے نکلنے والی ہر شئی ناپاک ہے۔

دوم: ان دونوں کے علاوہ درندے جانور، شکاری پرندے، خچر، گدھا ہیں، امام احمد سے منقول ہے کہ یہ سب اپنے تمام اجزاء اور فضلات کے ساتھ نجس ہیں، البتہ اگر بہت کم ہو تو معاف ہے، ان سے ایک دوسری روایت بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حکم آدمی کے حکم کی طرح ہے، یعنی ان کا تھوک بھی پاک ہے (۱)۔

ب- قی و قلنس (معدہ سے نکلنے والا پانی):

۱۷- شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ قی نجس ہے، اس لئے کہ وہ کھانا ہے جو معدہ میں بدبو اور فساد کی طرف منتقل ہو گیا ہے، لہذا نجس ہوگا (۲) اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا: ”إنما

(۱) المغنی لابن قدامہ مع الشرح ۳۳، ۳۴۔

(۲) المہذب ۵۳، ۵۴، منہاج الطالبین مع شرح لمحلی ۷۰، الإقناع للشری بنی الخطیب ۳۱، منار السبیل فی شرح الدلیل ۵۳، المغنی لابن

نجاست ۱۹-۲۱

صرف وہی جانور جگالی کرتا ہے جس کو اوجھ ہو۔
مالکیہ کے یہاں یہ مسئلہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ ان کے نزدیک
زندگی کی وجہ سے مباح الاکل جانور کا معدہ پاک ہے، اور اس سے جو
پت اور صفراء نکلے وہ بھی پاک ہے^(۱)۔

د- جانور کا پسینہ:

۲۰- جانور کے پسینہ کی طہارت و نجاست کے بارے میں فقہاء کے
درمیان اختلاف ہے۔

ان کی رائے ہے کہ حلال جانور کا پسینہ پاک ہے، دوسرے
جانوروں کے پسینہ کے بارے میں اختلاف ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”عرق“ (فقہہ ر ۱۴ اور اس
کے بعد کے فقرات)۔

ھ- دودھ:

۲۱- دودھ کسی آدمی کا ہوگا یا کسی جانور کا، اگر زندہ آدمی کا دودھ ہو تو
بالا تفاق پاک ہے، اور اگر کسی حلال زندہ جانور کا ہو تو بھی بلا اختلاف
پاک ہے۔

اس کے علاوہ جانور کے حلال ہونے میں اختلاف کی وجہ سے
اس کے دودھ کے بارے میں بھی اختلاف ہو گیا ہے، لہذا جس جانور
کا کھانا حلال ہے اس کا دودھ پاک ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”لبن“ (فقہہ ر ۲ اور اس
کے بعد کے فقرات)۔

فلیتوضأ، ثم لیسن علی صلوتہ وهو فی ذلک
لا یتکلم،^(۱) (جس کو قتی نکسیر، قلنس یا مذی پیش آجائے تو جا کر وضو
کرے پھر اپنی نماز پر بناء کرے، درمیان میں بات نہ کرے)۔

انہوں نے کہا ہے کہ صرف نجاست ہی کے نکلنے سے طہارت
ختم ہوتی ہے^(۲)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ قتی کی طرح قلنس بھی پاک ہے جب تک
کہ کھانے کی حالت سے نہ بدلا ہو، اگر بدل جائے تو نجس ہوگا^(۳)۔

ج- جگالی کرنے والے جانور کی جگالی:

۱۹- الحجرۃ (جیم کے زیر کے ساتھ)، حنفیہ نے اس کی تعریف یہ کی
ہے کہ اونٹ، گائے، بھینس یا بکری کے پیٹ سے اس کے منہ تک
آنے والی چیز حجرۃ (جگالی) ہے^(۴)۔

شافعیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ اونٹ یا دوسرے جانور
جگالی کرنے کے لئے جس کو اپنے پیٹ سے نکالیں وہ جرہ ہے^(۵)۔

امام زفر کے علاوہ دیگر حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ اس کی
لید کی طرح وہ بھی نجس ہے، کیونکہ وہ اس کے پیٹ میں چھپا ہوتا ہے،
جیسا کہ اگر پانی اس کے پیٹ میں پہنچ جائے تو وہ اس کے پیشاب
کے حکم میں ہوتا ہے، اسی طرح جگالی اس کی لید کے حکم میں ہوگی اور

(۱) حدیث حضرت عائشہ: ”من أصابه قتی أو رعاف أو قلنس أو مذی،
فلیتوضأ.....“ کی روایت ابن ماجہ (۳۸۵، ۳۸۶ طبع عیسیٰ الحلی) نے
کی ہے، بوسیری نے مصباح الزجاجة (۲۲۳ طبع دار البیان) میں اس کی
اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۲) فتح القدیر ۲/۲۶، ۲۷، المغنی لابن قدامہ مع الشرح ۱/۱۷۶، ۱۷۷، ۳۳۴۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۵۱، مواہب الجلیل ۱/۹۴، الشرح علی مختصر
خلیل ۱/۸۶۔

(۴) مرقاۃ المفاتیح ۳۰، الاختیار شرح المختار ۱/۳۱ طبع مصطفیٰ الحلی۔

(۵) الإفتاح للشربینی الخطیب ۱/۳۱۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱/۲۳۳، القلیوبی علی المنہاج ۱/۷۲، الاختیار لتعلیل المختار
۱/۳۱، الأشیاء والنظائر لابن نجیم ۱/۲۰۲، مواہب الجلیل ۱/۹۴، ۹۵ طبع
دار الفکر، المغنی ۲/۸۸ طبع مکتبۃ الریاض، مغنی المحتاج ۱/۷۹۔

نچاست ۲۲-۲۳

و- برانقہ:

۲۲- انفحة: ایک سفید صفاوی مادہ ہے جو چڑے کی تھیلی میں ہوتا ہے، اور جو بکری یا بھیڑ یا دودھ پیتے بچہ کے پیٹ سے نکالا جاتا ہے، اس میں سے تھوڑا سا تازہ دودھ میں ڈال دیا جاتا ہے، تو وہ جم جاتا ہے، گاڑھا ہو جاتا ہے اور پیر بن جاتا ہے، انقہ کے چڑے کو، ہی تب کرش کہتے ہیں جب جانور گھاس کھانے لگتا ہے^(۱)۔

انقہ اگر شرعی طور پر ذبح کئے ہوئے جانور سے لیا جائے تو وہ بالاتفاق پاک ہے، اور اس کا کھانا حلال ہے، شافعیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ ذبح کیا ہوا جانور دودھ کے علاوہ کچھ نہ کھاتا ہو۔

اگر مردار یا غیر شرعی طور پر ذبح کئے ہوئے جانور سے لیا جائے تو جمہور فقہاء کے نزدیک نجس ہے، اور اس کا کھانا حرام ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک پاک ہے اور اس کا کھانا حلال ہے، خواہ سخت ہو یا سیال ہو، انہوں نے دودھ پر قیاس کیا ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ اگر سخت ہو تو اس کے ظاہر کو دھو کر کھانا جائز ہے، اگر سیال ہو تو نجس ہے، اس لئے کہ موت کی وجہ سے اس کا برتن نجس ہو گیا ہے، لہذا اس کا کھانا حلال نہ ہوگا^(۲)۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: ”اطعمۃ“ (فقہ ۸۵)۔

ز- خون، پیپ:

۲۳- فقہاء کی رائے ہے کہ خون نجس ہے، اس لئے کہ حضرت اسماء کی حدیث ہے: ”جاءت امرأة الى النبي ﷺ فقالت: أريت إحدانا تحيض في الثوب كيف تصنع؟ قال: تحته ثم تقرصه بالماء وتنضحه وتصلي فيه“^(۳) (ایک خاتون نبی

(۱) المصباح المنير، القاموس المحیط۔

(۲) البدائع ۴۳/۵، الخرش علی خلیل ۸۵/۱، نہایت المحتاج ۲۲۷/۱، المغنی مع الشرح الکبیر ۸۹/۱۔

(۳) حدیث حضرت اسماء: ”تحته ثم تقرصه بالماء وتنضحه، وتصلی“

کریم ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا: آپ کیا فرماتے ہیں، اگر کسی عورت کے کپڑے میں حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو کھرچ دے گی، پانی کے ساتھ چٹکی سے ملے گی، اور اس کو دھوئے گی، اور اس میں نماز ادا کرے گی، نیز عمار بن یاسرؓ سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إنما يغسل الثوب من المنى والبول والدم“^(۱) (کپڑے کو منی، پیشاب اور خون کی وجہ سے دھویا جائے گا) یہی حکم قبیح (خون کی آمیزش کے بغیر پیپ) اور صدید (خون آلود پیپ) کا بھی ہے، کیونکہ یہ دونوں اس کے مثل ہیں۔

فقہاء نے شہید کے بدن پر اس کے لگے ہوئے خون کو مستثنیٰ کیا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ جب تک خون اس کے بدن پر ہوگا پاک رہے گا، اس لئے کہ شہداء احد کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”زملوهم بدمائهم فإنه ليس كدم يكلم في الله إلا يأتي يوم القيامة يدمى، لونه لون الدم وريحه ریح المسك“^(۲) (ان کو ان کے خون کے ساتھ لپیٹ دو، اس لئے کہ جو زخم اللہ کے راستہ میں لگتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ زخم سے خون بہتا ہوا ہوگا، اس کا رنگ خون کا ہوگا مگر اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی) اگر خون شہید کے بدن سے جدا ہو جائے گا تو وہ ناپاک ہوگا۔

= ”فيه“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۳۰/۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۲۴۰/۱ طبع عینی المحلی) نے کی ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۱) حدیث: ”إنما يغسل الثوب من المنى والبول.....“ کی تخریج فقہ ۱۷۷ میں گزر چکی ہے۔

(۲) حدیث: ”زملوهم بدمائهم فإنه ليس كدم يكلم في الله.....“ کی روایت نسائی (۷۸/۴ طبع التجاریہ الکبریٰ) اور احمد (۴۳۱/۵ طبع الیمینیہ) نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ سے کی ہے، اور الفاظ نسائی کے ہیں، اور سیوطی نے (فیض القدر ۶۵/۴ طبع التجاریہ الکبریٰ) میں کہا ہے کہ صحیح ہے۔

نجاست ۲۴

جس کو انسان خود زیادہ نہ سمجھے، خون کی مقدار معاف ہے، پیپ وغیرہ میں اس سے زیادہ کی مقدار معاف ہوگی اور وہ خون معاف ہے جو آدمی یا پاک جانور کا ہو اور سبیلین میں سے کسی سے نہ نکلا ہو، اگر سبیلین میں سے کسی سے نکلا ہو، تو وہ معاف نہیں ہے، نجس جانور مثلاً کتا اور سور سے نکلا ہوا خون بھی معاف نہیں ہے، اگر کسی کپڑے میں متفرق جگہ خون وغیرہ ہو تو ان سب کو اکٹھا کیا جائے گا، اگر زیادہ ہو تو معاف نہیں ہوگا، پسو، کھٹل وغیرہ جن میں بہنے والا خون نہیں ہوتا ہے، ان کا خون معاف ہے (۱)۔

دیکھئے: اصطلاح ”مغفو“ (فقہہ ۷ اور اس کے بعد کے فقرات) ”مغفوات“ (فقہہ ۱۳ اور بعد کے فقرات)۔

ح- حیض، استحاضہ اور نفاس کا خون:

۲۴- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ حیض، نفاس اور استحاضہ کا خون نجس ہے (۲)، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے، انہوں نے کہا: ”جاءت فاطمہ بنت ابی حبیش إلى النبي ﷺ فقالت يا رسول الله اني امرأة أستحاض فلا أطهر، أفأدع الصلاة؟ فقال رسول الله ﷺ: لا، إنما ذلك عرق وليس بحيض، فإذا أقبلت حيضتك فدعي الصلاة، وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم ثم صلي“ (۳) (فاطمہ بنت ابی حبیش نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ

(۱) کشاف القناع ۱۹۰، ۱۹۱۔

(۲) الاختيار شرح المختار ۳۱، ۳۲، طبع مصطفیٰ الحلبي ۱۹۳۶، مراقي الفلاح ۳۰، ۳۱، اہل المدارك شرح إرشاد السالك ۱۰۴، ۱۰۵، اللمذ ۵۳، المغني لابن قدامة مع الشرح ۳۱، ۳۲۔

(۳) حدیث حضرت عائشہؓ: ”إنما ذلك عرق وليس بحيض.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۳۱، ۳۳۲، طبع السلفیہ) اور مسلم (۲۶۲، ۲۶۳، طبع عیسیٰ الحلبي) نے کی ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ انسان کا خون جو زخم کے منہ پر ہوتا ہے، بہتا نہیں ہے، وہ معاف ہے، نیز کھٹل اور پسو کا خون بھی معاف ہے، اس لئے کہ اس سے چننا ممکن نہیں ہے، اور اس میں حرج بھی ہے (۱)۔ مالکیہ کی رائے ہے کہ جانور کے بدن سے جدا ہونے والا بہتا ہوا خون درہم سے کم ہو تو معاف ہے (۲)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ اگر خون، پیپ عرف میں کم ہو تو معاف ہے، خواہ اسی کا ہو کہ جدا ہوا پھر لوٹ آیا یا کسی دوسرے کا ہو، البتہ کتا اور سور اور ان سے پیدا شدہ جانور کے خون کا کوئی حصہ خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، معاف نہیں ہے، اس لئے کہ وہ نجاست غلیظہ ہے، اگر خود اسی آدمی کا خون ہو جو اس سے جدا نہیں ہوا ہے جیسے پھوڑا اور زخم کا خون اور فصد کی جگہ کا خون تو تھوڑا ہو یا زیادہ معاف ہے، پسینہ کے ساتھ مل کر پھیل گیا ہو یا نہیں پھیلا ہو۔

پسو اور کھٹل وغیرہ کا خون جس میں عام ابتلا ہے، اور اس سے چننا دشوار بھی ہے، معاف ہے، اور جہاں خون معاف ہے وہ جگہ ہے جہاں خون دوسرے عضو کے ساتھ نہ ملا ہو، لہذا اگر دوسرے عضو کے ساتھ مل جائے مثلاً آنکھ سے خون نکل آئے، یا مسوڑھا خون آلود ہو جائے تو اس میں سے کچھ بھی معاف نہیں ہے۔

جو نجاست نظر نہ آسکے خواہ وہ نجاست غلیظہ ہی ہو معاف ہے، اس لئے کہ اس سے چننا دشوار ہے (۳)۔

حنا بلہ کی رائے ہے کہ تھوڑا سا خون اور اس سے پیدا ہونے والی پیپ، سیال اور کھانے کی چیز کے علاوہ میں معاف ہے، یعنی نماز میں وہ معاف ہے، اس لئے کہ اکثر انسان اس سے محفوظ نہیں رہ پاتا ہے، اور اس سے چننا دشوار بھی ہے، اور کم مقدار جو معاف ہے، وہ ہے

(۱) الاختيار شرح المختار ۸، ۳۰، ۳۱، مراقي الفلاح ۱۷، ۳۰، طبع الحلبي۔

(۲) حاشیۃ الدسوقي ۵۷، الخرش علی مختصر خليل ۸۷۔

(۳) الإقناع للشر بنی الخطیب ۸۲، ۸۳۔

نجاست ۲۵

ہے، اور اس کا نافہ اگر ہرن کی زندگی میں الگ کر لیا جائے تو اس کے بارے میں دو اقوال ہیں، اصح قول یہ ہے کہ جنین کی طرح پاک ہے، اور اگر مرنے کے بعد جدا کیا گیا ہو تو صحیح قول کے مطابق دودھ کی طرح نجس ہے، ایک قول کے مطابق سخت انڈے کی طرح پاک ہے۔

زباد پاک ہے، اس لئے کہ وہ بحری بلی کا دودھ ہے، یا خشکی کی بلی کا پسینہ ہے، اور یہی اصح قول ہے، جامد حالت میں لیا گیا ہو یا سیال حالت میں لیا گیا ہو، اس میں جو تھوڑا بال ہو وہ عرف کے اعتبار سے معاف ہوتا ہے۔

عنبر بھی پاک ہے، اس لئے کہ وہ صحیح قول کے مطابق سمندری پودا ہے، البتہ اگر سمندر کا کوئی جانور اس کو نگل لے پھر اس کو نگل دے تو نجس ہوگا، اس لئے کہ وہ قبی ہے اور اس کی سیاہی سے اس کو پہچانا جائے گا^(۱)۔

مالکیہ کہتے ہیں: مشک کے پاک ہونے اور اس کے کھانے کے حلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ جما ہوا خون ہے جو کسی کسی ہرن میں پایا جاتا ہے، اور اس کی اصلاح ہو چکی ہوتی ہے، اسی طرح اس کا نافہ بھی پاک ہے، یہ مشک کی تھیلی ہے، جو کسی کسی ہرن میں پائی جاتی ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی خوشبو استعمال کی ہے^(۲) اگر ناپاک ہوتا تو آپ ﷺ اس کی خوشبو استعمال نہیں کرتے^(۳)۔

(۱) القلیوبی علی المنہاج ۲/۷۲، روضة الطالین ۱/۱۷، الإقناع للشریبنی ۲۶/۱، نہایۃ المحتاج ۲۲۳۔

(۲) حدیث: ”أن الرسول ﷺ تطيب بالمسك“ کی روایت مسلم (۸۳۹/۲ طبع عینی الحلی) نے حضرت عائشہؓ کی ہے۔

(۳) أبھل المدارک شرح إرشاد السالک ۱/۶۵، ۶۶، حاشیۃ الدسوقی ۱/۵۲، جواہر الإکلیل ۱/۹۱، حاشیۃ الزرقانی ۱/۲۷۔

اے اللہ کے رسول! مجھ کو حیض آتا ہے، اور میں پاک نہیں ہوتی ہوں، تو کیا نماز چھوڑ دوں، آپ نے فرمایا کہ نہیں! یہ صرف رگ کا خون ہے، حیض نہیں ہے، جب تم کو حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب بند ہو جائے تو خون کو دھو کر نماز پڑھا کرو۔

عبادات کے روکنے میں، حیض، نفاس اور استحاضہ کے اثرات کی تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاحات ”استحاضہ“ (فقہہ ر ۲۵ اور اس کے بعد کے فقرات)، ”حیض“ (فقہہ ر ۳۳ اور اس کے بعد کے فقرات) ”نفاس“۔

ط- مشک، زباد اور عنبر:

۲۵- حنفیہ کی رائے ہے کہ مشک پاک اور حلال ہے، ہر حال میں کھانا جائز ہے، اسی طرح اس کا نافہ بھی صحیح قول کے مطابق مطلقاً پاک ہے، اس کے خشک یا تر ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے، خواہ ذبح کئے ہوئے جانور سے نکالا گیا ہو، یا غیر مذبوح سے، خواہ ابھی اس حال میں ہو کہ اگر پانی لگ جائے تو خراب ہو جائے یا ایسی حالت میں نہ ہو۔

اسی طرح زباد بھی پاک ہے، اس لئے کہ وہ خوشبو سے بدل گیا ہے، اسی طرح عنبر بھی پاک ہے، جیسا کہ ”الدر المنقح“ میں ہے، خزانة الروایات میں ”جواہر الفتاویٰ“ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زباد پاک ہے، ”المنہاجیہ من مختصر المسائل“ میں ہے کہ مشک پاک ہے، اس لئے کہ وہ اگر چہ خون ہے مگر بدل چکا ہے، اسی طرح زباد اور عنبر بھی پاک ہیں^(۱)۔

شافعیہ کی رائے جیسا کہ نووی نے کہا ہے یہ ہے کہ مشک پاک

(۱) الأشیاء والنظار ۶/۷۶، الفتاویٰ الخانیۃ علی ہامش الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۴، حاشیہ ابن عابدین ۱۳۹/۱، ۱۴۰، مراتی الفلاح ص ۳۳، فتح القدر ۱/۱۴۱، ۱۴۷۔

نجاست ۲۶

والبول والقيء والدم والمنی“^(۱) (کپڑا صرف پانچ چیزوں کی وجہ سے دھویا جائے گا: پاؤں، پیشاب، قے، خون اور منی)۔
حلال جانور کے پاؤں نہ پیشاب کی نجاست، اسی طرح پردوں کی بیٹ کی نجاست میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

مالکیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمد بن الحسن اور امام زفر کی رائے ہے کہ جانور کی زندگی میں اور اس کو شرعی طور پر ذبح کرنے کے بعد حلال جانور کا پاؤں نہ پیشاب پاک ہے، اس لئے کہ عربین کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اونٹ کے پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا^(۲)، اگر ناپاک ہوتا تو آپ ان لوگوں کو اس کا حکم نہ دیتے، نیز نبی کریم ﷺ نے بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ میں نماز ادا کی ہے^(۳)، نیز اس لئے کہ اگر حلال جانور کا پاؤں نہ پیشاب پاک نہ ہو، تو جس غلہ کو بیل گاہتے ہیں وہ ناپاک ہو جائے گا، کیونکہ وہ پیشاب سے محفوظ نہیں رہ پاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ حلال جانور کا پیشاب نجس ہے، البتہ اس کی نجاست خفیفہ ہے، اور اس کا پاؤں نہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نجس ہے، اور اس کی نجاست غلیظہ ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی نجاست خفیفہ ہے۔

حنفیہ کے نزدیک غلیظہ و خفیفہ میں فرق یہ ہے کہ نجاست خفیفہ کی زیادہ مقدار معاف ہے، اور نجاست غلیظہ کی کم مقدار معاف ہے، ورنہ

(۱) حدیث: ”إنما يغسل الثوب من خمس: من الغائط والبول.....“ کی تخریج فقرہ ۱۷۷ میں گزر چکی ہے۔

(۲) حدیث: ”أمر الرسول ﷺ العرنيين بشرب أبوال الإبل“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۳۳۵ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۲۹۶ طبع الحلی) نے حضرت انس بن مالکؓ سے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”صلاته ﷺ في مراض الغنم“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۵۲۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۳۷۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت انس بن مالکؓ سے کی ہے۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ مشک اور اس کا نافہ دونوں پاک ہیں، وہ دراصل ہرن کی ناف ہے، اسی طرح زباد بھی پاک ہے، اس لئے کہ وہ خشکی کی بلی کا پسینہ ہے، اور ”الاقناع“ میں ہے کہ وہ ناپاک ہے اس لئے کہ وہ بلی سے بڑے کسی جانور کا پسینہ ہے اور عنبر پاک ہے^(۱)۔

ی۔ پیشاب اور پاؤں نہ:

۲۶۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ آدمی کا پاؤں نہ اور پیشاب اور حرام جانور کا پاؤں نہ، پیشاب ناپاک ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”جاء أعرابي فبال في طائفة المسجد، فزجره الناس، فنهاهم النبي ﷺ، فلما قضى بوله أمر النبي ﷺ بذنوب من ماء فأهريق عليه“^(۲) (ایک دیہاتی آیا اور مسجد کے ایک کونہ میں اس نے پیشاب کر دیا، لوگوں نے اس کو ڈانٹ ڈپٹ کیا، آپ ﷺ نے لوگوں کو منع فرمایا، اور جب وہ شخص پیشاب سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم دیا، چنانچہ پانی بہا دیا گیا)، نیز ارشاد نبوی ہے: ”استنزهوا من البول“^(۳) (پیشاب سے بچو) نیز آپ ﷺ نے عمار بن یاسرؓ سے ارشاد فرمایا: ”إنما يغسل الثوب من خمس من الغائط

(۱) شرح منہجی الإرادات ۱/۱۰۳، ۱۰۴، مطالب اولی النہی ۱/۲۳، ۲۳۸، ۳۰۸/۶۔

(۲) حدیث: ”جاء أعرابي فبال في طائفة المسجد“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۳۲۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱/۲۳۶ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت انس بن مالکؓ سے کی ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۳) حدیث: ”استنزهوا من البول“ کی روایت دارقطنی نے اپنی سنن (۱/۱۲۸ طبع الغنیہ المتحدہ) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے، اور انہوں نے کہا: درست یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، پھر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث قریب قریب ان ہی الفاظ میں ذکر کی ہے، اور اس کے بعد کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نجاست ۲۷-۲۸

ک- منی، مذی اور ودی:

۲۷- فقہاء کی رائے ہے کہ مذی نجس ہے، اس لئے کہ حضرت علیؑ کی حدیث میں آلہ تناسل کو اس سے دھونے اور وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو کثرت سے مذی نکلتی تھی، اور چونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں، اس لئے نبی کریم ﷺ سے پوچھنے میں مجھ کو شرم آتی تھی، تو میں نے مقداد بن الاسود سے کہا، انہوں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یغسل ذکوره ویتوضأ“،^(۱) (آلہ تناسل کو دھو کر وضو کیا جائے گا)، نیز اس لئے کہ وہ حدیث کے راستہ سے نکلتی ہے، اس سے کوئی پاک چیز پیدا نہیں کی جاتی ہے، اس لئے وہ پیشاب کی طرح ہوگی۔

اسی طرح فقہاء کی رائے ہے کہ ودی ناپاک ہے۔

منی کی طہارت و نجاست کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ و مالکیہ کی رائے ہے کہ منی ناپاک ہے، اور شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ منی پاک ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاحات ”مذی“ (فقہہ ۴)،
”منی“ (فقہہ ۵) اور ”ودی“۔

ل- عورت کی شرم گاہ کی رطوبت:

۲۸- امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ عورت کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ کی رطوبت پاک ہے، جس طرح بدن کی دوسری تمام رطوبات پاک ہیں، امام ابو یوسف و امام محمد کی رائے ہے کہ یہ ناپاک ہے۔
شرم گاہ کے باہری حصہ کی رطوبت بالاتفاق پاک ہے۔

(۱) حدیث: ”یغسل ذکوره ویتوضأ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۷۹/۱) طبع السلفیہ اور مسلم (۲۴۷/۱) طبع عیسیٰ الخلیفی نے کی ہے، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

اس سے طہارت کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے غلیظ اور خفیف ہونے کی وجہ سے طہارت میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔

حرام پرندوں کی بیٹ حنفیہ کے نزدیک نجس ہے، اور اس کی نجاست خفیفہ ہے، اور حلال پرندوں کی بیٹ پاک ہے، البتہ مرغی، پالتو بطخ اور مرغابی کی بیٹ نجس ہے، اور اس کی نجاست غلیظہ ہے، کیونکہ اس میں بدبو ہوتی ہے۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ حلال جانور کا پاؤں نہ پیشاب اسی طرح پرندے کی بیٹ ناپاک ہے، اس لئے کہ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس استنجاء کرنے کے لئے دو پتھر اور گوبر لائے گئے تو آپ نے دونوں پتھر لے لیا اور گوبر کو واپس کر دیا اور فرمایا: ”ہذا رکس“،^(۱) (یہ نجس ہے) رکس کا معنی نجس ہے۔

نبی کریم ﷺ نے عمر بنین کو اونٹ کے پیشاب پینے کا جو حکم دیا تھا وہ علاج کی غرض سے تھا، اور اگر ظاہر موجود نہ ہو تو خالص شراب کے علاوہ دوسری کسی نجس چیز سے علاج کرنا جائز ہے، نیز اس لئے کہ حلال جانوروں کا پاؤں نہ پیشاب بدن میں جا کر متفرق ہو جاتے ہیں، اور جو چیز بھی بدن کے اندر متفرق ہو جاتی ہے وہ نجس ہوتی ہے^(۲)۔
دیکھئے: اصطلاح ”ذرق“ (فقہہ ۳، ۵)، ”روث“ (فقہہ ۲، ۳)۔

(۱) حدیث: ”ہذا رکس“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲۵۶/۱) طبع السلفیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کی ہے۔

(۲) بدائع الصنائع ۸۰/۱، ۸۱، الفتاویٰ الخانیہ بہامش الفتاویٰ الہندیہ ۱۹/۱، الفتاویٰ الہندیہ ۴۶/۱، ۴۸، الاختیار شرح المختار ۳۰/۱، ۳۳ طبع مصطفیٰ الخلیفی ۱۹۳۶، مرقی الفلاح ۳۰، جواہر الإکلیل ۹/۱، حاشیۃ الدسوقی ۵۱/۱، الشرح الصغیر ۴۷/۱، حاشیۃ الجمل علی المنج ۱۷/۱، المجموع ۵۵۰/۲، المغنی ۳۱/۱، ۳۲، مطالب اولیٰ النہی ۲۳۴/۱، مغنی المحتاج ۷۹/۱۔

نجاست ۲۹-۳۰

بھی نجس ہے، اس لئے کہ اس کا حرام ہونا ثابت ہے، اور اس کو رجس کہا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: "إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَمُ رِجْسٌ" (۱) (شراب اور جو اور بت پانے تو بس نری گندی باتیں ہیں)، لغت میں رجس گندگی اور بدبودار چیز کو کہتے ہیں۔

بعض فقہاء کی رائے جن میں امام مالک کے استاذ ربیعہ، صنعانی اور شوکانی بھی ہیں، یہ ہے کہ وہ پاک ہے، انہوں نے اصل سے استدلال کیا ہے، اور آیت میں موجود لفظ رجس کو حکمی نجاست پر محمول کیا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح "أشربة" (فقہہ ر/ ۳۰، ۳۱) اور اس کے بعد کے فقرات اور "تخلیل" (فقہہ ر/ ۱۳، ۱۴)۔

نجاست سے ملنے والی چیز کا حکم:

الف- دو خشک چیزوں کا ملنا، یا پاک خشک چیز کا ناپاک سیال یا تر چیز سے یا اس کے برعکس ملنا:

۳۰- حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر ناپاک بستر یا مٹی سونے والے کے پینے یا اس کے قدم کی تری سے بھیک جائیں اور نجاست کا اثر بدن یا قدم پر ظاہر ہو جائے تو یہ دونوں ناپاک ہو جائیں گے ورنہ نہیں، اسی طرح اگر کوئی پاک خشک کپڑا کسی ایسے ناپاک تر کپڑے میں جو نچوڑنے سے نہ ٹپکے لپیٹ دیا جائے گا تو ناپاک نہ ہوگا، اسی طرح اگر پاک تر کپڑا کسی خشک ناپاک زمین پر پھیلا دیا جائے اور اس کی وجہ سے زمین گیلی ہو جائے مگر نجاست کا اثر کپڑے میں ظاہر نہ ہو تو کپڑا ناپاک نہ ہوگا، اسی طرح اگر ہوا نجاست سے گذر کر کپڑے میں لگ جائے تو جب تک نجاست کا اثر کپڑے میں ظاہر نہ ہوگا کپڑا ناپاک نہ

(۱) سورہ مائدہ/ ۹۰

اگر نجاست اپنی جگہ پر ہو تو بالاتفاق اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (۱)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ حرام جانور کی شرم گاہ کی رطوبت ناپاک ہے، اور حلال جانور کی پاک ہے جب تک کہ وہ نجس چیز نہ کھائے، اور آدمی کی شرم گاہ کی رطوبت راجح قول کے مطابق ناپاک ہے، اس میں بعض لوگوں کا اختلاف ہے جو اس کی طہارت کے قائل ہیں (۲)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ آدمی اور پاک جانور کی شرم گاہ کی رطوبت نجس ہے بلکہ صحیح قول کے مطابق پاک ہے، خواہ جانور حرام ہو، اس لئے کہ وہ پینے کے حکم میں ہے، صحیح قول کے بالمقابل دوسرا قول ہے کہ وہ ناپاک ہے، اس لئے کہ وہ محل نجاست میں پیدا ہوتی ہے، وطی کرنے والے کا آلہ تناسل اس سے ناپاک ہو جائے گا (۳)۔

صحیح مذہب کے مطابق حنا بلکہ کی رائے ہے کہ عورت کی شرم گاہ کی رطوبت پاک ہے، اس لئے کہ اس کی منی کو پاک کہا گیا ہے، اگر ہم اس کی شرم گاہ کی رطوبت کو ناپاک قرار دیں تو اس کی منی کو بھی ناپاک کہنا پڑے گا۔

ان کی دوسری روایت، جس کو ابواسحاق بن شافلانے مختار کہا ہے اور افادات میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، یہ ہے کہ شرم گاہ کی رطوبت ناپاک ہے، القاضی نے کہا ہے کہ جماع کی حالت میں اس میں سے جو لگے گا وہ ناپاک ہوگا اس لئے کہ وہ مذی سے خالی نہیں رہ سکتا ہے (۴)۔

شراب کا حکم:

۲۹- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ پیشاب اور خون کی طرح شراب

(۱) حاشیہ ابن عابدین/ ۱۱۲، ۲۰۸، ۲۳۳۔

(۲) حاشیہ الدسوقی/ ۵۷، جوہر الإکلیل/ ۹، مواہب الجلیل/ ۱۰۵۔

(۳) مغنی المحتاج/ ۸۱، نہایۃ المحتاج/ ۲۲۸، ۲۲۹، تحفۃ المحتاج/ ۳۱۵، ۳۱۶۔

(۴) کشف القناع/ ۱۹۵، مطالب اولیٰ النہی/ ۲۳، الإیضاف/ ۳۲۱۔

نجاست ۳۱

وہ جامد (جمما ہوا) ہو تو فقہاء کی رائے ہے کہ نجاست کے آس پاس والے حصہ کو پھینک دیا جائے گا، اور باقی حصہ استعمال کیا جائے گا، اس لئے کہ حضرت میمونہؓ کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے گھی میں گر جانے والی چوہیا کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ألقوها وما حولها فاطر حوہ، وکلوا سمنکم“^(۱) (چوہیا کو اور اس کے آس پاس کے گھی کو پھینک دو اور اپنا باقی گھی کھاؤ)۔

لیکن اگر گھی وغیرہ سیال ہو تو اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔

مالکیہ، شافعیہ کی رائے اور حنابلہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے گھی میں مرجانے والی چوہیا کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إن كان جامداً! فالقوها وما حولها، وإن كان مائعاً فلا تقربوه“^(۲) (اگر جامد ہو تو اس کے آس پاس کے گھی کو پھینک دو اور اگر سیال ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ)۔

حنفیہ اور ایک روایت میں امام احمد کی رائے ہے کہ سیال پانی کی طرح ہے، جن چیزوں سے پانی ناپاک ہوتا ہے، ان ہی چیزوں سے وہ بھی ناپاک ہوگا۔

ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ کپڑا اگر تر ہو تو ناپاک ہو جائے گا اس لئے کہ نجاست اس میں لگ جائے گی۔

اگر ریاح خارج ہو اور مقام پائے نہ تر ہو تو صحیح قول یہ ہے کہ نکلنے والی ہوا پاک ہوگی، لہذا بھیگا ہوا کپڑا ناپاک نہ ہوگا^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر مطلق پانی کے بجائے مقید پانی سے نجاست اس کی جگہ سے دور کر دی جائے اور تری باقی رہ جائے اور اس سے کوئی خشک چیز ملے یا سوکھ جائے اور اس سے کوئی بھیگی ہوئی چیز ملے تو صحیح مذہب کے مطابق محل نجاست سے ملنے والی چیز ناپاک نہ ہوگی، اس لئے کہ نجاست باقی نہیں ہے، صرف اس کا حکم باقی ہے، اور وہ متعدی نہیں ہوتا ہے، صحیح مذہب کے بالمقابل ایک قول یہ ہے کہ مقید پانی محض ملتے ہی ناپاک ہو جاتا ہے، لہذا جو باقی رہے گا وہ ناپاک ہوگا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب تر محل سے کوئی خشک چیز ملے گی یا خشک محل سے کوئی بھیگی ہوئی چیز ملے گی تو وہ محض ملتے ہی ناپاک ہو جائے گی^(۲)۔

شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر پاک اشیاء سے کوئی ناپاک چیز ملے اور ان دونوں میں ایک خشک ہو اور دوسری بھیگی ہوئی ہو، تو پاک چیز ناپاک چیز کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ناپاک ہو جائے گی^(۳)۔

ب- کسی سیال یا جامد چیز میں نجاست کا گرنا:

۳۱- اگر کوئی نجاست گھی وغیرہ کسی پاک سیال چیز میں گر جائے تو اگر

- (۱) حاشیۃ الطحاوی علی مراتب الفلاح ص ۸۵، حاشیہ ابن عابدین ۲۳۱/۱، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۲۹، الفتاویٰ الہندیہ ۴۱/۱، ۴۵، ۴۶۔
- (۲) حاشیۃ الدسوقی ۸۰/۱، جواہر الإکلیل ۱۳/۱، مواہب الجلیل ۱۶۵/۱، شرح الزرقانی ۵۰/۱۔
- (۳) المہذب ۵۵/۱، کشاف القناع ۱۸۳، ۱۸۸، مغنی المحتاج ۸۳/۱۔

(۱) حدیث حضرت میمونہؓ: ”ألقوها وما حولها فاطر حوہ، وکلوا سمنکم“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۳۳/۱ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”إن كان جامداً! فالقوها وما حولها، وإن كان مائعاً فلا تقربوه“ کی روایت ابوداؤد (۱۸۱/۳ طبع حصص) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے، اور ترمذی نے اپنی جامع (۲۵۷/۳ طبع الحلبي) میں کہا ہے کہ حدیث محفوظ نہیں ہے، پھر انہوں نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔

نجاست ۳۲-۳۵

کرنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے یا نہیں؟ اور وہ ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”میاہ“ (فقہہ ۹/۱۲)۔

۵- کنویں کا ناپاک ہونا:

۳۵- حنفیہ نے کہا ہے کہ چھوٹا کنواں، جو سوسکو اتر ذراع سے کم ہو، اس میں نجاست کے گرنے سے اس کا پانی ناپاک ہو جائے گا، اگرچہ نجاست کم ہو مثلاً خون یا شراب کا ایک قطرہ ہو، جانوروں کا پاؤں۔ اس سے مستثنیٰ ہے، اگر اس کا تمام پانی نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا، اسی طرح اگر سور کنویں میں گرجائے تو اگرچہ زندہ نکال لیا جائے اور اس کا منہ پانی میں نہ پہنچے پھر بھی کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا، کیونکہ سور نجس العین ہے۔

اگر کنویں میں کتا مر جائے تو سارا پانی نکالا جائے گا، اگر نہ مرے بلکہ زندہ نکل آئے اور اس کا منہ پانی میں نہ پہنچا ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا، اس لئے کہ صحیح مذہب کے مطابق کتا نجس العین نہیں ہے۔
اسی طرح اگر بکری یا آدمی کنویں میں مر جائے تو اس کا سارا پانی نکالا جائے گا، اس لئے کہ ایک حبشی کے مرنے کی وجہ سے زمزم کا سارا پانی نکالا گیا تھا، حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ نے اس کا حکم دیا اور کسی نے نکیر نہیں کی۔

اگر جانور کنویں میں پھول جائے تو اگرچہ جانور چھوٹا ہو کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا، اس لئے کہ اس صورت میں نجاست پھیل جاتی ہے، اگر کنویں کا سارا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو اوسط ڈول سے دو سو ڈول پانی ضرور نکالا جائے گا، اوسط ڈول وہ ہوگا جو اس کنویں میں اکثر استعمال کیا جاتا ہے، اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دو سو ڈول کی مقدار کو امام محمدؒ نے واجب قرار دیا ہے، انہوں نے دجلہ کے قریب بغداد

۳۲- سیال چیز کو نجاست سے پاک کرنا ممکن ہے یا نہیں، اس کے بارے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ سیال چیز کو نجاست سے پاک کرنا ممکن نہیں ہے، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی سابقہ حدیث ہے۔

حنفیہ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ سیال چیز کو نجاست سے پاک کرنا ممکن ہے (۱)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”مانع“ (فقہہ ۳/۴)، ”طہارۃ“ (فقہہ ۱۵)۔

ج- نجاست سے ملنے والے پانی:

۳۳- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر پانی میں نجاست مل جائے اور اس کے کسی ایک وصف کو بدل دے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، خواہ پانی کم ہو یا زیادہ ہو۔

ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ قلیل و کثیر پانی میں اگر نجاست گرجائے اور پانی کے رنگ یا مزہ یا بو کو بدل دے تو جب تک پانی ایسا رہے گا ناپاک رہے گا۔

اگر نجاست پانی میں گرجائے لیکن اس کے کسی وصف کو نہ بدلے تو اس کے بارے میں فقہاء کے چند مختلف اقوال ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”میاہ“ (فقہہ ۱۷/۲۳)۔

د- محل طہارت سے جدا ہونے والا پانی:

۳۴- جس پانی سے حدث یا خبث دور کیا جائے اس پانی میں پاک

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲۲۲، فتح القدیر ۱۳۷، مواہب الجلیل ۱۰۸/۱، شرح الزرقانی ۳۲/۱، جواہر الإکلیل ۱۰/۹، الشرح الصغیر ۵۶/۱، ۵۷، حاشیۃ الدسوقی ۵۸، ۵۹، المنہاج و قلیوبی علیہ ۶/۱، المہذب ۵۷/۱، المغنی لابن قدامہ ۳۶/۱، کشاف القناع ۱۸۸، الإیضاف ۶۷۔

نجاست ۳۶

کے مطابق خشک وتر اور ٹوٹے ہوئے اور صحیح و سالم کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے کہ ضرورت میں سب داخل ہیں، البتہ اگر زیادہ ہوں تو ناپاک ہو جائے گا، زیادہ وہ ہوگا جس کو دیکھنے والا زیادہ سمجھے یا جب کنویں سے ڈول کے ذریعہ پانی نکالا جائے تو کوئی ڈول ایک دو بیگنی سے خالی نہ ہو، اسی کو ”المبسوط“ میں صحیح قرار دیا ہے، اور قلیل وہ ہے جس کو دیکھنے والا قلیل سمجھے، یہی معتمد قول ہے۔

کبوتر اور عصفور (کبوتر سے چھوٹے تمام پرندے) کی بیٹ سے اور جس جانور میں بہنے والا خون نہیں ہے، جیسے مچھلی اور مینڈک اس کے مرنے سے آدمی اور حلال جانور کے گرنے سے، بشرطیکہ زندہ نکال لیا جائے اور اس کے بدن پر یقینی طور پر نجاست نہ ہو، خنجر، گدھا، شکاری پرندے اور وحشی جانور کے گرنے سے صحیح مذہب کے مطابق پانی ناپاک نہ ہوگا۔

اگر گرنے والے جانور کا لعاب پانی میں پہنچ جائے تو جو لعاب کا حکم ہوگا وہی پانی کا بھی ہوگا، اگر کنویں میں کوئی مردہ پایا جائے اور اس کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو تو اگر پھولا نہیں ہے تو ایک دن رات سے اور اگر پھول گیا ہو تو تین دن اور تین رات سے کنواں ناپاک سمجھا جائے گا^(۱)۔

۳۶- مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر کنویں میں خشکی کا ایسا جانور مرجائے جس میں بہنے والا خون ہے، تو اگر پانی کا رنگ یا مزہ یا بو کو بدل دے تو تمام پانی نکالنا واجب ہوگا، تا آنکہ تبدیلی ختم ہو جائے اور اپنی حالت پر پاک ہو کر واپس آجائے، اگر خود ہی یہ تغیر ختم ہو جائے تو ظاہر یہ ہے کہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے گا، لہذا پاک ہو جائے گا، اس میں ابن القاسم کا اختلاف ہے، البنانی نے کہا ہے کہ ارنج یہ ہے کہ وہ

کے کثیر پانی والے کنوؤں کو دیکھا تو اس کا فتویٰ دیا۔

اگر کنویں میں مرغی یا بلی یا جسامت میں ان کے برابر کوئی جانور گر کر مرجائے، پھولے پھٹے نہیں تو کنویں سے اس جانور کو نکالنے کے بعد چالیس ڈول پانی نکالنا ضروری ہوگا، چالیس ڈول کی مقدار حضرت ابو سعید خدریؓ سے مرغی کے بارے میں منقول ہے، مرغی کے برابر جانور کو بھی اسی کے حکم میں رکھا گیا ہے، پچاس یا ساٹھ ڈول تک اضافہ کر دینا مستحب ہے، اس لئے کہ عطاء اور شعبی سے یہی مروی ہے، اگر کنویں میں چوہیا یا اس کے برابر کوئی دوسرا جانور مثلاً عصفور (کبوتر سے چھوٹے تمام پرندے) گر کر مرجائے، پھولے پھٹے نہیں تو اس کو کنویں سے نکالنے کے بعد بیس ڈول پانی نکالنا ضروری ہوگا، اس لئے کہ کنویں میں ایک چوہیا گر کر مر گئی اور فوراً نکال دی گئی تو حضرت انسؓ نے فرمایا کہ بیس ڈول پانی نکالا جائے، تیس ڈول تک اضافہ کر دینا مستحب ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اوسط ڈول کی جو مقدار مقرر کی گئی ہے، اس سے وہ ڈول بڑا ہو جس کا ذکر حضرت انسؓ کے اس اثر میں ہے، اور اتنا پانی نکال دینے کے بعد، کنواں، ڈول، رسی چرخی اور نکالنے والے کا ہاتھ سب پاک ہو جائیں گے، یہ امام ابو یوسف اور حسن سے منقول ہے، اس لئے کہ ان کی نجاست پانی کی نجاست کی وجہ سے تھی، لہذا پانی کے پاک ہونے کے بعد دفع حرج کے لئے ان کو بھی پاک قرار دیا جائے گا جیسا کہ شراب کا سرکہ بن جانے کے بعد اس کا مٹکے بھی پاک ہو جاتا ہے اور جیسا کہ اگر ناپاک ہاتھ سے لوٹا کا دستہ پکڑ کر ہاتھ دھوئے تو جب ہاتھ پاک ہوگا تو لوٹا کا دستہ بھی پاک ہو جائے گا۔

کنواں اونٹ و بکری کی بیگنی، گھوڑے، گدھے اور خنجر کی لید اور گائے کے گوبر سے ناپاک نہیں ہوتا ہے، صحیح مذہب کے مطابق شہروں اور جنگلات کے کنوؤں میں کوئی فرق نہیں ہے، اسی طرح ظاہر الروایہ

(۱) حاشیہ الطحاوی علی مراتب الفلاح / ۲۱، ۲۲، الاختیار شرح المختار / ۱۶، ۱۷، ۱۷، طبع مصطفیٰ الحلیمی، ۱۹۳۶، فتح القدر / ۶۸، ۷۴، حاشیہ ابن عابدین / ۱۴۱، ۱۴۸۔

نجاست ۳۷

اگر جانور مرنے سے قبل پانی سے نکال لیا جائے، یا مردہ حالت میں اس میں گرے یا پانی جاری ہو یا بہت زیادہ ہو مثلاً بہت بڑا تالاب ہو یا جانور سمندری ہو جیسے مچھلی یا خشکی کا جانور ہو مگر اس میں بہنے والا خون نہ ہو جیسے بچھو اور مکھی ہو تو پانی نکالنا مستحب نہ ہوگا، جس طرح پانی نکالنے کے بعد اس کو استعمال کرنا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح پانی نکالنے سے قبل بھی اس کا استعمال کرنا مکروہ نہ ہوگا، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس جانور کی وجہ سے پانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو، لہذا اگر رنگ یا بو یا مزہ بدل جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، اس لئے کہ مردار نجس ہے^(۱)۔

۳۷- شافعیہ نے کہا ہے کہ کنویں کا پانی ناپاک ہونے اور نجاست کے دور ہونے کے اعتبار سے دوسرے پانی کی طرح ہے، لہذا اگر قلیل ہوگا تو نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جائے گا، تو مناسب نہ ہوگا کہ اس کا پانی نکالا جائے تاکہ اس کے بعد چشمہ سے پاک پانی اُبل آئے، اس لئے کہ اگر تمام پانی نکال بھی دیا جائے تو کنویں کی گہرائی تو ناپاک رہ جائے گی، اور پانی نکالنے کی وجہ سے کنویں کی دیواریں بھی نجس ہو جائیں گی بلکہ مناسب یہ ہوگا کہ اس کو چھوڑ دیا جائے تاکہ پانی میں اضافہ ہو کر وہ کثیر ہو جائے۔

اگر چشمہ سے پانی نکلنا بہت کم ہو اور پانی کے کثیر ہونے کی امید نہ ہو تو باہر سے اس میں پانی ڈالا جائے گا، تاکہ کثیر ہو جائے اور اگر کوئی تبدیلی ہوگی ہو تو وہ بھی ختم ہو جائے۔

اگر پانی کثیر اور پاک ہو اور کوئی ناپاک چیز مثلاً چوہیا اس میں ریزہ ریزہ ہو کر مل جائے اور اس کے بال پانی میں پھیل جائیں، تو پانی کثیر ہونے اور تغیر کے نہ ہونے کی وجہ سے پاک ہو جائے گا مگر اس

(۱) اہل المدارک شرح ارشاد الساک ۱/۴۳، ۴۵، الشرح الصغیر ۱/۴۱، جواہر الاکلیل ۱/۱۸، حاشیۃ الدسوقی ۱/۴۶، القوانین الفقہیہ ۲/۴۰، حاشیۃ الرہوتی ۱/۵۸، ۵۹۔

پاک ہو جائے گا، یہی امام مالک سے ابن وہب کا نقل کردہ قول ہے، اسی کو خلیل اور اجوری نے معتمد کہا ہے، عبدالباقی نے کہا ہے کہ پاک نہ ہوگا، ابن رشد نے ابن وہب کے قول کو راجح کہا ہے۔

اگر پانی نہ بدلے تو جتنا پانی ہے اس کے بقدر نکال دینا مستحب ہے، خواہ پانی کم ہو یا زیادہ، خواہ جانور چھوٹا ہو یا بڑا، اگر زندہ گرے یا مردہ ڈالا جائے اور نکال لیا جائے، تو نہ پانی نکالا جائے گا نہ کوئی کراہت ہوگی۔

”المدونہ“ میں ہے: ایسا جانور جس میں بہنے والا خون ہے اگر ایسے پانی میں مرجائے جس میں چشمہ نہیں ہے، جیسے گڑھا تو اس میں سے نہ پیا جائے گا، نہ وضو کیا جائے گا، پورا پانی نکال دیا جائے گا، اور جس پانی میں چشمہ ہوگا اس کا حکم اس کے برخلاف ہے۔

”العتمیہ“ میں ہے: ایک کنویں میں چوہیا گر کر مر گئی اور پھٹ گئی، اس کا پانی کپڑوں میں لگا تو امام مالک نے ان کپڑوں کے بارے میں کہا کہ کپڑا دھویا جائے اور اس وقت کی نماز دوبارہ ادا کی جائے۔

دردیر نے ”اقرب المساک“ میں کہا ہے کہ اگر خشکی کا جانور کم یا زیادہ پانی میں مرجائے، اس پانی کے لئے چشمہ ہو یا نہ ہو جیسے حوض، اور جانور میں بہنے والا خون ہو یعنی اگر اس کو زخمی کیا جائے تو خون نکلے، تو جانور کے چھوٹا بڑا ہونے اور پانی کے کم و بیش ہونے کے اعتبار سے اتنا پانی نکالا جائے گا کہ غالب گمان ہو جائے کہ پانی میں اس کی روح کے نکلنے کے وقت اس کے منہ سے جو فضلات نکلے ہوں گے وہ ختم ہو گئے۔

پانی نکالنے والا ڈول کو بھر کر نہیں نکالے گا، بلکہ تھوڑا کم رہنے دے گا تاکہ چکنائی اوپر ہو کر دوبارہ پانی میں نہ چلی جائے، مدار اس پر ہے کہ فضلات کے ختم ہونے کا غالب گمان ہو جائے۔

نجاست ۳۸

میں نے امام احمد سے بہت زیادہ پانی والے کنویں کے بارے میں دریافت کیا جس میں پیشاب لگا ہوا کپڑا گر جائے تو انہوں نے کہا کہ پورا پانی نکالا جائے گا، اور جس پانی میں پیشاب کا ایک قطرہ گر جائے اس کے بارے میں کہا کہ اس سے وضو نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ نجاستوں میں قلیل و کثیر میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے، اگر پانی کے کنویں سے متصل دوسرا کنواں ہو جس میں پیشاب یا کوئی دوسری نجاست ہو، پانی تک نجاست کے سرایت کرنے میں شک و شبہ ہو تو وہ اپنی اصل کے مطابق پاک رہے گا، امام احمد نے کہا ہے کہ کنواں اور نالے کا حکم الگ ہوگا جب تک بویا مزہ نہ بدل جائے، حسن نے کہا ہے کہ جب تک رنگ یا بونہ بدل جائے اس سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اصل طہارت ہے، شک کی وجہ سے طہارت زائل نہ ہوگی، اگر کوئی اس کی حقیقت جاننا چاہے تو نجس کنویں میں مٹی کا تیل یا پٹرول ڈال دے، اگر اس کی بویا پانی میں پائی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا اثر پانی تک پہنچتا ہے، ورنہ نہیں پہنچتا ہے۔

اگر کنویں کا ناپاک پانی نکال دیا جائے اس کے بعد اس میں پانی نکل آئے، یا باہر سے اس میں پانی ڈالا جائے تو وہ پاک ہوگا اس لئے کہ کنویں کی زمین ان جملہ اراضی میں سے ہے جن پر اگر بہت پانی بہا دیا جائے تو پاک ہو جاتی ہے، اگر کنویں کے کنارے ناپاک ہو جائیں تو کیا ان کو دھونا واجب ہے؟ اس میں دو روایات ہیں، اول یہ کہ واجب ہے، اس لئے کہ وہ نجس ہے، لہذا کنویں کی چوٹی کے مشابہ ہوگا، دوسری روایت ہے کہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ اس کی وجہ سے مشقت ہوگی، لہذا اس سے درگزر کیا جائے گا جیسے استنجاء کی جگہ اور جوتے کا نچلا حصہ^(۱)۔

کا استعمال کرنا نہایت دشوار ہوگا، اس لئے کہ جو ڈول بھی نکالا جائے گا اس میں کچھ نہ کچھ نجاست ہوگی، لہذا مناسب ہوگا کہ تمام پانی نکال دیا جائے تاکہ بال بھی اس میں سے نکل جائے۔

اگر چشمہ بہت زیادہ پانی دینے والا ہو اور تمام پانی کو نکالنا دشوار ہو تو اتنا پانی نکالا جائے گا کہ غالب گمان ہو جائے کہ تمام بال پانی کے ساتھ نکل گیا ہو، اس کے بعد کنویں میں جو پانی باقی رہ جائے گا اور جو نیا پانی آئے گا سب پاک ہوگا، اس لئے کہ نہ تو نجاست کے باقی رہ جانے کا یقین ہے اور نہ غالب گمان ہے، بال کے باقی رہ جانے کا محض احتمال مضر نہ ہوگا۔

اگر اس کے بعد کوئی بال پایا جائے گا تو اس کے مطابق حکم ہوگا، لیکن مذکورہ مقدار میں پانی نکالنے سے قبل اگر غالب گمان ہو کہ کوئی ڈول نجاست سے خالی نہ ہوگا البتہ نجاست کا یقین نہ ہو تو اس کے استعمال کے جائز ہونے میں دو احوال ہیں^(۱)۔

۳۸- رہے حنا بلکہ تو اسحاق بن منصور نے کہا ہے کہ امام احمد سے اس کنویں کے بارے میں پوچھا گیا جس میں کوئی انسان پیشاب کر دے، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا پانی نکالا جائے گا یہاں تک کہ لوگ تھک جائیں، میں نے کہا کہ اس کی حد کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ تمام پانی نکالنے پر قادر نہ ہوں، ابو عبد اللہ سے کہا کہ اگر تالاب میں پیشاب کر دیا جائے تو انہوں نے کہا کہ تالاب کا مسئلہ تو آسان ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور انہوں نے اس کنویں کے بارے میں جس کا چشمہ جاری نہ ہو بلکہ رکا ہوا ہو کہا کہ وہ جاری کے درجہ میں نہیں ہے، یعنی پیشاب کی وجہ سے ناپاک ہو جائے گا اگر اس کا پانی نکالنا ممکن ہو۔

قلیل اور کثیر پیشاب میں کوئی فرق نہیں ہے، مہنانے کہا ہے کہ

(۱) المغنی لابن قدام مع الشرح ۱/۳۸۰، ۳۸۱ دارالکتب العربیہ۔

(۱) روضۃ الطالین ۱/۲۵ طبع المکتبہ الإسلامیہ، نہایۃ المحتاج ۱/۶۳، ۶۴۔

نجاست ۳۹

شافیہ نے کہا ہے کہ اگر اپنی نماز میں کسی پاک جاندار کو اٹھالے تو اس کی نماز صحیح ہوگی، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْلِي وَهُوَ حَامِلٌ أَمَامَةَ بِنْتِ زَيْنَبِ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا“ (۱)
(نبی کریم ﷺ اپنی بیٹی زینب کی صاحبزادی امامہ کو اٹھا کر نماز پڑھتے تھے، جب سجدہ کرتے تو ان کو رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے تھے) نیز اس لئے کہ جاندار میں جو نجاست ہے وہ اپنے معدن میں ہے، لہذا وہ اس نجاست کے مشابہ ہوگی جو خود نمازی کے پیٹ میں ہے، اگر بوتل میں نجاست بند ہو اس کو اٹھا کر نماز ادا کرے تو اس کے بارے میں دو اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ نماز جائز ہوگی، اس لئے کہ نجاست بوتل سے باہر نہیں نکلے گی، تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کسی پاک جانور کو اٹھا کر نماز پڑھے، لیکن راجح مذہب یہ ہے کہ نماز جائز نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ ایسی نجاست اٹھائے ہوئے ہے جو معاف نہیں ہے، اور وہ اپنے معدن میں بھی نہیں ہے، تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اگر اپنی آستین میں نجاست اٹھالے (۲)۔

حنا بلہ نے کہا ہے کہ اگر بوتل میں بند نجاست کو اٹھا کر نماز ادا کرے تو اس کی نماز درست نہ ہوگی، اس لئے کہ اس نے ایسی نجاست اٹھا رکھی ہے جو نہ معاف ہے، اور نہ اپنے معدن میں ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اپنی آستین میں نجاست اٹھالے۔

انہوں نے کہا ہے کہ اگر اس پر نجاست گر جائے پھر الگ ہو جائے یا وہ فوراً اس کو الگ کر دے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے جوتے میں نجاست کا علم ہوا تو آپ

(۱) حدیث: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْلِي وَهُوَ حَامِلٌ أَمَامَةَ بِنْتِ زَيْنَبِ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۵۹۰/۱ طبع السلفیہ) نے حضرت ابی قتادہ انصاریؓ سے کی ہے۔
(۲) المہذب ۶۸/۱، المجموع ۱۵۰/۳۔

نجاست کے حامل اور جس کو دوران نماز نجاست لگ جائے اس کی نماز:

۳۹- حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص گندا انڈا جس کی زردی خون ہوگئی ہو، اٹھا کر نماز ادا کرے تو اس کی نماز درست ہوگی، اس لئے کہ وہ اپنے معدن (اصل جگہ) میں ہے، اور کوئی شئی جب تک اپنے معدن میں ہو، نجس نہیں ہوتی ہے، اس کے برخلاف اگر جس شیشی میں پیشاب بند ہو اس کو اٹھا کر نماز ادا کرے تو نماز جائز نہ ہوگی، اس لئے کہ پیشاب اپنے معدن میں نہیں ہے۔

اگر اس کا سر ناپاک خیمہ سے لگ جائے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ سمجھا جائے گا کہ وہ نجاست کا حامل ہے (۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ نماز کی حالت میں نمازی کے بدن پر نجاست کا گرنا خواہ نفل نماز ہی کیوں نہ ہو، نماز کو باطل کر دیتا ہے، وہ نماز کو توڑ دے گا خواہ مقتدی ہو اگر نجاست اس کے بدن پر برقرار رہے، یا اس کا اتنا حصہ باقی رہ جائے جو قابل معافی نہیں ہے، بشرطیکہ جس وقت میں نماز ادا کر رہا ہے، اس میں وسعت و گنجائش ہو، خواہ اختیاری ہو یا ضروری ہو، یعنی اتنا وقت باقی رہے جس میں کم از کم ایک رکعت کی گنجائش ہو، نیز یہ بھی شرط ہے کہ اگر نماز کو توڑ دے گا تو اس کو پانی مل جائے گا جس سے نجاست کو دور کر سکے، یا دوسرا کپڑا مل جائے جس کو پہن سکے، نیز یہ بھی شرط ہے کہ نجاست کا حامل کوئی دوسرا نہ ہو، ورنہ نماز نہ توڑے گا، کیونکہ ایسی صورت میں نماز باطل نہ ہوگی، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی بچے کا بدن یا کپڑا ناپاک ہو وہ نمازی کے ساتھ اس طرح لٹک جائے کہ بچے کا تعلق زمین سے بھی برقرار ہے، تو ظاہر مذہب کے مطابق صحیح ہوگی (۲)۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲۱۱/۱، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، مرقی الفلاح ص ۱۱۲، ۱۱۳۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ۲۱۱/۱، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، شرح الزرقانی ۱/۱، ۳، ۴۔

نجاست ۴۰-۴۱

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ تین ملعون چیزوں سے بچنا واجب ہے، یعنی لوگوں کی راہ، پانی کے گھاٹ اور نفع بخش سایہ میں پیشاب پانا نہ کرنا منع ہے، اس لئے کہ حضرت معاذؓ کی مرفوع حدیث ہے: ”اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز في الموارد، وقارعة الطريق، والظل“^(۱) (لعنت کی تین جگہوں سے بچو: پانا نہ کرنا گھاٹ میں، راستے میں اور سایہ میں) اسی طرح پھل دار درخت کے نیچے اور ٹھہرے ہوئے پانی میں پانا نہ کرنا ممنوع ہے^(۲)۔

نجاستوں سے طہارت حاصل کرنا:

۴۱- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ نمازی کے بدن کو، اس کے کپڑے کو اور جس جگہ نماز ادا کر رہا ہے، اس کو نجاستوں سے پاک کرنا واجب ہے، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَيَسْبِغْكَ فَطَهَّرْ“^(۳) (اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے)، نیز ایک خاتون سے جنہوں نے کپڑے میں لگے ہوئے حیض کے خون کے بارے میں دریافت کیا تھا، آپ نے ارشاد فرمایا: ”تحتہ ثم تقرصہ بالماء وتنضحہ، وتصلی“

الإقناع للشری بنی الخطیب ۱/۱۶۹، ۱۷۰، شرح المنہاج للمحلی ۱/۱۸۰، المغنی لابن قدام مع الشرح ۱/۱۳۷، ۱۳۸، طبع دارالکتب العربی۔

(۱) حدیث: ”اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز في الموارد، وقارعة الطريق، والظل“ کی روایت ابوداؤد (۲۹/۱ طبع حمص) اور حاکم (۱۶۷/۱ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے، اور حاکم نے کہا ہے: صحیح ہے، ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۲۳۹/۱، مرقی الفلاح ۱۳/۱، شرح المنہاج للمحلی ۱/۳۰، ۳۱، الإقناع للشری بنی الخطیب ۲/۱۷۲، المہذب ۱/۳۳، المغنی لابن قدام مع الشرح ۱/۱۵۶، ۱۵۷، طبع دارالکتب العربی، روضة الطالبین ۱/۶۵، حاشیہ الدسوقی ۱/۱۰۶، ۱۰۷، آسہل المدارک شرح ارشاد السالک ۱/۶۹۔

(۳) سورة مدثر ۴۔

نے اس کو اتار دیا اور اپنی نماز پوری کی^(۱)، نیز اس لئے کہ تھوڑی نجاست معاف ہے، تو تھوڑی دیر کے لئے بھی معاف ہوگی، جیسا کہ تھوڑی دیر کے لئے کشف عورت ہو جائے^(۲)۔

نجاستوں سے بچنا:

۴۰- فقہاء کی رائے ہے کہ کسی ناپاک چیز سے قرآن کو لکھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کو نجاست میں پھینکنا یا اس کو نجاست سے آلودہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح تفسیر، حدیث یا علوم شرعیہ کی کتابوں کے کسی حصہ کو نجاست میں ڈالنا یا اس کو نجاست سے آلودہ کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء کی رائے ہے کہ مساجد کو نجاستوں سے پاک رکھنا واجب ہے، لہذا مسجد میں نجاست کو داخل کرنا یا جس کے بدن یا کپڑے پر نجاست ہو اس کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، شافعیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ مسجد کے گندا ہونے کا اندیشہ ہو، اسی طرح اس کو نجاست یا ناپاک چیز سے تعمیر کرنا جائز نہیں ہے^(۳)۔

فقہاء کی رائے ہے کہ نماز کے وقت بدن، کپڑوں اور مکان کو نجاست سے بچانا واجب ہے^(۴)۔

(۱) حدیث: ”خلع النبی ﷺ نعلیه لما علم بالنجاسة فیہما“ کی روایت ابوداؤد (۲۲۶/۱ طبع حمص) اور حاکم (متدرک ۱/۲۶۰ طبع دائرة المعارف) نے کی ہے، اور کہا ہے کہ مسلم کی شرط کی مطابق صحیح ہے۔

(۲) کشف القناع ۱/۲۸۹، ۲۹۲، الإلصاف ۱/۴۸۷، ۴۸۸، المغنی لابن قدام ۱/۱۵۷، ۱۶۷، طبع دارالکتب العربی۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۱/۱۱۶، ۲۲۳/۳، ۲۸۳، حاشیہ الطحاوی علی مرقی الفلاح ۱/۴۶، حاشیہ الدسوقی ۱/۱۲۵، جواہر الإکلیل ۱/۲۱، ۳/۲، مغنی المحتاج ۱/۲۷، روضة الطالبین ۳/۳۴، قلیوبی ۳/۱۷۶، الزواجر ۱/۲۶، المغنی ۱/۱۳۸، روض الطالب ۲/۲۲، الفروع ۱/۱۸۸، ۱۹۳۔

(۴) مرقی الفلاح ۱/۵۹، ۶۰، الاختیار شرح المختار ۱/۳۳ طبع المصطفیٰ الحلی ۱۹۳۶، جواہر الإکلیل ۱/۳۸، حاشیہ الدسوقی ۱/۲۰۰، المہذب ۱/۶۸، ۶۹۔

نجاست ۴۲-۴۳

نجاست اور ناپاک اشیاء کی بیج:

۴۳- حنفیہ کی رائے ہے کہ نجاست کی بیج جائز نہیں ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے کہا ہے کہ سور کے بال کی بیج جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ نجس العین ہے، لہذا اس کی اہانت کے لئے اس کی بیج جائز نہیں ہے، لیکن انہوں نے ضرورت کی بنیاد پر سینے کے لئے اس سے انتفاع کی اجازت دی ہے، اس لئے کہ یہ عمل اس کے بغیر انجام نہیں پاسکتا ہے^(۱)۔

اسی طرح انہوں نے دباغت سے قبل مردار کی کھال فروخت کرنے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ وہ قابل انتفاع نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا تنتفعوا من الميتة باهاب ولا عصب“،^(۲) (مردار کی کھال اور پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ)، اہاب اس چمڑے کو کہا جاتا ہے جس کو دباغت نہ دی گئی ہو، دباغت کے بعد اس کو فروخت کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ دباغت کے بعد چمڑا پاک ہو جاتا ہے البتہ دباغت سے قبل ناپاک رہتا ہے^(۳)۔

کتا، تیندوا اور درندہ کی بیج جائز ہے، اس میں سدھایا ہوا اور غیر سدھایا ہوا دونوں برابر ہیں، اس لئے کہ نگہبانی اور شکار پکڑنے میں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، لہذا وہ مال ہیں جن کی بیج جائز ہے، ایذا پہنچانے والے جانوروں کا حکم اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ وہ قابل انتفاع نہیں ہیں^(۴)، امام ابو یوسف سے منقول ہے

(۱) فتح القدیر والعتنا یہ ہامشہ ۲۰۲/۵، المطبوعۃ الکبریٰ الامیر یہ ۱۳۱۶ھ۔

(۲) حدیث: ”لا تنتفعوا من الميتة باهاب.....“ کی روایت ابوداؤد (۳۰/۳، ۳۱، ۳۲ طبع محص) اور ترمذی (۲۲۲ طبع اعلیٰ) نے حضرت عبداللہ بن عکیمؓ سے کی ہے، اور الفاظ ترمذی کے ہیں، اور کہا ہے: حدیث حسن ہے۔

(۳) فتح القدیر والعتنا یہ ہامشہ ۲۰۳/۵، المطبوعۃ الکبریٰ الامیر یہ ۱۳۱۶ھ۔

(۴) فتح القدیر والعتنا یہ ہامشہ ۲۰۵/۵، المطبوعۃ الکبریٰ الامیر یہ ۱۳۱۶ھ۔

فیہ“^(۱) (تو اس کو رگڑ دے گی، پانی سے دھوئے گی، اس پر پانی بہا دے گی اور اس میں نماز ادا کرے گی)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”طہارة“ (فقہہ ۷ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

اگر دباغت میں شراب رکھی جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ:

۴۲- حنفیہ کی رائے ہے کہ دباغت (کدو جس کا گودا نکال کر بطور برتن استعمال کیا جائے) اور اس جیسے برتن میں شراب رکھنے سے قبل اگر نبیذ بنائی جائے تو اس کے پاک اور حلال ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے، اگر پہلے اس میں شراب رکھی جائے پھر اس میں نبیذ بنائی جائے تو دیکھا جائے گا کہ اگر برتن پرانا ہو تو تین بار دھونے سے پاک ہو جائے گا، اور اگر نیا ہو تو امام محمد کے نزدیک پاک نہ ہوگا، اس لئے کہ شراب اس میں سرایت کر جائے گی، اس کے برخلاف پرانے میں سرایت نہیں کرے گی۔

امام ابو یوسف کے نزدیک اس کو تین بار دھویا جائے گا اور ہر بار اس کو سکھا دیا جائے گا، یہ ان اشیاء کو دھونے کے مسائل میں سے ہے جن کو نچوڑا نہ جاسکے۔

ایک قول یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں بار بار پانی بھرا جائے گا، جب پانی بالکل صاف نکلنے لگے کہ اس کا رنگ، بو اور مزہ بدلا ہوا نہ ہو تو اس کے پاک ہونے کا حکم دے دیا جائے گا^(۲)۔

(۱) حدیث: ”تحتہ ثم تقرصہ.....“ کی تخریج فقہہ ۲۳۳ میں گزر چکی ہے۔

(۲) تمییز الحقائق ۲۸/۶۔

نجاست ۴۳

ابواللیث نے ذکر کیا ہے کہ اگر سانپ دوا میں قابل انتفاع ہو تو اس کی بیج جائز ہے، اور اگر قابل انتفاع نہ ہو تو جائز نہیں ہے، ناپاک تیل کی بیج جائز ہے، اس لئے کہ وہ چراغ جلانے میں قابل انتفاع ہے، بیج کے جائز ہونے میں وہ گوبر اور کھاد کی طرح ہے، لیکن آدمی کا پالانہ مٹی ملائے بغیر قابل انتفاع نہیں ہے، لہذا اس کی بیج ملی ہوئی مٹی کے تابع ہو کر ہی جائز ہو سکتی ہے، اس کے برخلاف خون کی بیج مطلقاً جائز نہیں ہے^(۱)۔

مشہور قول کے مطابق مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ جو ناپاک چیز پاک کرنے کے قابل ہو مثلاً ناپاک کپڑا، اس کی بیج جائز ہے، اور جو پاک کرنے کے لائق نہ ہو جیسے نجس تیل تو اس کی بیج جائز نہیں ہے^(۲)۔

”اسہل المدارک“ میں الخرشی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مردار کی کھال اور زندہ سے حاصل کی گئی کھال نجس ہے، اگرچہ دباغت دے دی جائے پھر بھی امام مالک کے مشہور قول کے مطابق اس کی بیج جائز نہیں ہے، نہ اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے، ابن رشد نے کہا ہے کہ اس کی ظاہری اور باطنی طہارت میں اس کی دباغت کا کوئی اثر نہ ہوگا^(۳)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ بیج کی ایک شرط اس کی ذات کا پاک ہونا بھی ہے، لہذا نجس العین کی بیج صحیح نہ ہوگی، خواہ استحالہ کے ذریعہ اس کی طہارت ممکن ہو، جیسے مردار کی کھال یا ممکن نہ ہو جیسے گوبر اور کتا، خواہ سدھایا ہوا ہو، اور شراب اگرچہ وہ (ملک صحیح کی وجہ سے) محترم

= الخراج لأبی یوسف ص ۲۱۰ طبع السلفیہ۔

(۱) فتح القدیر والعنایہ بہامشہ ۵/۳۵۹، ۳۵۹۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۶۰ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۳) اسہل المدارک شرح إرشاد السالک ۱/۵۵۔

کہ کاٹ کھانے والے کتے کی بیج جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ قابل انتفاع نہیں ہے، نیز اس لئے کہ مروی ہے: ”أنه ﷺ نهى عن ثمن الكلب إلا كلب صيد“^(۱) (نبی کریم ﷺ نے شکار کے علاوہ دوسرے کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے)۔

شراب اور سور کی بیج جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إن الذي حرم شربها حرم بيعها“^(۲) (جس ذات نے اس کا پینا حرام کیا ہے اسی ذات نے اس کی بیج بھی حرام کی ہے)۔

بیج وشراب جیسے معاملات میں اہل ذمہ مسلمانوں کی طرح ہیں، اس لئے کہ ان کے حقوق اور ذمہ داریاں وہی ہیں جو مسلمانوں کی ہیں، نیز اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی طرح بیج وشراب و دیگر تصرفات کے نتائج کے ذمہ دار اور اس کو انجام دینے کے محتاج ہیں، البتہ صرف شراب اور سور میں مستثنیٰ ہیں، لہذا شراب پر ان کا عقد کرنا ایسا ہی ہے جیسے شیرہ پر کسی مسلمان کا عقد کرنا اور سور پر ان کا عقد کرنا ایسا ہی ہے جیسے مسلمان کا بکری پر عقد کرنا، کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق یہ مال ہیں، اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کے عقائد میں دخل اندازی نہ کریں، اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے: ان کو اس کی بیج کرنے دوا اور اس کے ثمن سے عشر وصول کرو^(۳)۔

(۱) حدیث: ”أنه ﷺ نهى عن ثمن الكلب إلا كلب صيد“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۲۶۶ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۱۹۸/۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابی مسعود انصاری سے استثناء کے بغیر کی ہے، اور ترمذی (۵۶۹/۳ طبع الحلی) نے اس کی روایت استثناء کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے، اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس طریق سے یہ حدیث صحیح نہیں ہے، یہ حدیث حضرت جابرؓ کے طریق سے بھی مروی ہے۔

(۲) حدیث: ”إن الذي حرم شربها حرم بيعها“ کی روایت مسلم (۱۲۰۶/۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کی ہے۔

(۳) فتح القدیر والعنایہ بہامشہ ۵/۳۶۰ المطبوعۃ الکبریٰ الامیریہ ۱۳۱۶ھ، کتاب

نجاست ۴۴

إن الله حرم عليهم الشحوم فباعوها وأكلوا أثمانها، وإن الله إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه“ (۱) (اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے، اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام کر دیا تو انہوں نے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی حالانکہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کسی چیز کے کھانے کو حرام کرتا ہے، تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے) وہ اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں پھر بھی ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم ان کے ہاتھ اس کو فروخت کریں، جیسے شراب و سور (۲) (ان کے یہاں جائز ہیں مگر ہم ان کے ہاتھ نہیں بچ سکتے)۔

نجاست سے اور ناپاک چیز سے پاک کئے بغیر اس سے فائدہ اٹھانا:

۴۴- حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ناپاک تیل سے انتفاع جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے مکہ میں فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، فقيل: يا رسول الله أرأيت شحوم الميتة فإنه يطلى بها السفن ويدهن بها الجلود ويستصبح بها الناس؟ قال: لا هو حرام“ (۳) (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب،

ہو، اس لئے کہ: ”نہی عن ثمن الكلب“ (۱) (نبی کریم ﷺ نے کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے)، اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام“ (۲) (اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی بیع کو حرام فرما دیا ہے) ان ہی پر ان چیزوں کو بھی قیاس کیا گیا ہے جو ان کے معنی میں ہیں۔

جس ناپاک کو پاک کرنا ممکن نہیں ہو اس کی بیع جائز نہیں ہے، جیسے سرکہ، دودھ، سالن اور اینٹ جو گوبر ملا کر بنائی گئی ہو، اس لئے کہ وہ نجس العین کے حکم میں ہے، اور جس کو پاک کرنا ممکن ہو، جیسے ناپاک کپڑا تو اس کی بیع جائز ہے، کیونکہ اس کو پاک کرنا ممکن ہے (۳)۔

حنابلہ کی رائے امام احمد کے ظاہر کلام کے مطابق یہ ہے کہ ناپاک کی بیع جائز نہیں ہے، جس تیل میں نجاست گر جائے اس کے بارے میں ابو موسیٰ نے کہا ہے کہ اس کو ستو میں ملا دو اور اس کو فروخت کر دو، البتہ کسی مسلمان سے نہ پیچو اور اس کو بتا دو۔

امام احمد سے ابو الخطاب نے روایت کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ کسی کافر کے ہاتھ فروخت کیا جائے گا، بشرطیکہ اس کو اس کی نجاست کا علم ہو، اس لئے کہ ان کے اعتقاد کے مطابق وہ حلال ہے اور اس کا کھانا مباح ہے۔

ابن قدامہ نے امام احمد کے ظاہر کلام کے لئے نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے استدلال کیا ہے، ارشاد نبوی ہے: ”لعن الله اليهود،

(۱) حدیث: ”لعن الله اليهود إن الله حرم عليهم الشحوم.....“ کی روایت ابوداؤد (۵۸/۳ طبع محص) نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے، اور اس کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۲۱۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۲۰۷/۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے ”إن الله إذا حرم شيئاً“ کے ذکر کے بغیر کی ہے۔

(۲) المغنی لابن قدامہ مع الشرح ۸۷/۱۱، ۸۸ طبع دارالکتب العربی، کشف القناع ۱۵۶/۳۔

(۳) حدیث: ”إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير“ کی

(۱) حدیث: ”نہی عن ثمن الكلب“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۲۶۶ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۱۹۸/۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۲۲۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۲۰۷/۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے کی ہے۔

(۳) مغنی المحتاج ۱۱/۲۔

نجاست ۴۴

لئے مردار کا کھانا جائز ہے یا کھیتی کی سیچائی کے لئے پانی میں پالانہ ملانا تو وہ غیر مسجد میں جائز ہوگا، مسجد میں نہیں، پس ناپاک تیل کو نہیں جلایا جائے گا الا یہ کہ چراغ مسجد سے باہر ہو اور روشنی مسجد میں ہو تو جائز ہے، ناپاک سے تعمیر نہیں کرے گا اگر کر لے تو منہدم نہیں کرے گا، کیونکہ اس میں ضیاع مال ہے، اور آدمی کے کھانے پینے کے علاوہ میں استعمال ہو سکتا ہے، کیونکہ آدمی کے لئے ناپاک چیز کھانا پینا حرام ہے کہ اس سے پیٹ ناپاک ہو جائے گا اور پاک کرنا ممکن نہ ہوگا اور نہ اس سے تیل لگائے گا، البتہ اس سے تیل لگانا راجح قول میں مکروہ ہے، اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے پاس ایسی چیز ہے جس سے نجاست دور کر سکے گا

آدمی کے کھانے اور مسجد کے علاوہ سے مراد یہ ہے کہ ناپاک کو چراغ میں استعمال کیا جائے، اور اس سے صابون تیار کیا جائے، پھر اس سے کپڑا دھونے کے بعد پاک پانی سے دھو دیا جائے، اس کو رسی گاڑی اور رہٹ پر ملا جا سکتا ہے، جانوروں کو کھلایا پلایا جا سکتا ہے^(۱)۔

شافیہ کی رائے ہے کہ خشک چیزوں میں نجاست اور ناپاک چیز کا استعمال کرنا جائز ہے، مثلاً ناپاک ہڈی سے بنے ہوئے برتن کا استعمال کرنا، اسی طرح دباغت سے قبل مردار کا چھڑا استعمال کرنا، مردار کی ہڈی کو جلا کر روشنی حاصل کرنا، البتہ مکروہ ہے^(۲)۔

ناپاک تیل کو جلا کر روشنی حاصل کرنے کے بارے میں حنا بلہ کے یہاں روایات مختلف ہیں، اکثر روایات میں اس کو مباح کہا گیا ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس سے روشنی حاصل کرنے کا حکم دیا، اور اس کو کشتی پر ملنا جائز ہے، امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۱/۶۰، ۶۱، جواہر الإلکلیل ۱/۱۰، اہل المدارک شرح إرشاد

السالک ۱/۵۵، ۵۴۔

(۲) روضۃ الطالین ۱/۴۴۔

مردار، سور اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے، آپ سے دریافت کیا گیا: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ اس کو کشتی پر ملا جاتا ہے، اس سے چمڑے کو تڑکیا جاتا ہے، لوگ اس کو جلا کر اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: نہیں وہ حرام ہے۔

اسی طرح حنفیہ کی رائے ہے کہ مویجیوں کے لئے ضرورت کی وجہ سے سور کے بال سے انتفاع جائز ہے، حالانکہ وہ نجس العین ہے، اور یہ اس لئے ہے کہ اس کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا ہے، نیز اس لئے کہ دوسری چیز سے اس کے جیسا کام نہیں ہوگا^(۱)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ کھانے پینے کی ناپاک چیز اور ناپاک لباس سے انتفاع جائز ہے، جیسے تیل، دودھ، سرکہ اور نبیذ، لیکن نجاست یعنی جس کی ذات ہی نجس ہے، جیسے پیشاب پالانہ وغیرہ اس سے انتفاع جائز نہیں ہے، البتہ اگر مردار کے چمڑا کو دباغت دے دی جائے تو دباغت کے بعد خشک اشیاء میں اور پانی میں اس سے انتفاع جائز ہے، اسی طرح مردار کو کتوں کے سامنے ڈال دینا جائز ہے، اس لئے کہ مردار کو کتوں کے سامنے ڈال دینا بھی انتفاع ہے، کیونکہ یہ اس چیز کو فراہم کرنا ہے جس کو کتے اپنے مالک کے پاس کھاتے ہیں، رہٹ وغیرہ میں تیل لگانے کے لئے مردار کی چربی سے انتفاع جائز ہے، اینٹ پر آگ جلانے کے لئے یا پتھر پر آگ جلانے کے لئے تاکہ وہ گچ بن جائے مردار کی ہڈی سے انتفاع جائز ہے یا کوئی ضرورت نجس سے انتفاع کی داعی ہو تو جائز ہوگا، مثلاً کسی کے حلق میں لقمہ پھنس جائے اور وہاں شراب کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہ ہو تو شراب کے ذریعہ لقمہ کو اندر کرنا جائز ہوگا، اسی طرح مضطر کے

= تخریج فقہہ ۳/۴۳ میں گزر چکی ہے۔

(۱) ابن عابدین ۲۳۱/۱، طبع سوم ۱۳۲۳ھ المطبوعۃ الأ میریہ الکبری، فتح القدر

والعناویہ بہامشہ ۲/۲۰۲، ۲۰۳، ۳۵۹، ۳۵۹، المطبوعۃ الکبری الأ میریہ ۱۳۱۶ھ۔

امام احمد کے قول کے مطابق ایسا انتفاع جس کے نتیجے میں آدمی ناپاک ہو جائے جائز نہیں ہے، اور اگر ناپاک نہ ہو تو جائز ہے، رہا اس کا کھانا تو اس کے حرام ہونے میں کوئی اشکال نہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وان كان مائعا فلا تقربوه“^(۱) (اور اگر سیال ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ) اور اس لئے بھی کہ نجس چیز خبیث ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تمام خبیثات کو حرام قرار دیا ہے۔

مردار اور سور کی چربی سے کسی طرح کا بھی انتفاع جائز نہیں ہے، نہ چراغ وغیرہ میں جلا کر روشنی حاصل کرنا جائز ہے، اور نہ کشتی اور چمڑے پر لگانا جائز ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، فقيل: يا رسول الله أرأيت شحوم الميتة فإنه يطلى بها السفن ويدهن بها الجلود ويستصبح بها الناس؟ قال: لا، هو حرام“^(۲) (اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی بیچ کو حرام قرار دیا ہے، آپ سے دریافت کیا گیا: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ اس کو کشتی پر ملا جاتا ہے، اس سے چمڑے کو تر کیا جاتا ہے، لوگ اس کو جلا کر اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں وہ حرام ہے)۔

اگر ناپاک تیل روشنی کے لئے جلا یا جائے تو اس کا دھواں ناپاک ہوگا، اس لئے کہ وہ اسی کا بدلا ہوا جزء ہے، اور بدلنے سے طہارت نہیں ہوتی ہے، لہذا اگر کسی چیز سے لگ جائے اور تھوڑا ہو تو معاف ہوگا، اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، لہذا وہ پوسو کے

(۱) حدیث: ”وان كان مائعا فلا تقربوه“ کی تخریج فقہرہ ۳۱ میں گزر چکی ہے۔

(۲) حدیث: ”ان الله ورسوله حرم بيع الميتة.....“ کی تخریج فقہرہ ۴۳ میں گزر چکی ہے۔

اس سے روشنی حاصل کرنا جائز نہیں ہے، یہی ابن المنذر کا قول بھی ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”أن النبي ﷺ سئل عن شحوم الميتة تطلى بها السفن وتدهن بها الجلود ويستصبح بها الناس فقال: لا، هو حرام“^(۱) (آپ ﷺ سے مردار کی چربی کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کو کشتی پر ملا جاتا ہے اور اس سے چمڑے کو تر کیا جاتا ہے، لوگ اس کو جلا کر اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں وہ حرام ہے)۔

اس سے روشنی حاصل کرنے کے مباح ہونے کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ تیل ہے اور ضرر کے بغیر اس سے انتفاع ممکن ہے، اس لئے پاک چیز کی طرح جائز ہوگا، مروی ہے کہ جو آثار قوم شمود کے کنوؤں کے پانی سے گوندھا گیا تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کو اس کے کھانے سے منع فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ اسے اونٹوں کو کھلا دیں^(۲)، یہ تیل نہ تو مردار ہے، نہ مردار کی چربی سے حاصل ہوا ہے، لہذا حدیث میں داخل ہوگا، جب یہ بات ثابت ہوگئی، تو وہ اس سے اس طرح روشنی حاصل کرے گا کہ اس کے ہاتھ میں نہ لگے اور اس کی نجاست اس کی طرف متعدی نہ ہو۔

ابو عبد اللہ کی رائے یہ نہیں ہے کہ اس کو چمڑے پر ملا جائے، انہوں نے کہا کہ اس سے پانی کے برتن اور مشک بنائے جائیں۔

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اس کو چمڑے پر لگایا جائے، امام احمد نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا: یہ حیرت انگیز بات ہے کہ ایک چیز پہنی جائے اور اس میں ایسی چیز لگائی جائے جس میں مردار ہو، گویا

(۱) حدیث: ”أن النبي ﷺ سئل عن شحوم الميتة.....“ کی تخریج فقہرہ ۴۳ میں گزر چکی ہے۔

(۲) قوم شمود کے کنوؤں کے پانی سے گوندھے گئے آٹے کو نہ کھانے سے متعلق حدیث: ”بماء من آبار شمود“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۸/۶۷۸ طبع السلفیہ) اور مسلم (۲۲۸۶/۴ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابن عمرؓ سے کی ہے۔

نجاست ۴۵

خون کے مشابہ ہوگا، اور اگر زیادہ ہوگا تو معاف نہ ہوگا^(۱)۔
 طرح شک کی صورت میں اس کے بنائے ہوئے تمام سامان پاک
 سمجھے جائیں گے، خواہ اس کو وہ اپنے گھر میں تیار کرے، اس میں ابن
 عرفہ کا اختلاف ہے۔

جو چیز اکثر حالات میں ناپاک رہتی ہو اس کا استعمال:
 ۴۵- جو چیز اکثر حالات میں ناپاک رہتی ہو اس کے استعمال کے
 بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔
 حنفیہ کی رائے ہے کہ مشرکین کے برتنوں کو دھونے سے قبل ان
 میں کھانا پینا مکروہ ہے، اس کے باوجود دھونے سے قبل ان میں کھالے
 تو جائز ہوگا اور وہ حرام کھانے پینے والا نہیں سمجھا جائے گا، لیکن یہ اس
 صورت میں ہے کہ برتنوں کے ناپاک ہونے کا علم اس کو نہ ہو، اگر اس
 کو علم ہو تو دھونے سے قبل ان میں کھانا پینا جائز نہ ہوگا، اگر کھائے گا تو
 حرام کھانے پینے والا ہوگا، وہ مرغی کے جوٹھے کی طرح ہے کہ اگر معلوم
 ہو کہ اس کی چونچ پر نجاست تھی تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

مشرکین کے پانچامہ میں نماز پڑھنا ان کے برتنوں میں کھانے
 پینے کی طرح ہے، اگر معلوم ہو کہ ان کے پاجامے ناپاک ہیں تو ان
 میں نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا، اور اگر علم نہ ہو تو ان میں نماز مکروہ ہوگی،
 اور اگر پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی^(۲)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ کافر کے کپڑے میں فرض یا نفل نماز پڑھنا
 حرام ہے، مرد ہو یا عورت ہو، کتابی ہو، یا غیر کتابی ہو، کپڑا اس کے جسم
 سے متصل ہو یا متصل نہ ہو، کپڑا ایسا ہو کہ اس میں نجاست کے لگنے کا
 امکان ہو، جیسے دامن اور شرم گاہ کے آس پاس رہنے والا کپڑا یا ایسا نہ
 ہو جیسے عمامہ اور شال، نیا ہو یا پرانا ہو، البتہ اس کی طہارت کا یقین یا
 غالب گمان ہو تو نماز جائز ہوگی، کافر کا بنا ہوا کپڑا اس کے برخلاف
 ہے، جب تک اس کی نجاست کا یقین یا غالب گمان نہ ہو اس کو
 طہارت پر محمول کیا جائے گا، اور اس میں نماز پڑھی جائے گی، اسی

حنا بلہ کی رائے ہے کہ اگر کفار کے کپڑوں اور برتنوں کی
 طہارت کا علم ہو یا ان کا حال معلوم نہ ہو تو وہ پاک ہیں، اسی طرح
 ہمیشہ شراب پینے والے کا برتن اور اس کے کپڑے اور اکثر نجاست
 میں رہنے والے کا برتن اور اس کے کپڑے پاک ہیں۔

(۱) حاشیۃ الرسوتی ۱/۶۱، ۶۲۔

(۲) مفتی المحتاج ۱/۲۹۔

(۱) المغنی مع الشرح الکبیر ۱/۸۶، ۸۸، طبع دارالکتب العربی۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۷۔

نجاست ۴۶-۴۹

نجاست سے دھونی دینا:

۴۷- فقہاء کی رائے ہے کہ نجاست یا ناپاک چیز سے دھونی دینا جائز نہیں ہے، جن چیزوں سے دھونی دینا صحیح ہے، ان میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ پاک ہو یعنی نجاست نہ ہو، نہ ناپاک ہو۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”استحار“ (فقہہ ۲۸/۲۸)۔

نجاست سے علاج کرنا:

۴۸- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ فی الجملہ انتہائی مجبوری کے بغیر نجاست سے علاج کرنا جائز نہیں ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”تداوی“ (فقہہ ۸/۸)۔

ناپاک پانی کے ذریعہ کھیتی کی سینچائی کرنا اور نجاست کھاد میں ڈالنا:

۴۹- حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر ناپاک پانی سے کھیتی اور پھل کی سینچائی کی جائے تو وہ ناپاک نہ ہوں گے نہ حرام ہوں گے (۱)۔

دیکھئے: ”أطعمہ“ (فقہہ ۱۱/۱۱)۔

اس سلسلہ میں مالکیہ کہتے ہیں کہ نجاست سے سیراب کی گئی کھیتی پاک ہے، اگر اس کے اوپر نجاست لگ جائے تو اس کو دھو دیا جائے (۲)، اگر کھیتی کی سینچائی کے لئے پانی میں پاکی نہ ملا دیا جائے تو جائز ہے (۳)، نجاست جیسے پاکی نہ وغیرہ کی وجہ سے بدل جانے والا بھی نجس ہے، نہ کسی کھانے میں اس کا استعمال ہوگا نہ کسی عبادت میں، البتہ کھیتی کی سینچائی اس سے کی جائے گی اور چوپایوں کو پلایا

دودھ پلانے والی حائضہ، بچہ اور ہمیشہ شراب پینے والوں وغیرہ کے کپڑوں میں نماز پڑھنا درست ہے، اس لئے کہ اصل ان کی طہارت ہے، البتہ عبادت میں احتیاط کی بنا پر مکروہ ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ ان کی نجاست کا علم نہ ہو ورنہ ان میں نماز درست نہ ہوگی (۱)۔

ناپاک رنگ سے خضاب کرنا اور کپڑوں کو رنگنا:

۴۶- فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کسی ناپاک چیز سے خضاب کیا جائے یا رنگا جائے تو وہ تین بار دھونے سے پاک ہو جائے گا، لہذا اگر کوئی مرد یا عورت ناپاک مہندی سے خضاب کرے اور اس کو تین بار دھولے تو پاک ہو جائے گا، البتہ اگر عین نجاست سے خضاب کیا جائے تو اس وقت پاک ہوگا جب اس کا عین، مزہ اور بو ختم ہو جائے، اور پانی صاف نکل آئے، رنگ کا باقی رہنا معاف ہے، اس لئے جس کو دور کرنے میں مشقت ہو، اس کا باقی رہ جانا مضرت نہیں ہوتا ہے، اسی قبیل سے خون میں رنگا ہوا کپڑا ہے کہ وہ نجس ہے، یہی حکم اس کپڑے سے رنگے ہوئے کپڑے کا ہے جو پانی میں رہنے والے کپڑوں کے علاوہ ہو، جن میں پہنے والا خون ہوتا ہے کہ وہ نجس ہے، اس لئے کہ یہ کپڑے مردار ہیں، خون ان میں جم جاتا ہے۔

شافعیہ میں سے قلیوبی نے مزید کہا ہے کہ نجاست سے رنگے ہوئے کپڑے کے غسل کا صاف ہو جانا ضروری ہے، اور یہ کافی ہے کہ نجاست سے رنگے ہوئے کپڑے کو بہت زیادہ پانی میں ڈبو دیا جائے، یا اسی طرح اس پر تھوڑا پانی بہا دیا جائے، اس سے کپڑا بھی پاک ہو جائے گا اور اس کا رنگ بھی پاک ہو جائے گا (۲)۔

دیکھئے: اصطلاح ”اختضاب“ (فقہہ ۱۵/۱۵)۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲۱۷/۵، الخرشی ۸۸/۱، تحفۃ المحتاج ۱۳۹/۸۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ۵۲/۱۔

(۳) حاشیہ الددوقی ۶۱/۱۔

(۱) کشاف القناع ۵۳/۱۔

(۲) ابن عابدین ۲۲۹/۱، ۲۳۰، حاشیہ الدسوقی ۶۰/۱، مواہب الجلیل ۱۶۳/۱،

حاشیہ القلیوبی وغیرہ ۵/۱۔

نجاست ۵۰

بدل جاتی ہیں، اور بدل جانے سے پاک ہو جائے گی، جیسے خون جانور کے اعضاء میں بدل کر دودھ ہو جائے اور سعد بن ابی وقاصؓ اپنی زمین میں پاؤں نہ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک ٹوکرا عرہ ایک ٹوکرا گندم ہے، العرہ لوگوں کا پاؤں نہ ہے^(۱)۔

اسی وجہ سے انہوں نے جن کھیتوں میں نجاست کھاد میں دی جائے، یا جس کھیتی یا پھل کی سینچائی ناپاک پانی سے ہو اس کے کھانے کو مکروہ کہا ہے^(۲) اور کہا ہے کہ جب اس کے پاک پانی سے سینچائی کی جائے گی اور عین نجاست ختم ہو جائے گی، تب حلال ہوگا، ”الانصاف“ میں ابن عقیل کا قول منقول ہے کہ نہ وہ ناپاک ہے نہ حرام ہے، بلکہ استحالہ کی وجہ سے پاک ہے، جیسے خون دودھ بن کر پاک ہو جاتا ہے، ”التبصرہ“ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ حلال جانور کا گوبر پاک ہے، اس کو کھاد میں استعمال کیا جائے تو کھیتی حرام نہ ہوگی^(۳)۔

جانوروں کو نجاست یا ناپاک چارہ کھلانا:

۵۰۔ مالکیہ اور شافعیہ نے کہا ہے کہ چوپایوں کو نجاست یا ناپاک چارہ کھلانا جائز ہے^(۴)، اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ جو پانی نجاست کی وجہ سے بدل گیا ہو اسے چوپایوں کو پلانا اور اس سے کھیتی کی سینچائی کرنا جائز ہے^(۵)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حقنہ کے ذریعہ علاج کرنے میں، جانور کو پلانے میں اور آلہ تناسل میں ٹپکانے میں شراب سے انتفاع حرام

(۱) المغنی لابن قدامع الشرح ۲/۴۲، ۳ طبع دارالکتب العربیہ۔

(۲) المغنی لابن قدامع الشرح ۲/۲۵۶۔

(۳) الانصاف ۱۰/۳۶۸، المغنی مع الشرح ۱۱/۸۲۔

(۴) الشرح الکبیر، حاشیہ الدسوقی علیہ ۱/۶۱، روضۃ الطالبین ۳/۲۷۹، المکتب

الإسلامی، القلیوبی علی شرح المنہاج ۱/۷۶۔

(۵) اہل المدارک شرح إرشاد السالک ۱/۳۵۔

جائے گا^(۱)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ گوبر پر اگنے والی کھیتی کے متعلق اصحاب کا کہنا ہے کہ وہ نجس العین نہیں ہے، البتہ نجاست کے لگنے سے ناپاک ہو جاتی ہے، اگر اسے دھو دیا جائے تو پاک ہو جائے گی، اگر خوشہ نکل آئے تو اس سے نکلنے والا دانہ پاک ہوگا^(۲)، اگر کوئی چوپایہ دانہ نکل جائے پھر اس کو صحیح، سالم اگل دے تو اگر اس کی سختی باقی ہو کہ اگر کھیت میں ڈال دیا جائے تو آگ آئے تو اس کا عین پاک ہوگا، البتہ اس کے ظاہر کو دھونا واجب ہوگا، اس لئے کہ اگرچہ وہ دانہ اس کی غذا ہو گیا ہے مگر بدل کر فاسد نہیں ہوا ہے تو یہ ایسا ہی ہے کہ وہ گٹھلی کو نکل جائے، البتہ اگر اس کی سختی ختم ہوگئی ہو کہ آگ نہ سکے تو وہ نجس العین ہے^(۳)۔

جن کھیتوں اور پھلوں کی سینچائی نجاستوں کے ذریعہ ہو یا ان میں نجاست کھاد میں دی جائے وہ حنا بلہ کے نزدیک حرام ہیں، اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ”کنا نکری أرض رسول اللہ ﷺ و نشترط علیہم أن لا یدملوها بعدرة الناس“^(۴) (ہم رسول اللہ ﷺ کی زمین کو راییہ پر دیتے تھے، اور یہ شرط لگا دیتے تھے کہ وہ لوگوں کا پاؤں نہ کھاد میں نہ دیں گے) نیز اس لئے کہ وہ نجاست سے غذا حاصل کرتی ہیں، نجاستوں کے اجزاء ان میں سرایت کرتے ہیں، اور استحالہ سے پاک نہ ہوں گی۔

ابن عقیل نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ مکروہ ہو، حرام نہ ہو، نہ اس پر ناپاک ہونے کا حکم لگایا جائے، اس لئے کہ نجاست اس کے اندر

(۱) اہل المدارک شرح إرشاد السالک ۱/۳۵، حاشیہ الدسوقی ۱/۶۱۔

(۲) روضۃ الطالبین ۱/۱۷۔

(۳) روضۃ الطالبین ۱/۱۸، المکتب الإسلامی۔

(۴) حدیث: ”کنا نکری أرض رسول اللہ ﷺ.....“ کی روایت بیہقی

(اسنن ۱۳۹/۶ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے، اور کہا ہے کہ

حدیث ضعیف ہے۔

نجاست ۵۱

پکائی تو نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ان کے کنوؤں سے جو پانی لیا ہے اس کو پھینک دیں اور آٹا اونٹ کو کھلا دیں اور ان کو حکم دیا کہ جس کنویں پر اونٹنی پانی پیتی تھی اس سے پانی لیں۔

نجاست کے درجات:

الف- نجاست غلیظہ:

۵۱- امام ابوحنیفہ کے نزدیک نجاست مغلظہ وہ نجاست ہے جس کی نجاست کے بارے میں کوئی نص موجود ہو، اور اس کے خلاف کوئی دوسری نص نہ ہو اور اس سے نپختے میں کوئی حرج بھی نہ ہو، اگرچہ اس میں اختلاف ہو، اس لئے کہ اجتہاد نص کا معارض نہیں ہو سکتا ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مغلظہ وہ ہے جس کی نجاست متفق علیہ ہو اور اس کے لگنے میں عموم بلوی نہ ہو۔

نجاست غلیظہ کی جو مقدار نماز سے مانع ہے، وہ یہ ہے کہ درہم سے زائد ہو، اگر سیال ہو تو درہم کی پیمائش کا اعتبار ہوگا اور اگر جامد ہو تو وزن کا اعتبار ہوگا^(۱)۔

انہوں نے کہا ہے کہ انسان کے بدن سے جس چیز کے نکلنے کی وجہ سے طہارت واجب ہو وہ نجاست غلیظہ ہوگی، جیسے پاؤں، پیشاب خون، پیپ اور قی، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہی حکم منی کا بھی ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا: ”إن كان رطباً فاغسله، وإن كان يابساً فافر كيه“^(۲)

(۱) الاختيار شرح المختار ۳۱۱ طبع مصطفى الحلبي ۱۹۳۶۔

(۲) حدیث: ”إن كان رطباً فاغسله وإن كان يابساً فافر كيه“ کے بارے میں ابن الجوزی نے التحقیق (۱/۱۰۷ طبع دارالکتب العلمیہ) میں کہا ہے کہ یہ حدیث معروف نہیں ہے، صرف یہ منقول ہے کہ حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ کے حکم کے بغیر ایسا کرتی تھیں پھر حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں کبھی کبھی اپنی انگلیوں سے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھی، اس کی روایت ترمذی (۱۹۹/۱) نے کی ہے، اور اس کی اصل مسلم

ہے، یہ اس لئے کہ نجاست سے انتفاع حرام ہے، اور جب جانور کو نجاست پلانا حرام ہے تو اس کا کھلانا بھی حرام ہوگا^(۱)۔

حنابلہ نے ایسی چیز ان جانوروں کو کھلانے کی اجازت دی ہے جن کے گوشت کا کھانا جائز نہیں ہے، حلال جانور کو کھلانے کی اجازت نہیں دی ہے، البتہ اگر حلال جانور کو کھلا دے گا تو تین دن تک ذبح نہیں کرے گا، جیسا کہ جلالہ کا حکم ہے، چنانچہ امام احمد سے پوچھا گیا کہ کسی نانباتی نے روٹی پکائی اور اس میں سے کچھ فروخت کر دیا پھر جس پانی سے آٹا گوندھا تھا اس میں دیکھا کہ ایک چوہیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ روٹی کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرے اور اگر فروخت کر دیا ہے تو اس کو واپس لے لے اور اگر خریدار کو نہیں جانتا تو اس کا ثمن صدقہ کر دے اور روٹی حرام جانوروں کو کھلا دے، حلال جانور کو نہ کھلائے البتہ اس کو کھلا دے گا تو تین دن ذبح نہ کرے گا جیسا کہ جلالہ کا حکم ہے^(۲)، انہوں نے کہا کہ یہ مردار کے درجہ میں نہیں ہے، بلکہ اس میں اشتباہ ہو گیا ہے، ان سے کہا گیا کہ وہ حجام کی کمائی کے درجہ میں ہے جو اونٹ کو کھلا دیتا ہے، انہوں نے جواب دیا: یہ میرے نزدیک اس سے بھی سخت ہے، غلام کو نہیں کھلائے گا البتہ جانوروں کو کھلا دے گا، ان سے پوچھا گیا کہ اس کی دلیل کیا ہے تو فرمایا کہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے: ”أن قوما اختبزوا من آبار الذين مسحوا، فأمرهم رسول الله ﷺ أن يهرقوا ما استقوا من بناها، وأن يعلفوا الإبل العجین، وأمرهم أن يستقوا من البئر التي كان ترددها الناقة“^(۳) (جن لوگوں کی صورتیں مسخ کر دی گئی تھیں ان کے کنوؤں سے کچھ لوگوں نے روٹی

(۱) العنايه بهامش فتح القدير ۱۵۷/۸ طبع المطبعة الكبرى الأميرية ۱۳۱۸ھ۔

(۲) المغنی لابن قدامع الشرح ۱۱/۸۸ دارالکتب العربیہ۔

(۳) حدیث: ”فأمرهم رسول الله ﷺ أن يهريقوا.....“ کی تخریج فقرہ ۴۴ میں گزر چکی ہے۔

نجاست ۵۱

(پیشاب سے بچو) مطلق ہے، پانی میں اس سے بچنا ممکن ہے، البتہ کھانے اور کپڑے میں اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، لہذا ان دونوں میں معاف ہے۔

اسی طرح چھوٹے لڑکے اور لڑکی کا پیشاب بھی نجاست غلیظہ ہے، خواہ وہ کھانا کھاتے ہوں یا نہ کھاتے ہوں، اس لئے کہ مذکورہ بالا حدیث میں کوئی تفصیل نہیں ہے، حضرت علیؓ کی حدیث میں، جو بچے ابھی نہیں کھاتے ہوں ان کے پیشاب کے بارے میں نضح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”ینضح بول الغلام، ویغسل بول الجارية“^(۱) (بچے کے پیشاب کو ہلکے سے دھویا جائے گا اور بچی کے پیشاب کو (اہتمام سے) دھویا جائے گا)، لفظ نضح دھونے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، حضرت مقداد بن الاسود نے جب آپ ﷺ سے مزی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ان کو کہا: ”توضأ وانضح فرجک“^(۲) (وضو کرو اور اپنی شرم گاہ کا نضح کرو) یعنی اس کو دھو دو، لہذا اس حدیث میں بھی نضح کا معنی دھونا ہوگا، تاکہ دونوں حدیثوں میں موافقت ہو جائے۔

اس پر فقہاء حنفیہ کا اتفاق ہے کہ پالتو بطخ اور مرغی کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے^(۳)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ کتا یا سور یا ان دونوں سے پیدا شدہ یا ان میں سے کسی ایک سے پیدا شدہ جانور کے کسی چیز سے ملنے سے جو نجس

(اگر تر ہو تو اس کو دھو دو اور خشک ہو تو اس کو کھرچ دو) نیز نبی کریم ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر سے ارشاد فرمایا: ”إنما یغسل الثوب من خمس: و ذکر منها المنی“^(۱) (کپڑے کو پانچ چیزوں کی وجہ سے دھویا جائے گا، آپ نے ان میں سے منی کا ذکر کیا) اگر بدن میں لگ جائے اور خشک ہو جائے تو حسن نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ کھرچنے سے پاک نہ ہوگا اور کرنی نے کہا ہے کہ پاک ہو جائے گا، اس لئے کہ اس میں عموم بلوی ہے، اور کھرچنے پر اکتفاء کرنا اس کی طہارت کی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ امام ابوحنیفہ سے صحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ وہ فرک کے قائل نہیں ہیں نماز اس میں جائز ہے اگر اس کو پانی لگ جائے گا، تو امام صاحب کے نزدیک اس کی نجاست لوٹ آئے گی، اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

یہی حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام جانور کے پالنے اور پیشاب کا ہے، اس لئے کہ ان کی نجاست نص سے ثابت ہے، اور اس کے خلاف کوئی دوسری نص موجود نہیں ہے، لید کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ھی رجس“^(۲) (وہ گندگی ہے) گو بر بھی اسی کے مثل ہے، نیز اس لئے کہ وہ بدل کر بدبودار اور فاسد ہو گیا ہے، وہ جانور سے جدا ہوتا ہے، اس سے بچنا ممکن بھی ہے، لہذا آدمی کی طرح ہوگا۔

یہی حکم چوہیا کے پیشاب اور اس کے پالنے کا ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد: ”استنزهوا من البول“^(۳)

= (۲۳۸/۱) میں ہے۔

(۱) حدیث: ”إنما یغسل الثوب من خمس.....“ کی تخریج فقرہ ۱۷۱ میں گذر چکی ہے۔

(۲) حدیث: ”ھی رجس“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲۵۶/۱ طبع السلفیہ) اور ابن ماجہ (۱۱۴/۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کی ہے، اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں، ”هذا رفس“ (کاف کے ساتھ)۔

(۳) حدیث: ”استنزهوا من البول.....“ کی تخریج فقرہ ۲۶۱ میں گذر چکی ہے۔

(۱) حدیث: ”ینضح بول الغلام.....“ کی روایت ابوداؤد (۲۶۳/۱ طبع حمص) اور ترمذی (۵۰۹/۲ طبع التجاریہ الکبری) نے کی ہے، اور ابن حجر نے التلخیص (۱۸۷/۱ طبع دارالکتب العلمیہ) میں اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔

(۲) حدیث: ”توضأ وانضح فرجک“ کی روایت مسلم (۲۲۷/۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

(۳) الاختیار شرح المختار ۳۲، ۳۳، ۳۵، ۳۶ طبع مصطفیٰ الحلی ۱۹۳۶۔

نجاست ۵۲

سے مانع نہ ہوگی، اس لئے کہ شریعت کے بعض احکام میں چوتھائی کو کل کے قائم مقام رکھا گیا ہے، مثلاً سرکامسح اور اس کا حلق کرانا، پھر ایک قول ہے کہ پورے کپڑے کی چوتھائی مراد ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ کپڑے کے جس حصہ میں نجاست لگی ہے اس کی چوتھائی مراد ہے جیسے آستین اور دامن وغیرہ، امام ابو یوسف کے نزدیک ایک مربع بالشت ہے، اور امام محمد کے نزدیک ایک مربع ذراع ہے، امام محمد سے ایک روایت ہے کہ دو قدم کی جگہ ہے، اور مختار چوتھائی ہے، امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، مبتلی بہ کی رائے پر متوقف ہے، اس لئے کہ زیادہ سمجھنے میں لوگوں کے خیالات الگ الگ ہوتے ہیں^(۱)۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک نجاستوں میں لید اور گوبر نجاست خفیفہ ہیں، اس لئے کہ راستوں میں عموم بلوی ہے اور اس کی نجاست میں اختلاف بھی ہے^(۲)۔

حلال جانور کا پیشاب، گھوڑے کا پیشاب، مچھلی کا خون، خچر اور گدھے کا لعاب، حرام پرندوں کی بیٹ، نجاست خفیفہ ہے، امام محمد کے نزدیک حلال جانور کا پیشاب پاک ہے، اس لئے کہ عربین کی حدیث میں ہے کہ عربینہ کے کچھ لوگ مدینہ میں آئے، مدینہ کی آب و ہوا ان کو راس نہیں آئی، ان کے رنگ زرد ہو گئے، ان کے پیٹ پھول گئے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ باہر صدقہ کے اونٹ کے پاس جائیں اور ان کے دودھ اور پیشاب پیئیں، وہ لوگ نکلے، اور پیا اور تندرست ہو گئے^(۳)، اگر اونٹ کا پیشاب ناپاک ہوتا

ہو وہ نجاست غلیظہ ہے^(۱)۔

مالکیہ کے نزدیک نجس (نجاست) وہ ہے جس کی ذات ہی ناپاک ہو جیسے پیشاب، پاؤں وغیرہ اور متنجس (ناپاک) وہ ہے جو اصل میں پاک ہو مگر اس میں نجاست لگ گئی ہو^(۲)۔

نجاست سے طہارت حاصل کرنے کے اعتبار سے حنابلہ نے اس کی تین قسمیں کی ہیں:

اول: کتا، سورا اور ان دونوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے پیدا شدہ جانور کی نجاست، اس کو سات بار دھونے سے پاک ہوگا جس میں ایک بار مٹی سے دھویا جائے گا۔

دوم: جو بچہ ابھی کھانا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب کی نجاست، یہ پیشاب جہاں لگ گیا ہو اس کو پانی میں ڈبو دینے سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

سوم: ان دونوں کے علاوہ جو ناپاک ہوں وہ سات بار صاف صاف دھونے سے پاک ہو جائیں گے، اس میں مٹی سے دھونا ضروری نہیں ہے^(۳)۔

نجاست خفیفہ:

۵۲۔ جس نجاست کی طہارت و نجاست کے بارے میں دو متعارض نص ہوں امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ نجاست خفیفہ ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جس کی نجاست میں اختلاف ہو وہ نجاست خفیفہ ہے، اس لئے کہ اجتهاد نص کی طرح حجت شرعی ہے۔

نجاست خفیفہ جب تک چوتھائی کپڑے تک نہ پہنچ جائے نماز

(۱) الاختیار شرح المختار ۱/۳۰، طبع مصطفیٰ الحلیمی ۱۹۳۶ء۔

(۲) الاختیار شرح المختار ۱/۳۱، طبع مصطفیٰ الحلیمی ۱۹۳۶ء۔

(۳) حدیث: "أمر رسول الله ﷺ بأن يخرجوا إلى إبل الصدقة

ويشربوا من ألبانها وأبوالها" کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۳۳۵ طبع

السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۲۹۶ طبع عیسیٰ الحلیمی) نے حضرت انسؓ سے کی ہے۔

(۱) معنی المحتاج ۱/۸۳۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۶۰۔

(۳) کشاف القناع ۱/۱۸۳، ۱۸۹، شرح تہذیبی الإرادات ۱/۱۰۱، ۹۷۔

نجاست ۵۲

ویرش من بول الغلام“ (۱) (بچی کے پیشاب کو دھویا جائے اور بچہ کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے) خنثی بھی بچی کے حکم میں ہے۔
شافیہ کے نزدیک ایک تیسری قسم ہے، اور وہ نجاست متوسطہ ہے، یہ نجاست غلیظہ و خفیہ کے علاوہ ہے۔

اگر عین نہ ہو یعنی اس کے وجود کا تو یقین ہو مگر اس کا رنگ، بو اور مزہ کچھ بھی محسوس نہ ہو تو اس سے طہارت حاصل کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ محل نجاست پر چھڑکاؤ سے زیادہ پانی ڈال دیا جائے کہ بہہ جائے۔ اور اگر عین موجود ہو تو اس کے عین کو دور کرنے کے بعد اس کے بو اور مزہ کو دور کرنا بھی ضروری ہے، خواہ اس میں زحمت کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کا باقی رہنا عین کے باقی رہنے کی علامت ہے۔
اور اگر رنگ یا بو کو دور کرنا دشوار ہو تو اس کا باقی رہنا مضر نہ ہوگا، اور مشقت کی وجہ سے محل پاک ہو جائے گا، البتہ اگر آسانی سے دور ہو سکے تو اس کا باقی رہنا مضر ہوگا، کیونکہ یہ عین کے باقی رہنے کی علامت ہے۔

بو کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس کا باقی رہنا مضر ہے، نووی نے کہا ہے کہ اگر دونوں ایک ساتھ ایک جگہ باقی رہیں تو صحیح قول کے مطابق مضر ہوں گے، اس لئے کہ اس صورت میں عین کے باقی رہنے کی علامت زیادہ قوی ہوگی دوسرا قول یہ ہے کہ مضر نہیں، کیونکہ اگر یہ دونوں الگ الگ ہوں تو مضر نہ ہوں گے، تو اسی طرح ایک ساتھ ہونے کی صورت میں بھی مضر نہ ہوں گے (۲)۔

نجاست سے طہارت حاصل کرنے کے اعتبار سے حنا بلہ نے

(۱) حدیث: ”یغسل من بول الجارية ویرش.....“ کی روایت ابوداؤد بیہقی (اسنن الکبریٰ ۵/۱۰ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ) نے حضرت ام سلمہؓ سے کی ہے، اور بیہقی نے مجمع الزوائد (۸۶/۵ طبع القدسی) میں کہا ہے کہ ابو یعلیٰ اور بزار نے اس کی روایت کی ہے ابو یعلیٰ کے رجال حسان بن خارق کے علاوہ صحیح کے رجال ہیں، ابن حبان نے حسان کو ثقہ کہا ہے۔

(۲) مغنی المحتاج ۱/۸۵۔

تو اس کے حرام ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اس کے پینے کا حکم ہرگز نہ دیتے، حالانکہ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إن الله لم يجعل شفاء کم فیما حرم علیکم“ (۱) (اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو تم پر حرام کیا ہے ان میں اس نے تمہارے لئے شفا نہیں رکھی ہے)۔

امام محمد کے نزدیک گھوڑے کا پیشاب پاک ہے، مچھلی کا خون دراصل خون نہیں ہے، اس لئے کہ وہ دھوپ میں سفید ہو جاتا ہے، امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ وہ نجس ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ نجاست خفیہ ہے، خنجر اور گدھے کا لعاب نصوص کے تعارض کی وجہ سے نجاست خفیہ ہے، حرام پرندوں کی بیٹ اس لئے نجاست خفیہ ہے کہ اس میں عموم بلوی ہے، اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ وہ فضاء میں بیٹ کر دیتے ہیں، امام محمد سے منقول ہے کہ حرام پرندوں کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے، اس لئے کہ یہ پرندے لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتے ہیں، لہذا عموم بلوی نہیں ہے (۲)۔

جو بچہ ابھی دو سال کا نہ ہوا ہو اور ابھی دودھ کے علاوہ کچھ نہ کھاتا ہو تو شافیہ کے نزدیک صرف اس کا پیشاب نجاست خفیہ ہے، لڑکی اور خنثی کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے، اس لئے کہ جہاں بچہ کا پیشاب لگ جائے اور اس کو پاک کرنے کا ارادہ ہو تو پیشاب لگے ہوئے پر پانی چھڑک دیا جائے گا جو پوری نجاست پر پھیل جائے اگرچہ نہ بہے، لیکن بچی اور خنثی مشکل کا پیشاب جہاں لگ جائے اس کو دھونا واجب ہے، اور دھونا اس وقت ہوگا جب پانی بہہ جائے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”یغسل من بول الجارية

(۱) حدیث: ”إن الله لم يجعل شفاء کم فیما حرم علیکم“ کی روایت بیہقی (اسنن الکبریٰ ۵/۱۰ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ) نے حضرت ام سلمہؓ سے کی ہے، اور بیہقی نے مجمع الزوائد (۸۶/۵ طبع القدسی) میں کہا ہے کہ ابو یعلیٰ اور بزار نے اس کی روایت کی ہے ابو یعلیٰ کے رجال حسان بن خارق کے علاوہ صحیح کے رجال ہیں، ابن حبان نے حسان کو ثقہ کہا ہے۔

(۲) الاختیار شرح الفقار ۳۳ طبع مصطفیٰ الحلی ۱۹۳۶ء۔

نجاست ۵۳

اس کی تین قسمیں کی ہیں: اول کتا، سوران دونوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے پیدا شدہ جانور کی نجاست، اس کو سات بار دھونے سے طہارت حاصل ہوگی، جس میں ایک بار مٹی سے دھویا جائے۔

دوم: جو بچہ ابھی کھانا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب کی نجاست، یہ پیشاب جہاں لگ جائے اس کو پانی میں ڈبو دینے سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

سوم: ان دونوں کے علاوہ جو ناپاک ہوں سات بار صاف صاف دھونے سے پاک ہو جائیں گے، اس میں مٹی سے دھونا ضروری نہیں ہے^(۱)۔

ج۔ جو نجاست معاف ہیں:

۵۳۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ نجاست غلیظہ میں چند امور معاف ہیں: نجاست غلیظہ اگر گاڑھی ہو تو ایک درہم کے وزن کے بقدر معاف ہے، اس کی مقدار بیس قیراط بتائی گئی ہے، اور اگر نجاست پتلی یا سیال ہو تو ایک درہم کی پیمائش کے بقدر معاف ہے، اس کی مقدار انگلیوں کے جوڑ کے اندر ہتھیلی کی گہرائی کے برابر بتائی گئی ہے، شارع کی طرف سے اس کے معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی، ورنہ اگر ایک درہم کے بقدر ہو تو بلا جماع مکروہ تحریمی ہے، اگر اس سے کم ہو تو مکروہ تنزیہی ہوگی۔

بلی اور چوہیا کا پیشاب اور ان دونوں کا پاؤں نہ جن چیزوں میں مجبوری ظاہر ہو معاف ہے، لہذا اگر گندم میں چوہیا کا پاؤں نہ ہو اور اتنا زیادہ بھی نہ ہو کہ اس کا اثر ظاہر ہو تو معاف ہوگا، اگر اس کا پیشاب کنویں میں گر جائے تو ضرورت کی وجہ سے معاف ہوگا، اس کے برخلاف اگر اس کا پیشاب یا پاؤں نہ مثلاً کسی کپڑا یا برتن میں لگ جائے

(۱) کشف القناع ۱/ ۱۸۳، ۱۸۹، شرح منہجی الإرادات ۱/ ۱۰۱، ۹۷۔

تو معاف نہ ہوگا، اس لئے کہ یہاں بچنا ممکن ہے، بلی کا پیشاب اگر کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو ضرورت کی وجہ سے معاف ہوگا اس کے برخلاف اس کا پیشاب پاؤں نہ کپڑے کے علاوہ اگر کسی دوسری چیز میں لگ جائے تو معاف نہ ہوگا۔

نجاست کی بھاپ اور گوبر کا غبار معاف ہے، لہذا اگر پاؤں نہ پر ہوا چلے اور کپڑے کو لگے تو کپڑا ناپاک نہ ہوگا البتہ اگر نجاست کا اثر کپڑے پر ظاہر ہوگا تو ناپاک ہو جائے گا، ایک قول یہ ہے کہ اگر تر ہوگا تو ناپاک ہو جائے گا، اس لئے کہ نجاست اس کے ساتھ متصل ہو جائے گی۔

پیشاب کی چھینٹ اگر سوئی کی نوک کی طرح باریک ہو کہ نظر نہ آئے تو معاف ہے، اگر چہ پورے بدن یا پورے کپڑے پر ہو، اس لئے کہ ضرورت کی وجہ سے وہ کالعدم سمجھا جائے گا، اسی طرح جو خون قصاب کو لگ جاتا ہے، ضرورت کی وجہ سے اس کے حق میں معاف ہے، لیکن اگر کسی کپڑے پر چھینٹ لگے اور وہ کپڑا قلیل پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، اس لئے کہ اس وقت کوئی ضرورت نہیں ہے، اسی کے مثل اس مکھی کا اثر بھی ہے جو کسی نجاست پر بیٹھے پھر نمازی کے کپڑے پر بیٹھ جائے تو معاف ہے۔

میت کا غسل (دھون) اگر نہلانے والے کو لگ جائے کہ اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو جب تک نہلانے میں رہے گا، معاف ہوگا۔

شاہراہ کا کچھڑ، اگرچہ نجاست مخلوط ہو جب تک نجاست کی ذات نظر نہ آئے معاف ہے۔

نجاست کے خفیفہ ہونے کا اثر غیر سیال چیز میں ظاہر ہوگا، اس لئے کہ اگر سیال چیز میں نجاست پڑ جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گی، اس میں غلیظہ اور خفیفہ کا کوئی فرق نہ ہوگا، نہ اس میں وزن یا مساحت کا کوئی اعتبار ہوگا۔

اونٹ اور بکری کی مینگی اگر کنویں یا برتن میں گر جائے تو معاف ہے، البتہ اگر بہت زیادہ ہو، یا ٹوٹ جائے اور جس چیز میں گری ہے

نجاست ۵۴

اس میں اس کا رنگ ظاہر ہو جائے تو معاف ہوگی۔
 لگ جائے وہ معاف ہے، البتہ ان کو نماز کے لئے دوسرا کپڑا رکھنا
 مندوب ہے۔
 قلیل مقدار جو معاف ہے، وہ ہے جس کو دیکھنے والا قلیل سمجھے،
 اس کا برعکس کثیر کہلائے گا۔

ہ۔ نمازی کے بدن یا اس کے کپڑے یا اس کی جگہ پر اس کا یا کسی
 دوسرے کا خون لگ جائے، جس کا خون لگا ہے وہ آدمی ہو یا کوئی جانور
 ہو، خواہ سور کیوں نہ ہو، معاف ہے، بشرطیکہ اس کی مقدار بغلی درہم کی
 مقدار سے زیادہ نہ ہو، بغلی درہم سے مراد وہ کالا دائرہ ہے جو نچر کے
 اگلے پیر میں ہوتا ہے، وزن کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس سلسلہ میں
 خون کی طرح پیپ بھی ہے، اس میں خون کی آمیزش ہو یا نہ ہو۔
 گدھے کی لید، گائے اور ہاتھی کا گو بر ضرورت اور عموم بلوی کی
 حالت میں معاف ہے، خواہ خشک ہو یا تر ہو^(۱)۔

۵۴۔ مالکیہ نے جن نجاستوں کو معاف قرار دیا ہے، وہ مندرجہ ذیل
 ہیں:

الف۔ نجاست کا از خود بہہ جانا، مثلاً پیشاب یا پالہ، یا مذی
 یا ودی یا منی میں سے کوئی اگر از خود بہہ جائے تو اس کو بدن سے یا کپڑا
 یا اس جگہ سے دھونا جہاں سے دوسری جگہ منتقل ہونا ممکن نہ ہو، واجب
 نہ ہوگا، اگرچہ روزانہ ایک بار ہی پیش آئے۔
 ب۔ بواسیر کی تری اگر مریض کے ہاتھ یا کپڑے میں لگ
 جائے، خواہ روزانہ ایک ہی بار ہو تو معاف ہے، مگر ہاتھ کا دھونا معاف
 نہ ہوگا، البتہ اگر روزانہ دو بار سے زیادہ ہاتھ میں لگ جائے تو معاف
 ہوگا، کپڑے اور بدن میں روزانہ ایک مرتبہ ہونا کافی ہے، لیکن ہاتھ
 کے بارے میں روزانہ دو بار سے زیادہ ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ
 اگر زیادہ نہ ہو تو ہاتھ کا دھونا دشوار نہیں ہے، اس کے برخلاف کپڑے
 اور بدن کو دھونا دشوار ہے۔

ب۔ بواسیر کی تری اگر مریض کے ہاتھ یا کپڑے میں لگ
 جائے، خواہ روزانہ ایک ہی بار ہو تو معاف ہے، مگر ہاتھ کا دھونا معاف
 نہ ہوگا، البتہ اگر روزانہ دو بار سے زیادہ ہاتھ میں لگ جائے تو معاف
 ہوگا، کپڑے اور بدن میں روزانہ ایک مرتبہ ہونا کافی ہے، لیکن ہاتھ
 کے بارے میں روزانہ دو بار سے زیادہ ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ
 اگر زیادہ نہ ہو تو ہاتھ کا دھونا دشوار نہیں ہے، اس کے برخلاف کپڑے
 اور بدن کو دھونا دشوار ہے۔
 ج۔ دودھ پلانے والی عورت کے بدن یا کپڑے پر بچہ کا
 پیشاب پالہ نہ لگ جائے تو معاف ہے، اگرچہ اس کا بچہ نہ ہو، اگر بچہ
 کے پیشاب پالہ نہ کرتے وقت اس سے بچنے کی کوشش کر لے، لیکن
 اس کے لئے مندوب یہ ہے کہ نماز کے لئے دوسرا کپڑا رکھے۔
 د۔ ذبح کرنے والے، بیت الخلاء کا پالہ نہ نکالنے والے، اور
 زخموں کا علاج کرنے والے طبیب کے بدن یا کپڑے پر جو نجاست

ح۔ پچھنا لگانے کے بعد اس کی جگہ کو کپڑا وغیرہ سے صاف

کر دیا جائے مگر خون کا اثر باقی رہ جائے تو زخم کے اچھا ہونے تک وہ
 معاف ہے، اچھا ہونے کے بعد اس کو دھوئے گا۔

ط۔ بارش کے پانی اور کچھڑ میں نجاست مل گئی ہو، اور یہ راستہ
 میں موجود ہو، خواہ بارش ختم ہوگئی ہو، اگر کسی کے بدن یا کپڑے پر لگ
 جائے تو تین شرطوں کے ساتھ معاف ہے:

اول: ملی ہوئی نجاست کچھڑ یا پانی سے حقیقت میں یا غالب
 گمان میں زیادہ نہ ہو۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲۱۰، مراقی الفلاح ص ۸۴، ۸۵، ۱۸۸، ۱۹۰۔

نجاست ۵۵

ہے، خواہ آگ نے نجاست کو پوری طرح جلا دیا ہو یا نہیں۔
البتہ ظاہر مذہب کے مطابق نجاست کا دھواں ناپاک ہے، اسی
کو لُحْمی، تونسی، مازری، ابوالحسن اور ابن عرفہ نے مختار کہا ہے، بعض
لوگوں نے کہا ہے کہ یہی مشہور ہے، ابن رشد کے نزدیک راکھ کی طرح
نجاست کے دھواں کا پاک ہونا مختار ہے^(۱)۔

انہوں نے کہا ہے کہ عورت کے خشک کپڑے کے دامن سے
نجس کا غبار لگ جائے تو وہ معاف ہے^(۲)۔

۵۵- شافیہ نے کہا ہے کہ چند چیزیں معاف ہیں:

جو نجاست معتدل بینائی کے ذریعہ محسوس نہ ہو سکے، خواہ
نجاست غلیظہ ہو۔

پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد محل پر باقی رہ جانے والا اثر اس
آدمی کے حق میں معاف ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”استنجاء“ (فقہہ ۲۳)۔

اسی قبیل سے سڑک کی وہ کچھڑ ہے جس میں واقعی نجاست ملی
ہوئی ہو، لیکن اگر اس مٹی کی نجاست میں شک یا گمان ہو تو وہ پاک
ہے، معاف شدہ نجس نہیں ہے، چند شرطوں کے ساتھ ہی نجاست
معاف ہوتی ہے۔

اول: اس پر نجاست ظاہر نہ ہو۔

دوم: گزرنے والا اس نجاست سے بچنے کی پوری کوشش کرے
یعنی اپنے کپڑے کے کنارہ کو نہ لٹکائے، جہاں چھینٹ اڑ رہی ہو،
ادھر نہ جائے۔

سوم: پیدل یا سواری یا چلتے ہوئے اس کو نجاست لگ جائے،
لیکن اگر زمین پر گر جائے اور اس کے کپڑے آلودہ ہو جائیں تو

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۵۸، ۵۷۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۷۴۔

دوم: پانی یا کچھڑ کے بجائے صرف نجاست نہ لگے۔
سوم: اس پانی یا کچھڑ کے لگنے میں اس شخص کے عمل کو دخل نہ ہو،
مثلاً کچھڑ اور پانی سے خالی راستہ کو چھوڑ کر ایسا راستہ اختیار کرے جس
میں پانی اور کچھڑ ہو۔

ی۔ ایک سے زائد پھوڑوں سے بہنے والی پیپ، خواہ خود بنے یا
اس کو نچوڑا جائے، اگرچہ بلا ضرورت نچوڑا جائے، اس لئے کہ
پھوڑوں کی کثرت سے غالب گمان ہوتا ہے کہ ان کو نچوڑنے کی
ضرورت ہے، لہذا اس سے جو بنے گا معاف ہوگا، اگرچہ درہم کی
مقدار سے زائد ہو، اور اگر ایک پھوڑا ہو تو جو خود بنے گا یا ضرورت کی
وجہ سے نچوڑا جائے گا، وہ معاف ہے اور جو بلا ضرورت نچوڑا جائے گا
وہ معاف نہ ہوگا البتہ اگر درہم سے کم ہو تو وہ بھی معاف ہوگا۔

ک۔ پسوکی بیٹ اگرچہ زیادہ ہو اور اگرچہ اس نے بہتا ہوا خون
پیایا ہو نجس ہے مگر معاف ہے، رہا اس کا خون تو وہ دوسرے خون کی طرح
ہے، درہم بغلی سے زائد ہوگا تو معاف نہ ہوگا جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

ل۔ سونے والے کے منہ سے نکلنے والا پانی اگر معدہ سے نکل
رہا ہو، یعنی زرد اور بدبودار ہو تو نجس ہے، لیکن اگر برابر نکلتا ہو تو اس
شخص کے حق میں معاف ہے۔

م۔ مردار کھٹل اگر تین یا اس سے کم ہوں تو معاف ہے۔

ن۔ پالانہ و پیشاب کے راستہ سے پتھر وغیرہ کے ذریعہ
عین نجاست دور کر دی جائے اور اس کا اثر باقی رہ جائے تو وہ معاف
ہے، جب تک زیادہ پھیلی ہوئی نہ ہو، اگر پھیل گئی ہو تو پانی سے اس کو
دھونا متعین ہے، اسی طرح عورت کی پیشاب گاہ سے نجاست کو دور
کرنے کے لئے پانی کا استعمال کرنا متعین ہے^(۱)۔

ان کے نزدیک معتد قول یہ ہے کہ نجاست کی راکھ مطلقاً پاک

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۷۸، ۷۷۔

نجاست ۵۶

معاف نہ ہوگا، اس لئے کہ ایسا واقعہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

چہارم: نجاست کپڑا یا بدن میں ہو۔

ان کے نزدیک گوشت اور اس کی ہڈی پر باقی رہنے والا خون معاف ہے، ایک قول ہے کہ وہ پاک ہے، اکلیمی اور ایک جماعت کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناپاک ہے، مگر معاف ہے، یہی ظاہر مذہب ہے جیسا کہ شربینی اخطیب نے کہا ہے۔

اسی قبیل سے نجاست کا دھواں ہے، وہ ناپاک ہے مگر عرف میں کم ہو تو معاف ہے۔

نجاست کی بھاپ اگر آگ کی وجہ سے اوپر آئے تو ناپاک ہے، اس لئے کہ آگ اپنی قوت سے نجاست کے اجزاء کو جدا کر دیتی ہے، لیکن اگر کم ہو تو معاف ہے، اگر آگ کے واسطے سے نہ ہو، مثلاً بیت الخلاء کی نجاست سے نکلنے والی بھاپ ہو تو پاک ہے۔

زرکشی نے صراحت کی ہے کہ خشک نجاست کا غبار پاک ہے۔ سونے والے کے منہ سے بہنے والا پانی اگر معدہ سے نکلا ہو مثلاً بدبودار زرد نکلے تو ناپاک ہے، (مگر معاف ہے) اگر معدہ سے نہ نکلا ہو یا معدہ سے ہونے میں شک ہو تو پاک ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر اس میں تغیر ہو گیا ہو تو ناپاک ہوگا، ورنہ پاک ہوگا، اگر اس کی کثرت کی وجہ سے کوئی اس میں مبتلا ہو تو ”الروضہ“ میں کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ معاف ہے^(۱)۔

۵۶- حنا بلہ کی رائے ہے کہ نجاست غلیظہ محل نجاست کی وجہ سے تین جگہوں میں معاف ہے:

اول: محل استنجاء، پتھر سے استنجاء کرنے میں صفائی اور عدد کے مکمل کرنے کے بعد اس کا اثر باقی رہ جائے تو وہ معاف ہے۔

دوم: اگر موزہ یا جوتے کے نیچے نجاست لگ جائے اور اس کو

زمین پر رگڑ دے کہ نجاست کی ذات دور ہو جائے تو اس میں تین روایات ہیں، ایک یہ کہ اس پر رگڑ دینا کافی ہے، یہی پہلی روایت ہے، جیسا کہ ابن قدامہ نے کہا ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ دوسری تمام نجاستوں کی طرح اس کو بھی دھونا واجب ہے، تیسری روایت یہ ہے کہ پیشاب و پاؤں سے اس کو دھونا واجب ہے، ان کے علاوہ دوسری نجاستوں سے دھونا ضروری نہیں ہے۔

سوم: اگر اس کی ہڈی میں ناپاک ہڈی جوڑی جائے اور وہ جڑ جائے تو اگر ضرر کا اندیشہ ہو تو اس کو اکھاڑنا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اندر رہنے والی نجاست ہے، اور اس کو دور کرنے میں ضرر ہے، لہذا وہ رگ میں موجود خون کے مشابہ ہوگی۔

تھوڑا خون و پیپ بھی معاف ہے، تھوڑا وہ ہے جس کو انسان خود تھوڑا سمجھے، اور تھوڑا صرف اس وقت معاف ہے جبکہ وہ کسی سیال یا کھانے کی چیز میں نہ ہو۔

سلس البول کی صورت میں پوری طرح تحفظ کے بعد جو تھوڑا بہت پیشاب نکل آئے تو وہ معاف ہے، کیونکہ اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔ نجاست کا دھواں، اس کا غبار اور بھاپ جب تک اس میں نجاست کی صفت ظاہر نہ ہو، معاف ہے۔

جو نجاست معاف ہے اگر تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

جو نجاست کسی آدمی کی آنکھ میں لگ جائے اور اس کے دھونے میں ضرر ہو تو معاف ہے۔

سڑک کے کچھڑ میں جس کا ناپاک ہونا نجاست کے ملنے کی وجہ سے یقینی ہو، اگر اس کا تھوڑا سا حصہ لگ جائے تو معاف ہے^(۱)۔

(۱) المغنی مع الشرح الکبیر ۱/۲۵، ۲۹، ۷۲، المغنی ۱/۴۱۱، ۴۱۲، طبع دار الفکر، شرح منہجی الارادات ۱/۱۰۲، ۱۰۳، کشف القناع ۱/۱۹۲۔

(۱) مغنی المحتاج ۱/۷۹، ۸۱، ۱۹۲، المغنی فی القواعد ۳/۲۶۶۔

نجش ۱-۴

اس سے کم قیمت میں طلب کرے، اور سوم و نجش میں تعلق یہ ہے کہ
ناجش خریداری کا خواہش مند نہیں ہوتا ہے، اور مساوم (بھاؤ کرنے
والا) اس کا خواہش مند ہوتا ہے۔

نجش

ب- مزایدہ (نیلامی کی بولی بولنا):

۳- لغت میں مزایدہ کا معنی ہے: بیع کے لئے پیش کردہ سامان کی
قیمت میں اضافہ کرنے میں مقابلہ کرنا^(۱)۔

اصطلاح میں مزایدہ یہ ہے کہ سامان پر زیادہ بولی لگانے کا
اعلان کیا جائے اور لوگ ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر قیمت میں
اضافہ کریں، سب سے زائد قیمت پر بولی بند ہو جائے، اور وہ شخص
سامان لے لے لے^(۲)۔

مزایدہ اور نجش میں تعلق یہ ہے کہ نجش کرنے والا خریداری کا
ارادہ نہیں رکھتا ہے، جبکہ نیلامی بولنے والا خریداری کا ارادہ رکھتا ہے۔

شرعی حکم:

۴- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ نجش حرام ہے، اس لئے کہ نبی کریم
ﷺ کا ارشاد ہے: ”لاتلقوا الرکبان ولایبع بعضکم علی

بیع بعض ولا تناجشوا ولایبع حاضر لباد ولاتصروا
الغنم“^(۳) (تجارتی قافلوں سے آگے بڑھ کر نہ ملو، تم میں سے کوئی
دوسرے کی بیع پر بڑھ کر بیع نہ کرے، نجش نہ کرو، کوئی شہری کسی دیہاتی
کے لئے بیع نہ کرے، اور دودھ زیادہ معلوم ہونے کے لئے بکری کے

(۱) القاموس المحیط، تاج العروس، معجم مقاییس اللغة، المعجم الوسیط۔

(۲) القوانین الفقہیہ، ۲۹۰، فتح القدیر، ۱۰۸، الدرر السنی، ۱۵۹، مغنی المحتاج
۳۷۲۔

(۳) حدیث: ”لاتلقوا الرکبان“ کی روایت بخاری (فتح الباری، ۳/۳۶۱ طبع
السلفیہ) اور مسلم (۱۱۵۵/۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے،
اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

تعریف:

۱- لغت میں نجش کا ایک معنی جوش دلانا، کھود کرید کرنا ہے، نجش (جیم
کے سکون کے ساتھ) مصدر ہے، اور اس کے زبر کے ساتھ ہو تو اسم
مصدر ہے، وہ یہ ہے کہ خریداری کے ارادہ کے بغیر محض دوسرے کو
دھوکہ دینے کے لئے سامان کی قیمت میں اضافہ کیا جائے اور وہ دھوکہ
کھا جائے، ایسا ہی نکاح وغیرہ میں بھی ہوتا ہے، اسم فاعل ناجش
ہے، مبالغہ کا صیغہ نجاش ہے، لاتناجشوا کا معنی ہے کہ ایسا نہ
کرو^(۱)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- سوم (بھاؤ کرنا):

۲- سوم لغت میں سام البائع السلعة سوماً سے ماخوذ ہے، یعنی
فروخت کے لئے سامان کو پیش کرنا اور قیمت بتلانا، سامہا
المشتری واستامہا کا معنی اس کی بیع طلب کرنا ہے^(۳)۔

اصطلاح میں معنی یہ ہے کہ بائع اپنے سامان کو کسی قیمت کے
عوض پیش کرے اور جو آدمی اس کے خریدنے کا خواہشمند ہو وہ اس کو

(۱) محیط المحیط، المصباح المنیر، لسان العرب۔

(۲) التریقات للجر جانی، قواعد الفقہ للمرکتی۔

(۳) لسان العرب، المصباح المنیر، المعجم الوسیط۔

بخش ۵-۶

نہیں ہے، البتہ اگر حرمت مخفی ہو تو اس کا حکم اس کے خلاف ہے بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گنہگار نہ ہوگا، اگرچہ علم حاصل کرنے میں کوتاہی کرے^(۱)۔

بیع نجش کا صحیح یا فاسد ہونا:

۵- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ بیع نجش صحیح ہے، اس لئے کہ نجش عاقد کا کام نہیں ہے، بلکہ ناجش کا عمل ہے، اس لئے بیع میں اس کا اثر نہ ہوگا^(۲)۔

امام احمد سے ایک روایت ہے کہ بیع نجش صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے منع کیا گیا ہے، اور نبی کا تقاضا ہے کہ وہ فاسد ہو^(۳)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ”بیع منہبی عنہ“ (فقہ ۱۲۸/۱)۔

رد کرنے میں مشتری کا اختیار:

۶- حنفیہ نے کہا ہے کہ بیع نجش میں خریدار کو اختیار ہے کہ رد کر دے یا شمن کے بدلہ میں اس کو رکھ لے، کیونکہ فساد عقد کے اندر نہیں ہے، نہ صحت کی شرطوں میں ہے بلکہ خارج میں زائد معنی کی وجہ سے ہے^(۴)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر بائع کو ناجش کے بارے میں علم ہو تو مشتری کو حق ہے کہ اگر بیع موجود ہو تو اس کو واپس کر دے یا اس کو رکھ لے، اگر بیع ختم ہوگئی ہو تو اگر چاہے تو قبضہ کے دن اس کی جو قیمت ہو وہ ادا کرے اور اگر چاہے تو نجش کا شمن ادا کرے، اور اگر بائع کو علم نہ ہو سکے تو خریدار کے لئے کلام کی گنجائش نہیں ہے، اور نہ بیع فاسد ہوگی،

تھن میں دودھ نہ روکو) نیز حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ النَّجْشِ“^(۱) (آپ ﷺ نے نجش سے منع فرمایا)۔

مالکیہ نے تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر شمن سامان کی قیمت سے زائد کر دے تو بالاتفاق ممنوع ہے، اگر قیمت سے زیادہ نہ ہو بلکہ زیادتی کی وجہ سے قیمت کے برابر ہو جائے، یا زیادتی کے باوجود قیمت سے کم رہے تو مازری کے کلام کے ظاہر کے مطابق ممنوع ہے اور امام مالک کے کلام کے ظاہر کے مطابق جائز ہے، اور ابن العربی کے کلام کے مطابق مندوب ہے، امام اور مازری کے کلام کے مطابق قیمت سے زائد ہونے کی طرح ممنوع ہے۔

اگر بائع کو ناجش کے بارے میں علم ہو پھر بھی وہ خاموش رہے اور بیع ہو جائے تو خریدار کو اختیار ہے کہ اس کو رد کر دے، اور اگر اس کو علم نہ ہو سکے تو خریدار کے لئے گفتگو کا کوئی موقع نہیں ہے اور نہ بیع فاسد ہوگی، گناہ ایسا کرنے والے کو ہوگا^(۲)۔

شافعیہ کے نزدیک خاص طور پر اس نہی کا علم ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ نجش دھوکہ ہے اور اس کا حرام ہونا ہر شخص کو معلوم ہے^(۳)۔

سبکی نے کہا ہے کہ جس کو حرام ہونے کا علم نہ ہو، وہ عند اللہ گنہگار نہ ہوگا، قاضی حضرات کے لئے ظاہر حکم کے اعتبار سے جس کی حرمت مشہور ہو اس کے کرنے والے کے لئے علم کا اعتراف کرنا ضروری

(۱) حدیث: ”نہی عن النجش“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۵۵ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۱۵۶/۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کی ہے۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ۶۸/۳، العنایہ بہامش فتح القدر ۲۳۹/۵، حاشیہ الجمل علی شرح المنج ۹۲/۳، المغنی ۲۸/۳، العنایہ بہامش فتح القدر ۲۳۹/۵، تحفہ المحتاج ۳/۳۱۶۔

(۳) حاشیہ الدسوقی ۶۸/۳، المغنی ۲۸/۳، حاشیہ الشروانی، ابن قاسم ۳/۳۱۵۔

(۴) حاشیہ الشروانی وابن قاسم ۳/۳۱۵۔

نجوم، نحاس

جس نے ایسا کیا ہے وہ گنہگار ہوگا^(۱)۔

شافیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ خریدار کو کوئی اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے کوتاہی کی ہے، نہ خود غور و فکر کیا اور نہ ماہرین کی طرف رجوع کیا، اور اصح کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو اختیار ہوگا، اس لئے کہ تصریح (دودھ زیادہ معلوم ہونے کے لئے تھن میں روک دینا) کی طرح دھوکہ دیا گیا ہے^(۲)۔

نحاس

دیکھئے: ”معدن“۔

حنا بلہ کی رائے ہے کہ اگر بیع نجش میں ایسا عنین (نقصان) ہو کہ عام طور پر ایسا عنین نہیں ہوتا ہے تو خریدار کو اختیار ہے کہ بیع کو فسخ کر دے یا باقی رکھے، اگر اس کے مثل عنین ہوتا رہتا ہے تو اس کو کچھ اختیار نہیں ہے، خواہ نجش بائع کی موافقت کے ساتھ ہوا ہو یا اس کی موافقت کے بغیر ہوا ہو^(۳)۔



نجوم

دیکھئے: ”تنجیم“۔

(۱) حاشیہ الدرستی ۶۸/۳۔

(۲) معنی المحتاج ۳۷۲۔

(۳) المعنی ۲۳۴، ۲۳۵۔

میں استعمال کرتے ہیں، جو جانور کے بدن کے کسی بھی حصہ میں لگایا جائے، جس سے اس کی موت ہو جائے، اگر اس کو ذبح کرنے پر قدرت نہ ہو^(۱)۔

نحر اور عقر میں تعلق یہ ہے کہ عقر عام ہے۔

نحر

نحر سے متعلق احکام:

الف- نحر کے ذریعہ ذبح کرنے کا طریقہ:

۳- ذبح کرنے کا ایک طریقہ نحر بھی ہے، جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اونٹ کو نحر کرنا اور اس کے علاوہ دوسرے جانوروں کو ذبح کرنا مستحب ہے، ارشاد ربانی ہے: ”فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحِرْ“ (سورہ آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے)، نیز ارشاد ہے: ”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقْرَةً“^(۲) (تمہیں اللہ حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو)، مجاہد نے کہا ہے کہ ہم لوگوں کو نحر کا حکم دیا گیا اور بنی اسرائیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت جس قوم میں ہوئی ان کے چوپائے اونٹ تھے، تو نحر مسنون ہوا، اور بنی اسرائیل کے چوپائے گائے نیل تھے تو ان کو ذبح کا حکم دیا گیا^(۳) ثابت ہے: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَحَرَ بَدَنَهُ وَضَحَى بِكَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ“^(۴) (رسول اللہ ﷺ نے

تعریف:

۱- نحر لغت میں نحر ینحر نحرأً سے ماخوذ ہے، یعنی سینہ کے اوپری حصہ پر مارنا، کہا جاتا ہے: نحر البعير ینحوره نحرأً اس کے نحر کی جگہ پر اس طرح نیزہ مارنا کہ سینہ کے اعلیٰ حصہ سے حلق ظاہر ہو جائے^(۱) اسی معنی میں ارشاد ربانی ہے: ”فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحِرْ“^(۲) (سورہ آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے، البرکتی نے کہا ہے کہ اونٹ کی رگیں جو اس کے سینہ کے نزدیک اس کی گردن کے نچلے حصہ میں ہوتی ہیں، ان کے کاٹنے کو نحر کہتے ہیں^(۳)۔

متعلقہ الفاظ:

عقر:

۲- اونٹ یا بکری کے کھڑے ہونے کی حالت میں ان کے پایوں کو تلوار سے کاٹنا، لغت میں عقر کہلاتا ہے، پھر اہل عرب نے اس کو قتل کرنے اور ہلاک کرنے کے معنی میں استعمال کیا، اور خاص طور پر اس کو نحر کے معنی میں استعمال کیا ہے، فقہاء اس کو اس کا رزی زخم کے معنی

(۱) لسان العرب، مختار الصحاح۔

(۲) سورہ کوثر ۲۔

(۳) قواعد الفقہ للبرکتی۔

(۱) لسان العرب، بدائع الصنائع ۵/۴۳، الشرح الصغير ۱۵/۳۱۵۔

(۲) سورہ بقرہ ۶۷۔

(۳) المغنی لابن قدامہ ۵/۵۷۵، طبع الرياض، شرح منتهی الإرادات ۳/۴۱۹، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۲۸۵، عقد الجواهر الثمینیہ ۱/۵۸۸، طبع دار العرب الاسلامی۔

(۴) حدیث: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَحَرَ بَدَنَهُ وَضَحَى بِكَبْشَيْنِ شَطْرٍ

مِنْ حَدِيثِ فِي الْحَجِّ أَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ أَمَرَهُمْ أَنْ يَحْلُوا، وَ نَحَرَ

النَّبِيِّ ﷺ بِيَدِهِ سَبْعَ بَدَنٍ قِيَامًا وَضَحَى بِالْمَدِينَةِ كَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ

أَقْرَنَيْنِ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۵۵۴، طبع السلفیہ) نے کی ہے،

نحر ۴-۵

”نحرنا علی عہد رسول اللہ ﷺ فرساً فاکلناہ“^(۱) (ہم نے عہد نبوی میں ایک گھوڑے کو نحر کیا اور اس کو کھایا)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے نحر کئے جانے والے جانور کو ذبح کر دیا جائے تو نحر کر دیا مثلاً ہلاکت کی جگہ میں گر گیا تھا تو جائز ہے، اور اس کا کھانا حلال ہے، اگر مجبوری نہ ہو تو نہیں کھایا جائے گا^(۲)۔

ج- ایام نحر:

۵- جمہور فقہاء کے نزدیک ایام نحر تین دن ہیں، یوم نحر اور اس کے بعد دو دن، چوتھا دن ایام ذبح میں نہیں ہے، اگرچہ لوگ منی میں رہ جائیں، اس لئے کہ وہ ایام ذبح میں سے نہیں ہے، اگر کوئی اپنی ہدی رات میں نحر کر دے تو دوبارہ نحر کرے گا، کیونکہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ نحر کی رات میں اپنا ہدی نحر کرے^(۳)۔

شافعیہ کے نزدیک ایام نحر چار دن ہیں، یوم نحر اور اس کے بعد تشریق کے تین دن، اس لئے کہ حدیث ہے: ”کل ایام التشریق ذبح“^(۴) (تشریق کے چاروں دنوں میں ذبح ہے)۔ دیکھئے: ”ایام تشریق“ (فقہہ ۴/۲)۔

(۱) قول حضرت اسماء: ”نحرنا علی عہد رسول اللہ ﷺ فرساً فاکلناہ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/۲۰۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۵۴۱/۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

(۲) المنہجی شرح الموطا ۱۰۷/۳، عقد الجواہر الثمینیہ ۵۸۹/۱، المدونہ ۶۵/۲، المقدمات لابن رشد ۳۲۴۔

(۳) المدونہ ۷۳/۲، المقنع ۵۳۵/۳، نہایۃ المحتاج ۱۰۶/۸۔

(۴) حدیث: ”کل ایام التشریق ذبح“ کی روایت احمد (۸۲/۳ طبع البیہقی) نے کی ہے، اور بیہقی نے مجمع الزوائد (۲۵/۳ طبع القدسی) میں کہا ہے کہ اس کی روایت احمد نے اور طبرانی نے الاوسط میں کی ہے اور احمد وغیرہ کے رجال ثقہ ہیں۔

ایک بدنہ (اونٹ) کا نحر کیا اور دو سینگ والے مینڈھے کی قربانی اپنے دست مبارک سے کی)۔

مالکیہ نے اونٹ میں نحر کرنے کو واجب قرار دیا ہے، دیکھئے: ”ذباح“ (فقہہ ۱۱)۔

ب- نحر کئے جانے والے جانور کو ذبح کرنا اور ذبح کئے جانے والے جانور کو نحر کرنا:

۴- جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ نحر کئے جانے والے جانور کو اگر ذبح کر دیا جائے یا ذبح کئے جانے والے جانور کو نحر کر دیا جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا، اس لئے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

”أن رسول اللہ ﷺ نحر عن آل محمد في حجة الوداع بقرة واحدة“^(۱) (نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں آل محمد ﷺ کی طرف سے ایک گائے نحر کی)، نیز اس لئے کہ یہ محل ذبح میں ذبح کرنا ہے، لہذا دوسرے جانور کی طرح اس کا کھانا بھی جائز ہوگا^(۲)، نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”أمر الدم بماشئت“^(۳) (جیسے چاہو خون بہادو)، حضرت اسماء فرماتی ہیں:

= اور بخاری (فتح ۹/۱۰) کی دوسری روایت میں ہے: ”أنه انكفأ إلى كسبين أقرنين أملحين فذبحهما بيده“۔

(۱) حدیث عائشہ: ”أن رسول اللہ ﷺ نحر عن آل محمد في حجة الوداع بقرة.....“ کی روایت ابوداؤد (۳۶۱/۲ طبع حمص) اور ابن ماجہ (۱۰۴۷/۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے، اور حافظ ابن حجر نے اس کو فتح الباری (۵۵۱/۳ طبع السلفیہ) میں ذکر کیا ہے، پھر ابو ہریرہ سے ایک شاہد ذکر کر کے اس کو قوی قرار دیا ہے۔

(۲) بدائع الصنائع ۴/۱۵، الفتاویٰ الہندیہ ۲۸۸/۵، آسنی المطالب ۵۴۱/۱، المغنی والشرح الکبیر ۱۱/۳۸، ۴۷۔

(۳) حدیث: ”أمر الدم بماشئت“ کی روایت ابوداؤد (۲۵۰/۳ طبع حمص) اور نسائی (۲۲۵/۷ طبع التجاریۃ الکبری) اور حاکم (۲۴۰/۴ طبع دائرۃ المعارف) نے حضرت عدی بن حاتم سے کی ہے، اور حاکم نے کہا ہے کہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

نحر ۶-۷، نخلہ

د-نحر کی شرطیں:

۶-نحر کے صحیح ہونے کے لئے وہی شرطیں ہیں جو اصطلاح ”ذباح“ (فقہہ ۱۱/۱۶، ۱۲ اور اس کے بعد کے فقرات میں مذکور ہیں)۔

کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ اونٹ کو اس طرح نحر کرتے تھے کہ اس کا آگے والا بایاں پیر بندھا ہوا ہوتا اور باقی تین پیروں پر وہ کھڑا رہتا تھا)۔

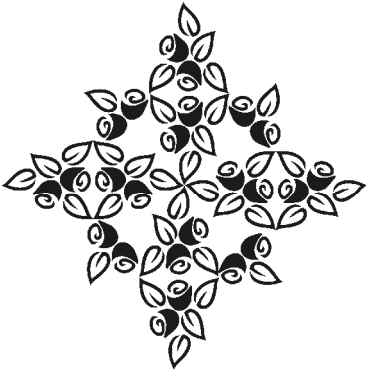
ھ-نحر کے مستحبات:

۷-نحر میں مستحب یہ ہے کہ اونٹ تین پیروں پر کھڑا رہے، آگے والا بایاں پیر بندھا ہوا ہو، اور اگر اس کو لٹا دیا جائے تو بھی جائز ہے، مگر پہلی صورت افضل ہے۔

نخلہ

دیکھئے: ”ہبہ“۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ نحر کئے جانے والے جانور کو قبلہ رخ کر دے گا اور خود جانور کے اگلے دائیں پیر کی جانب جو بندھا ہوا نہ ہوگا کھڑا ہوگا اور اپنے بائیں ہاتھ سے اس کے اوپر والا ہونٹ پکڑ لے گا، اور بسم اللہ کہہ کر اپنے دائیں ہاتھ سے اس کے لبہ (حلق کے نیچے کا گڈھا) پر نیزہ مارے گا^(۱)۔



نحر کے وقت اونٹ کا تین پیروں پر کھڑا رہنا مستحب ہے، اس کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَ“^(۲) (سو تم انہیں کھڑے کر کے ان پر اللہ کا نام لیا کرو)، ابن عباسؓ نے فرمایا ہے: ”معقولة على ثلاثة“^(۳) (ایک پیر باندھ کر تین پیروں پر کھڑا ہو)، اس بارے میں بعض احادیث بھی ہیں، مثلاً: ”أن النبي ﷺ وأصحابه كانوا ينحرون البدنة معقولة اليسرى قائمة على مابقي من قوائمها“^(۴) (نبی

(۱) بدائع الصنائع ۳۱/۵، نہایۃ المحتاج ۱۱۱/۸، المقنع ۳۷۰/۱ طبع السلفیہ، المعنی ۵۸۶/۸، آسنی المطالب ۵۳۰/۱، الفتاویٰ الہندیہ ۷/۵، الشرح الصغیر ۳۱۹/۱۔

(۲) سورہ حج ۳۶۔

(۳) اثر ابن عباسؓ کی روایت بیہقی (السنن الکبریٰ ۲۳۷/۵ طبع دائرۃ المعارف) نے کی ہے۔

(۴) حدیث: ”أن النبي ﷺ وأصحابه كانوا ينحرون البدنة

= معقولة.....“ کی روایت ابوداؤد (۳۷۱/۲ طبع حمص) نے کی ہے، اور ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۳۵۳/۳ طبع السلفیہ) میں اس کو ذکر کیا ہے، اور اس سے سکوت اختیار کیا ہے۔

نخاع ۱-۴

ب- فقرہ:

۳- فقرہ، فا کے زیر و زبر کے ساتھ، ریڑھ کی ہڈیاں جو گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ سے شروع ہو کر دم کی جڑ تک پہنچتی ہیں^(۱)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

نخاع اور فقرہ میں تعلق یہ ہے کہ فقرہ نخاع کا ظرف اور اس کا

محافظ ہے۔

نخاع سے متعلق احکام:

بعض احکام کا تعلق نخاع سے ہے، ان میں سے چند حسب

ذیل ہیں:

اول: ذباحہ میں:

۴- ذبح میں نخع سے منع کیا گیا ہے^(۲)، اور یہ ایک حدیث میں

ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ أن تنخع الشاة إذا

ذبحت“^(۳) (رسول اللہ ﷺ نے اس سے روکا ہے کہ جب بکری

کو ذبح کیا جائے تو اس میں نخع کیا جائے) نخع کا معنی ذبح میں چھری

کو نخاع تک پہنچا دینا ہے^(۴) ذبح میں نخع کے بارے میں فقہاء کے

(۱) القاموس المحیط، قواعد الفقہ للمبرکتی۔

(۲) عمدة القاری ۱۳۲/۲۱ طبع المنیر یہ۔

(۳) حدیث: ”نہی رسول اللہ ﷺ أن تنخع الشاة إذا ذبحت“، ایک

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن الذبحة

أن تفرس قبل أن تموت“ کی روایت ابن عدی (الکامل ۱۳۵/۴ طبع

دار الفکر) اور بیہقی (السنن ۲۸۰/۹ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے حضرت

ابن عباسؓ سے کی ہے، ابن عدی کی ایک روایت میں اس کی تفسیر ”أن

تنخع“ سے کی گئی ہے، اور بیہقی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف سند ہے۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۲۹۶/۶ طبع دار الفکر۔

نُخَاع

تعریف:

۱- لغت میں نخاع ایک سفید رگ ہے جو گردن کے اندرونی حصہ

سے شروع ہو کر ریڑھ کی ہڈیوں سے گذرتے ہوئے دم کی جڑ تک

پہنچتی ہے^(۱) نون کے پیش کے ساتھ اہل جاز کی ایک لغت ہے، بعضاہل عرب اس کو زبر اور بعض دوسرے اس کو زیر دیتے ہیں^(۲)۔اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۳)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- نُخُ:

۲- لغت میں نُخُ کا معنی ہڈی اور گودا، بھججا، آنکھ کی چربی، گھاس اور

ہر چیز کا خالص ہے، ”التہذیب“ میں ہے: پیٹھ کی ہڈیوں کا گودا^(۴)۔

”المصباح“ میں ہے: ہڈی میں پائی جانے والی چربی ہے، اور

کبھی بھیجے کو بھی مخ کہتے ہیں^(۵)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

نخاع اور مخ میں تعلق یہ ہے کہ مخ نخاع سے عام ہے۔

(۱) لسان العرب۔

(۲) المصباح المنیر، دیکھئے: القاموس المحیط۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۲۸۸/۵ طبع الامیر، فتح الباری ۶۴۱/۹ طبع السلفیہ۔

(۴) القاموس المحیط، لسان العرب۔

(۵) المصباح المنیر۔

نخاع، نخامہ ۱-۲

درمیان اختلاف ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”ذباح“ (فقہہ ۳۶۱،

۴۲)۔

نخامہ

دوم: زخمی کرنے میں:

۵- فقہاء نے زخم کی انواع میں اس زخم کو ذکر کیا ہے، جو نخاع تک پہنچ جائے، جیسے ہاشمہ، منقلہ اور ہر ایک کا شرعی حکم بھی ذکر کیا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاحات ”شجاج“ (فقہہ ۱۱، ۴۲)، ”دیات“ (فقہہ ۶۶، ۶۷)، ”منقلہ“، ”ہاشمہ“۔

تعریف:

۱- کھکھارنے پر جو بلغم اور مادہ آدمی کے سینہ یا ناک سے نکلتا ہے، لغت میں اس کو نخامہ کہتے ہیں^(۱)۔

نخامہ ہی کو نخامہ بھی کہتے ہیں جیسا کہ المطر زی نے کہا ہے۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے، قلیوبی نے اس کی

تعریف یہ کی ہے کہ نخامہ ایک گاڑھا فضلہ ہے جو دماغ سے اترتا ہے، یا پیٹ سے اوپر آتا ہے^(۲)۔

البعلی نے صاحب ”المطالع“ سے نقل کیا ہے کہ نخامہ بلغم ہے جس کو آدمی سینہ سے نکال کر پھینکتا ہے^(۳)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- مخاط (رینٹ):

۲- مخاط: صرف ناک سے نکلنے والا مادہ ہے^(۴)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

نخامہ اور مخاط میں تعلق یہ ہے کہ نخامہ، مخاط سے عام ہے۔



(۱) قواعد الفقہ للبرکتی، دیکھئے: المصباح المنیر۔

(۲) القلیوبی علی شرح تجلی ۲/۵۵۔

(۳) المطالع علی أبواب المقنع ص ۱۳۸۔

(۴) المصباح المنیر، لسان العرب، القاموس المحیط۔

نخامہ ۳-۶

ب۔ قلس: اسی وجہ سے اس کے چڑھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، اگرچہ معده سے نکلے (۱)۔

۳۔ قلس (قاف کے زبر اور لام کے سکون کے ساتھ)، وہ مادہ ہے جو حلق سے نکلتا ہے، منہ بھر کر ہو، یا اس سے کم ہو، وہ قے نہیں ہے، اگر متلی کے ساتھ ہو تو قے ہے (۱)۔

روزہ کی حالت میں نخامہ کا نکلنا:
۵۔ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں نخامہ نکل جائے تو اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ یہ حرام ہے، اور اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا جبکہ دوسرے فقہاء کی رائے اس کے خلاف ہے، یہ فی الجملہ ہے۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔
نخامہ اور قلس میں تعلق یہ ہے کہ نکلنے کی جگہ کے اعتبار سے نخامہ قلس سے عام ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”صوم“ (فقہہ ۷۹)۔

نخامہ سے متعلق احکام:

نخامہ سے متعلق کچھ احکام ہیں، جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

مسجد میں کھنکار پھینکنا:

۶۔ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ مسجد کی زمین میں، اس کی دیواروں پر یا اس کی چٹائی پر بلغم اور کھنکار پھینکنا حرام ہے، بلکہ مسجد کو ہر قسم کی گندگیوں سے پاک رکھنا واجب ہے، خواہ ناپاک نہ ہو جیسے نخامہ وغیرہ (۲)۔

نخامہ کی طہارت و نجاست:

۴۔ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ نخامہ اگر سر سے آئے، یا سینہ سے نکلے یا حلق کے آخری کنارے سے نکلے تو پاک ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے مروی ایک حدیث میں ہے: ”البزاق في المسجد خطيئة وكفارتها دفنها“ (۳) (مسجد میں تھوک پھینکنا گناہ ہے، اس کا کفارہ اس کو دفن کر دینا ہے)۔

جو نخامہ معده سے چڑھ کر آئے تو اس کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے، شافعیہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ وہ نجس ہے (۲)۔

محض تھوک کو گناہ کہنا اس کے حرام ہونے کی واضح دلیل ہے،

مالکیہ و حنابلہ کی رائے اور حنفیہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ وہ پاک ہے، اس لئے کہ سینہ اور سر کے بلغم کی طرح بدن سے پیدا ہوتا ہے، نیز اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کی حالت میں بلغم کو اپنی چادر کے کنارے میں جذب کیا (۳)۔

= التلفیہ نے حضرت انسؓ سے ”وهو في الصلاة“ کے بغیر کی ہے۔
(۱) حاشیہ ابن عابدین ۹۴/۱، الاختیار ۱۰/۱، جواہر الإکلیل ۹۱/۱، الشرح الصغیر ۴۸۹/۱، الزرقانی ۲۶/۱، کشف القناع ۱۲۵۔
(۲) مغنی المحتاج ۲۰۲/۱، حاشیہ الجمل ۴۳۳/۱، الفتاویٰ الہندیہ ۱۱۰/۱، الآداب الشرعیہ ۳۹۳/۳۔

(۳) حدیث: ”البزاق في المسجد خطيئة وكفارتها دفنها“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۵۱۱/۱ طبع التلفیہ) اور مسلم (۳۹۰/۱ طبع عیسیٰ الحطمی) نے حضرت انسؓ سے کی ہے۔

(۱) المصباح المنیر، لسان العرب، مختار الصحاح۔
(۲) ابن عابدین ۹۴/۱، تبیین الحقائق ۳۲۶/۱، شرح الزرقانی ۲۶/۱، جواہر الإکلیل ۹۱/۱، الشرح الصغیر ۴۸۹/۱، تہذیب المحتاج ۲۹۴/۱، مغنی المحتاج ۲۰۲/۱۔
(۳) حدیث: ”أخذ النخامة.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۵۱۳/۱ طبع

نخامہ ۶، نخیل

میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر دفن نہ کر سکے تو مسجد میں کسی بھی حال میں نہ تھو کے، خواہ لوگوں کے ساتھ ہو یا تنہا ہو^(۱)۔

البتہ دفن کر دینے سے یہ گناہ ختم ہو جائے گا، اور اگر دفن نہ کیا جائے تو باقی رہے گا^(۱)۔

اور اگر مسجد کی دیوار پر ہو تو اس کو صاف کرنا اور اس کی جگہ خوشبو لگانا واجب ہے، اس لئے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے^(۲)۔

نخیل

دیکھئے: ”زکاۃ“۔



مروی ہے: ”أن النبي ﷺ رأى نخامة في جدار المسجد فتناول حصاة فحكها فقال: إذا تنخم أحدكم فلا يتنخم من قبل وجهه ولا عن يمينه، وليبصق عن يساره أو تحت قدمه اليسرى“^(۳) (نبی کریم ﷺ نے مسجد کی دیوار پر تھوک دیکھا تو ایک کنکری لے کر اس کو کھرچ دیا اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی تھو کے تو سامنے یا داہنی طرف نہ تھو کے بلکہ بائیں طرف یا بائیں قدم کے نیچے تھوک دے)۔

”الفتاویٰ الہندیہ“ میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں تھوک پھینکنے پر مجبور ہو جائے تو چٹائی کے نیچے اس کو پھینکنے کے مقابلہ میں چٹائی کے اوپر پھینکنا اہون (کم برا) ہے، اس لئے کہ چٹائی درحقیقت مسجد نہیں ہے، اگر مسجد میں چٹائی نہ ہو تو اس کو زمین کے اندر دفن کر دے، زمین کے اوپر نہ چھوڑے^(۴)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ مسجد میں تھو کتنا اس کے کھرچ دینے کے باوجود مکروہ ہے، امام مالکؒ سے منقول ہے کہ اگر مسجد میں کنکری بچھائی گئی ہو تو اپنے آگے، بائیں اور قدم کے نیچے تھوک کر دفن کر دینے

(۱) سابقہ مراجع، نیل الأوطار ۲/۳۵۷۔

(۲) الآداب الشرعیہ ۳/۳۹۳؛ مغنی المحتاج ۲/۲۰۲۔

(۳) حدیث: ”رأى نخامة في جدار المسجد.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۵۰۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۸۹۱ طبع عیسیٰ الخلی) نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے کی ہے، اور سیاق بخاری کا ہے۔

(۴) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۱۰، دیکھئے: مغنی المحتاج ۲/۲۰۲۔

(۱) جواہر الإکلیل ۲/۲۰۳۔

ندب ۱-۳

فضیلت دی ہے۔

نفل اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ فرض سے زائد ہے، اور اس سے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس کا نام تطوع ہے، اس لئے کہ اس کا کرنے والا لازمی حکم کے بغیر اپنی طرف سے بطور تبرع کرتا ہے^(۱)۔

ایک قول یہ ہے کہ ندب یعنی مندوب وہ ہے جو فرائض، واجبات اور سنن سے زائد ہو^(۲)۔

تفصیل ”اصولی ضمیمہ“ میں ہے۔

ندب

تعریف:

۱- ندب (نون کے زبر کے ساتھ)، نَدَبُ فَعْلٍ کا مصدر ہے، لغت میں اس کا معنی کسی کام کے لئے بلانا، آمادہ کرنا ہے، اسی سے ندب المیت ہے، میت پر رونا اور اس کی خوبیاں شمار کرنا^(۱)۔

علماء اصول اور فقہاء کی اصطلاح میں، ندب ایسا حکم ہے کہ بلا ضرورت اس کے بدل کے بغیر اس کو چھوڑ دینا قابل مذمت نہیں ہے، ایک قول یہ ہے کہ ندب ایسا کام ہے کہ اس کے کرنے میں ثواب ہو اور اس کے چھوڑنے میں کوئی گناہ نہ ہو^(۲)۔

ایک قول یہ ہے کہ ندب کسی کام کو چھوڑنے کے بجائے اس کے کرنے کا مطالبہ کرنا ہے، اس کا کرنا ثواب کا سبب ہو اور اس کو مندوب کہا جاتا ہے^(۳)۔

۲- اس اعتبار سے مندوب، مستحب، تطوع، نفل اور مرغب فیہ مترادف الفاظ ہیں، جمہور علماء اصول اور فقہاء کی رائے یہی ہے۔

اس کو مندوب اس لئے کہا گیا ہے کہ شارع نے اس کی دعوت دی ہے، اس کے ثواب اور اس کی فضیلت کو بیان کیا ہے، یہ ندب المیت سے ماخوذ ہے، یعنی اس کی خوبیاں شمار کرنا۔

مستحب اس لئے کہا گیا ہے کہ شارع کو پسند ہے اور اس کو

مندوب سے متعلق احکام:

مندوب مامور بہ ہے یا مامور بہ نہیں ہے؟

۳- اس بارے میں علماء اصول کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور کی رائے ہے کہ مندوب، مامور بہ ہے، اس لئے کہ امر تقاضا کرنا اور طلب کرنا ہے، اور مندوب مطلوب ہے، لہذا وہ امر کی حقیقت میں داخل ہے۔

دوسرے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ مندوب امر میں داخل نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“^(۳) (ان لوگوں کو جو اللہ کے حکم کی مخالفت کر رہے ہیں، ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر (دنیا ہی میں) کوئی آفت نہ نازل ہو جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب آ پکڑے)، اور مندوب میں یہ جائز نہیں ہے^(۴)۔

(۱) ابن عابدین ۱/۸۴، قواعد الفقہ للمبرکتی، شرح المنج وحاشیۃ للشیخ سلیمان الجمل ۴/۷۸، تجزیۃ المنہاج لابن حجر المہندی ۲/۲۱۹۔

(۲) قواعد الفقہ، ابن عابدین ۱/۷۰۔

(۳) سورہ نور ۶۳۔

(۴) نزہۃ الخاطر ۱/۱۱۴، ۱۱۵، المستصفیٰ ۱/۷۵۔

(۱) المصباح المنیر۔

(۲) روضۃ الناظر ۱/۱۱۲، ۱۳۱، بہامشہ نزہۃ الخاطر طبع مکتبۃ المعارف بالریاض۔

(۳) قواعد الفقہ للمبرکتی۔

ندب ۴، ندرت ۱

تفصیل ”اصولی ضمیرہ“ میں ہے۔

میت پر رونا:

۴- میت کے محاسن کو شمار کر کے اس پر آہ وزاری کرنا حرام ہے، شامک و محاسن سے مراد میت کے اندر پائی جانے والی طبعی خوبیاں ہیں، جیسے کہنا، وا کہفہا، واجبلاہ یا اسی طرح کے جملے کہنا^(۱)، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”ما من میت یموت فیقوم باکیہ فیقول: واجبلاہ! واسیداہ! أو نحو ذلک، إلا وکل بہ ملکان یلہزانہ: اھکذا کنت؟“^(۲) (جب کوئی آدمی مر جاتا ہے اور اس پر رونے والا کہتا ہے، واجبلاہ، واسیداہ یا اس قسم کے جملے کہتا ہے تو اس پر دو فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں جو اس کو مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا تو ایسا تھا؟)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ”نیاحہ“۔

ندرت

تعریف:

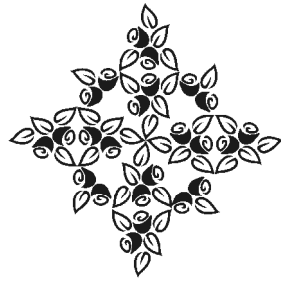
۱- لغت میں ندرۃ، ندر الشئ ندروراً سے ماخوذ ہے، جو باب نصر سے ہے، اس کا معنی گرنا یا کسی چیز سے نکلنا، یا علاحدہ ہو جانا ہے، اسی سے نادر العجل ہے، پہاڑ کا نکلا ہوا حصہ، کہا جاتا ہے، ندر فلان من قومہ، نکل جانا، ندر العظم من موضعه زائل ہونا، اسم الندرۃ (نون کے زبر کے ساتھ) ہے، ایک لغت میں پیش بھی ہے، مگر یہ نادر ہے۔

ندرت: سونے یا چاندی کا ٹکڑا جو کان میں پایا جائے غندر فلان فی علم وفضل، علم وفضل میں بڑھ جانا کہ اس کی مثال بہت کم ہو، ندر الکلام ندرۃ (نون کے زبر کے ساتھ)، فصیح ہونا، عمدہ ہونا، عجیب و غریب ہونا۔

اندر: نادر قول یا فعل کا اختیار کرنا^(۱)۔

فقہاء کی اصطلاح میں نادر وہ ہے جس کا وجود کم ہو اگرچہ قیاس کے خلاف نہ ہو، اگر قیاس کے خلاف ہوگا تو شاذ ہوگا^(۲)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ ندرۃ (نون کے زبر اور وال کے سکون کے ساتھ)، خالص سونا یا چاندی کا ٹکڑا ہے، جس کی صفائی کی ضرورت نہ ہو، یہ عیاض وغیرہ کی تفسیر ہے^(۳)۔



(۱) معنی المحتاج ۱/۳۵۶، تحفۃ المحتاج ۳/۱۳۹، کشف القناع ۲/۱۶۳۔

(۲) حدیث: ”ما من میت یموت فیقوم باکیہ فیقول: واجبلاہ! واسیداہ!.....“ کی روایت ترمذی (۳/۳۱۸ طبع اکتی) نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کی ہے، اور کہا ہے کہ حسن غریب ہے۔

(۱) لسان العرب، المصباح الممیر، المعجم الموسیط۔

(۲) التعریفات للجر جانی، قواعد الفقہ للمبرکتی۔

(۳) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۱/۴۸۹۔

ندرت ۲-۵

متعلقہ الفاظ:
الف- غالب:
۲- غالب، غلبۃ کا اسم فاعل ہے، اس کا ایک معنی قہر ہے، یعنی دبانا، کہا جاتا ہے: غلبۃ یعنی اس کو دبا لیا اس کا ایک معنی کثرت بھی ہے، کہا جاتا ہے غلب علی فلان الکلام یعنی یہ اس کی اکثر عادات میں سے ہے (۱)۔

اول: ندرت (بمعنی قلت) سے متعلق احکام:
کبھی نادرو غالب پر مقدم کرنا:

۴- قرانی نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار کرنا اور اس کو نادر پر مقدم کرنا اصل ہے، اور یہی شریعت کی شان ہے، جیسے سفر میں اکثر مشقت ہوتی ہے، اس لئے غالب حال کی بنیاد پر سفر میں قصر اور افظار کا حکم ہے، اسی طرح دشمن اور فریق کی طرف سے اکثر ظلم ہوتا ہے، اسی لئے ان کی شہادت ممنوع ہے۔

۵- لیکن کبھی کبھی بندوں پر رحم کے پیش نظر شریعت غالب کو نظر انداز کر کے اس پر نادر کو مقدم کر دیتی ہے، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

الف- اگر کوئی عورت نکاح کرے اور چھ ماہ پر بچہ پیدا ہوا تو ممکن ہے کہ یہ عقد سے قبل وطی کی وجہ سے ہو اور یہی اکثر ہے یا ممکن ہے کہ عقد کے بعد وطی کی وجہ سے ہو اور یہ نادر ہے، اس لئے کہ اکثر بچے نو ماہ سے پہلے پیدا نہیں ہوتے ہیں، چھ ماہ پر جو پیدا ہوتا ہے اکثر ناتمام رہتا ہے، لیکن شریعت نے غالب کے حکم کو نظر انداز کر کے نادر کے حکم کو باقی رکھا، اور بندے پر مہربانی کے پیش نظر اس کو عقد کے بعد وطی سے پیدا ہونے والا قرار دیا، تاکہ ان کی پردہ پوشی ہو اور ان کی عزت بچی رہے (۲)۔

ب- جوتوں میں اکثر نجاست لگ جاتی ہے، خاص طور سے جب سال بھر جوتا استعمال کرے اور جوتا پہن کر پاؤں نہ پیشاب کی جگہوں پر جائے، تو اکثر اس میں نجاست لگ ہی جائے گی، اس

(۱) المصباح المنیر، التعریفات للجر جانی۔

(۲) الفروق للقرانی ۲/۱۰۴۔

فقہاء نے اس کو دونوں معانی میں استعمال کیا ہے۔
غلبہ کے معنی میں ابن قدامہ نے کہا ہے: اگر کوئی شخص بلادروم میں مال غنیمت میں سے کچھ خریدے اور اس پر دشمن غالب آجائے تو اس پر کچھ بھی ثمن واجب نہ ہوگا (۲)۔

کثرت کے معنی میں ”المواق“ نے کہا ہے کہ ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ شہر میں جو کھانا زیادہ رائج ہو اس میں سے صدقہ فطر نکالا جائے گا (۳)۔
ندرة اور غالب میں تضاد کا تعلق ہے۔

ب- شاذ:

۳- شاذ لغت میں شذ، یشذ شذوذا سے ماخوذ ہے، باب نصر اور ضرب سے آتا ہے، دوسرے سے علاحدہ ہونا، شذ کا معنی بھاگنا بھی ہے۔

اصطلاح میں بقول جرجانی شاذ وہ ہے جو قیاس کے مخالف ہو، خواہ اس کا وجود کم ہو یا زیادہ ہو۔

دونوں میں تعلق یہ ہے کہ نادر وہ ہے جس کا وجود بہت کم ہو،

(۱) لسان العرب۔

(۲) المغنی ۸/۴۳۶۔

(۳) التاج والإکلیل للمواق ۳۶۷۔

ندرت ۶

ہوئے دیکھا ہے^(۱)، اور یہ معلوم ہے کہ ننگے پیر ہونا نجاست کو برداشت کرنے میں جوتے سے زیادہ ہلکا ہے، شریعت نے بندوں پر وسعت کے پیش نظر نادر کے حکم کو غالب کے حکم پر مقدم رکھا ہے^(۲)۔ ان مثالوں وغیرہ کے ذکر کرنے کے بعد قرآنی نے لکھا ہے کہ

شریعت میں اس باب کے نظائر بہت ہیں، صاحب شرع کو حق ہے کہ اپنی شریعت میں جس حکم کو باقی رکھنا چاہے باقی رکھے اور جس کو چاہے اپنے قواعد سے مستثنیٰ کرے، وہ اپنے بندوں کے مصالح سے زیادہ واقف ہے، لہذا جو شخص نادر کے بجائے غالب کے حکم کو برقرار رکھنا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ دیکھ لے کہ غالب کو شریعت نے نظر انداز کیا ہے یا نہیں؟ اس وقت اس پر اعتماد کرے، ہر حال میں غالب کا اعتبار کرنا خواہ وہ جیسا بھی ہو، اجماع کے خلاف ہے^(۳)۔

نادر اور غالب کو ایک ساتھ نظر انداز کرنا:

۶۔ کبھی کبھی بندوں پر رحم و کرم کے پیش نظر شریعت نادر اور غالب دونوں کو نظر انداز کر دیتی ہے، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

الف۔ اگر بچوں کی تعداد بہت ہو تو اموال کے بارے میں ان کی شہادت میں صدق کا پہلو غالب ہے، اور ان کا جھوٹا ہونا نادر ہے، مگر شریعت نے بندوں پر خاص طور پر مدعی علیہ پر رحم و کرم کے پیش نظر ان کے صدق کا اعتبار نہیں کیا، اور نہ ان کے کذب کا فیصلہ کیا، بلکہ ان کو مہمل چھوڑ دیا، البتہ زخم اور قتل کے بارے میں امام مالک اور فقہاء کی ایک جماعت نے ان کی شہادت قبول کی ہے۔

کا نجاست سے محفوظ رہنا شاذ و نادر ہی ہوگا، اس کے باوجود شریعت نے غالب کے حکم کو نظر انداز کر دیا، اور نادر کے حکم کو باقی رکھا، چنانچہ جوتا پہن کر نماز پڑھنا سنت میں مذکور ہے، یہ سب بندوں پر رحم اور وسعت کے پیش نظر ہے^(۱)۔

ج۔ چٹائیاں اور فرش جو طویل مدت تک استعمال کی وجہ سے سیاہ ہو جائیں، اس پر ننگے پیر والے، بچے، نمازی بے نمازی چلتے ہیں، غالب یہ ہے کہ ان میں نجاست ضرور لگی ہوگی، اس کا نجاست سے محفوظ اور باقی رہنا شاذ و نادر ہی ہوگا، اس کے باوجود حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ایک چٹائی پر پانی چھڑکنے کے بعد نماز ادا کی جو طویل استعمال کی وجہ سے کالی ہو گئی تھی^(۲) اور ظاہر ہے کہ پانی چھڑکنے سے نجاست دور نہ ہوگی، بلکہ اور پھیل جائے گی، یہاں بھی شریعت نے غالب کے حکم پر نادر کے حکم کو مقدم رکھا ہے^(۳)۔

د۔ نماز کے باب میں جو لوگ ننگے پاؤں راستوں میں چلتے ہیں، پاؤں نہ پیشاب کی جگہوں پر جاتے ہیں، اکثر ان کے پیروں میں نجاست لگ ہی جاتی ہے، نجاست سے ان کا محفوظ رہنا شاذ و نادر ہی ہے، اس کے باوجود ننگے پیر والے کو اپنے دونوں پیروں کو دھوئے بغیر شریعت نے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح جوتے میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، حضرت عمر بن الخطابؓ ننگے پیر چلتے تھے اور اس کی وجہ سے اپنی نماز میں کوئی عیب نہیں محسوس کرتے تھے، اس لئے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو مبارک جوتوں میں نماز ادا کرتے

(۱) الفروق ۴/۱۰۵۔

(۱) حدیث: ”صلاة النبي ﷺ بنعله“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۳۹۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱/۳۹۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت انس بن مالک سے کی ہے۔

(۲) الفروق ۴/۱۰۶۔

(۳) الفروق ۴/۱۰۷۔

(۲) حدیث: ”صلاة النبي ﷺ علی حصیر قد اسود“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۳۸۸ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱/۳۵۷ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت انس بن مالک سے کی ہے۔

(۳) الفروق ۴/۱۰۶۔

ندرت ۷-۸

اول: نادر کو یقینی طور پر غالب کے ساتھ لاحق کیا جائے گا، مثلاً کوئی لڑکی پیدائشی طور پر باکرہ نہ ہو تو نکاح میں اس سے اجازت لینے کے سلسلہ میں اس کو یقینی طور پر باکرہ کے حکم میں رکھا جائے گا۔

دوم: نادر یقینی طور پر غالب کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے گا، مثلاً چھٹی زائد انگلی دیت کے حکم میں یقینی طور پر اصلی انگلی کے ساتھ لاحق نہیں کی جائے گی، اور مشرق میں رہنے والا کسی مغربیہ سے نکاح کرے تو بچہ اس کے ساتھ لاحق نہ ہوگا۔

سوم: صحیح قول کے مطابق نادر کو غالب کے ساتھ لاحق کیا جائے گا، جیسے شرم گاہ سے نادر چیز کے نکلنے سے وضو کا ٹوٹنا۔

چہارم: صحیح قول کے مطابق نادر کو غالب کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا، مثلاً جو چیزیں مدت خیار میں بہت جلد خراب ہو جاتی ہیں ان کے بارے میں صحیح قول کے مطابق خیار شرط ثابت نہ ہوگا^(۱)۔

نادر اگر دائمی نہ ہو تو وہ قضاء کا متقاضی ہے:

۸- زرکشی نے اس کی مثال دی ہے کہ جو شخص لکڑی پر بندھا ہوا ہو وہ نماز ادا کرے گا اور پھر اس کا اعادہ کرے گا، سفر کی حالت میں جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے وہ نماز دہرائے گا، جنگ کی حالت میں نماز کی صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، حالانکہ اس کے ارکان میں خلل ہوتا ہے، اس کے باوجود قضاء واجب نہیں ہوتی ہے، یہ قاعدہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ یہ نادر ہے، اس میں دوام نہیں ہوتا ہے، اور اس کا کوئی بدل بھی نہیں ہے، لیکن یہ رخصت ہے جو قابل قبول ہے^(۲)، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، ارشاد ربانی ہے: ”فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ

ب- بدن کے احکام کے بارے میں عورتوں کی ایک بڑی جماعت کی شہادت: ان کا صدق غالب ہے، ان کا کذب نادر ہے خصوصاً جبکہ ان میں عدالت موجود ہو، شریعت نے مدعی علیہ پر مہربانی کے پیش نظر ان کے صدق کو نظر انداز کر دیا اس پر کوئی حکم نہیں لگایا نہ ان کے کذب کا حکم دیا^(۱)۔

ج- مدعی طالب کا قسم کھانا جبکہ وہ اہل خیر و صلاح میں سے ہو اس کا سچا ہونا غالب ہے، اس کا جھوٹا ہونا شاذ و نادر ہے، مدعی علیہ پر رحم و کرم کے پیش نظر شریعت نے اس کے صدق کا اعتبار کر کے اس کی بیعت کے مطابق حکم نہیں دیا بلکہ اس پر بیعت پیش کرنے کو واجب قرار دیا، اس کے جھوٹے ہونے کا بھی حکم نہیں لگایا۔

د- بدن کے احکام کے بارے میں ایک عادل کی شہادت: اس کا سچا ہونا غالب ہے، اور اس کا جھوٹا ہونا نادر ہے، شریعت نے بندوں پر خاص طور پر مدعی علیہ پر رحم و کرم کے پیش نظر اس کے صدق کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں دیا، نہ اس کو جھوٹا قرار دیا۔

ھ- قاضی کا اپنے حق میں فیصلہ کرنا جبکہ وہ عادل ہو اور تقویٰ و پرہیزگاری میں ممتاز ہو، غالب یہ ہے کہ وہ صرف حق کے مطابق ہی فیصلہ کرے گا، حق کے خلاف شاذ و نادر ہی اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے، پھر بھی شریعت نے اس کے صحیح اور باطل ہونے کو یکساں نظر انداز کر دیا ہے^(۲)۔

نادر کو غالب کے ساتھ لاحق کرنا:

۷- زرکشی نے ایک عنوان قائم کیا ہے: ”کیا نادر کو غالب کے ساتھ لاحق کیا جاسکتا ہے؟“ اور اس کی چار قسمیں کی ہیں:

(۱) المشورنی القواعد للزرکشی ۳/۲۴۳، ۲۴۴۔

(۲) المشور ۳/۲۴۴۔

(۱) الفروق ۴/۱۰۹۔

(۲) الفروق ۴/۱۰۹، ۱۱۰۔

ندرت ۹-۱۰

اور اس سے نکلنے والی نجاست کو ہم ناقض وضو قرار دیں تو کیا اس میں پتھر کا استعمال کرنا کافی ہو جائے گا؟ اس میں دو اقوال ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ کافی نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ صورت نادر ہے، اور صرف پتھر پر اکتفاء کرنا قیاس کے خلاف ہے، لہذا اس کو سبیلین کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا حالانکہ اگر یہ ہوگا تو دائمی ہوگا (۱)۔

جس چیز میں بیع سلم کیا جائے اس میں ندرت:

۱۰- شافیہ نے کہا ہے کہ جس چیز کا وجود نادر ہو اس میں بیع سلم صحیح نہیں ہے، مثلاً ایسی جگہ شکار کا گوشت جہاں اس کا پایا جانا انتہائی دشوار ہو، اس لئے کہ اس کی سپردگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، ہاں اگر بیع سلم نقد ہو اور جہاں مسلم فیہ کا پایا جانا نادر ہے، وہاں مسلم فیہ موجود ہو تو بیع سلم صحیح ہوگی، رملی نے کہا ہے کہ یہ قابل غور و فکر ہے اور شبراہمسی نے کہا ہے کہ معتمد قول ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اس میں صاحب ”الاستقصاء“ کا اختلاف ہے۔

اسی طرح اس چیز میں بیع سلم جائز نہیں ہے کہ اگر اس کے تمام اوصاف جن کا ذکر بیع سلم میں ضروری ہے، ذکر کر دیئے جائیں تو اس کا پایا جانا انتہائی دشوار ہو جائے، جیسے بڑے بڑے موتی، یا قوت وغیرہ قیمتی جواہرات، اس لئے کہ اس میں جسامت، وزن، شکل اور چمک وغیرہ کو ذکر کرنا ضروری ہے، اور ان تمام اوصاف کا جمع ہو جانا انتہائی نادر ہے۔

اسی طرح باندی میں بیع سلم جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کی صفات کم ہوں مثلاً حبشی باندی اور اس کی بہن یا اس کی اولاد، یا اس کی پھوپھی یا خالہ، یا بکری اور اس کے بچہ میں، اس لئے کہ مشترکہ صفات کے ساتھ دو کا جمع ہونا بہت نادر ہے، اسی طرح بیع سلم مرغابی اور اس

دُجُبَانًا“ (۱) لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو تو تم پیدل ہی (پڑھ لیا کرو) یا سواری پر۔

نادر اگر دائمی ہو تو وہ غالب کے حکم میں ہوتا ہے:

۹- زرکشی نے اس قاعدہ کی مثال میں مستحاضہ غیر متخیرہ کو پیش کیا ہے کہ وہ حدث کے باوجود نماز کی قضا نہ کرے گی، اس لئے کہ اگرچہ یہ نادر ہے لیکن دائمی ہے، اسی طرح سفر کی حالت میں نماز میں قصر کرنا جائز ہے، اگرچہ مسافر کو مشقت لاحق نہ ہو، اسی طرح پسو کے خون کا اثر معاف ہے، اس لئے کہ یہ دائمی ہے (۲)۔

چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں:

اول: منہ پر جو بال ہوں، وہ اگرچہ گنجان ہوں، ان کے ظاہر و باطن کو دھونا واجب ہے، ان کا گنجان ہونا اگرچہ نادر ہے، مگر جب ہوگا تو دائمی ہوگا، اس کے باوجود فقہاء نے اس کو غالب کے ساتھ لاحق نہیں کیا ہے کہ صرف ظاہر کا دھونا کافی ہو جائے۔

دوم: استحاضہ سے پتھر کے ذریعہ استنجاء کرنے میں مذی کی طرح دو اقوال ہیں: اس لئے کہ وہ نادر ہے، ایسا نووی نے کہا ہے اور اختلاف کرنا مشکل ہے، اس لئے کہ وہ دائمی ہے، اور نادر اگر دائمی ہو تو وہ غالب کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے، اور مناسب یہ تھا کہ جواز کا حکم قطعی ہو۔

سوم: بوسیر کا خون نادر ہے، اور جب ہوتا ہے تو دائمی ہوتا ہے، اس کے باوجود اس کے بارے میں دو اقوال ہیں، اظہر قول کے مطابق پتھر کے ذریعہ اس سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

چہارم: کسی آدمی کا سبیلین کے علاوہ کوئی الگ مخزج کھل جائے

(۱) سورہ بقرہ/۲۳۹۔

(۲) المستحور ۳/۲۳۴، ۲۳۵۔

(۱) حوالہ سابق۔

ندرت ۱۱-۱۲

ماوردی اور رویانی بھی ہیں، لیکن اگر وہ نادر الوجود اشیاء کی خریداری سے منع کر دے تو عقد صحیح ہوگا^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر رب المال عامل پر ایسی چیز کی خریداری کی شرط لگا دے جس کی قلت کی وجہ سے خریداری دشوار ہو تو یہ جائز نہ ہوگا، اگر عقد ہو جائے اور اس پر عمل نہ ہو سکے تو عقد فسخ ہو جائے گا، اور اس میں اس جیسے معاملہ کی اجرت ہوگی^(۲)۔

حنابلہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے، ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر رب المال مضارب پر ایسی چیز کے خریدنے کی شرط لگا دے جو عام طور پر نہیں پائی جاتی ہے جیسے لال یا قوت، چستکبرے گھوڑے وغیرہ تو یہ عقد جائز ہوگا، اس لئے کہ یہ ایک خاص قسم کی مضاربت ہے، جس میں نفع پوری طرح ممنوع نہیں ہے، لہذا یہ عقد صحیح ہوگا، جیسا کہ یہ شرط لگا دے کہ صرف ایسی نوع میں تجارت کرے جو عام طور پر پائی جاتی ہے، نیز اس لئے کہ یہ ایسا عقد ہے کہ اس کو کسی متعین نوع کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح ہے، تو کسی متعین سامان کے ساتھ خاص کر دینا بھی صحیح ہوگا جیسے وکالت میں جائز ہے^(۳)۔

عدت پوری ہونے میں ندرت:

۱۲- اگر مطلقہ حیض کے ذریعہ عدت گزار رہی ہو اور وہ عدت پوری ہو جانے کی خبر دے تو کتنی مدت میں اس کی تصدیق کی جائے گی، اس بارے میں فقہاء حنفیہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: کہ ساٹھ دنوں سے کم میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اور امام ابو یوسف و امام محمد فرماتے ہیں کہ ۳۹ دنوں میں اس کی تصدیق کی جائے گی، صاحبین کے نزدیک اس کا حساب اس طرح ہوگا، یوں سمجھا

(۱) مغنی المحتاج ۲/۳۱۱، ۳۱۲۔

(۲) الشرح الصغیر ۳/۶۸۸۔

(۳) المغنی ۵/۶۸، ۶۹۔

کہ بچوں میں یا مرغی اور اس کے بچوں میں صحیح نہیں ہے، اگرچہ بچوں کی تعداد ذکر کر دی جائے، اس میں اذری کا اختلاف ہے، اس لئے کہ ماں اور اس کے بچوں کا وجود بہت دشوار ہے^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ جس چیز کا وجود نادر ہو اس میں بیع سلم صحیح نہیں ہے، جیسے اتنے بڑے موتی کہ عاڈہ اتنے بڑے موتی نہ پائے جاتے ہوں^(۲)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ مسلم فیہ میں یہ شرط ہے کہ جہاں بیع سلم ہو رہی ہے، وہاں وہ عام طور پر پایا جائے، اگر ادائیگی کے وقت مسلم فیہ کا وجود شاذ و نادر ہو جیسے رطب و عنب میں، ایسے وقت میں بیع سلم کرنا جو اس کا موسم نہ ہو بیع سلم صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جس وقت اس کی ادائیگی واجب ہوگی، اس کو سپرد کرنا اکثر حالات میں ممکن نہ ہوگا^(۳)۔

نادر الوجود میں عقد مضاربت:

۱۱- شافعیہ نے کہا ہے کہ رب المال کے لئے مضارب پر ایسی شئی کی خریداری کی شرط لگانا جائز نہیں ہے، جس کا وجود شاذ و نادر ہو، جیسے چستکبرے گھوڑے، لال یا قوت اور سیاہی مائل ریشم، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ شاذ و نادر پائی جانے والی چیز اس کو نہ ملے، انخطیب شربینی نے کہا ہے: مجھے نووی کے کلام سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ اگر نوع نادر الوجود نہ ہو تو عقد مضاربت صحیح ہے، اگرچہ فی الحال وہ موجود نہ ہو، جیسے تازہ پھل، اس لئے کہ اس میں تعیین نہیں ہوتی ہے، انہوں نے کہا کہ یہی حکم اس وقت ہے جبکہ وہ نادر ہو مگر ایسی جگہ عقد مضاربت ہو رہا ہے کہ اس جگہ وہ اکثر پایا جاتا ہے، اسی کے قائل

(۱) نہایۃ المحتاج ۴/۱۹۸، مغنی المحتاج ۲/۱۱۰۔

(۲) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۲۱۵۔

(۳) کشاف القناع ۳/۳۰۳۔

ندرت ۱۳

کے اول حصہ میں اس کو طلاق دے اور وہ اس وقت پاک ہو، پھر اس کو حیض آجائے، اور فجر کے قبل بند ہو جائے، پھر سولہویں رات میں آئے اور وہ بھی فجر کے قبل بند ہو جائے، پھر مہینہ کے آخری دن غروب کے بعد حیض آئے، اس لئے کہ اس حالت میں ایام میں طہر کا اعتبار ہوتا ہے تو اس بارے میں عورتوں سے معلومات حاصل کرنا ضروری ہے، اگر وہ اس کے حق میں گواہی دیں، یعنی وہ گواہی دیں کہ عورتوں کو اس طرح بھی حیض آتا ہے، عورت کے اس دعویٰ میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔

اگر ایسی مدت میں عدت کے پوری ہونے کا دعویٰ کرے کہ اس مدت میں اس کا پورا ہونا نہ اکثر حالات میں ممکن ہو نہ شاذ و نادر حالات میں ممکن ہو تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، نہ اس بارے میں عورتوں سے دریافت کیا جائے گا^(۱)۔

دوم: ندرت بمعنی معدن سے متعلق احکام:

۱۳- مالکیہ نے کہا ہے کہ ندرت (معدن) کے پانے والے پر رکاز کی طرح خمس (پانچواں حصہ) واجب ہے، خواہ اس کا پانے والا آزاد ہو یا غلام ہو، خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو، خواہ نابالغ ہو یا بالغ ہو، خواہ معدن نصاب کے برابر ہو یا کم ہو، یہ امام مالک سے ایک روایت میں ابن القاسم کا قول ہے، اور یہ مسلمانوں کے عام مصالح میں خرچ کیا جائے گا، آٹھ مصارف کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا، یہ اس لئے کہ ابن القاسم نے اس کو رکاز میں شمار کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک رکاز وہ سونا یا چاندی ہے جو زمین کے اندر پایا جائے، خواہ زمین میں اس کو دفن کیا گیا ہو یا دفن سے خالی ہو۔

ابن نافع کے نزدیک اس میں زکاۃ واجب ہوگی، یعنی

جائے گا کہ اس نے طہر کے آخری جزء میں اس کو طلاق دی اور اس کا حیض اقل حیض یعنی تین دنوں والا ہے اور اس کا طہر اقل طہر یعنی پندرہ دنوں والا ہے، تو تین بار حیض کے ایام نو دن ہوں گے اور پندرہ، پندرہ دنوں کے دو طہر تیس دن ہوں گے، لہذا انتالیس دنوں میں اس کی تصدیق کی جائے گی، اس لئے کہ وہ امین ہے، تو جب وہ ایسی چیز کی خبر دے گی جس کا ہونا ممکن ہے تو اس کی خبر کو قبول کرنا واجب ہوگا۔ لیکن سرخسی نے کہا ہے کہ صاحبین نے جو کچھ کہا ہے اس کا کوئی معنی نہیں ہے، اس لئے کہ اس مدت میں اس عورت کی تصدیق کرنا ایسے امور کا اعتبار کئے بغیر ممکن نہیں ہے جو سب کے سب شاذ و نادر ہیں، مثلاً یہ کہ طلاق طہر کے بالکل آخری جزء میں ہو، اور اس کا حیض اقل مدت حیض ہو، اس کا طہر اقل مدت طہر ہو، عدت پوری ہونے کے بعد اس کی خبر دینے میں بالکل تاخیر نہ کرے۔

امین اگر ایسی چیز کی خبر دے کہ اس میں نادر امور کا اعتبار کئے بغیر اس کی تصدیق ممکن نہ ہو تو اس میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، مثلاً وحی اگر کہے کہ میں نے بچہ پر ایک دن میں سو درہم خرچ کر دیا ہے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، حالانکہ اس نے جو کچھ کہا ہے وہ ممکن ہے اس طرح کہ اس کے لئے نفقہ خریدے وہ چوری ہو جائے پھر اس کے مثل خریدے اور وہ جل جائے پھر اس کے مثل خریدے اور وہ تلف ہو جائے، تو ان امور کے نادر ہونے کی وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اسی طرح یہاں بھی تصدیق نہیں کی جائے گی^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر عورت ایسی مدت میں عدت کے پوری ہونے کا دعویٰ کرے جس میں اس کا پورا ہونا شاذ و نادر ہو مثلاً ایک ماہ میں پوری ہو جانے کا دعویٰ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مہینہ کی پہلی رات

(۱) المبسوط للسرخسی ۲۱۷، ۲۱۸۔

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۲۲۲، ۲۲۳۔

ندم، نذر ۱-۲

چالیسواں حصہ واجب ہوگا، اس لئے کہ ابن نافع اس کو معدن میں شمار کرتے ہیں، کیونکہ ابن نافع کے نزدیک رکاز صرف اس کو کہتے ہیں جس کو آدمی دفن کرے، اور اس کا مصرف وہی ہوگا جو زکاۃ کا مصرف ہے، یعنی اٹھ مصارف میں صرف کیا جائے گا۔

ابن سخون نے کہا ہے کہ اگر ندرت نصاب سے کم ہو تو اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) نہیں لیا جائے گا۔

ندرت اس معنی میں جس کو مالکیہ نے ذکر کیا ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک معدن یا رکاز میں داخل ہے^(۱)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاحات ”رکاز“ (فقہ ۱۰/۱)، ”معدن“ (فقہ ۶/۶)۔

نذر

تعریف:

۱- لغت میں نذر کا معنی نجب ہے، یعنی انسان جس کی نذر مانے اور اس کو اپنے اوپر واجب قرار دے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”نذر علی نفسه لله كذا، يَنْذِرُ يَنْذِرُ، نذراً، نذوراً“ اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانی، اسی طرح کہا جاتا ہے: أنذرت نذراً جبکہ رضا کارانہ طور پر اپنے اوپر کوئی عبادت، صدقہ وغیرہ واجب کرے^(۱)۔

نذر کا اصطلاحی معنی کسی عاقل بالغ شخص کا اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے اوپر ایسی چیز کو لازم کرنا ہے، جس کو شریعت نے اس پر لازم نہ کیا ہو^(۲)۔

ندم

دیکھئے: ”توبۃ“۔

متعلقہ الفاظ:

الف- فرض:

۲- لغت میں فرض کا ایک معنی واجب کرنا ہے، کہا جاتا ہے: فرض الأهر، اس کو واجب کیا، فرض علیہ اس کو اس پر واجب کیا^(۳)۔
اصطلاحی معنی: انسان کو جس کے کرنے پر ثواب دیا جائے اور اس کے چھوڑنے پر سزا دی جائے وہ فرض ہے^(۴)۔

(۱) لسان العرب، المصباح المنیر۔

(۲) کشف القناع عن متن الإقناع ۲/۶، ۲۷۳، الشرح الصغیر ۲/۲۴۹، معنی

المحتاج ۲/۳، ۳۵۴، الاختیار ۲/۶، ۷۷، البدائع ۵/۸۲۔

(۳) المصباح المنیر، المعجم الوسیط۔

(۴) الجمل علی شرح النجاشی ۱/۱۰۲، کشف القناع ۱/۸۳۔

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۱/۳۸۹، ۳۹۰۔

نذر ۳-۵

فقہاء نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع سے اس پر استدلال کیا ہے۔

کتاب اللہ میں اس سلسلہ میں چند آیات ہیں، مثلاً ارشاد باری ہے: ”وَلْيُؤْفُوا نَذْرَهُمْ“^(۱) (اور اپنے واجبات کو پورا کریں)، نیک لوگوں کے بارے میں ارشاد باری ہے: ”يُؤْفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا“^(۲) (یہ لوگ واجبات کو پورا کرتے رہتے اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی)۔

نیز ارشاد ربانی ہے: ”وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِن اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ، فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ، فَاَعَقَبْتَهُمْ نٰفٰقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمٍ يَلْقَوْنَهٗ بِمَا اٰخَلَفُوْا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ“^(۳) (اور ان میں وہ بھی ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال) عطا کر دے تو ہم خوب (اس میں سے) صدقہ کریں گے اور ہم خوب نیک نیک کام کیا کریں پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دے دیا تو لگے وہ اس میں بخل کرنے اور روگردانی کرنے اور منہ پھیرے ہوئے تو وہ تھے ہی، سو (اللہ نے) ان کی سزا میں ان کے قلوب میں نفاق قائم کر دیا جو اس کے پاس جانے کے دن تک رہے گا اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے خلاف کیا جو کچھ اس سے وعدہ کر چکے تھے اور اس لئے

= ۲۸۸۳/۶، ۲۸۸۸، مواہب الجلیل والتاج والإکلیل ۳/۱۸۳، کفایۃ الطالب الربانی وحاشیۃ العروی علیہ ۳/۵۵، روضۃ الطالبین ۳/۳۰۰، ۳۰۱، نہایۃ المحتاج ۸/۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲، المغنی ۱/۱۹، ۲، کشف القناع ۲/۲۳۶۔

(۱) سورہ حج/۲۹۔

(۲) سورہ انسان/۷۔

(۳) سورہ توبہ/۷۵، ۷۷۔

نذر اور فرض میں تعلق یہ ہے کہ نذر وہ ہے جس کو آدمی نے خود اپنے اوپر واجب کیا ہو، اور فرض وہ ہے جس کو شریعت نے اس پر واجب کیا ہو۔

ب- تطوع:

۳- لغت میں تطوع کا معنی تبرع ہے، یعنی اپنی خوشی سے کوئی کام کرنا^(۱)۔

اصطلاح میں غیر واجب عبادت کو تطوع کہتے ہیں^(۲)۔

تطوع اور نذر میں تعلق یہ ہے کہ نذر میں کام کو اپنے اوپر لازم کیا جاتا ہے، جبکہ تطوع سے التزام نہیں ہوتا ہے۔

ج- بیعین:

۴- لغت میں بیعین کا ایک معنی قسم کھانا ہے، اس لئے کہ اہل عرب جب قسم کھاتے تھے تو ان میں سے ہر ایک اپنا دایاں ہاتھ اپنے ساتھی کے دائیں ہاتھ پر مارتا تھا^(۳)۔

اصطلاح میں بیعین کا معنی: غیر ثابت امر کو واجب کرنا ہے، خواہ ماضی ہو یا مستقبل، نفی ہو یا اثبات، ممکن ہو یا ناممکن، حال کا علم ہو یا اس سے ناواقفیت ہو^(۴)۔

نذر کا مشروع ہونا:

۵- فی الجملہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ نذر صحیح ہے، اور اگر اطاعت کی نذر ہو تو اس کو پورا کرنا واجب ہے^(۵)۔

(۱) المصباح المنیر۔

(۲) کشف القناع ۱/۴۱۱۔

(۳) المصباح المنیر۔

(۴) مغنی المحتاج ۴/۳۲۰۔

(۵) الہدایۃ، فتح القدر والعنایۃ ۴/۲۶، ۲۷، رد المحتار ۳/۶۶، ۶۷، بدائع الصنائع

نذر

یلونہم، ثم إن بعدکم قوماً یشہدون ولا یستشہدون، ویخونون ولا یؤتمنون، وینذرون ولیفون، ویظہر فیہم السمن“^(۱) (میری امت کے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں، پھر جوان کے بعد ہیں، پھر جوان کے بعد ہیں، پھر تمہارے بعد کچھ لوگ ہوں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی دینے کو نہیں کہا جائے گا، خیانت کریں گے ان کو امین نہیں سمجھا جائے گا، نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹا پا ظاہر ہوگا)۔

اجماع کے رد سے دلیل یہ ہے کہ ابن رشد (الحفید) نے نقل کیا ہے کہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عبادت میں مطلق نذر لازم ہوتی ہے، ابن قدامہ نے کہا ہے کہ فی الجملہ نذر کے صحیح ہونے اور اس کو پورا کرنے کے لازم ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے^(۲)۔

نذر کا حکم:

۶- نذر کے شرعی حکم میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: نذر مندوب الیہ ہے، اگرچہ نذر مندوب کی نوع میں بعض فقہاء کے نزدیک کچھ تفصیل ہے۔

چنانچہ حنفیہ کی رائے ہے کہ نذر مشروع عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لئے صرف ایسی عبادت کی نذر ماننا صحیح ہے کہ اس قسم کی عبادت واجب ہو۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ نذر مطلق مستحب ہے، اور وہ ایسی نذر ہے جس کو آدمی زمانہ ماضی میں ہوئے کسی کام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنے اوپر واجب کرتا ہے۔

(۱) حدیث: ”خیر امتی قرنی، ثم الذین یلونہم.....“ کی روایت بخاری

(فتح الباری ۷/۳ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) بدایۃ المجتہد ۱/۴۲۲، المغنی ۱/۱۶۹۔

کہ وہ جھوٹ بولتے رہے)۔

اس سلسلہ میں بہت سی احادیث مروی ہیں، مثلاً حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نذر أن یطیع اللہ فلیطعه، ومن نذر أن یعصیہ فلا یعصہ“^(۱) (جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اس کی اطاعت کرے اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے وہ اس کی نافرمانی نہ کرے) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ان کے والد حضرت عمر بن الخطابؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا: ”یا رسول اللہ انی نذرت فی الجاہلیۃ أن أعتکف یوماً فی المسجد الحرام، فکیف تری؟ قال: اذهب فاعتکف یوماً“ (اے اللہ کے رسول میں نے عہد جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک دن اعتکاف کرنے کی نذر مانی ہے، تو اس سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ ایک دن اعتکاف کر لو، دوسری روایت میں ہے: ”أنه قال للنبی ﷺ: یا رسول اللہ، انی نذرت فی الجاہلیۃ أن أعتکف لیلۃ فی المسجد الحرام فقال النبی ﷺ: أوف بنذرك“^(۲) (انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر لو)۔

عمران بن الحصینؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خیر امتی قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین

(۱) حدیث: ”من نذر أن یطیع اللہ فلیطعه.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۱/۵۸۱ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”انی نذرت فی الجاہلیۃ أن أعتکف.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۲۸۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۲۷ طبع عیسیٰ الخلیفی) نے کی ہے، اور پہلی روایت مسلم کی ہے، اور دوسری بخاری کی ہے۔

نذر

تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا محتاج ہے جن کو چھوڑ دینا جائز ہے، تاکہ نیک انجام حاصل ہو، اور وہ آخرت میں اعلیٰ درجات اور سعادت عظمیٰ کا حاصل کرنا ہے، اس سلسلہ میں اس کی طبیعت اس کی اطاعت پر آمادہ نہیں ہوتی ہے، بلکہ نقد نقصان یعنی مشقت کی وجہ سے اس کو روکتی ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کے چھوڑ دینے میں کوئی ضرر نہیں ہے، لہذا ایسے سبب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہ رہے، بلکہ ان فرائض میں داخل ہو جائے جو متعین ہیں، اور یہ نذر کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے، کیونکہ واجب ہونا، ترک کے نقصان کے اندیشہ سے اس کو اس کے حاصل کرنے پر آمادہ کرے گا، اس طرح اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا^(۱)۔

دوسرا رجحان: نذر ماننا مکروہ ہے، یہ فی الجملہ مالکیہ، شافعیہ کے نزدیک ہے اور حنابلہ کا صحیح مذہب یہی ہے، البتہ بعض فقہاء کے نزدیک اس قسم کی نذر میں کچھ تفصیل ہے۔

نذر مکرر میں مالکیہ کی یہی رائے ہے، یہ وہ نذر ہے جس کو ادا کرنا نذر ماننے والے پر بار واجب ہوتا ہے، مثلاً ہر جمعرات کو روزہ رکھنا، یہ مکروہ ہے، اس لئے کہ نذر ماننے والے پر ایسے اوقات میں بھی اس کو ادا کرنا واجب ہوگا جس میں ادا کرنا اس کے لئے نہایت دشوار ہوگا، ایسی صورت میں وہ خوش دلی اور خالص نیت کے بغیر تکلیف کے ساتھ ادا کرے گا۔

نذر معلق میں یہی الباجی اور ابن شاس کا قول ہے، اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خالص نیت نہیں رہتی ہے، بلکہ اس میں نذر ماننے والا معاوضہ کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، ابن رشد نے اس کو مباح کہا ہے۔

القزطبی مالکی نے کہا ہے کہ جس کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ اس کو اعتقاد ہو جائے گا کہ نذر کی وجہ سے قریبی مقصد لازمی طور

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۳۔

شافعیہ میں قاضی، غزالی اور متولی کی رائے ہے کہ نذر عبادت ہے۔

ابن الرفعه نے کہا ہے: ظاہر ہے کہ نیکی کی نذر میں وہ عبادت ہے، دوسرے میں نہیں^(۱)۔

یہ رائے رکھنے والے فقہاء نے کتاب و سنت اور قیاس سے استدلال کیا ہے، کتاب اللہ میں نیک لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے: ”يُؤْفُونَ بِاللَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا“^(۲) (یہ لوگ واجبات کو پورا کرتے رہتے اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی)، نیز ارشاد ربانی ہے: ”وَلْيُؤْفُوا نَذْرَهُمْ“^(۳) (اور اپنے واجبات کو پورا کریں)۔

احادیث میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه“^(۴) (جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اس کی اطاعت کرے اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے وہ اس کی نافرمانی نہ کرے)۔

رہی عقلی دلیل تو فقہاء نے کہا ہے کہ نذر مختلف عبادات مثلاً نماز، روزہ صدقہ اور حج وغیرہ کا ذریعہ ہے، اور ذرائع و وسائل مقاصد کے حکم میں ہوتے ہیں، لہذا نذر بھی عبادت ہوگی^(۵)۔

فقہاء نے کہا ہے کہ مسلمان ایسی مقصود عبادات کے ذریعہ اللہ

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۶۶۳، المقدمات المہدات ۱/۴۰۴، ۴۰۵، مواہب الجلیل والتاج والإکلیل علی مختصر سیدی خلیل ۳/۳۱۹، زاد المحتاج بشرح المنہاج ۴/۴۹۰، منہج المحتاج ۴/۳۵۴۔

(۲) سورة انسان ۱۔

(۳) سورة حج ۲۹۔

(۴) حدیث: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه.....“ کی تخریج فقہرہ ۵/۵ میں گذر چکی ہے۔

(۵) زاد المحتاج ۴/۴۹۱۔

نذرے

یستخرج به من البخیل،^(۱) (نبی کریم ﷺ نے نذر سے منع فرمایا، اور کہا کہ یہ کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی ہے، اس کے ذریعہ صرف بخیل سے کچھ مال نکلا لیا جاتا ہے)۔

استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں نذر سے منع فرمایا ہے، اس حدیث میں ممانعت کی کیا وجہ ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء نے اس کو حقیقت یعنی حرمت پر محمول کیا ہے، قرطبی نے کہا ہے کہ بظاہر مجھ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ اس کو اعتقاد ہوگا کہ نذر کی وجہ سے مقصد جلد حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نذر کی وجہ سے اس کام کو جلد کر دیتا ہے، اس کے حق میں حرام ہے، لہذا اس حالت میں نذر ماننا حرام ہوگا، اور جس کو اس طرح کا اعتقاد نہ ہو اس کے حق میں کراہت ہوگی^(۲)۔

رہی عقلی دلیل تو فقہاء نے کہا ہے کہ اگر نذر مستحب ہوتی تو اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ اس پر ضرر عمل پیرا ہوتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا ہے، ان کا اس کو نہ کرنا اس کی کراہت کی علامت ہے^(۳)۔

نذر کے الفاظ:

۷- نذر کے الفاظ کے بارے میں فقہاء نے یہ اعتبار کیا ہے کہ جو شخص الفاظ سے تعبیر کر سکتا ہو اس کی جانب سے لفظ کے ذریعہ ہو، اور اس لفظ سے نذر ماننے ہوئے عمل کا التزام معلوم ہوتا ہو، یہ اس لئے کہ

- (۱) حدیث: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن النذر.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۱/۲۹۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۲۶۱/۳ طبع عیسیٰ الخلی) نے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔
- (۲) مواہب الجلیل ۳۱۹/۳، ۳۲۰، المغنی ۱/۹، کشف القناع ۲۷۳/۶۔
- (۳) المغنی ۱/۹، کشف القناع ۲۷۳/۶۔

پر حاصل ہو جاتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نذر کی وجہ سے اس کام کو پورا کر دیتا ہے، اس کے حق میں نذر حرام ہے، اور جس شخص کا ایسا اعتقاد ہو اس کے لئے نذر کا ارادہ کرنا حرام و ناجائز ہے، جس کو اس طرح کے اعتقاد کا اندیشہ نہ ہو اس کے حق میں مکروہ ہے۔

امام شافعی سے صراحت کے ساتھ نذر کی کراہت کا قول منقول ہے، شافعیہ میں نووی اسی کے قائل ہیں، شافعیہ میں سے ملی نے کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ کراہت نذر لجاج کے ساتھ خاص ہے^(۱)۔ اس لئے کہ وہ کوئی بھلائی کا کام نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ محض بخیل سے کچھ نکال لیا جاتا ہے، اس کے برخلاف اطاعت کی نذر ہے کہ وہ مندوب الیہ ہے، اس لئے کہ وہ عبادت ہے، اور طاعت کا ذریعہ وسیلہ ہے، اور وسائل مقاصد کے حکم میں ہوتے ہیں، اور اس لئے کہ نذر ماننے والے کو اس کی نذر پر واجب کے ثواب کی طرح ثواب ملتا ہے۔

حنابلہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ نذر مکروہ ہے، بہوتی نے کہا ہے: نذر مصدری معنی میں مکروہ ہے، اگرچہ عبادت کی نذر ہو، ابن حامد نے کہا ہے کہ راجح مذہب یہ ہے کہ وہ مباح ہے^(۲)۔ اس رائے کے قائلین نے سنت اور عقل سے استدلال کیا۔

سنت نبوی میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی حدیث ہے: ”نہی النبی ﷺ عن النذر، وقال: إنه لا یرد شیئاً، وانما

- (۱) نذر لجاج یہ ہے کہ نذر ماننے والا کسی عبادت کے کرنے یا نہ کرنے کے التزام پر معلق کر کے اپنے کو کسی کام سے روکتا ہے یا اس کے کرنے پر آمادہ کرتا ہے، اس کو بین اللجاج والغضب، بین العلق اور نذر العلق بھی کہا جاتا ہے، (روضۃ الطالین ۳/۲۹۳، نہایۃ المحتاج ۸/۲۱۹)۔
- (۲) المقدمات للمہدات ۱/۴۰۳، ۴۰۵، مواہب الجلیل والتاج والإکیل ۳۱۹/۳، ۳۲۰، شرح الزرقانی علی مختصر ظلیل ۳/۹۳، نہایۃ المحتاج ۸/۲۱۸، زاد المحتاج ۴/۴۹۰، ۴۹۱، المغنی ۱/۹، کشف القناع ۲۷۳/۶، الإیضاف ۱۱/۱۱۷۔

نذر ۸

یہ رائے رکھنے والے فقہاء نے کہا ہے کہ صیغہ میں لفظ نذر کا ذکر نہ کرنا، نذر کے لازم ہونے میں اثر انداز نہ ہوگا، اس لئے کہ جن اقوال کا اثر نذر کی طرح ہوتا ہے، ان کا مقصود نذر ہی ہے اگرچہ اس میں لفظ نذر کی صراحت نہ ہو^(۱)۔

اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ جو شخص للہ علیٰ کذا کہتا ہے اور لفظ نذر ذکر نہیں کرتا ہے، اس میں لفظ ”علیٰ“ اپنے اوپر واجب کرنے کے لئے ہے، اس لئے اگر علیٰ المشیٰ الیٰ بیت اللہ تعالیٰ کہے گا تو اپنے اوپر اس کو واجب کرے گا، لہذا یہ اس پر لازم ہو جائے گا، جیسا کہ اگر ہو علیٰ نذر کہتا^(۲)۔

دوسری رائے: جب تک صیغہ میں لفظ نذر کی صراحت نہ کرے، نذر منعقد نہ ہوگی، یہ سعید بن المسیب اور القاسم بن محمد کا دوسرا قول ہے^(۳)۔

ان حضرات نے دلیل عقلی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نذر ایسی چیز کے واجب ہونے کی خبر دیتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نذر ماننے والے پر واجب نہیں کیا ہے، اس لئے وجوب کی جہت کی صراحت ضروری ہے^(۴)۔

نذر کی اقسام:

۸- فقہاء نے نذر کی چند تقسیمیں کی ہیں:

چنانچہ حنفیہ نے نذر کی دو تقسیمیں کی ہیں:

= ۳۱۸، بدایۃ المجتہد ۴۲۲/۱، روضۃ الطالبین ۳۳۳/۳، نہایت المحتاج ۲۲۰/۸، ۲۲۱، زاد المحتاج ۴۹۲/۳، المغنی ۳۳۳/۹، کشاف القناع ۲۴۳/۶۔

(۱) مواہب الجلیل ۳۱۸/۳، بدایۃ المجتہد ۴۲۲۔

(۲) المغنی ۲۴۳/۹۔

(۳) مواہب الجلیل ۳۱۸/۳، ۳۱۷، بدایۃ المجتہد ۴۲۲/۱، المغنی ۳۳۳/۹۔

(۴) بدایۃ المجتہد ۴۲۲/۱۔

نذر میں اصل مدار لفظ ہی پر ہے، کیونکہ نذر مانے ہوئے مندوب کو نذر کے ذریعہ وجوب کی طرف منتقل کرنے والا شرعی سبب یہی لفظ ہے، لہذا اس میں لفظ کے بغیر محض نیت کافی نہ ہوگی۔

نذر کی نیت کے ساتھ لکھنا، یا گونگا کا ایسا اشارہ جو سمجھ میں آجائے، اور اس سے نذر معلوم ہو یا اس سے عقود کی کیفیت کا التزام سمجھ میں آئے لفظ کے قائم مقام ہوتا ہے^(۱)۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو شخص نذر مانے اور اپنے زبانی یا تحریری صیغہ میں لفظ نذر کی صراحت کر دے تو ایسے صیغہ سے اس کی نذر منعقد ہو جائے گی اور جس چیز کی نذر مانی ہے وہ اس پر لازم ہو جائے گی۔

فقہاء کا اختلاف صرف اس صورت میں ہے جبکہ نذر کا صیغہ لفظ نذر سے خالی ہو، مثلاً کہے: للہ علیٰ کذا اور نذر نہ کہے، ایسے صیغہ سے اس کی نذر منعقد ہو جائے گی اور جس چیز کی نذر مانی وہ اس پر لازم ہو جائے گی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو آراء ہیں:

پہلی رائے: نذر منعقد ہو جائے گی، اور وہ چیز نذر ماننے والے پر بھی لازم ہو جائے گی اگرچہ وہ اپنے صیغہ سے لفظ نذر کی صراحت نہ کرے، بشرطیکہ ایسا صیغہ استعمال کرے جس سے اس کا التزام معلوم ہو، یہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، ایک شخص نے کہا: ”علیٰ المشیٰ الیٰ الکعبۃ للہ“ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ نذر ہے، اس کو جانا چاہئے، اسی کے مثل سعید بن المسیب، القاسم بن محمد، یزید بن ابراہیم التیمی کا قول ہے، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے بھی یہی ہے، ابن قدامہ نے علماء کی ایک جماعت سے یہی نقل کیا ہے^(۲)۔

(۱) رد المحتار ۶۶۳/۳، مواہب الجلیل ۳۱۷/۳، بدایۃ المجتہد ۴۲۲/۱، نہایت

المحتاج ۲۱۹/۸، روضۃ الطالبین ۲۹۳/۳، کشاف القناع ۲۴۳/۶۔

(۲) بدائع الصنائع ۲۸۶۲/۶، ۲۸۶۹، ۲۸۷۴، مواہب الجلیل ۳۱۷/۳،

نذر ۸

پہلی قسم: نذر مطلق، اس میں نذر ماننے والا کسی شرط پر معلق کئے بغیر ابتداءً اپنے اوپر نذر کو لازم کرتا ہے۔

دوسری قسم: نذر الحجاز، اس میں نذر ماننے والا کسی نعمت کے حاصل ہونے یا کسی مصیبت کے دور ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر کسی عبادت کو لازم کرتا ہے۔

دوسری قسم: نذر اللجاج والغضب، اس میں نذر ماننے والا کسی عبادت کے کرنے یا نہ کرنے کے التزام پر معلق کر کے اپنے کو کسی کام سے روکتا ہے، یا اس کے کرنے پر آمادہ کرتا ہے، اس کو یحییٰ اللجاج والغضب، یحییٰ الغلق اور نذر الغلق بھی کہا جاتا ہے۔

اسی طرح انہوں نے ملتزم بہ (جس چیز کو اپنے اوپر لازم کیا ہے) کے اعتبار سے نذر کی تین قسمیں کی ہیں:

پہلی قسم: نذر الطاعة: یعنی ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرنا جو اللہ تعالیٰ کی طاعت سمجھی جاتی ہے، اور طاعت کی تین انواع ہیں: پہلی قسم: واجبات، جیسے پانچوں نمازیں، رمضان کا روزہ اور شراب نہ پینا۔

دوسری قسم: عبادات مقصودہ یعنی جو اس لئے مشروع ہیں کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور یہ معلوم ہو کہ شارع نے لوگوں کو عبادت کے طور پر اس کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے، جیسے روزہ، نماز، صدقہ، حج اور اعتکاف۔

تیسری قسم: وہ طاعات جو عبادات ہونے کی وجہ سے مشروع نہیں ہیں، بلکہ وہ محض پسندیدہ اعمال و اخلاق ہیں، ان کے عظیم فوائد کی وجہ سے شارع نے ان کی ترغیب دی ہے، کبھی کبھی اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاتی ہے، تو اس وقت اس میں ثواب بھی ملتا ہے، جیسے مریضوں کی عیادت، مسلمانوں میں سلام کا رواج دینا، چھینکنے والے کو دعاء رحمت دینا۔

پہلی قسم: نذر مسمیٰ (نامزد نذر) یہ وہ نذر ہے جس میں نذر ماننے والا روزہ، نماز، یا صدقہ وغیرہ میں سے جس کی نذر ماننے اس کی صراحت کر دے، یہ نذر کبھی مطلق ہوتی ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے، اور نہ وہ کسی شرط پر معلق ہوتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے اس کو زمانہ ماضی میں جو نعمت دی ہے اس پر اس کا شکر ادا کرنے کے لئے یا بلا کسی سبب کے نذر ماننے والا ابتداءً اس کو اپنے اوپر واجب کرتا ہے۔

اور کبھی نذر کسی شئی کے حاصل ہونے کے ساتھ مقید یا کسی شرط پر معلق ہوتی ہے، مثلاً نذر ماننے والا اس کو کسی شئی کے حصول کی شرط پر معلق کر کے اپنے اوپر واجب کرتا ہے، اور وہ شئی خواہ نذر ماننے والے کا عمل ہو، واجب ہو یا حرام ہو، یا کسی دوسرے بندہ کا عمل ہو یا اللہ تعالیٰ کا عمل ہو۔

دوسری قسم: نذر مبہم، یعنی جس نذر میں نذر ماننے والے کی کوئی نیت نہ ہو اور اس نے واجب ہونے والے عمل کو متعین نہ کیا ہو^(۱)۔

مالکیہ نے نذر کے مطلق اور مقید ہونے کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں کی ہیں: نذر مطلق، نذر مقید یا معلق علی شرط اور اس اعتبار سے بھی کہ اس سے کوئی معین عمل واجب ہوتا ہے، یا نہیں اس کی دو قسمیں کی ہیں، نذر مسمیٰ اور نذر مبہم اور ان کے نزدیک ان دونوں کا مفہوم وہی ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے^(۲)۔

شافعیہ نے نذر کی غرض کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں کی ہیں: پہلی قسم: طاعت و عبادت کی نذر، مطلق ہونے یا کسی شرط پر معلق ہونے کے اعتبار سے اس کی دو انواع ہیں:

(۱) فتح القدر ۲/۲۶، ۲۷، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۲، ۲۸۸۳، ۲۸۸۷

۲۸۸۸

(۲) المقدمات للمہدات ۱/۴۰۴، ۴۰۵، مواہب الجلیل والتاج والإکلیل

۳/۱۹، کفایۃ الطالب الربانی ۳/۵۶، ۹۹

اس قسم میں نذر ماننے والے پر کیا لازم ہوگا؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۱۰- بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے اس کو پورا کرے یا اس کی طرف سے کفارہ یمن ادا کرے اگر اس کی شرط پائی جائے، یہ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے، اس لئے کہ وہ پہلے کہتے تھے کہ نذر کو پورا کرنا لازم ہے، مگر اپنی آخری عمر میں انہوں نے اس طرف رجوع کر لیا تھا، اور یہ اختیار اس وقت ہے جبکہ نذر ماننے والا شرط کو پوری کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، یہ امام محمد بن الحسن کا قول ہے، اور اصحاب امام شافعی میں اہل عراق کا اظہر قول ہے، یہی نووی کا قول اور حنابلہ کا مشہور مذہب ہے (۱)۔

ان حضرات نے سنت اور عقل سے استدلال کیا ہے۔

سنت مطہرہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا نذر في معصية الله، و كفارته كفارة يمين“ (۲) (اللہ کی معصیت میں نذر نہیں ہے، اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوگا)، عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا نذر في غضب، و كفارته كفارة يمين“ (۳)

(غضب میں نذر نہیں ہے، اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوگا) استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ یہ نذر یمن کی طرح ہے، لہذا شرط پائے جانے کی

(۱) الہدایہ والعناویہ فتح القدیر ۴/۲۷۷، الدر المختار و رد المحتار ۳/۶۹۳، روضۃ الطالبین ۳/۲۹۳، نہایۃ المحتاج ۸/۲۱۹، زاد المحتاج ۳/۴۹۳، الکانی ۴/۳۱۷، کشف القناع ۶/۲۷۷۔

(۲) حدیث: ”لا نذر في معصية الله، و كفارته كفارة يمين“ کی روایت ترمذی (۳/۱۰۳ طبع الکلی) نے کی ہے، اور اس کو معلول قرار دیا ہے، کیونکہ زہری نے ابوسلمہ سے اس کو نہیں سنا ہے۔

(۳) حدیث: ”لا نذر في غضب، و كفارته كفارة يمين“ کی روایت نسائی (۲۸/۷ طبع التجاریۃ الکبریٰ) نے کی ہے، پھر انہوں نے کہا ہے کہ اس میں ایک ضعیف راوی ہیں، اس حدیث میں ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

دوسری قسم: نذر المعصية، یعنی جس چیز کی شریعت نے نفی کی ہو اس کو اپنے اوپر لازم کرنا مثلاً شراب پینا، قتل کرنا یا نماز ترک کرنا۔

تیسری قسم: نذر المباح، یعنی ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرنا جس کی ترغیب شریعت نے نہ دی ہو، جیسے کھانا، پینا، سونا، کھڑا رہنا (۱)۔

حنابلہ میں ابن قدامہ نے نذر کی سات قسمیں بیان کی ہیں: نذر اللجاج والغضب، نذر الواجب، نذر المستحیل، نذر المستحیل کی مثال انہوں نے ذکر کی ہے کہ مثلاً کوئی گذشتہ کل کے روزہ کی نذر مانے، یہ اجمالی طور پر اس سے الگ نہیں ہے جو پہلے گذرا۔

بہوتی نے نذر کی چھ قسمیں بیان کی ہیں، نذر اللجاج والغضب، النذر المطلق، نذر المباح، نذر المکر وہ، اس کی مثال میں انہوں نے طلاق یا ترک سنت کی نذر کو ذکر کیا ہے، نذر المعصیہ اور نذر طاعت (۲)۔

نذر کی اقسام میں سے ہر قسم کا حکم ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

الف- نذر اللجاج:

۹- نذر اللجاج: وہ نذر ہے جس میں نذر ماننے والا کسی عبادت کے کرنے یا نہ کرنے کے التزام کی تعلیق کے ساتھ اپنے کو کسی کام سے روکتا ہے، یا اس کو کرنے پر آمادہ کرتا ہے، مثلاً نذر ماننے والا کہے: (اگر میں فلاں سے بات کروں یا اس کو نہ ماروں تو مجھ پر حج یا ایک سال کا روزہ واجب ہوگا) یا کہے کہ اگر میں سچا نہ ہوں گا تو مجھ پر روزہ ہے (۳)۔

(۱) روضۃ الطالبین ۳/۲۹۳، ۲۹۸، ۳۰۰، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۰، ۲۲۲۔

(۲) المغنی ۹/۶۰۲، الکانی ۴/۳۱۷، کشف القناع ۶/۲۷۷، ۲۷۸۔

(۳) شرح الزرقانی علی مختصر ظہیر ۳/۹۲، نہایۃ المحتاج ۸/۲۱۹، کشف القناع ۶/۲۷۷، روضۃ الطالبین ۳/۲۹۳۔

نذرا

دے تو اس کو اختیار ہوگا، جمعہ کی دو رکعت ادا کرے یا ظہر کی چار رکعت ادا کرے، نذر اور یمین دو مختلف معانی ہیں، اس لئے کہ نذر ایسی مقصود طاعت ہے جو واجب لعینہ ہے، اور یمین ایسی مقصود طاعت ہے جو واجب لغیرہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت کو بچانے کی خاطر واجب ہے^(۱)۔

۱۱- بعض فقہاء کی رائے ہے کہ نذر ماننے والے نے اس نذر میں جس چیز کو متعین کیا ہے اس کو پورا کرنا اس پر لازم ہے، یہ قول حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے، یہی امام ابوحنیفہ کا ظاہر الروایہ ہے، جمہور حنفیہ کا قول اور مالکیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، شافعیہ کے مذہب میں بھی ایک قول یہی ہے^(۲)۔ ان حضرات نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور عقل سے استدلال کیا ہے۔

کتاب اللہ میں ارشاد ربانی ہے: ”وَلْيُؤْفُوا نَذْوَرَهُمْ“^(۳) (اور اپنے واجبات کو پورا کریں)، نیک لوگوں کی شان میں ارشاد ربانی ہے: ”يُؤْفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا“^(۴) (یہ لوگ واجبات کو پورا کرتے رہتے اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی)، استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق نذر کو پورا کرنا واجب ہے، اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے کہ نذر مطلق ہو یا کسی شرط پر مطلق ہو، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نذر کو پورا نہیں کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔

صورت میں نذر ماننے والے کو اختیار ہوگا کہ جس چیز کی نذر مانی ہے اس کو پورا کرے یا یمین باللہ تعالیٰ کی طرح کفارہ ادا کرے، اس لئے کہ حدیث میں اس نذر کے کفارہ کو یمین کے کفارہ کی طرح کہا گیا ہے۔

رہی عقلی دلیل تو انہوں نے کہا ہے کہ نذر اللجاج والغضب اس حیثیت سے نذر کے مشابہ ہے کہ اس میں طاعت کا التزام ہے، اور اس حیثیت سے یمین کے مشابہ ہے کہ اس کا اور یمین کا مقصد ایک ہی ہے، ان دونوں کے موجب (حکم و مصداق) کے اعتبار سے دونوں کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح ان کو بیکار رکھنا بھی ممکن نہیں ہے، لہذا دونوں میں اختیار دینا متعین ہے^(۱)۔

انہوں نے کہا ہے کہ نذر کی اس قسم میں نذر ماننے والے کو نذر کے پورا کرنے اور کفارہ ادا کرنے میں اختیار دینا دونوں صفات کا جامع ہے، چنانچہ اگر اس کو نذر مانا جائے تو اس کے پورا کرنے کو اختیار کر کے نذر ماننے والا ذمہ داری سے بری ہو سکتا ہے، اور اگر اس کو یمین قرار دیں تو اس کی طرف سے کفارہ کی ادائیگی کو اختیار کر کے عہدہ برآ ہو جائے گا، بہر حال وہ دونوں کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا^(۲)۔

اسی طرح انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ نذر اللجاج میں یمین کا معنی یعنی روکنا پایا جاتا ہے، اور وہ اپنے ظاہر کے لحاظ سے نذر ہے، لہذا نذر ماننے والے کو اختیار ہوگا کہ نذر پوری کرے یا کفارہ ادا کرے، دونوں میں سے جو چاہے اختیار کرے قلیل یعنی کفارہ اور کثیر یعنی منذور میں اختیار دینا ایک جنس میں دو مختلف معانی کے اعتبار سے جائز ہے، جیسا کہ اگر آقا اپنے غلام کو جمعہ کی نماز کی اجازت دے

(۱) الہدایہ والعتایہ ۲/۲۷۷۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۳، الہدایہ والعتایہ وفتح القدر ۲/۲۷۷، المقدمات المہمات ۱/۴۰۵، شرح الزرقانی ۳/۹۲، روضة الطالبین ۳/۲۹۴، نہایہ المحتاج ۸/۲۱۹۔

(۳) سورۃ حج ۲۹۔

(۴) سورۃ انسان ۷۔

(۱) نہایہ المحتاج ۸/۲۱۹، زاد المحتاج ۳/۴۹۳، کشف القناع ۶/۲۷۷۔

(۲) الکافی ۳/۴۱۷۔

نذر ۱۲

اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے ایک شرط کے مقابلہ میں ایک عبادت کو اپنے اوپر لازم کیا ہے، لہذا اس شرط کے پائے جانے کے وقت وہ عبادت اس پر لازم ہوگی (۱)۔

اسی طرح انہوں نے مزید کہا ہے کہ معلق بالشرط، شرط کے پائے جانے کے وقت مخرج کی طرح ہوتا ہے، تو یہ ایسا ہوگا گویا مشروط کے پائے جانے کے وقت اس نے کہا: للہ علیٰ کذا (۲)۔

۱۲- بعض فقہاء کی رائے ہے کہ نذر ماننے والے پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا، لہذا وہ کفارہ کے ذریعہ اپنی اس نذر سے بری الذمہ ہوگا، یہ حضرت عمر بن الخطاب، ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ ابن عباس، عائشہ، حفصہ اور ام سلمہ سے منقول ہے اور یہی بعض مالکیہ کا قول ہے، اور مذہب شافعی میں ایک قول ہے، جس کو بعض شافعیہ نے اظہر کہا ہے، اور یہی امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت ہے (۳)۔ ان حضرات نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور عقل سے استدلال کیا ہے۔

کتاب اللہ میں ارشاد در بانی ہے: ”لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ، إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا نَطَعُمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ“ (۴) (اللہ تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا لیکن جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو ان پر تم سے مواخذہ کرتا ہے، سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا

سنت نبوی میں چند احادیث ہیں، مثلاً حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ نَذَرَ أَنْ يَطِيعَ اللَّهَ فليطعه، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يعصيه فلا يعصه“ (۱) (جس نے نذر مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے گا وہ اطاعت کرے اور جس نے نذر مانی کہ اس کی نافرمانی کرے گا وہ نافرمانی نہ کرے)، حضرت ابن عمر نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: نذرت نذراً في الجاهلية فسألت النبي ﷺ بعدما أسلمت فأمرني أن أوفي بندري“ (۲) (میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک نذر مانی، اسلام لانے کے بعد نبی کریم ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے مجھ کو اپنی نذر پوری کرنے کا حکم دیا) ان احادیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نذر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہو تو اس کو پورا کرنا واجب ہے، اور نذر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اس لئے اس کو پورا کرنا واجب ہوگا۔

عقل سے استدلال میں ان حضرات نے کہا ہے کہ نذر کو پورا کرنا دراصل اس کام کو کرنا ہے جو نذر میں داخل ہے، اور وہ کفارہ نہیں ہے، اس لئے کہ دراصل اس طریقہ پر تصرف کا اعتبار ہوتا ہے جس کو تصرف کرنے والے نے واقع کیا ہے، خواہ تجزیاً ہو یا کسی شرط پر معلق ہو اور یہاں تصرف کرنے والے نے شرط کے پائے جانے کے وقت اس کو اپنے اوپر نذر بنا کر واقع کیا ہے، اور وہ مذکورہ طاعت کو واجب کرنا ہے، کفارہ کو واجب کرنا نہیں ہے (۳)۔

(۱) حدیث: ”مَنْ نَذَرَ أَنْ يَطِيعَ اللَّهَ فليطعه“ کی تخریج فقہرہ ۵/۵ میں گزر چکی ہے۔

(۲) حدیث حضرت عمر بن الخطاب: ”نذرت نذراً في الجاهلية.....“ کی روایت ابن ماجہ (۱/۶۸۷ طبع عیسیٰ اعلیٰ) نے کی ہے، اور اس کی اصل صحیحین میں موجود ہے جیسا کہ فقہرہ ۵/۵ میں گزرا ہے۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۵۔

(۱) زاد المحتاج ۳/۳۹۳۔

(۲) الہدایہ وفتح القدر ۳/۲۸۰۔

(۳) التاج والإلکیل ۳/۳۱۶، شرح الزرقانی علی مختصر خليل ۳/۹۲، روضة الطالین ۳/۲۹۳، نہایت المحتاج ۸/۲۱۹، زاد المحتاج ۳/۳۹۲، الکاغی ۳/۳۱۷۔

(۴) سورہ مائدہ ۸۹۔

باللہ تعالیٰ کا مقصود حنث کے لزوم کے اندیشہ سے مخلوف علیہ سے باز رہنا یا اس کو حاصل کرنا ہے، اور یہ معنی اس نذر میں بھی پایا جاتا ہے، اس لئے کہ اگر نذر ماننے والا کہے گا: ان فعلت کذا فعلی حجة تو اس کا مقصد شرط کے حاصل کرنے سے باز رہنا ہوگا اور اگر کہے گا: ان لم افعل کذا فعلی حجة تو اس کا مقصود شرط کو حاصل کرنا ہوگا، اور یہ سب حنث کے اندیشہ سے ہوگا، لہذا یہ نذر یمین باللہ تعالیٰ کے معنی میں ہوگی اور حنث کے وقت نذر ماننے والے پر کفارہ لازم ہوگا^(۱)۔

ب- نذر الطاعة:

۱۳- نذر الطاعة سے مقصود ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت شمار ہوتی ہے، خواہ وہ عبادت کے طور پر مشروع ہو، جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ یا اس طریقہ پر تو مشروع نہ ہو، مگر شارع نے اس کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہو اور کبھی اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہو، جیسے مریضوں کی عیادت کرنا، مسلمانوں میں سلام کا رواج دینا، چھینکنے والے کو رحمت کی دعا دینا، خواہ اس کی نذر مطلق ہو یا مقید ہو یا کسی شرط پر معلق ہو۔

اول: عبادات مقصودہ کی نذر:

۱۴- ان عبادات سے مراد وہ عبادتیں ہیں جو اس لئے مشروع ہیں کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے، اور شریعت کی طرف سے واجب ہونے میں ان کی اصل موجود ہو، جیسے نماز، روزہ، حج، اعتکاف اور صدقہ وغیرہ، لہذا اگر کوئی شخص، ان عبادات میں سے کسی کی بھی نذر مانے، خواہ مطلق نذر مانے یا کسی شرط پر معلق کر کے

کھانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیا کرتے ہو یا انہیں کپڑا دینا یا غلام آزاد کرنا لیکن جس کو (اتنا) مقدور نہ ہو تو اس کے لئے تین دن کے روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم حلف اٹھا چکے ہو، اس آیت سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ اپنے سابق مفہوم کے اعتبار سے یمین ہے، اس لئے کہ غیر اللہ کی یمین شرط و جزا ہے، اور نذر اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ہے، لہذا شرط کے پائے جانے کے وقت اس میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

سنت نبوی میں چند احادیث ہیں، مثلاً حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا نذر فی غضب و کفارتہ کفارة یمین“^(۱) (غصہ میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے)، نیز حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کفارة النذر کفارة یمین“^(۲) (نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے) ان احادیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ والغضب میں قسم کا کفارہ کافی ہے، اور نذر ماننے والے پر نذر پوری کرنا لازم نہیں ہے، رطبی نے کہا ہے کہ حضرت عقبہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نذر ماننے والا نذر پوری نہ کر سکے تو اس میں کفارہ واجب ہوگا، اور یہ بات یقینی ہے کہ نذر طاعت میں کفارہ نہیں ہے، لہذا یہ متعین ہے کہ حدیث میں کفارہ واجب کرنے والی نذر سے مراد نذر اللہ تعالیٰ ہے^(۳)۔

عقلی دلیل کے بارے میں ان حضرات نے کہا ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ والغضب یمین باللہ تعالیٰ کے معنی میں ہے، اس لئے کہ یمین

(۱) حدیث: ”لا نذر فی غضب.....“ کی تخریج فقہرہ ۱۰ میں گزر چکی ہے۔

(۲) حدیث: ”کفارة النذر کفارة یمین“ کی روایت مسلم (۱۲۶۵/۳) طبع عینی الکلی (۱) نے کی ہے۔

(۳) نہایۃ الحاج ۲۱۹/۸۔

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۴۔

نذر ۱۵

کے کرے یا کسی نعت کے حاصل ہونے یا کسی مصیبت کے دور ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اس کو اپنے اوپر لازم کرے، اس اجماع کو نووی اور ابن قدامہ نے نقل کیا ہے^(۱)۔

دوم: عبادات غیر مقصودہ کی نذر:

۱۵- ان عبادات سے مراد وہ عبادات ہیں جو بطور عبادت مشروع نہیں ہیں بلکہ وہ اچھے پسندیدہ اخلاق و اعمال ہیں جن کے عظیم فوائد کی وجہ سے شارع نے ان کی ترغیب دی ہے اور کبھی کبھی ان سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے، جیسے مساجد کی تعمیر، جنازہ کے ہمراہ جانا، چھینکنے والے کو رحمت کی دعا دینا وغیرہ، جن کی کوئی اصل فرائض میں نہیں ہے۔

نذر کے ذریعہ ایسی عبادات کو اپنے اوپر لازم کرنے کا حکم کیا ہوگا اس بارے میں فقہاء کے دو مختلف مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ نذر کے ذریعہ ان عبادات میں سے کسی کو بھی اپنے اوپر لازم کر لینا صحیح ہے، اور اس کو پورا کرنا لازم ہے، یہی رائے مالکیہ و حنابلہ کی ہے، اور شافعیہ کا صحیح مذہب بھی یہی ہے۔

ان حضرات فقہاء نے نذر کے ذریعہ ان عبادات کو اپنے اوپر لازم کرنے کے صحیح ہونے اور اس کو پورا کرنے کے لازم ہونے پر ان آیات کے عموم سے استدلال کیا ہے، جو اس پر دلالت کرتی ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اسی طرح انہوں نے حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه“ (جس نے نذر مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے گا وہ

مانے تو اس کو پورا کرنا اس پر لازم ہوگا، اس پر اہل علم کا اجماع ہے، جیسا کہ نووی اور ابن قدامہ نے نقل کیا ہے، یا یہ نذر کسی حاصل شدہ نعت کے مقابلہ میں ہو یا کسی مصیبت کے دور ہونے کی وجہ سے ہو^(۱)۔

فقہاء نے ان عبادات کی نذر کے پورا کرنے کے وجوب پر اس ارشاد ربانی کے عموم سے استدلال کیا ہے: ”وَلْيُؤْفُوا نَذْوَرَهُمْ“^(۲) (اور اپنے واجبات کو پورا کریں) یہ آیت مطلق نذر کو پورا کرنے پر دلالت کرتی ہے، نیز حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه“^(۳) (جس نے نذر مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے گا وہ اطاعت کرے اور جس نے نذر مانی کہ اس کی نافرمانی کرے گا وہ نافرمانی نہ کرے) اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی عبادت مثلاً نماز، صدقہ، عمرہ وغیرہ کی نذر مانے گا اس کی یہ نذر اللہ تعالیٰ کی طاعت میں ہوگی اور اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے شخص پر جو اس طرح کی نذر مانے اپنی نذر پوری کرنے کو واجب قرار دیا ہے، لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی عبادت کی نذر مانے جو مقصود لذاتہ ہو تو اس کو پورا کرنا اس پر واجب ہوگا، خواہ اس کا التزام اللہ تعالیٰ سے قربت کے لئے بغیر شرط

(۱) فتح القدير ۲/۲۶۳، رد المحتار ۶/۶۸، بدائع الصنائع ۶/۲۸۶، (۲) ۲۸۶۵، المقدمات للمهدات ۱/۴۰۳، مواہب الجلیل ۳/۳۱۸، کفایۃ الطالب الربانی ۳/۵۵، روضۃ الطالبین ۳/۳۰۱، زاد المحتاج ۴/۴۹۳، (۳) المغنی ۲/۲۰۹، اکافی ۲/۴۲۲، کشف القناع ۶/۲۷۷۔

(۲) سورۃ حج/۲۹۔

(۳) حدیث: ”من نذر أن يطيع الله.....“ کی تخریج فقرہ ۵ میں گزر چکی

(۱) روضۃ الطالبین ۳/۴۰۱، المغنی ۲/۲۷۷۔

نذر ۱۶

اپنے اوپر ایک عبادت کو لازم کیا ہے، لہذا نذر کی وجہ سے اس پر وہ عبادت لازم ہوگی، اس کو ان عبادات کے التزام پر قیاس کیا ہے جن کی اصل فرائض میں ہے، اور جس پر علماء کا (۱) اتفاق ہے۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ نذر کے ذریعہ ان عبادات میں سے کسی کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہیں ہے، اور ان کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے، یہ حنفیہ کی رائے ہے اور شافعیہ کے مذہب میں ایک قول ہے (۲)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ان عبادات کی اصل فرائض میں نہیں ہے، لہذا نذر کے ذریعہ ان کا التزام بھی درست نہ ہوگا، اس لئے کہ نذر بندہ کا واجب کرنا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کے اعتبار سے صحیح ہوگا، کیونکہ ابتداء بندہ کو واجب کرنے کا حق نہیں ہے، البتہ جس عبادت کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اس جیسی عبادت میں بندہ کے واجب کرنے کو ہم اس لئے صحیح قرار دیتے ہیں کہ نذر سے متعلق مصلحت حاصل ہو تو چونکہ یہ طاعات عبادات کے قبیل سے نہیں ہیں، اس لئے نذر کے ذریعہ ان کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہ ہوگا (۳)۔

ج- نذر المعصیہ (گناہ کی نذر):

۱۶- نذر المعصیہ یعنی شارع نے جس چیز سے منع کیا ہے اس کو اپنے اوپر لازم کرنا مثلاً شراب نوشی، قتل، حدیث کی حالت میں نماز پڑھنے، یا اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر ماننا وغیرہ۔

(۱) حوالہ سابق۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۳، ۲۸۶۵، الدر المختار و رد المحتار ۳/۶۷، روضۃ الطالبین ۳/۳۰۲، نہایت المحتاج ۸/۲۳۵۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۵، الاختیار ۴/۷۷، الدر المختار ۳/۶۷، نہایت المحتاج ۸/۲۳۵۔

اطاعت کرے اور جس نے نذر مانی کہ اس کی نافرمانی کرے گا وہ نافرمانی نہ کرے، نیز حضرت عمرؓ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے انہوں نے کہا: ”انی نذرت فی الجاہلیۃ أن أعتکف لیلة فی المسجد الحرام فقال النبی ﷺ: أوف بندرک“ (۱) (میں نے عہد جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو)، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں احادیث میں حکم دیا ہے کہ اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طاعت میں نذر ہو تو اس کو پورا کیا جائے، جو شخص سابقہ عبادات میں سے کسی کو نذر کے ذریعہ اپنے اوپر لازم کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے گا، لہذا ان میں سے جس کی نذر مانی ہے اس کو پورا کرنا اس پر لازم ہوگا۔

اسی طرح انہوں نے قیاس سے بھی استدلال کیا ہے کہ شارع نے ان عبادات کی ترغیب دی ہے اور ان کو حاصل کرنے پر آمادہ کیا ہے، اور بندہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے، لہذا یہ عبادات مقصودہ کے درجہ میں ہوں گی (۲)۔

انہوں نے مزید کہا ہے کہ اگرچہ ان عبادات کی اصل فرائض میں نہیں ہے، اس کے باوجود نذر کے ذریعہ اس کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے، اس کو اس پر قیاس کیا جائے گا کہ اگر نذر ماننے والا اپنے اوپر (عام) قربانی کو لازم کرے یا ہدی (حرم کی قربانی)، اعتکاف یا عمرہ کو واجب کرے تو بالاتفاق نذر کے ذریعہ ان کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح ہے، حالانکہ یہ بھی فرائض میں سے نہیں ہیں (۳)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے بطور طاعت کے

(۱) دونوں حدیثوں کی تخریج فقہرہ ۵/میں گذر چکی ہے۔

(۲) نہایت المحتاج ۸/۲۳۵، زاد المحتاج ۴/۵۰۹۔

(۳) المغنی ۹/۳۔

نذرے

ارشاد فرمایا: ”لا نذر في معصية الله و كفارته كفارة يمين“^(۱) (اللہ کی معصیت میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوگا)، عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا وفاء لنذر في معصية“^(۲) (معصیت کی نذر پوری نہیں کی جائے گی)، ان احادیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو نذر کے ذریعہ ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم نہ کرنا چاہئے جس کا شمار اللہ تعالیٰ کی معصیت میں ہو، اور اس کا تقاضا ہے کہ منہی عنہ فاسد ہو، اسی طرح ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس جیسی نذر کو پورا کرنا حلال نہیں ہے، ان احادیث میں نذر کو پورا کرنے سے جو نہی وارد ہوئی ہے، اس کا تقاضا یہی ہے۔ معصیت کی نذر کو پورا کرنا حلال نہیں ہے، اس پر ابن قدامہ نے فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے^(۳)۔

اسی طرح ان حضرات نے قیاس سے بھی استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کسی بھی حال میں حلال نہیں ہے، خواہ نذر کے طور پر ہو یا اس کے بغیر ہو^(۴)، نیز نذر کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے وہ واجب ہو، اور فعل معصیت کا واجب ہونا محال ہے^(۵)۔

۱۔ چونکہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ معصیت کی نذر کو پورا کرنا حلال نہیں ہے، اس لئے اگر نذر ماننے والا اس کو پورا کرے گا تو گنہگار ہوگا، اور اس پر کوئی کفارہ نہ ہوگا، اگر پورا نہ کرے گا تو اچھا ہوگا، البتہ اس صورت میں اس پر کیا واجب ہوگا اس سلسلہ میں

(۱) حدیث: ”لانذر في معصية الله.....“ کی تخریج فقہرہ ۱۰ میں گذری چکی ہے۔

(۲) حدیث حضرت عمران بن حصین: ”لا وفاء لنذر في معصية.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۲۶۳ طبع عینی الحلی) نے کی ہے۔

(۳) المغنی ۳/۹۔

(۴) سابقہ مراجع۔

(۵) بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۴۔

حنفیہ، شافعیہ کی رائے ہے کہ یہ نذر منعقد نہ ہوگی، نہ صحیح ہوگی، جمہور حنفیہ نے نذر المعصیہ کے عدم انعقاد میں یہ قید لگائی ہے کہ جس کی نذر مانی ہے، وہ حرام لعینہ ہو یا اس میں عبادت کا کوئی پہلو نہ ہو، اگر اس میں عبادت کا کوئی پہلو ہوگا، مثلاً یوم عید کے روزہ کی نذر مانی تو یہ نذر منعقد ہوگی، اور دوسرے دن روزہ رکھ کر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا، اور اگر اسی دن یعنی عید کے دن ہی روزہ رکھ لے تو عہدہ برآ ہو جائے گا۔

حنفیہ میں سے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ معصیت کی نذر یمنین ہوگی، اور اس صورت میں نذر ماننے والے پر حائث کی طرح اس کی طرف سے کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا، علامہ طحاوی نے کہا ہے کہ اگر نذر کی نسبت گناہ کی طرف کرے مثلاً کہے: لله علي أن أقتل فلانا تو یہ یمنین ہوگی، اور حائث ہونے کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

مالکیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ معصیت کی نذر منعقد اور صحیح ہوگی، البتہ اس کو پورا کرنا حلال نہ ہوگا^(۱)۔

ان حضرات نے حضرت عائشہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه“^(۲) (جس نے نذر مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے گا وہ اطاعت کرے اور جس نے نذر مانی کہ اس کی نافرمانی کرے گا وہ نافرمانی نہ کرے)۔

نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے

(۱) فتح القدير ۴/۲۶۱، رد المحتار ۳/۶۸، بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۴، المقدمات الممجدات ۱/۴۰۳، شرح الزرقانی علی مختصر خليل ۳/۹۳، کفایۃ الطالب الربانی ۳/۵۵، روضة الطالبین ۳/۳۰۰، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۳، زاد المحتاج ۳/۴۹۴، المغنی ۳/۹، الکافی ۳/۱۹، کشف القناع ۶/۲۵۵۔

(۲) حدیث: ”من نذر أن يطيع الله.....“ کی تخریج فقہرہ ۵ میں گذری چکی ہے۔

نذرے

فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: اس قول کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص معصیت کی نذر مانے پھر اس کو پورا نہ کرے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا، یہ قول حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت عمران بن حصین اور حضرت سمہ بن جندبؓ سے مروی ہے، یہی سفیان ثوری کا قول ہے، یہی حنفیہ کی رائے ہے، یہی امام شافعی کا ایک قول ہے، جس کو بیہقی نے مختار کہا ہے اور یہی حنابلہ کا مذہب ہے^(۱)۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نذر اللہ تعالیٰ کی معصیت میں ہو، اس کو پورا کرنا حلال نہیں ہے، اور جو اس کو پورا نہیں کرے گا اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ جو شخص کسی گناہ کے کرنے پر قسم کھائے، تو اس کی اس قسم کی طرف سے اس پر کفارہ لازم ہوتا ہے، تو اسی طرح اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر اس کی نذر مانے گا تو بھی اس پر کفارہ لازم ہوگا^(۱)۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نذر کا حکم یحییٰ کے حکم کی طرح ہے، تو جو اپنی نذر پوری نہ کر سکے، اگر وہ معصیت ہو تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا^(۲)، نذر کے یحییٰ ہونے کی دلیل حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی یہ حدیث ہے: ”نذرت أختي أن تمشي إلى بيت الله حافية فأمرتني أن أستفتي لها رسول الله ﷺ فاستفتيته فقال: لتمش ولتركب“^(۳) (میری بہن نے بیت اللہ تک ننگے پیر پیدل جانے کی نذر مانی، اور مجھ کو کہا کہ میں اس کے لئے اللہ کے رسول ﷺ سے مسئلہ دریافت کروں، چنانچہ میں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جائے البتہ سوار ہو کر جائے)، ایک دوسری روایت میں ہے: ”إن الله تعالى لا يصنع بشقاء أختك شيئاً فلتركب ولتختمر ولتصم ثلاثة أيام“^(۴) (اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کی سختی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، وہ سوار

ان حضرات کا مستدل حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا نذر في معصية الله، و كفارة كفارة يمين“^(۲)، نیز حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے: ”سمعت رسول الله ﷺ يقول: النذر نذران فما كان من نذر في طاعة الله فذلك لله وفيه الوفاء، وما كان من نذر في معصية الله فذلك للشيطان ولا وفاء فيه ويكفره ما يكفر اليمين“^(۳) (نذر کی دو قسمیں ہیں جو نذر اللہ تعالیٰ کی طاعت میں ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس کو پورا کرنا واجب ہے، اور جو نذر اللہ تعالیٰ کی معصیت میں ہو وہ شیطان کے لئے ہے، اس کو پورا نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کی طرف سے قسم کے کفارہ کی طرح کفارہ دیا جائے گا)۔

(۱) المغنی ۵/۱۹، الکافی ۳/۱۹۔

(۲) المغنی ۵/۳۷، کشف القناع ۶/۲۷۶۔

(۳) حدیث حضرت عقبہ بن عامرؓ: ”نذرت أختي أن تمشي إلى بيت الله.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۷/۳۷۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۲۶ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۴) حدیث: ”إن الله لا يصنع بشقاء أختك شيئاً.....“ کی روایت ترمذی (۳/۱۱۶ طبع الحلی) نے کی ہے، اور کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔

(۱) رد المحتار ۳/۶۸، بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۳، روضة الطالبین ۳/۳۰۰، المغنی

۳/۱۹، الکافی ۳/۱۹، کشف القناع ۶/۲۷۶۔

(۲) حدیث: ”لانذر في معصية الله“ کی تخریج فقہرہ ۱۰ میں گزر چکی ہے۔

(۳) حدیث: ”النذر نذران فما كان من نذر في طاعة الله.....“ کی روایت نسائی (۲۹/۷ طبع التجاریۃ الکبریٰ) اور بیہقی (أسنن الکبریٰ ۱۰/۷۰ طبع دائرة المعارف) نے کی ہے، اور نسائی نے اس کے ایک راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔

نذرے

ابو اسرائیل ہیں، انہوں نے نذرمانی ہے کہ کھڑے رہیں گے، نہ بیٹھیں گے، نہ سایہ میں جائیں گے، نہ بات کریں گے اور روزہ رکھیں گے، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہہ دو کہ بات کریں، سایہ میں جائیں اور بیٹھیں اور اپنا روزہ پورا کریں، حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ انصار کی ایک عورت گرفتار ہوگئی، ایک رات اس کو قید سے رہائی ملی اور وہ ایک اونٹنی پر سوار ہوئی، اور اس نے نذرمانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس اونٹنی پر نجات دے دی تو وہ اس اونٹنی کی قربانی کرے گی، لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا

تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سبحان اللہ بنسما جزتها، نذرت للہ ان نجاها اللہ علیہا لتنحرنہا، لا وفاء لنذر فی معصیۃ، ولا فیما لایملک العبد“ (سبحان اللہ، اس عورت نے بربادہ دیا، اس نے نذرمانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو اس اونٹنی پر نجات دے گا تو وہ اس کی ضرور قربانی کرے گی حالانکہ نہ تو معصیت میں نذر پوری کی جاتی ہے اور نہ اس چیز میں جس کا مالک بندہ نہ ہو) دوسری روایت میں ہے: ”لا نذر فی معصیۃ اللہ“ (اللہ کی معصیت میں نذر نہیں ہے)۔

استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ والی حدیث میں اس روزہ کو پورا کرنے کا حکم دیا جو کہ طاعت ہے، اور جو نہ طاعت ہے اور نہ معصیت یعنی کھڑا رہنا، سایہ میں نہ جانا، کلام چھوڑ دینا اس کو پورا کرنے سے منع فرمایا اور نذر ماننے والے کو کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا، اسی طرح جس عورت نے اونٹنی کی قربانی کی نذرمانی تھی اس کو بھی کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا، اگر اس نذر کو پورا نہ کرنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا تو

ہو، اور سر پر دوپٹہ ڈال لے اور تین دن روزہ رکھے، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری بہن نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مان لی ہے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان اللہ لا یصنع بشقاء أختک شیئاً، فلتحج راكبة ولتکفر عن یمینہا“ (۱) (اللہ تعالیٰ تو تمہاری بہن کی سختی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، وہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی یمین کی طرف سے کفارہ ادا کرے)۔

دوسرا قول: اس قول کے قائلین کی رائے ہے کہ جو شخص کسی معصیت کی نذر مانے تو اس کو پورا نہ کرے اور اس پر کوئی کفارہ بھی نہیں ہوگا، یہ رائے مسروق اور شعبی سے منقول ہے، یہی رائے مالکیہ کی ہے، یہی شافعیہ کا مذہب ہے، جمہور شافعیہ نے اس کو قطعی کہا ہے، اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے (۲)۔

ان حضرات کی دلیل چند احادیث ہیں، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: ”بینا النبی ﷺ یخطب إذا هو برجل قائم فسأل عنه فقالوا: أبو اسرائیل نذر أن یقوم ولا یقعد، ولا یتستظل، ولا یتکلم، ویصوم، فقال النبی ﷺ: مره فلیتکلم ولیستظل ولیقعد ولیتم صومہ“ (۳) (نبی کریم ﷺ ہم لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے ایک آدمی کو کھڑا ہوا دیکھا، اس کے بارے میں دریافت کیا، تو لوگوں نے بتایا کہ یہ

(۱) حدیث: ”ان اللہ لا یصنع بشقاء أختک شیئاً.....“ کی روایت ابو داؤد (۵۹۷، ۵۹۸، طبع حمص) اور حاکم مستدرک (۳۰۲/۴) طبع دائرة المعارف نے کی ہے، اور کہا ہے کہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(۲) کفایۃ الطالب الربانی ۵۵/۳، بدایۃ المجتہد ۴/۲۳۳، روضۃ الطالبین ۳۰۰/۳، زاد المحتاج ۴/۲۹۵، المغنی ۹/۴۔

(۳) حدیث حضرت ابن عباسؓ: ”بینا النبی ﷺ یخطب.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۱/۵۸۶، طبع السننی) نے کی ہے۔

(۱) حدیث حضرت عمران بن حصینؓ: ”ان امرأة من الأنصار أسرت.....“ کی روایت مسلم (۱۲۶۳/۳) طبع عیسیٰ الحلی نے کی ہے۔

نذر ۱۸

شارع کی طرف سے کوئی ترغیب منقول نہ ہو جیسے کھانا، پینا اور سواری کرنا، کھڑا ہونا بیٹھنا، سونا وغیرہ (۱)۔

یہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟ مباحات کا التزام صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ نذر منعقد صحیح ہو تو اس کے پورا کرنے کا حکم کیا ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی دو مختلف آراء ہیں:

پہلی رائے: جو شخص کسی مباح کی نذر مانے تو اس کی نذر منعقد نہ ہوگی، اور نذر کے ذریعہ مباح کا التزام صحیح نہ ہوگا، اور بدرجہ اولیٰ اس کو پورا کرنا اس پر لازم نہ ہوگا، یہ رائے حنفیہ اور بعض مالکیہ کی ہے اور یہی شافعیہ کا راجح مذہب ہے (۲)۔

ان حضرات نے اس نذر کے منعقد نہ ہونے اور اس کے صحیح نہ

ہونے پر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: ”بینا النبی ﷺ یخطب إذ هو برجل قائم، فسأل عنه، فقالوا:

هذا أبو اسرائیل نذر أن يقوم ولا يقعد ولا يستظل ولا يتكلم ويصوم، فقال النبی ﷺ: مره فليتكلم وليستظل

وليقعد وليتم صومه“ (۳) (نبی کریم ﷺ ہم لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو کھڑے ہوئے دیکھا، اس

کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہیں، انہوں نے نذر مانی ہے کہ کھڑے رہیں گے، نہ بیٹھیں گے، نہ سایہ

میں جائیں گے، نہ بات کریں گے اور روزہ رکھیں گے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان سے کہہ دو کہ بات کریں، سایہ میں

جائیں، بیٹھیں اور اپنا روزہ پورا کریں) اور ”لا نذر إلا فیما یتبعی

و- نذر المباح:

۱۸- نذر المباح: ایسے عمل کی نذر ماننا ہے جس کے بارے میں

(۱) حدیث: ”لانذر إلا فیما یتبعی بہ وجہ اللہ“ کی روایت ابوداؤد (۵۸۲/۳ طبع حصص) اور احمد مند (۱۸۵/۲ طبع المیمنی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”من نذر أن یطیع اللہ فلیطعه.....“ کی تخریج فقہرہ ۵ میں گذر چکی ہے۔

(۳) المغنی ۴/۹، الکافی ۴/۱۹۔

(۱) روضۃ الطالبین ۳/۳۰۳۔

(۲) بدائع الصنائع ۲۸۶/۲، مواہب الجلیل ۳/۱۸، روضۃ الطالبین ۳/۳۰۳، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۴۔

(۳) حدیث: ”مره فلیتكلم وليستظل.....“ کی تخریج فقہرہ ۱۷ میں گذر چکی ہے۔

نذر کے ذریعہ ان امور کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح ہوتا ہے، اسی لئے جس نے کھڑے رہنے کی نذر مانی تھی اس کو بیٹھنے کا حکم دیا، جس نے پیدل چلنے کی نذر مانی تھی اس کو سوار ہوجانے کا حکم دیا، جس نے سایہ میں نہ جانے کی نذر مانی تھی اس کو سایہ میں جانے کا حکم دیا، جس نے بات چیت نہ کرنے کی نذر مانی تھی اس کو گفتگو کرنے کا حکم دیا، آپ ﷺ کے ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی نذر منعقد نہیں ہوتی ہے۔

ان حضرات کی دلیل حضرت قیس بن ابی حازم سے مروی وہ حدیث بھی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس عورت کو بات چیت کرنے کا حکم دیا جس نے خاموشی کے ساتھ حج کرنے کی نذر مان لی تھی، ان حضرات نے کہا ہے کہ مباح کو قربت نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ اس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہوتا ہے، اور جس کی یہ حالت ہو اس کو نذر کے ذریعہ اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہ ہوگا^(۱)۔

دوسری رائے: اس رائے کے ماننے والوں کا کہنا ہے کہ جو کسی مباح کی نذر مانے اس کی نذر منعقد اور صحیح ہوگی، البتہ اس کو پورا کرنا اس پر لازم نہ ہوگا، بلکہ اس کو کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہوگا، یہی رائے بعض مالکیہ کی ہے اور یہی حنابلہ کا راجح مذہب ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل بعض احادیث ہیں مثلاً بریدہ بن الحصیب کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ میں نکلے، جب اس سے واپس لوٹے تو ایک کالی باندی آئی اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سالم واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجائوں گی اور گاؤں گی، رسول اللہ ﷺ نے اس کو کہا: ”ان كنت نذرت فاضربى والى

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۳۔

(۲) المقدمات المہمات ۱/۴۰۴، مواہب الجلیل ۳/۳۱۸، المغنی ۹/۵، الکافی

۴/۴۱۸، کشف القناع ۶/۲۵۵۔

به وجه الله“^(۱) (نذر صرف اس عمل میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو)، سے بھی استدلال کیا ہے، نیز حضرت انسؓ کی حدیث ہے: ”نذرت امرأة أن تمشي إلى بيت الله، فسئل نبي الله ﷺ عن ذلك فقال: إن الله لغني عن مشيها، مروها فلتركب“^(۲) (ایک عورت نے پیدل بیت اللہ جانے کی نذر مانی، اس کے بارے میں نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کو اس کے پیدل چلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کہہ دو کہ سوار ہوجائے، نیز حضرت انسؓ کی حدیث ہے: ”إن النبي ﷺ رأى شيخاً يهادى بين ابنيه فقال: ما بال هذا؟ قالوا: نذر أن يمشي قال: إن الله عن تعذيب هذا نفسه لغني، وأمره أن يركب“^(۳) (نبی کریم ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے درمیان گھسٹ کر چل رہا ہے، تو پوچھا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے پیدل چلنے کی نذر مان رکھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں ہے کہ یہ شخص اپنے کو عذاب میں مبتلا کرے، اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہ ہو اس کی نذر منعقد نہیں ہوتی ہے، پیدل چلنے، کھڑے رہنے، سایہ میں نہ جانے یا بات چیت چھوڑ دینے کی نذر، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر نہیں ہے، اور نہ اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اور اس جیسی نذر منعقد نہیں ہوتی ہے اور نہ

(۱) حدیث: ”لا نذر إلا فيما يتعنى به.....“ کی تخریج فقہ ۱۷۷ میں گذر چکی ہے۔

(۲) حدیث انسؓ: ”نذرت امرأة أن تمشي إلى بيت الله.....“ کی روایت ترمذی (۱۱۱/۴ طبع اکلسی) نے کی ہے، اور کہا ہے کہ حسن صحیح ہے۔

(۳) حدیث: ”أن النبي ﷺ رأى شيخاً يهادى بين ابنيه.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۷۸ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۲۶۳ طبع عیسیٰ اکلسی) نے کی ہے۔

نذر ۱۹

نذر مانے اور اس کو پورا نہ کر سکے تو اس پر کفارہ لازم نہ ہوگا، یہ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے ہے اور یہی شافعیہ کے نزدیک اصح اور راجح مذہب ہے، اور حنابلہ کے یہاں ایک غیر معروف قول ہے^(۱)۔

جو شخص مباح کی نذر کو پورا نہ کرے اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا، اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جن سے اس نذر کے پورا کرنے کے عدم وجوب پر استدلال کیا گیا ہے۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ مباح کی نذر غیر منعقد نذر ہے، لہذا اس کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا، جیسا کہ یمن غیر منعقدہ میں کچھ واجب نہیں ہوتا ہے^(۲)، اسی طرح جب مباح کی نذر میں نذر ماننے والے نے جس چیز کی نذر مانی ہے اس کو کرنا واجب نہیں ہوتا ہے، تو اس پر کفارہ بھی واجب نہ ہوگا جیسا کہ ناممکن کی نذر میں ہوتا ہے^(۳)۔

انہوں نے مزید کہا ہے کہ مباح کی نذر، ایسی نذر ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر نہیں ہے، لہذا اس کو پورا نہ کرنے میں کفارہ لازم نہ ہوگا^(۴)۔

دوسرا قول: اس قول کے قائلین کی رائے ہے کہ جو شخص کسی مباح کی نذر مانے اور اس کو پورا نہ کر سکے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا، یہ شافعیہ کے مذہب میں ایک مرجوح قول ہے، اسی کو بعض اصحاب شافعی نے قطعی کہا ہے اور یہی حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب ہے^(۵)۔

- (۱) الدر المختار ورد المحتار ۶۷۳، کفایۃ الطالب الربانی ۵۹/۳، روضۃ الطالبین ۳۰۳/۳، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۳، المغنی ۵/۹، الکافی ۴/۳۱۸۔
 (۲) المغنی ۴/۳۔
 (۳) سابقہ مراجع ۶۰۵/۹۔
 (۴) حاشیۃ الشرح المفسر علی نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۳۔
 (۵) روضۃ الطالبین ۳۰۳/۳، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۳، زاد المحتاج ۴/۳۹۶، المغنی ۵/۹، الکافی ۴/۳۱۸، الإیضاف ۱۱/۱۲۱۔

فلا، فجعلت تصرب“^(۱) (اگر تم نے نذر مان لی تھی تو بجا لو ورنہ چھوڑ دو، تو وہ بجانے لگی)۔

استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ اس باندی نے اس نذر کے مطابق اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اگر آپ ﷺ کو غزوہ سے صحیح سالم واپس لائے گا تو آپ کے سامنے دف بجائے گی، اور گانا گائے گی، باہر گئے ہوئے شخص کی آمد پر دف بجانا اور گانا گانا فقہاء کے نزدیک مباح ہے^(۲)۔ اس نے نذر کے ذریعہ جس چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، آپ ﷺ نے اس پر نکر نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مباح کی نذر منعقد اور صحیح ہوتی ہے، اور نذر ماننے والا اگر چاہے تو اس کو پورا کر سکتا ہے۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ دلیل عقلی یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی مباح کام پر قسم کھائے تو وہ اس کو پورا کرے گا، تو اسی طرح اس صورت میں حکم ہوگا جب آدمی کسی مباح چیز کی نذر مانے، اس لئے کہ نذر یمن کی طرح ہے^(۳)۔

مباح کی نذر پوری نہ کرنے کی صورت میں اس پر کیا واجب ہوگا:

۱۹- مباح کی نذر ماننے والا، اگر اس کو پورا نہ کرے تو اس پر کیا واجب ہوگا، اور اس پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں، اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں اختلاف ہے، دو اقوال ہیں:

- پہلا قول: اس قول کے قائلین کی رائے ہے کہ اگر کوئی مباح کی
- (۱) حدیث: ”ان كنت نذرت فاضربى.....“ کی روایت ترمذی (۵/۶۲۰)، ۶۲۱ طبع اعلیٰ نے کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح غریب ہے۔
 (۲) البحر الرائق ۸/۲۱۵، الفواکہ الدوانی ۲/۴۰۹، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/۳۳۹، مغنی المحتاج ۴/۲۹۹، المغنی ۱۲/۴۰، نیل المآرب ۲/۲۱۱، احیاء علوم الدین ۶/۱۵۱، ۱۵۴۔
 (۳) المغنی ۵/۹۔

نذر ۲۰

کہا کہ دونوں کفارہ یمن ادا کریں، جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، اور پہلی حدیث میں کفارہ کی ایک صورت یعنی تین دن روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔

ان حضرات نے قیاس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ نذر یمن ہے، اگر کوئی شخص کسی مباح کے کرنے یا اس کے چھوڑنے پر قسم کھالے اور حادث ہو جائے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی مباح کی نذر مانے اور اس کو پورا نہ کر سکے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا^(۱)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ جو شخص معصیت کی نذر پوری نہ کرے اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا نذر فی معصیة، وکفارته کفارۃ یمین“^(۲) (معصیت میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوگا) اور جب معصیت کی نذر میں کفارہ واجب ہوتا ہے تو مباح کی نذر میں بدرجہ اولیٰ کفارہ واجب ہوگا^(۳)۔

ھ- واجب کی نذر:

۲۰- واجب وہ عمل ہے کہ اس کے کرنے والے کی تعریف اور اس کے چھوڑ دینے والے کی مذمت کی جاتی ہے، اور مختلف اعتبار سے اس کی الگ الگ تقسیم ہوتی ہے، واجب کے افراد کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں: واجب معین، واجب مخیر، اس وقت کے اعتبار سے جس میں اس کو ادا کیا جاتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ایسا واجب جس کے وقت میں وسعت ہو اور ایسا واجب جس کے وقت میں تنگی ہو اور

ان حضرات کی دلیل حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث ہے: ”نذرت أختي أن تمشي إلى بيت الله حافية فأمرتني أن أستفتي لها رسول الله ﷺ فاستفتيته فقال: لتمش وتركب“ (میری بہن نے بیت اللہ تک ننگے پیر پیدل جانے کی نذر مانی اور مجھ کو کہا کہ میں اس کے لئے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کروں، چنانچہ میں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جائے البتہ سوار ہو کر جائے، دوسری روایت میں ہے: ”إن الله لا يصنع بشقاء أختك شيئاً فلتركب ولتختمر ولتصم ثلاثة أيام“^(۱) (اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کی سختی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، وہ سوار ہو لے، سر پر دوپٹہ ڈال لے اور تین دن روزہ رکھے)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے: ”جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله إن أختي نذرت أن تحج ماشية، فقال النبي ﷺ: إن الله لا يصنع بشقاء أختك شيئاً، فلتحج راكبة ولتكفر عن يمينها“^(۲) (ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری بہن نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی ہے، تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کی سختی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، وہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی یمن کی طرف سے کفارہ ادا کرے، استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ ان دونوں احادیث میں نذر ماننے والی خواتین نے ایک مباح عمل یعنی پیدل بیت اللہ جانے کو اپنے اوپر لازم کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس نذر کو پورا نہ کرنے کا حکم دیا اور

(۱) حدیث حضرت عقبہ بن عامرؓ: ”نذرت أختي أن تمشي إلى بيت الله حافية.....“ کی تخریج فقہ ۱۷۱ میں گزر چکی ہے۔

(۲) حدیث ابن عباسؓ: ”جاء رجل إلى النبي ﷺ.....“ کی تخریج فقہ ۱۷۱ میں گزر چکی ہے۔

(۱) المغنی ۹/۴، ۵۔

(۲) حدیث: ”لا نذر فی معصیة، وکفارته.....“ کی تخریج فقہ ۱۰ میں گزر چکی ہے۔

(۳) الکاظمی ۳/۴۱۸۔

نذر ۲۱-۲۲

جس چیز کی نذر مانی گئی ہے، وہ شریعت کے واجب کرنے سے واجب ہے، لہذا نذر کے ذریعہ اس کو اپنے اوپر لازم کرنے کا کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتا ہے، کیونکہ واجب شدہ کو واجب کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا^(۱)، نیز انہوں نے کہا ہے کہ واجب طاعت میں نذر کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے، اسی طرح حرام معصیت کے ترک میں بھی نذر کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ نذر ماننے والے پر اس کا ترک شریعت کی وجہ سے واجب ہے، نذر کی وجہ سے واجب نہیں ہے^(۲)، انہوں نے مزید کہا ہے کہ نذر اپنے اوپر لازم کرنا ہے، اور جس کی نذر مانی گئی ہے، وہ نذر سے قبل شرع کے لازم کرنے کی وجہ سے نذر ماننے والے پر واجب علی العین ہے، اور جو پہلے ہی سے لازم ہو اس کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے محال کی نذر صحیح نہیں ہے^(۳)۔

دوم: واجب علی الکفایہ کی نذر:

۲۲- واجب علی الکفایہ وہ ہے جس کو شریعت نے مکلفین پر اس طرح واجب کیا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ان کی طرف سے ادا کر دے تو باقی تمام لوگوں سے گناہ ساقط ہو جائے گا، اور اس کی ادائیگی کو سب لوگ چھوڑ دیں تو چھوڑنے کی وجہ سے سب لوگ گنہگار ہوں گے، مثلاً مردوں کی تجہیز و تکفین، ان کو غسل دینا، سلام کا جواب دینا، بعض حالات میں جبکہ جہاد کے لئے نکلتا مسلمانوں پر واجب علی العین نہ ہو جائے اس کے لئے نکلتا اور جنازہ کی نماز وغیرہ^(۴)۔

جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ اگر واجب علی

جن لوگوں پر واجب ہوتا ہے ان کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں: واجب علی العین، واجب علی الکفایہ۔

جمہور فقہاء کے نزدیک فرض واجب کا مرادف ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک فرض وہ ہے جس کی دلیل قطعی ہو اور واجب وہ ہے جس کی دلیل ظنی ہو^(۱)۔

ذیل میں اس واجب کی نذر کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، جو واجب علی العین، یا واجب علی الکفایہ ہو۔

اول: واجب علی العین کی نذر:

۲۱- واجب علی العین کی نذر سے مراد اس عمل کی نذر ماننا ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کو شارع نے مکلفین پر الگ الگ صراحت کے ساتھ نص کے ذریعہ واجب کیا ہو جیسے رمضان کا روزہ، پانچوں نمازوں کی ادائیگی، شراب نہ پینا، زنا نہ کرنا، وغیرہ ان واجبات کی نذر یا ان جیسے واجبات کی نذر جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور اکثر حنابلہ کے نزدیک منعقد نہ ہوگی اور نذر کے ذریعہ ان کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہ ہوگا، خواہ اس کو کسی نعمت کے حصول یا مضرت کے دفع پر معلق کرنے یا نذر ماننے والا ابتداءً نذر کو کسی شرط پر معلق کئے بغیر اپنے اوپر اس کو لازم کرے، ان ہی واجبات کی طرح، نذر کے ذریعہ واجب مجتہد کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے، جیسے کفارہ کی ایک صورت کو لازم کرنا^(۲)۔

اس نذر کے منعقد ہونے اور واجب علی العین کے التزام کے صحیح نہ ہونے پر قیاس سے بھی استدلال کیا گیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۲، مغنی المحتاج ۴/۳۵۷۔

(۲) المقدمات المہمات ۱/۴۰۳۔

(۳) نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۳، ۲۲۴، زاد المحتاج ۴/۳۹۵، المغنی ۶/۹، الکافی

۴/۲۱۲، کشف القناع ۶/۲۷۴۔

(۴) الإحكام فی اصول الأحكام لآمدی ۱/۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۷۔

(۱) إرشاد القول للشوکانی ۶۔

(۲) رد المحتار ۳/۶۸، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۲، الفواکہ الدوانی ۱/۴۶۳، شرح

الترقانی ۳/۹۳، روضۃ الطالبین ۳/۳۰۰، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۳، ۲۲۴،

المغنی ۶/۹، کشف القناع ۶/۲۷۴۔

ہے، اسی پر جمہور شافعیہ ہیں^(۱)۔

ان حضرات نے سنت اور قیاس سے استدلال کیا ہے، سنت میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه“^(۲) (جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اس کی اطاعت کرے اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے وہ اس کی نافرمانی نہ کرے) استدلال اس طرح ہے کہ واجب علی الکفایہ میں اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے، اور نذر کے ذریعہ اس کو اپنے اوپر لازم کرنا، ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے، جس میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طاعت ہے، اس حدیث سے اس نذر کا صحیح ہونا اور اس کی ادائیگی کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

قیاس سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ جو چیز شریعت کی طرف سے واجب ہے، اگر کوئی بندہ اس کی نذر مانے یا اس پر اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کرے یا اس پر رسول ﷺ یا امام سے بیعت کرے یا ایک جماعت آپس میں اس پر حلف اٹھائے تو ان عقود کا تقاضا ہے کہ وہ دوبارہ واجب ہو، اور یہ وجوب محض امر اول سے ثابت شدہ وجوب کے علاوہ ہوگا، تو گویا یہ دو طریقوں سے واجب ہوگا، اور اس کے ترک سے شریعت کی وجہ سے واجب شدہ اور نذر کے ذریعہ واجب شدہ کا ترک لازم آئے گا^(۳)۔

اس کے علاوہ حنا بلہ نے واجب علی العین اور واجب علی الکفایہ کے درمیان نذر کے بارے میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، بلکہ انہوں نے واجب کی نذر کا حکم بیان کیا ہے، اور ترجیح و ترجیح میں ان کے

الکفایہ کی ادائیگی نذر سے قبل ہی نذر ماننے والے پر متعین ہو تو نذر کے ذریعہ اس کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہیں ہے، اور اگر نذر سے قبل اس کی ادائیگی اس پر متعین نہ ہو تو نذر کے ذریعہ اس کو نذر ماننے والے کا اپنے اوپر لازم کرنے کا کیا حکم ہے، اس میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: اس قول کے قائلین کی رائے ہے کہ نذر کے ذریعہ واجب علی الکفایہ کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہیں ہے، یہ رائے حنفیہ کی ہے، اور یہی ایک قول شافعیہ کے مذہب میں بھی ہے^(۱)۔

ان حضرات نے قیاس سے استدلال کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ واجب علی الکفایہ ابتدا ہی سے شریعت کے واجب کرنے کی وجہ سے مکلف پر واجب ہے، لہذا نذر کے ذریعہ اس کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ واجب شدہ کو واجب کرنے کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا^(۲)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ نذر اپنے اوپر لازم کرنے کو کہتے ہیں، اور واجب شدہ طاعات میں نذر کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ نذر کے بغیر ہی ان کا کرنا شریعت کی طرف سے واجب ہے، اور جو خود لازم ہو اس کو پھر اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اس کے انعقاد یا اس کے پورا کئے جانے کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، چنانچہ یہ ناممکن پر قسم کھانے کی طرح ہو جائے گا^(۳)۔

دوسرا قول: اس قول کے قائلین کی رائے ہے کہ واجب علی الکفایہ کو نذر کے ذریعہ اپنے اوپر لازم کرنا صحیح ہے، اور اس کو پورا کرنا واجب ہے، یہ رائے مالکیہ کی ہے، اور شافعیہ کے مذہب میں یہی اصح

(۱) المقدمات المہدات ۱/۴۰۴، الفواکہ الدوانی ۱/۴۶۳، روضۃ الطالبین

۳۰۱/۳، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۳، زاد المحتاج ۴/۴۹۵۔

(۲) اس حدیث کی تخریج فقرہ ۵ میں گذر چکی ہے۔

(۳) کشاف القناع ۶/۲۷۴۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۶/۶۸۳، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۲، الفواکہ الدوانی

۳۰۱/۳، روضۃ الطالبین ۳/۳۰۱۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۲۔

(۳) المقدمات المہدات ۱/۴۰۴۔

نذر ۲۳-۲۴

کھائی جائے اور جب اس قسم میں حادث ہونے کی صورت میں کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے، تو ناممکن کی نذر کے پورا نہ کرنے میں بدرجہ اولیٰ کفارہ واجب نہ ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک ایک قول ہے جس کو صاحب ”الکافی“ نے یہ کہتے ہوئے نقل کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یمن غموس کی طرح اس میں بھی کفارہ واجب ہو^(۱)۔

ز- نذر مبہم (غیر واضح نذر):

۲۴- مبہم نذر: اس نذر کو کہتے ہیں جس سے بری الذمہ ہونے کے لئے کسی عمل کو متعین نہ کیا گیا ہو، مثلاً نذر ماننے والا کہے: ”اللہ علیّ نذر“ اور اس نذر کے ذریعہ جس عمل کو اس نے اپنے اوپر لازم کیا ہے اس کو بیان نہ کرے کہ وہ روزہ ہے؟ نماز ہے؟ حج ہے؟ یا کوئی دوسری عبادت ہے^(۲)۔

اس نذر کے حکم کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ منعقد ہوگی، یا منعقد نہ ہوگی، اور اگر منعقد ہوگی تو اس کو پورا کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ منعقد ہوگی اور اس کو پورا کرنا لازم ہوگا تو کیا واجب ہوگا۔

جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ مبہم نذر منعقد اور صحیح ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کی طرح ہے، اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، البتہ اس کی وجہ سے کیا واجب ہوگا اس بارے میں دو مختلف آراء ہیں:

پہلی رائے: نذر مبہم کی وجہ سے قسم کا کفارہ واجب ہوگا، یہ رائے حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، یہی حسن بصری، عطاء، طاؤس،

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۶۸/۳، بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۳، المغنی ۶/۹، الکافی ۴۲۱/۴، کشف القناع ۶/۲۷۴۔

(۲) کفایۃ الطالب الربانی وحاشیۃ العدوی علیہ ۵۹/۳۔

درمیان آپس میں کچھ اختلاف ہے، چنانچہ المراد اوی نے کہا ہے کہ صحیح مذہب کے مطابق واجب میں نذر صحیح نہیں ہے، یہی رائے اصحاب کی ہے، لیکن انہوں نے ”المغنی“ سے ایک احتمال نقل کیا ہے اور ”الکافی“ سے نقل کیا ہے کہ مذہب کے قیاس کے مطابق واجب میں نذر منعقد ہوگی اور اگر اس کو ادا نہیں کرے گا تو کفارہ واجب ہوگا۔

المہوتی نے کہا ہے کہ واجب میں نذر منعقد ہوتی ہے، لہذا اگر اس کو ادا نہیں کرے گا تو کفارہ ادا کرے گا، اور اکثر حنابلہ کے نزدیک کسی واجب میں نذر منعقد نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ نذر میں اپنے اوپر لازم کرنا ہوتا ہے، اور جو خود لازم ہو اس کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے، پھر الموفق سے نقل کیا ہے کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ نذر یمن کی طرح ہے، اور جو یمن میں واجب ہوتا ہے وہ نذر میں بھی واجب ہوتا ہے، البتہ اگر نذر والی چیز عبادت ہو اور اس کو کرنا ممکن ہو تو اس کو پورا کرنا لازم ہوگا^(۱)۔

و- نذر مستحیل (ناممکن کی نذر):

۲۳- نذر مستحیل: ایسی چیز کی نذر ماننا ہے جس کا وجود میں لانا عقلاً یا شرعاً محال و ناممکن ہو، عقلاً ناممکن کی مثال گذشتہ کل کے روزہ کی نذر ماننا ہے، شرعاً محال کی مثال ایام حیض کے روزہ کی نذر یا رات کے روزہ کی نذر ماننا ہے۔

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اس قسم کی نذر منعقد نہیں ہوتی ہے، اور اس کے پورا نہ کرنے کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے، یہ اس لئے کہ اس کے منعقد ہونے اور اس کے پورا کرنے کا کوئی تصور ہو ہی نہیں سکتا ہے، اور شرعاً جس کا وجود قابل تصور نہ ہو اس کی نذر بھی صحیح نہیں ہوتی ہے، تو یہ ایسا ہی ہوگا، جیسے کسی ناممکن کام کے کرنے پر قسم

(۱) الإحصاف ۱۱/۱۱۸، ۱۱۹، کشف القناع ۶/۲۷۴۔

ہے، ان کی متعین تعداد کی نیت نہ ہوگی، تو دس مساکین کو فی کس نصف صاع گندم دے گا، اس لئے کہ اگر اس کی کوئی نیت نہ ہوتی تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوتا، کیونکہ نذر مبہم یمین ہے، اور اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے، لہذا جو اس نے نیت کی ہے اس کو کفارہ کی کسی شکل کی طرف پھیر دیا جائے گا، اور اگر کہا مجھ پر صدقہ ہے تو اس پر نصف صاع ہوگا اور اگر کہا مجھ پر روزہ ہے تو اس پر ایک دن کا روزہ لازم ہوگا، اور اگر کہا مجھ پر نماز ہے تو اس پر دو رکعت نماز واجب ہوگی، اس لئے کہ نماز کی کم مقدار دو رکعت ہوتی ہے، نذر میں اس کا اعتبار کیا جائے گا^(۱)۔

حنفیہ نے اس سلسلہ میں سنت مطہرہ اور اجماع صحابہؓ سے استدلال کیا ہے۔

سنت مطہرہ میں حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”كفارة النذر كفارة اليمين“^(۲) (نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے) ان کی ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”كفارة النذر إذا لم يسم كفارة يمين“^(۳) (غیر معین نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہوگا) اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”من نذر نذراً لم يسمه فكفارتہ كفارة يمين، ومن نذر نذراً لا يطيقه فكفارتہ كفارة يمين، ومن نذر نذراً اطاقه فليف به“^(۴) (جو مبہم نذر مانے اس کا کفارہ قسم کے

قاسم بن محمد، سالم، شعبی، نخعی، عکرمہ، سعید بن جبیر اور ثوری کا قول ہے، اسی کے مطابق مالکیہ کا مذہب ہے، اور اس کی صراحت امام شافعی نے کی ہے، جمہور شافعیہ اسی کے قائل ہیں۔

شافعیہ میں سے قاضی حسین نے کہا ہے کہ اگر ہم اس نذر کے پورا کرنے کو نذر ماننے والے پر واجب کریں گے تو اس پر ایک ایسی عبادت واجب ہوگی جس کو نذر کے ذریعہ اپنے اوپر لازم کرنا جائز ہوگا اور اس کی تعیین اس پر چھوڑ دی جائے گی۔

یہاں مذہب میں ایک دوسرا قول بھی ہے، وہ یہ ہے کہ نذر ماننے والے کو اختیار ہے کہ نذر پوری کرے یا کفارہ ادا کرے، حنابلہ کی رائے ہے کہ جو شخص مبہم نذر مانے اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا^(۱)۔

دوسری رائے: یہ رائے حنفیہ کی ہے، اس نذر کی وجہ سے کیا واجب ہوگا؟ اس میں ان کے یہاں تفصیل ہے، ان کی رائے ہے کہ جو شخص مبہم نذر مانے اور اس کی کوئی نیت نہ ہو تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور اگر اس کی کوئی نیت ہوگی تو جس چیز کی نیت ہوگی وہی واجب ہوگی، خواہ نذر مطلق ہو یا کسی شرط پر معلق ہو، لہذا اگر روزہ نماز، حج یا عمرہ کی نیت کرے گا تو اگر نذر مطلق ہوگی تو فوراً اس کو پورا کرنا واجب ہوگا اور اگر کسی شرط پر معلق ہوگی تو شرط کے پائے جانے پر اس کو پورا کرنا واجب ہوگا، اس میں نذر ماننے والے کی طرف سے کفارہ ادا کر دینا کافی نہ ہوگا، اور اگر روزوں کی نیت کرے گا اور ان کی تعداد متعین نہیں کرے گا، تو اس پر تین دنوں کے روزے واجب ہوں گے، اور اگر کھانا کھلانے کی نیت کرے گا لیکن کتنے لوگوں کو کھلانا

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۱/۳۷۱، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸، ۲۸۸۸۔

(۲) حدیث: ”كفارة النذر كفارة اليمين“ کی تخریج فقہ ۱۲/۱۲ میں گزر چکی ہے۔

(۳) حدیث: ”كفارة النذر إذا لم يسم كفارة يمين“ کی روایت ترمذی

(۴/۱۰۶ طبع اٹلی) نے کی ہے، اور کہا ہے: حسن صحیح غریب ہے۔

(۴) حدیث: ”من نذر نذراً لم يسمه فكفارتہ كفارة يمين.....“ کی

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۱/۳۷۱، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸، ۲۸۸۸، التاج والإكليل ۳/۳۱۹، كفاية الطالب الرباني وحاشية العدوي ۳/۵۹، شرح الزرقاني ۳/۹۲، المقدمات للمهدات ۱/۴۰۶، روضة الطالبين ۳/۲۹۶، تحفة المحتاج ۱۰/۷۰، المغني ۹/۳، الكافي ۳/۳۱۸۔

نذر ۲۵

اپنے تمام مملوک مال کے صدقہ کرنے کی نذر:
۲۵- جو شخص اپنے تمام مملوک مال کے صدقہ کی نذر مان لے اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چھ رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص اپنے تمام مملوک مال کے صدقہ کی نذر مان لے اس پر اس نذر کی وجہ سے کچھ لازم نہ ہوگا، اور نہ اس پر کفارہ واجب ہوگا، یہ حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت زینب بنت ام سلمہؓ سے مروی ہے، یہی حکم بن عتیہ، شعبی، حارث العکلی، سعید بن المسیب اور قاسم بن محمد کا قول ہے، یہاں شافعیہ کے مذہب میں ایک قول ہے جس کو امام غزالی نے صحیح قرار دیا ہے، اور بعض شافعیہ نے اس کو قطعی کہا ہے کہ یہ نذر لغو ہے، اس لئے کہ اگر وہ مالی صدقہ یا مالی فی سبیل اللہ کہے گا تو اس نے کوئی ایسا صیغہ جس سے اپنے اوپر لازم کرنا سمجھا جائے ذکر نہیں کیا ہے، لہذا اس پر کچھ لازم نہ ہوگا^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل ارشاد بانی ہے: ”وَأَتِذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْدُرْ تُبْدِيرًا“^(۲) (اور تو قرابت دار کو (بھی) اس کا حق ادا کر اور محتاج اور مسافر کو (بھی) ان کا حق) اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا، نیز ارشاد بانی ہے: ”وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ، وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ“^(۳) (اور اس کا حق (شرعی) اس کے کاٹنے کے دن ادا کر دیا کرو اور اسراف مت کرو۔ بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے)، اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی راہ میں صدقہ کرنے اور خرچ کرنے کا حکم دیا، لیکن انسان جو بھی صدقہ

کفارہ کی طرح ہے، اور جو ایسی نذر مانے کہ اس کو پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے، اور جو ایسی نذر مانے جس کو پورا کر سکتا ہے تو اس کو پورا کرے۔

ان دونوں احادیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی دوسری روایت اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر مبہم، جس کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہونے کے لئے کسی عمل کو متعین نہ کیا گیا ہو، منعقد اور صحیح ہوتی ہے، اور اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے، اور حضرت عقبہ کی پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر بعین کی طرح ہے، اور جو بعین میں واجب ہوتا ہے وہی نذر میں بھی واجب ہوتا ہے، لہذا اگر نذر صحیح ہو اور اس کو پورا کرنا ممکن ہو تو پوری کی جائے گی، ورنہ اس میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور نذر مبہم میں کوئی عمل متعین نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ نذر پوری کی جائے، لہذا اس میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

رہا صحابہ کرامؓ کا اجماع، تو حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ نذر مبہم میں کفارہ واجب ہوگا، اور ابن قدامہ نے ان حضرات صحابہ کرام کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے علم کے مطابق ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مخالف نہیں تھا، لہذا یہ اجماع ہوگا^(۱)۔

نذر مبہم کے بارے میں دوسرا رجحان یہ ہے کہ وہ منعقد نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ نذر باطل ہے، یہ رائے بعض شافعیہ کی ہے^(۲)۔

= روایت ابوداؤد (۶۱۳/۳ طبع حمص) نے کی ہے، ابن جریر نے فتح الباری (۵۸۷/۱۱) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ پر اس کا موقوف ہونا راجح ہے۔

(۱) المغنی ۳/۹۔

(۲) نہایۃ المحتاج وحاشیۃ الشبر الملسی والرشیدی علیہ ۲۲۱/۸۔

(۱) روضۃ الطالبین ۳/۲۹۷۔

(۲) سورۃ اسراء ۲۶۔

(۳) سورۃ انعام ۱۴۱۔

نذر ۲۵

عن ظہر غنی“ (تم میں سے کوئی آدمی اپنا مال لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے پھر بیٹھ جاتا ہے، اور لوگوں کے سامنے بھیک کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے، بہترین صدقہ وہ ہے جو بے نیازی کے ساتھ ہو) ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خذ عنا مالک لا حاجة لنا به“^(۱) (اپنا مال لے جاؤ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص اپنے تمام مملوک مال کے صدقہ کی نذر مانے اس کی یہ نذر یقیناً ہے، اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا، یہ رائے حضرت عمرؓ، ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے منقول ہے، اور یہی حسن بصری، طاؤس، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، اوزاعی، قتادہ اور سلیمان بن یسار کا قول ہے، اور یہی امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”كفارة النذر كفارة اليمين“^(۳) (نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے)۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر کا حکم قسم کے حکم کی طرح ہے، جو شخص اپنی قسم میں حانث ہو جائے اس کا کفارہ لازم ہوتا ہے، اسی طرح اگر نذر ماننے والا اپنی نذر پوری نہ کر سکے تو اس پر قسم کے کفارہ کی طرح کفارہ لازم ہوگا۔

کرے اس میں اسراف اور فضول خرچی سے منع بھی کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اپنے تمام مملوک مال کو صدقہ کر دینا شارع کو پسند نہیں ہے اور نذر کے ذریعہ اس کو اپنے اوپر لازم کر لینا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں نذر ماننا نہیں ہے۔

اسی طرح انہوں نے سنت مطہرہ سے چند احادیث کے ذریعہ بھی استدلال کیا ہے، مثلاً کعب بن مالک سے اس حدیث میں مروی ہے جس میں غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا ذکر ہے، کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ اپنا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو صدقہ کر دوں، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أمسک عليك بعض مالک فهو خير لك قلت: أمسک سهمی الذی بخیر“^(۱) (اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھ لو، یہ تمہارے حق میں اچھا ہوگا، میں نے کہا: خیبر میں جو میرا حصہ ہے اس کو رکھ لیتا ہوں)۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی حدیث ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی انڈے کے برابر سونا لے کر حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھ کو یہ کان میں ملا، آپ اس کو لے لیں، یہ صدقہ ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے تو آپ ﷺ نے چند بار اعراض کیا، وہ شخص اپنے اس جملہ کو بار بار دہرا رہا تھا، پھر آپ نے اس کو لے لیا اور اس کو پھینک کر مارا، اگر اس کو لگ جاتا تو سخت چوٹ لگتی یا وہ زخمی ہو جاتا پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”يأتي أحدكم بما يملك فيقول: هذه صدقة ثم يقعد يستكف الناس، خير الصدقة ما كان

(۱) حدیث: ”يأتي أحدكم بما يملك فيقول: هذه صدقة.....“ کی روایت ابوداؤد (۳۱۰/۲ طبع حمص) نے کی ہے، منذری نے مختصر السنن (۲۵۳/۲) میں ایک راوی کی وجہ سے اس کو معلول قرار دیا ہے۔
(۲) المغنی ۱/۹۷۔
(۳) اس حدیث کی تخریج فقہرہ ۱۲ میں گزر چکی ہے۔

(۱) حدیث: ”أمسک عليك بعض مالک فهو خير لك.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۸۶/۵ طبع السلفیہ) اور مسلم (۲۱۲۷/۳) طبع عیسیٰ الحلی نے کی ہے۔

نذر ۲۵

کردینا کافی ہو جائے گا، دونوں احادیث کا واضح مفہوم یہی ہے۔
چوتھا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص اپنے کل مال کے صدقہ کی نذر مان لے اس پر اس کل مال کا صدقہ کرنا واجب ہو جائے گا، ایک روایت میں حضرت ابن عمرؓ کی ایک رائے یہی ہے، اسی طرح سالم بن عبد اللہ اور قاسم بن محمد سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: یہ مال اپنی لڑکیوں پر صدقہ کرے گا، شعبی اور نخعی سے صحیح طور پر منقول ہے کہ وہ دونوں حضرات اس پر اس کو لازم قرار دیتے تھے جو اس نے خود اپنے اوپر لازم کیا ہے، حنفیہ کے نزدیک یہی قیاس کے مطابق ہے۔

ان حضرات نے کہا ہے کہ اگر اس کو یمین کے درجہ میں رکھا جائے تو اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہوگا اور نذر ماننے والے پر کل مال کے صدقہ کرنے کو لازم قرار دینا شافعیہ کے مذہب میں ایک قول ہے^(۱)۔

اس رجحان کے حامل فقہاء کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه“^(۲) (جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے اس کی نافرمانی کی نذر مانی وہ اس کی نافرمانی نہ کرے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کی نذر مانے اس پر لازم ہے کہ اس نذر کے ذریعہ جس چیز کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اس کو پورا کرے، جس نے اپنے تمام مملوک مال کے صدقہ کرنے کی نذر مانی اس نے اپنے اوپر ایسی چیز لازم کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے، لہذا اس کو پورا کرنا اور اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا اس

(۱) روضة الطالبین ۲۹۷، المغنی ۸/۹، البدائع ۲۸۷۲، ۲۸۷۳، طبع مطبعة الإمام۔

(۲) اس حدیث کی تخریج فقہ ۵ میں گزر چکی ہے۔

تیسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص اپنے کل مال کے صدقہ کی نذر مان لے اس کے لئے اس مال کا ایک تہائی صدقہ کر دینا کافی ہو جائے گا، یہ رائے زہری، لیث بن سعد کی ہے اور سعید بن المسیب کا دوسرا قول ہے، اور یہی مالکیہ کی رائے ہے اور یہی جمہور حنابلہ کا مذہب ہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت حسین بن السائب بن ابی لبابہ کی یہ حدیث ہے کہ ابولبابہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میں اپنا آبائی علاقہ چھوڑ کر آپ کے ساتھ بس جاؤں، اور اپنا مال اللہ اور اس کے رسول کے لئے صدقہ کر دوں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”يجزئ عنك الثلث“^(۲) (ایک تہائی کافی ہے)، غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے واقعہ سے متعلق کعب بن مالک کی حدیث میں ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال، اللہ اور اس کے رسول کے لئے صدقہ کر دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا کہ آدھا مال! آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا ایک تہائی! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں نے کہا: ”فإني سأمسك سهمي من خيبر“^(۳) (تو میں اپنا خيبر والا حصہ روک لیتا ہوں) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے تمام مملوک مال کے صدقہ کی نذر مان لے اس کے لئے اس کا تہائی صدقہ

(۱) شرح الزرقانی وحاشیۃ البنانی ۹۵/۳، کفایۃ الطالب الربانی وحاشیۃ العدوی ۶۳/۳، ۶۴، مواہب الجلیل ۳۲۱/۳، المغنی ۷/۹، الکافی ۴۲۲/۴، کشف القناع ۲۸۷/۶۔

(۲) حدیث: ”يجزئ عنك الثلث.....“ کی روایت احمد (۳/۵۳) طبع المہینیہ (اور ابن حبان نے اپنی صحیح (الاحسان ۸/۱۶۴، ۱۶۵) طبع مؤسسۃ الرسالۃ) میں کی ہے۔

(۳) حدیث: ”سأمسك سهمي من خيبر.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۶۱۳) طبع حصص نے کی ہے۔

پر لازم ہوگا۔

زکاۃ واجب ہوتی ہے، ان کا صدقہ کرنا اس پر لازم ہوگا، یعنی زکاۃ والے اموال کی جنس کو صدقہ کرے گا اگرچہ زکاۃ کے نصاب کے برابر نہ ہو، ان اموال میں وہ مال داخل نہ ہوگا جس میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی ہے، لہذا رہائشی مکانات، اثاثے، کپڑے اور وہ سامان جن میں تجارت مقصود نہ ہو وغیرہ کو صدقہ کرنا اس پر لازم نہ ہوگا، یہ حنفیہ کی رائے ہے، اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ استحسان ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نذر جس کے ذریعہ آدمی اپنے اوپر کچھ لازم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے ساتھ معتبر ہے، اس لئے کہ وجوب تو سب ہی میں، اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے ہوتا ہے، بندہ کی طرف سے تو صرف اس سبب کا اختیار کرنا پایا جاتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کا واجب کرنا معلوم ہوا، اور امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب جو ایجاب ہے، وہ زکاۃ ہے جس کا حکم ارشاد بانی میں ہے: ”تُخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا“^(۱) (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، اس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کر دیں گے)، نیز ارشاد ہے: ”وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ، لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ“^(۲) (اور جو اپنے مال میں حق رکھتے ہیں جانا ہوا سوالی اور بے سوالی (سب) کا) وغیرہ، اس کا تعلق کسی مال سے ہوتا ہے اور کسی مال سے نہیں ہوتا ہے، تو ایسا ہی نذر میں بھی ہوگا^(۳)۔

مطلق نماز یا روزہ کی نذر کا حکم:

الف۔ مطلق نماز کی نذر:

۲۶۔ اگر کوئی شخص مطلق نماز کی نذر مانے، اس میں کتنی رکعت

حنفیہ کے نزدیک قیاس کا تقاضا ہے کہ اس میں تمام مال داخل ہو، اس لئے کہ مال اس کو کہتے ہیں جس کو آدمی جمع کرے جیسا کہ ملک اس کو کہتے ہیں جس کا مالک ہو، لہذا ملک کی طرح تمام مال اس میں داخل ہوگا^(۱)۔

پانچواں رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص اپنا کل مال صدقہ کرنے کی نذر مانے، اس کے لئے اپنے مال کا چالیسواں حصہ (مقدار زکاۃ) صدقہ کر دینا کافی ہو جائے گا، یہ حضرت ابن عباس کی دوسری روایت اور حضرت ابن عمر کی تیسری روایت ہے، یہی ربیعہ کا قول ہے، عبدالعزیز بن المہشون سے منقول ہے کہ انہوں نے ربیعہ کے اس قول کو پسند کیا^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عثمان بن ابی حاضر کی یہ روایت ہے کہ ایک خاتون نے قسم کھالی اور کہا کہ اگر میں ایسا نہ کروں گی تو میرا مال اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، اور میری باندی آزاد ہے، تو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر نے کہا کہ باندی تو آزاد ہو جائے گی، رہا اس کا قول: ”مالی فی سبیل اللہ“ تو وہ اپنے مال کی زکاۃ کے بقدر صدقہ کرے گی۔

نیز انہوں نے کہا کہ نذر مطلق میں اگر نذر ماننے والا اپنے کل مال کے صدقہ کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لے تو اس سے مراد شریعت میں جو معروف مقدار ہے وہ ہوگی اور شریعت میں صرف زکاۃ کی مقدار یعنی چالیسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہے^(۳)۔

چھٹا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مالی صدقہ کہے تو اس کے مملوک اموال میں جن میں

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۷۔

(۲) المغنی ۹/۷۷۔

(۳) المغنی ۹/۷۷۔

(۱) سورۃ توبہ ۱۰۳۔

(۲) سورۃ معارج ۲۳، ۲۵۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۷۔

نذر ۲

ہوگا، یہ شافعیہ کا دوسرا قول ہے، اور امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ہے (۱)۔

ان حضرات فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ نماز کی کم از کم مقدار ایک رکعت ہے، اس لئے کہ وتر مشروع نماز ہے اور وہ ایک رکعت ہے (۲)۔

ب۔ مطلق روزہ کی نذر:

۲۔ اگر کوئی شخص مطلق روزہ کی نذر مانے، کتنے روزے رکھے گا اس کی تعداد متعین نہ کرے، نہ اس کی نیت کرے تو اس سلسلہ میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو مطلق روزہ کی نذر مانے اس پر ایک دن کا روزہ رکھنا لازم ہوگا، یہ رائے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ہے (۳)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ شرع میں تہا روزہ ایک دن سے کم کا نہیں ہے، لہذا جو مطلق روزہ کی نذر مانے گا اس پر ایک دن کا روزہ لازم ہوگا، کیونکہ یہ یقینی ہے (۴)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ ایک دن کا روزہ کم سے کم مقدار ہے، جو روزہ میں کافی ہے، اور جس کو روزہ کہا جاتا ہے، لہذا یہی لازم اور یقینی ہوگا اور اس سے زائد لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ زیادتی نہ شرعاً لازم

پڑھے گا اس کو متعین نہ کرے اور نہ اس کی نیت ہی کرے تو اس پر کیا لازم ہوگا، تو اس بارے میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو مطلق نماز کی نذر مانے اس کے لئے دو رکعت نماز پڑھ لینا کافی ہو جائے گا، یہی رائے حنفیہ اور مالکیہ کی ہے، امام شافعی نے اسی کی صراحت کی ہے، ان کے اصحاب کا مشہور مذہب یہی ہے، یہی حنابلہ کا راجح مذہب ہے (۱)۔

ان حضرات فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں جو نماز واجب ہے اس کی کم از کم مقدار دو رکعت ہے، لہذا مطلق نذر کو اسی پر محمول کیا جائے گا، اس لئے کہ جس نذر کو آدمی اپنے اوپر واجب کرتا ہے، وہ شریعت کے واجب کردہ کے اعتبار سے ہی ہوتا ہے، لہذا مطلق نماز کی نذر ماننے والے پر دو رکعت نماز لازم ہوگی (۲)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ کم از کم دو رکعت کو ہی نماز کہتے ہیں، لہذا نذر ماننے والے پر دو رکعت ادا کرنا لازم ہوگا، اس سے زائد اس پر لازم نہ ہوگا، کیونکہ اس زائد کو نہ تو شریعت نے واجب کیا ہے، اور نہ لغت کے اعتبار سے واجب ہے (۳)۔

اسی طرح انہوں نے مزید کہا ہے کہ فرض میں ایک رکعت کافی نہیں ہے، لہذا نذر میں بھی کافی نہ ہوگی جیسے سجدہ (۴)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص مطلق نماز کی نذر مانے اس کے لئے ایک رکعت پڑھ لینا کافی

(۱) روضۃ الطالبین ۳۰۶/۶، نہایۃ المحتاج ۲۳۴/۸، المغنی ۱۱/۹، الکافی ۴۲۳/۴۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۲۳۴/۸، المغنی ۱۱/۹، الکافی ۴۲۳/۴۔

(۳) مواہب الجلیل ۳۲۰/۳، کفایۃ الطالب الربانی ۲۵۷/۳، روضۃ الطالبین ۳۰۵/۳، نہایۃ المحتاج ۲۳۳/۸، المغنی ۱۱/۹، الکافی ۳۲۴/۴، کشف القناع ۲۷۹/۶۔

(۴) نہایۃ المحتاج ۲۳۳/۸، المغنی ۱۱/۹، کشف القناع ۲۷۹/۶۔

(۱) بدائع الصنائع ۲۸۸۸/۶، مواہب الجلیل ۳۲۰/۳، کفایۃ الطالب الربانی ۵۷۳، روضۃ الطالبین ۳۰۶/۳، نہایۃ المحتاج ۲۳۴/۸، المغنی ۱۱/۹، الکافی ۴۲۳/۴، کشف القناع ۲۷۹/۶۔

(۲) بدائع الصنائع ۲۸۸۸/۶، نہایۃ المحتاج ۲۳۴/۸، المغنی ۱۱/۹، الکافی ۴۲۳/۴۔

(۳) کفایۃ الطالب الربانی ۵۷۳۔

(۴) کشف القناع ۲۷۹/۶، الکافی ۴۲۳/۴۔

نذر ۲۸

رمضان میں روزہ چھوڑ دے گا تو اس کی قضاء کرے گا اور جو کفارات اس پر واجب ہوں گے ان کے روزے بھی رکھے گا جیسے ظہار، قتل، قسم اور رمضان کے دن میں جماع کرنے کا کفارہ، یہ روزے نذر پر مقدم ہوں گے، کیونکہ یہ روزے شریعت کی طرف سے واجب ہیں، لہذا اس روزہ پر مقدم ہوں گے، جس کو آدمی نے خود اپنے اوپر نذر کے ذریعہ لازم کیا ہے، جیسے فرض حج، نذر مانے ہوئے حج پر مقدم ہوتا ہے، اگر اپنے اس روزہ کے درمیان کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ نہیں رکھے گا، تو جن ایام کا روزہ نہیں رکھا ہے ان کی قضاء نہیں کرے گا، اس لئے کہ پورا زمانہ نذر مانے ہوئے روزہ میں گھرا ہوا ہے، البتہ بلا عذر روزہ چھوڑ دینے کی وجہ سے اس پر فدیہ لازم ہوگا۔

اس فدیہ کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے، حنفیہ نے اس کی مقدار جن ایام میں روزہ نہیں رکھا ہے ان میں سے ہردن کی طرف سے نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو مقرر کیا ہے۔

مالکیہ میں سے ابن القاسم نے کہا ہے کہ ہردن کی طرف سے ایک مدکھانا کھلائے گا، انہوں نے رمضان کے روزہ میں کوتاہی کے کفارہ پر قیاس کیا ہے، اس لئے کہ وہ ایسا کفارہ ہے جو ایسی جگہ جان بوجھ کر روزہ چھوڑنے کی وجہ سے واجب ہوا ہے، جس میں روزہ چھوڑنا جائز نہ تھا، اور یہ بھی اسی طرح ہے۔

مالکیہ میں سے سخون نے کہا ہے کہ اس پر ساٹھ مساکین کا کھانا کھلانا واجب ہوگا، اس لئے کہ اس نے جان بوجھ کر ایسا روزہ چھوڑا ہے جس کی تلافی وہ نہیں کر سکتا ہے، لہذا رمضان شریف میں جان بوجھ کر روزہ چھوڑنے کے مشابہ ہوگا، کیونکہ اس میں بھی تلافی ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر زندگی بھر روزہ رکھے گا تو بھی اس کی تلافی نہ ہوگی۔

شافعیہ نے اس کی مقدار ہردن کی طرف سے ایک مدکھانا مقرر

ہے، نہ لغتہً لازم ہے (۱)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس پر تین دنوں کا روزہ لازم ہوگا، یہ حنفیہ کی رائے ہے (۲)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ مطلق روزہ کی نذر مبہم نذر ہے، اس لئے کہ اس میں روزہ کی تعداد نہیں بیان کی گئی ہے، اور نذر مبہم بیمین ہے، اور اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے، لہذا اگر نذر ماننے والے نے روزہ کی نذر مانی، اور نذر میں روزہ کی تعداد کے بارے میں اس کی کوئی نیت نہ ہو تو اس روزہ کو کفارہ کے روزہ کی طرف پھیر دیا جائے گا اور وہ تین دنوں کا روزہ ہے (۳)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ بندہ کا واجب کرنا اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے معتبر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو روزے واجب کیا ہے اس میں کم از کم تین دنوں کا روزہ ہے، اور وہ قسم کے کفارہ میں ہے، لہذا نذر مطلق میں یہی واجب ہوگا (۴)۔

صوم دہر کی نذر:

۲۸- حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ جو دہر کے روزہ کی نذر مانے گا اس پر پورے دہر کا روزہ لازم ہوگا، البتہ اس کی نذر میں رمضان داخل نہ ہوگا، اس لئے کہ ایام رمضان کا روزہ صرف فرض کے لئے ہی ہو سکتا ہے، اسی طرح اس کی نذر میں عیدین اور تشریق کے ایام بھی داخل نہ ہوں گے، لہذا ان ایام میں نذر کے روزے نہیں رکھے جائیں گے، اور نہ ان ایام کی قضاء کی جائے گی، کیونکہ یہ ایام روزہ کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، اس طرح کی نذر ماننے والا اگر

(۱) کفایۃ الطالب الربانی ۵۷۳۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار ۷۱۳، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۸۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۸۔

(۴) رد المحتار ۷۱۳۔

نذر ۲۹

معین مہینہ کے روزہ کی نذر مانے، اور اس میں تسلسل کی شرط نہ لگائے، تو اس کو اختیار ہے کہ مسلسل روزہ رکھے، یا بیچ میں ناغہ کر کے الگ الگ رکھے، اور اگر اس میں تسلسل کی شرط لگا دے گا تو اس پر یہ لازم ہو جائے گا، یہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کی رائے ہے، اور امام احمد سے ایک روایت ہے، اور بعض حنابلہ کا ایک قول ہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ روزہ کی بنیاد تسلسل پر نہیں ہے، بلکہ تفریق پر ہے، اس لئے کہ ہر دو دن کے درمیان ایسا وقت ہے جس میں روزہ کی صلاحیت نہیں ہے، اور وہ رات ہے، لہذا روزہ دار کو تسلسل اور تفریق میں اختیار ہوگا^(۲)۔ اسی طرح ان کی دلیل ہے کہ مہینہ دو چاند کے درمیانی وقت کو کہتے ہیں، اور تیس دن کو بھی کہتے ہیں، اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسی نذر ماننے والے کے لئے تیس دن روزہ رکھنا کافی ہے، لہذا تسلسل اس پر لازم نہ ہوگا، جیسا کہ اگر تیس دن روزہ کی نذر مانے تو اس پر تسلسل لازم نہ ہوگا، البتہ اگر تسلسل کی شرط لگا دے گا تو تسلسل واجب ہوگا^(۳)۔

دوسری رائے: اس رائے کے حامل فقہاء کا خیال ہے کہ جو شخص غیر معین مہینہ کے روزہ کی نذر مانے اس پر مسلسل روزہ رکھنا لازم ہوگا، خواہ تسلسل کی شرط لگائے یا نہ لگائے، روزہ میں تفریق کرنا کافی نہ ہوگا، یہ ابو ثور کا قول ہے، اور یہی حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب ہے^(۴)۔

(۱) رد المحتار ۱/۳۷۱، فتح القدیر ۲/۲۷۱، بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۲، ۲۸۹۳، مواہب الجلیل والتاج والإکلیل ۲/۴۵۱، حاشیۃ الدرستی ۱/۵۳۸، ۵۴۰، روضۃ الطالبین ۳/۳۱۰، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۵، ۲۲۶، المغنی ۹/۲۷۹، الکافی ۳/۳۲۵۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳، المغنی ۹/۲۸۱۔

(۳) المغنی ۹/۲۷۹، الکافی ۳/۳۲۵۔

(۴) المغنی ۹/۲۷۹، ۲۸۰، الکافی ۳/۳۲۵، کشف القناع ۶/۲۸۱، الإیضاف ۱۱/۱۳۳۔

کیا ہے، خواہ گندم، جو، کھجور ہو یا اس کے علاوہ شہر کے کھانوں میں سے کوئی کھانا ہو۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ اس کی مقدار ہر دن کے لئے نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کھجور مقرر ہے^(۱)۔

غیر معین مہینے کے روزہ کی نذر:

۲۹- فقہاء حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص غیر معین مہینہ کی نذر مانے تو اس کو اختیار ہے کہ کسی چاند کے مہینہ کی ابتدا سے اس کا روزہ رکھے یا عدد کے ذریعہ روزہ رکھے، اگر کسی چاند کے مہینہ کی ابتدا سے روزہ رکھے گا اور مسلسل روزہ رکھے گا (یعنی بیچ میں ناغہ نہیں کرے گا) تو وہ مہینہ اگرچہ ۲۹ دن کا ہو اس کی نذر کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اگر چاند کے مہینہ کے کچھ حصے گزر جانے کے بعد روزہ رکھے گا یا عدد کے ذریعہ ایک ماہ روزہ رکھے گا تو احتیاطاً تیس ایام کا روزہ اس کے لئے کافی ہوگا، اگرچہ لفظ شہر (ماہ) میں ۲۹ دن کا احتمال بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ مہینہ دو چاند کے بیچ کے ایام کو کہا جاتا ہے، خواہ تام ہو یا ناقص ہو، اسی طرح تیس دن کو بھی مہینہ کہا جاتا ہے، تو نذر ماننے والا ان دونوں میں سے جس پر بھی عمل کر لے گا، ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا۔

بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ صفت کے بارے میں اختلاف ہے کہ جب روزہ رکھے گا تو کیا اس کے روزہ میں تسلسل شرط ہے، یا اس میں فصل بھی ہو سکتا ہے، اس میں دو آراء ہیں:

پہلی رائے: اس رائے کے حامل فقہاء کا خیال ہے کہ جو غیر

(۱) رد المحتار ۱/۳۷۱، الکفایۃ علی الہدایۃ للفرغینانی ۲/۲۷۶، مواہب الجلیل ۲/۴۳۳، ۴۳۹، مجموع ۶/۲۵۹، روضۃ الطالبین ۳/۳۱۸، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۵، زاد المحتاج ۲/۴۹۶، المغنی ۹/۲۷۹، کشف القناع ۶/۲۸۱، ۲۸۲۔

نذر ۳۰

ایک قول ہے، اور یہی شافعیہ کی رائے اور حنابلہ میں سے الخرقی کا قول بھی ہے، اور امام احمد کے اس قول کے مطابق ہے جو انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا ہے جس نے ابھی حج نہ کیا ہو اور وہ حج کی نذر مان لے کہ وہ جو ادا کرے گا دونوں کے لئے ادا ہو جائے گا^(۱)۔

ان حضرات فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر ماننے والے پر اپنا فرض روزہ رکھنا لازم ہے، نذر کی طرف سے نہ دوسرا روزہ ہوگا اور نہ کفارہ لازم ہوگا، اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزہ کا جو حکم دیا ہے وہ نذر پر مقدم ہوگا، اس لئے نذر ماننے والے کو یہ حق نہیں کہ وہ رمضان میں یا اس کے کسی حصہ میں اللہ نے جس روزہ کا حکم دیا ہے اس کے علاوہ کوئی روزہ رکھ سکے، صحت اور اقامت کی حالت میں، رمضان کا مہینہ اسی کے روزہ کے لئے مخصوص و متعین ہے، فرض کے علاوہ نذر، کفارہ یا کسی بھی دوسرے روزہ کی گنجائش اس میں نہیں ہے، لہذا اس نذر سے نہ کوئی حکم متعلق ہوگا نہ کوئی کفارہ واجب ہوگا^(۲)، نیز نذر ماننے والے نے روزہ میں یوم کی قید لگائی ہے، اور غائب کا قدم ایسے وقت میں نہیں پایا گیا ہے، جو روزہ کے قابل ہو، اس لئے کہ قدم کا دن فرض روزہ میں مشغول ہے، لہذا وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس میں کوئی دوسرا روزہ رکھا جاسکے^(۳)، نیز نذر والے نے ایک خاص متعین وقت میں روزہ کی نذر مانی ہے اور اس نے اس وقت میں روزہ رکھ بھی لیا ہے، لہذا نذر کے ذریعہ اس نے جو کچھ اپنے اوپر لازم کیا ہے، اس کو ادا بھی کر دیا ہے^(۴)۔

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۷، حاشیۃ الرسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۵۳۹، نہایۃ المحتاج ۲۱۶/۸، زاد المحتاج ۵۰۱/۳، المغنی ۲۰/۹، الکافی ۳/۴۲۷، ۳۲۸۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۲۸۷۔

(۳) نہایۃ المحتاج ۲۲۷/۸۔

(۴) المغنی ۲۰/۹، الکافی ۳/۴۲۸۔

ان حضرات فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ مہینہ مسلسل ایام کا نام ہے، لہذا مہینہ کے روزہ کی نذر میں صرف وہی روزہ کافی ہوگا جو مسلسل ہو، نیز یہ کہ مطلق مہینہ تسلسل کا متقاضی ہے، لہذا صرف اسی طریقہ پر روزہ رکھا جائے گا، اور ان حضرات نے اس صورت پر قیاس کیا ہے جس میں روزہ میں تسلسل کی نیت کرے^(۱)۔

ایسے مہینہ کے روزہ کی نذر جس کی ابتدا کسی غائب شخص کے آنے کے دن سے ہو، اور اتفاق سے اس کا آنا رمضان کے شروع میں ہو:

۳۰- کسی نے ایسے مہینہ کے روزہ کی نذر مانی جس کی ابتدا کسی غائب شخص کے آنے کے دن سے ہو، اور اتفاق سے اس کا آنا رمضان کے شروع میں ہو تو اس کے حکم کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے، دو اقوال ہیں:

پہلا قول: اس قول کے قائل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص ایسی نذر مانے، اس کی نذر منعقد ہوگی، اس لئے کہ اس کو پورا کرنا ممکن ہے، اگر معلوم ہو کہ آنے والا کل یا پرسوں مثلاً آئے گا تو وہ رات ہی سے روزہ کی نیت کر لے گا، اور اس کا یہ روزہ رمضان کی طرف سے بھی ادا ہو جائے گا، نذر کے لئے کوئی دوسرا روزہ اس پر لازم نہ ہوگا، اور نہ اس پر کوئی کفارہ واجب ہوگا۔

یہ قول حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عکرمہ کے اس قول کے مطابق ہے، جو ان دونوں حضرات نے اس شخص کے بارے میں کہا ہے جس نے ابھی حج نہ کیا ہو اور وہ حج کی نذر مان لے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اس کا حج دونوں کے لئے یعنی فرض اور نذر کے لئے کافی ہو جائے گا، یہی حنفیہ کی رائے ہے، اور یہی مالکیہ کے مذہب میں

(۱) الکافی ۳/۴۲۵، المغنی ۲۷/۹، کشاف القناع ۶/۲۸۱۔

نذرا ۳۱

وقت فوت ہو چکا ہے^(۱)۔

غائب کے آنے کے دن کے روزہ کی نذر ماننا، اتفاق سے اس کا آنا ایسے دن میں ہو جس دن روزہ رکھنا حرام ہے: ۳۱- کسی نے غائب کے آنے کے دن کے روزہ کی نذر مانی، اتفاق سے اس کا آنا ایسے دن میں ہو جس دن روزہ رکھنا حرام ہے، مثلاً عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا دن ہو یا ایام تشریق کا کوئی دن ہو، ایسے وقت میں اس کا آنا پایا گیا کہ نذر ماننے والی عورت حیض یا نفاس میں تھی تو اس حالت میں نذر ماننے والے پر کیا واجب ہوگا؟ اس بارے میں فقہاء کے چار مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس نذر ماننے والے پر کچھ لازم نہ ہوگا، نہ اس پر کفارہ واجب ہوگا، یہ حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے، اس لئے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں جس نے ایک دن روزہ کی نذر مانی تھی، اتفاق سے وہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا دن تھا، فرمایا، اللہ تعالیٰ نے نذر کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس دن کے روزہ سے منع فرمایا ہے، امام زفر نے کہا ہے کہ جو شخص یوم عید یا ایام تشریق کے روزہ کی نذر مانے اس کی نذر صحیح نہ ہوگی اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، امام محمد بن الحسن نے اس عورت کے بارے میں جس نے غائب کے آنے کے دن کے روزہ کی نذر مانی تھی اور اس کا آنا ایسے دن میں ہوا تھا کہ وہ اس میں حائضہ تھی، فرمایا کہ اس نذر کی وجہ سے اس عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا۔

اس نذر کی وجہ سے کچھ لازم نہ ہونا، مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے، اور یہی حنابلہ کے مذہب میں ایک قول ہے^(۲)۔

دوسرا قول: اس قول کے قائل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص ایسی نذر مانے اس کی نذر منعقد ہوگی، اور رمضان میں روزہ، فرض روزہ کی طرف سے کافی ہوگا، مگر نذر مانے ہوئے روزہ کی طرف سے کافی نہ ہوگا، اور نذر کے روزہ کی قضاء اس پر لازم ہوگی اور روزہ کے لئے معینہ وقت سے اس کی تاخیر کی وجہ سے کفارہ ادا کرے گا۔

یہ قول حضرت ابن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عروہ کے اس قول کے مطابق ہے، جو انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا ہے جس نے ابھی حج نہ کیا ہو، اور حج کی نذر مان لے، انہوں نے کہا ہے کہ پہلے فرض حج ادا کرے گا، پھر نذر کا حج ادا کرے گا اور یہی حنابلہ کا مشہور مذہب ہے^(۱)۔

ان حضرات فقہاء نے قیاس سے استدلال کیا ہے، اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں نذر ہے، اور اکثر اس کو پورا کرنا ممکن بھی ہوتا ہے، لہذا یہ منعقد ہوگا، اور اس سے روزہ واجب ہوگا، جیسا کہ اگر ایسا اتفاق شعبان میں ہو جائے اور نذر ماننے والے پر لازم ہوگا کہ نذر کی قضاء کرے، کیونکہ اس کا حکم اس شخص کے حکم کی طرح ہے، جو اس مہینہ میں روزہ ترک کر دے، اس لئے کہ اس نے نذر کی طرف سے روزہ نہیں رکھا ہے^(۲)۔

یہاں مالکیہ کے مذہب میں ایک دوسرا قول ہے: اگر کسی نے نذر مانی کہ فلاں غائب کے آنے کے دن روزے رکھے گا، اتفاق سے اس کا آنا رمضان کے پہلے دن ہو تو اس کا روزہ نہ نذر کی طرف سے کافی ہوگا نہ فرض کی طرف سے کافی ہوگا اور اس پر موجودہ رمضان کے لئے ایک دن کی قضاء واجب ہوگی، نذر کے لئے اس پر قضاء نہ ہوگی، اس لئے کہ نذر ماننا ہوا خاص وقت کے ساتھ متعین ہے، اور وہ

(۱) المغنی ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶

نذرا ۳۱

بھی ہے کہ جو عید یا ایام تشریق کے روزہ کی نذر مانے اس کی نذر منعقد ہوگی اور ان ایام کے علاوہ میں جن کے روزہ کی نذر مانی ہے اس کو پورا کرنا واجب ہوگا، اور اس پر کوئی کفارہ لازم نہ ہوگا، یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے اور اسی کے قائل ان کے بعض اصحاب ہیں^(۱)۔

ان حضرات فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر ماننے والے نے نذر کے ذریعہ واجب شدہ روزہ کو فوت کر دیا ہے، لہذا اس پر اس کی قضا لازم ہوگی، جیسا کہ اگر بھول کر روزہ چھوڑ دے، اور اس پر کفارہ اس لئے لازم نہیں ہوگا کہ شریعت نے اس کو اس دن کے روزہ سے منع کر دیا ہے تو وہ اس شخص کی طرح ہو گیا جس پر اکراہ کیا گیا ہو^(۲)۔

اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ یہاں نذر مانا ہوا، امر یعنی غائب کے آنے کے وقت روزہ رکھنا، ایسے روزہ پر محمول ہے جو مشروع ہے تو جب غائب کے آنے کا دن اتفاق سے ایسا دن ہو گیا جس میں روزہ رکھنا حرام ہے، تو اس میں اس کا روزہ نہ رکھنا عذر کی وجہ سے ہوگا، اور عذر شارع کا اس دن کے روزہ سے منع کرنا ہے تو یہ اس شخص کے مشابہ ہو گیا جس نے کسی عذر کی وجہ سے رمضان کا روزہ چھوڑ دیا اور جب ایسا ہوگا تو روزہ چھوڑنے کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم نہ ہوگا تو ایسا ہی حکم نذر ماننے والے کا بھی ہوگا^(۳)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ جس نے غائب کے آنے کے دن کے روزہ کی نذر مانی اس نے مقصود عبادت کی نذر مانی ہے، لہذا اس کی نذر صحیح ہوگی جیسا کہ اگر روزہ کی نذر ان ایام کے علاوہ میں ہوتی جن میں غائب کا آنا پایا گیا ہے^(۴)۔

ان حضرات فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ روزہ میں غائب کے آنے کے دن کی قید ہے اور آنا ایسے زمانہ میں نہیں پایا گیا جو روزہ کے قابل ہو، لہذا نذر ماننے والے پر روزہ لازم نہ ہوگا، اسی طرح اس پر کفارہ بھی لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ کفارہ تو اس پر روزہ کے لازم ہونے کے نتیجے میں ہوتا ہے^(۱)، اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نذر مانا ہوا گرچہ معصیت نہیں ہے مگر اتفاق سے معصیت بن گیا ہے، اس لئے کہ جس آنے پر اس نے روزہ معلق کیا ہے وہ ایسے دن میں پایا گیا ہے کہ اس میں روزہ حرام ہے، اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ معصیت کی نذر کو پورا کرنا نذر ماننے والے کے لئے حلال نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا وفاء لنذر فی معصیة“^(۲) یہ نذر، نذر المعصیة کے درجہ میں ہے، لہذا اس کی وجہ سے کچھ بھی لازم نہ ہوگا^(۳)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو ایسی نذر مانے اس کی نذر منعقد اور صحیح ہوگی البتہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا کہ اس دن روزہ رکھے بلکہ اس کی جگہ پر کسی دوسرے دن روزہ رکھ لے گا اور اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا، یہ حسن بصری، اوزاعی، ابو عبید اور قتادہ کا قول ہے، اس عورت کے بارے میں جس نے غائب کے آنے کے دن کے روزہ کی نذر مانی اور اس کا آنا ایسے دن میں ہوا کہ وہ حائضہ تھی، امام ابو یوسف نے فرمایا اور یہی حنفیہ کا مذہب

= ۴۵۲/۲، ۴۵۳، کفایۃ الطالب الربانی ۵۵/۳، المقدمات ۴/۱، ۴۰۴، روضۃ الطالبین ۳/۳۱۲، نہایۃ المحتاج ۲۷/۸، زاد المحتاج ۴/۱۲، المغنی ۲۲/۹، الکافی ۲۲۹/۳۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۲۷/۸، زاد المحتاج ۴/۱۲۔

(۲) حدیث: ”لا وفاء لنذر فی معصیة“ کی تخریج فقرہ ۱۶ میں گزری ہے۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۵، المغنی ۲۲/۹۔

(۱) رد المحتار ۶۸/۳، بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۳، ۲۸۶۵، فتح القدر ۴/۲۶۱، المغنی ۲۲/۹، الکافی ۲۲۹/۳۔

(۲) المغنی ۲۲/۹۔

(۳) الکافی ۲۲۹/۳۔

(۴) بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۵۔

نذرا ۳۱

روزہ صحیح ہوتا ہے، لہذا روزہ کے لئے اس کی نذر منعقد ہوگی جیسا کہ اگر نفل روزہ کی حالت میں صبح کرتا اور اس کے پورا کرنے کی نذر مان لیتا^(۱)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے نذر کے ذریعہ جس روزہ کو اپنے اوپر لازم کیا ہے وہ روزہ اس پر واجب ہے، جس کی قضاء رمضان کی طرح اس پر لازم ہوگی اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اس لئے کہ نذر یقین کی طرح ہے اور نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہوتا ہے^(۲)۔

چوتھا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ یہ نذر منعقد اور صحیح ہے، اور نذر ماننے والا اگر اس دن روزہ رکھے گا جس دن روزہ رکھنا حرام ہے تو اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا، اور اس کی نذر کی طرف سے کافی ہو جائے گا، عید کے دنوں کے روزہ کے بارے میں حنفیہ کا یہی مذہب ہے، اور اس بارے میں امام احمد سے یہی ایک روایت ہے^(۳)۔

ان حضرات فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ نذر ماننے ہوئے روزہ کا واقع ہونا ایسے دن میں متعین ہو جائے جس دن روزہ رکھنا حرام ہے، تو وہ روزہ ہونے کی حیثیت سے عبادت ہے، اور جس میں عبادت کا پہلو ہو اس کی نذر ماننا صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا اس پر لازم ہے^(۴)۔

اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے جس کی نذر مانی ہے اس کو پورا کر دیا ہے، تو یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے وہ محصیت کی نذر مانے اور اس کو پورا کر دے^(۵)۔

(۱) المغنی ۲۲/۹، کشف القناع ۲۸۰/۶۔

(۲) الکافی ۴/۳۲۹۔

(۳) رد المحتار ۳/۶۸، فتح القدر ۳/۲۶، المغنی ۲۲/۹۔

(۴) رد المحتار ۳/۶۸، فتح القدر ۳/۲۶۔

(۵) المغنی ۲۲/۹۔

تیسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو ایسی نذر مانے، اس کی نذر صحیح اور منعقد ہوگی، البتہ وہ اس دن روزہ نہیں رکھے گا، بلکہ اس کی جگہ پر کسی دوسرے دن روزہ رکھے گا، اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا، یہ حکم بن عتیہ اور حماد بن ابی سلیمان کا قول ہے، اور عطاء سے منقول ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں جس نے شوال کے روزہ کی نذر مان لی فرمایا کہ وہ عید الفطر کے دن افطار کرے گا، پھر اس کی جگہ پر ذی قعدہ میں کسی دن روزہ رکھ لے گا اور اس کے ساتھ دس مساکین کو کھانا کھلائے گا، یہ رجحان امام احمد کی ایک روایت ہے، اور اکثر حنا بلکہ کا قول ہے^(۱)۔

ان حضرات فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر ماننے والے نے نذر کے ذریعہ ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کیا ہے جس کا پورا کرنا اکثر حالات میں ممکن ہے، لہذا اس کی نذر منعقد ہوگی، جیسا کہ اگر ایسے دن میں آنا ہوتا جس میں روزہ رکھنا حرام نہ ہوتا اور جس دن یہ غائب آیا ہے، اس دن روزہ رکھنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ شارع نے اس دن کے روزہ کو حرام قرار دیا ہے، البتہ نذر ماننے والے پر قضاء لازم ہوگی اس لئے کہ اس کی نذر منعقد ہے اور عذر کی وجہ سے روزہ فوت ہو گیا ہے، اور روزہ کے فوت ہونے کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم ہوگا، جیسا کہ اگر کسی مرض کی وجہ سے فوت ہو جاتا^(۲)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے جس دن کے روزہ کی نذر مانی ہے، اس دن روزہ نہیں رکھا ہے تو ایسا ہو گیا کہ اس نے جمعرات کے دن کے روزہ کی نذر مانی اور اس دن روزہ نہیں رکھا اور اس سے اس کی نذر کا منعقد ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ جس کی طرف نذر کی نسبت کی ہے وہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں نفل

(۱) المغنی ۲۱/۹، ۲۲، الکافی ۴/۳۲۹، کشف القناع ۲۸۰/۶۔

(۲) المغنی ۲۲/۹۔

مہینہ روزہ رکھے، ایسی صورت میں ناقص مہینہ بھی کامل کے حکم میں ہوگا، اگر کسی مہینہ میں مکمل ماہ روزہ نہ رکھ سکے تو تیس دن پورے کرے گا اور اگر چاہے تو ایک سال مسلسل روزہ رکھے، رمضان، عیدین، ایام تشریق اور حیض و نفاس کے ایام کی قضاء کرے، یہی رائج مذہب ہے، ان کے یہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ تین سو ساٹھ دن روزہ رکھنے کے بعد ہی اپنی نذر سے بری الذمہ ہوگا، اور بعض اصحاب کی رائے ہے کہ نذر ماننے والا اگر محرم سے محرم تک یا کسی بھی مہینہ سے اسی کے مثل مہینہ تک روزہ رکھ لے گا تو اس کے لئے کافی ہو جائے گا، رمضان، عیدین اور ایام تشریق کی قضاء اس پر لازم نہ ہوگی، اس لئے کہ ایسے شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے سال بھر روزہ رکھا صحیح ہوگا، اور جو شافعیہ کا مذہب ہے یہی امام احمد سے ایک روایت ہے، اور بعض حنا بلکہ کا ایک قول ہے^(۱)۔

نذر مانے ہوئے سال کے روزہ میں تسلسل کے لازم نہ ہونے پر ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ سال متفرقہ کو بھی سال کہنا صحیح ہے، لہذا نذر ماننے والے کی نذر میں وہ داخل ہوگا، اس لئے اس پر لازم ہوگا کہ اگر چاہے تو چاند کے مہینہ سے بارہ ماہ روزہ رکھے، اور اگر چاہے تو تعداد کے اعتبار سے ایک سال کا روزہ رکھے، الغرض اس پر صرف بارہ ماہ کا روزہ رکھنا لازم ہوگا، اس لئے کہ نذر کو ایسے سال پر محمول کرنا ممکن ہے جس میں رمضان، اور ایسے ایام نہ ہوں جن میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، لہذا اس کی نذر ان ہی ایام کے لئے ہوگی جن میں نذر منعقد ہو سکتی ہے^(۲)۔

(۱) رد المحتار ۱/۳۱۳، فتح القدیر ۲/۱۰۴، ۲/۴۷، بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳، مواہب الجلیل والتاج والاکلیل ۲/۵۲، الذوق ۱/۵۳۹، ۵۴۰، روضۃ الطالبین ۳/۳۱۱، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۶، زاد المحتاج ۴/۴۹۹، المغنی ۹/۲۵، الکافی ۴/۴۲۔
(۲) المغنی ۹/۲۵۔

جس نے مطلق ایک سال کے روزہ کی نذر مانی اس کے روزہ کا طریقہ (یعنی تسلسل واجب ہے یا نہیں):
۳۲۔ جس شخص نے ایک سال کے روزہ کی نذر مانی اور اس نے روزہ کو مطلق رکھا اس میں تسلسل کی قید نہیں لگائی تو اس کے روزہ کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا نذر ماننے والے پر مسلسل سال بھر کا روزہ واجب ہوگا یا الگ الگ اس کا روزہ رکھنا بھی اس کے لئے کافی ہو جائے گا، اس میں دور رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو مطلق ایک سال کے روزہ کی نذر مانے اس پر مسلسل سال بھر کا روزہ لازم نہ ہوگا، بلکہ اس بارے میں اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو الگ الگ روزہ رکھے (یعنی بیچ میں نماندہ کر دے) اور اگر چاہے تو مسلسل روزہ رکھے، یہ حنفیہ کی رائے ہے، نذر مانے ہوئے روزہ کو جن ایام میں ادا نہیں کرے گا، اس سال کے بعد ان کی قضاء نذر ماننے والے پر لازم ہوگی۔

لیث بن سعد نے کہا ہے کہ پورے سال روزہ رکھے گا، اور رمضان اور عیدین کے دن کی قضاء کرے گا، اور ایام تشریق میں روزہ رکھے گا۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ جو شخص غیر معین سال کے روزہ کی نذر مانے اس پر واجب ہوگا کہ بارہ ماہ روزہ رکھے جس میں رمضان، عیدین کے دن، ایام منیٰ اور حیض و نفاس کے ایام نہ ہوں اور دوسرے سال ان کی قضاء کرے گا۔

یہی رجحان شافعیہ کا بھی ہے، چنانچہ ان کی رائے ہے کہ نذر ماننے والے کو اختیار ہے کہ اگر نماندہ کر کے روزہ رکھے تو تین سو ساٹھ دن روزہ رکھے یا چاند کے مہینہ سے بارہ ماہ روزہ رکھے ہر ماہ میں مکمل

نذر ۳۳

ہوگا، اس میں رمضان اور وہ ایام داخل نہ ہوں گے جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے، لہذا اگر نذر ماننے والا کسی مہینہ کی ابتداء سے روزہ شروع کرے گا تو چاند کے حساب سے گیارہ ماہ پورا روزہ رکھے گا، البتہ شوال کا روزہ عدد کے ذریعہ پورا کرے گا، کیونکہ شروع ماہ سے روزہ نہیں رکھ سکے گا، اور اگر کسی ماہ کے بیچ سے رکھنا شروع کرے گا تو اس ماہ کا روزہ عدد کے ذریعہ پورا کرے گا اور باقی ماہ کو چاند کے حساب سے پورا کرے گا۔

بہر حال اس پر لازم ہوگا کہ رمضان اور ان ایام کے روزہ کی قضاء کرے جن کا روزہ ممنوع ہے^(۱)۔

نذر مانے ہوئے سال کے روزہ میں تسلسل کے واجب ہونے کے بارے میں ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مطلق سال سے مسلسل سال مراد لیا جائے گا، لہذا نذر ماننے والے پر اس طرح روزہ رکھنا لازم ہوگا، نیز اس لئے کہ اس نے اپنی نذر میں ایک سال کو متعین کیا ہے، تو اس سے مکمل سال مقصود ہوگا^(۲)۔

تسلسل کے ساتھ نذر مانے ہوئے غیر معین روزہ میں عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ ترک کر دینا:

الف- مسلسل روزہ کی نذر میں بلا عذر روزہ چھوڑ دینا:

۳۳- اگر نذر ماننے والا تسلسل کے ساتھ نذر مانے ہوئے غیر معین روزہ میں بلا عذر روزہ چھوڑ دے تو از سر نو کفارہ کے بغیر روزہ رکھنا اس پر لازم ہوگا، یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے^(۳)۔

روزہ چھوڑ دینے کے بعد از سر نو روزہ کے لازم ہونے کے

(۱) المغنی ۲۵/۹، الکافی ۴۲/۷، کشاف القناع ۲۹/۶۔

(۲) المغنی ۲۵/۹، کشاف القناع ۲۹/۶۔

(۳) رد المحتار ۱/۳، بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳، روضۃ الطالبین ۳/۳۱۲، المغنی

۲۶/۹، الکافی ۴۲/۷، کشاف القناع ۲۸/۶، ۲۸۲۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ روزہ کی بنیاد تسلسل پر نہیں بلکہ تفریق پر ہے، اس لئے کہ ہر دو روزوں کے درمیان ایسا وقت آتا ہے جس میں روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے، وہ وقت رات ہے، لہذا روزہ رکھنے والے کو حق ہے کہ ناغہ کر کے روزہ رکھے یا مسلسل رکھے^(۱)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے سال کے روزہ کی اپنی نذر میں تسلسل کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے، لہذا سال کے روزہ میں اس پر تسلسل واجب نہ ہوگا، اور اس کو حق ہوگا کہ چاند کے حساب سے ایک سال کا روزہ رکھے یا تین سو ساٹھ دن روزہ رکھے، اس لئے کہ ان دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں بھی روزہ رکھے گا اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس نے ایک سال کا روزہ رکھا ہے، اور جس کی نذر مانی ہے اس کو پورا کر دیا ہے^(۲)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص مطلق ایک سال کے روزہ کی نذر مانے اس پر لازم ہے کہ اس سال کا روزہ مسلسل رکھے، یہ ایک روایت امام احمد سے ہے، اور یہی ان کے اصحاب کا مشہور مذہب ہے، اس مذہب کے مطابق اس سال کے روزہ میں رمضان کا مہینہ اور عیدین کے ایام داخل نہیں ہوں گے۔

جس سال کا روزہ نذر کی وجہ سے اس پر لازم ہے، اس سال کے ایام میں ایام تشریق داخل ہوں گے یا نہیں، اس بارے میں دو روایات ہیں، اول یہ کہ ان ایام کا روزہ اس پر لازم ہوگا، اس لئے کہ یہ اس سال کا حصہ ہیں، دوم یہ کہ ان ایام کا روزہ لازم نہ ہوگا، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔

اس مذہب کے مطابق نذر ماننے والے پر بارہ ماہ کا روزہ لازم

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳، المغنی ۲۸/۹۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۶، زاد المحتاج ۳/۳۹۹۔

نذر ۳۴

ہے اس کے درمیان ترک روزہ کا متقاضی عذر کبھی تو روزہ سے مانع ہوتا ہے، جیسے حیض، نفاس، یا کبھی اس میں روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہوتی ہے جیسے مرض اور سفر یا کبھی اس مدت میں اس لئے روزہ ترک کیا جاتا ہے کہ شارع نے اس مدت میں بعض ایام کے روزہ کو ممنوع قرار دیا ہے، جیسے عیدین اور تشریق کے ایام۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ نذر ماننے والا اگر مذکورہ اسباب میں سے کسی بھی وجہ سے روزہ ترک کر دے گا تو اس کی وجہ سے وہ تسلسل ختم ہو جائے گا جس کی شرط روزہ میں لگائی گئی ہے، اور ترک روزہ کے بعد از سر نو روزہ رکھنا اس پر لازم ہوگا، اس لئے کہ نذر ماننے والے پر وہی لازم ہوگا جس کی نذر اس نے مانی ہے اور اس نے اپنی نذر میں تسلسل کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور اگر وہ مسلسل روزہ نہیں رکھے گا تو اس نے جس کی نذر مانی ہے، اس کو ادا کرنے والا نہ ہوگا، لہذا از سر نو روزہ رکھنا اس پر لازم ہوگا تا کہ اس نے جس طرح ادا کرنے کی نذر مانی ہے، اسی طریقہ پر اس کو ادا کر سکے^(۱)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ ایام عیدین اور ایام تشریق میں روزہ چھوڑ دینے سے تسلسل ختم نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ ایام شرعاً مستثنیٰ ہیں، البتہ جب ان کی قضاء کرے گا تو پہلے جو روزہ رکھ چکا ہے، اس سے متصل کر کے مسلسل ان کی قضاء کرے گا تا کہ تسلسل کی شرط پر عمل ہو جائے، یہی حنابلہ کا مذہب بھی ہے، البتہ انہوں نے نذر ماننے والے پر قضاء و کفارہ کو واجب قرار دیا ہے۔

اگر ترک روزہ حیض و نفاس کی وجہ سے ہو تو شافعیہ کی رائے ہے کہ اس سے تسلسل ختم نہ ہوگا، اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، البتہ جن ایام میں روزہ نہیں رکھا گیا ان کی قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو اقوال ہیں: مذہب میں اظہر قول یہ ہے کہ قضاء

سلسلہ میں ان حضرات کی دلیل قیاس اور عقلی دلیل ہے۔

قیاس یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے اپنے اوپر تسلسل کے ساتھ روزہ رکھنے کو واجب کیا ہے اور یہ واجب کرنا صحیح ہے، کیونکہ تسلسل کی صفت مزید قربت ہے، اس لئے کہ اس کی رعایت کرنے میں نذر ماننے والے کو زیادہ مشقت ہوگی، اور شریعت میں اس مشقت کا اعتبار کیا گیا ہے جیسا کہ قتل، ظہار، یحیمن اور رمضان کے دن میں روزہ چھوڑ دینے کے کفارہ میں ہے، لہذا نذر کے ذریعہ اس کو اپنے اوپر لازم کرنا صحیح ہوگا، اور نذر ماننے والے نے جیسا اپنے اوپر لازم کیا ہے، اسی طرح اس پر لازم ہوگا، اور جب نذر ماننے والا اس صفت کو چھوڑ دے گا اور جیسا اس نے اپنے اوپر لازم کیا ہے اس کو ادا نہیں کرے گا، تو از سر نو روزہ رکھے گا جیسا کہ ظہار اور قتل کے کفارہ میں ہے^(۱)۔

اسی طرح اگر نذر ماننے والا نذر مانے ہوئے تسلسل کو بلا عذر چھوڑ دے گا حالانکہ اس کو ادا کر سکتا تھا تو اس کو ادا کرنا اس پر لازم ہوگا، جیسا کہ کسی خاص دن کے روزہ کی نذر ماننے اور اس سے قبل اس کو ادا کر دے^(۲)۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر ترک روزہ سے قبل گزرے ہوئے روزہ پر بناء کرنا نذر ماننے والے کے لئے جائز ہو تو جس تسلسل کو اس نے نذر کے ذریعہ اپنے اوپر لازم کیا ہے، وہ باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ درمیان میں روزہ کا ترک پایا گیا ہے^(۳)۔

ب۔ مسلسل روزہ میں عذر کی وجہ سے نذر ماننے والے کا روزہ چھوڑ دینا:

۳۴۔ جس مدت میں تسلسل کے ساتھ روزہ رکھنے کی نذر مانی گئی

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳۔

(۲) المغنی ۹/۲۶، الکافی ۴/۲۶۶۔

(۳) کشاف القناع ۶/۲۸۱۔

(۱) رد المحتار ۱۳/۷۱، بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳۔

روزہ ترک کرے جس میں ترک روزہ واجب ہو مثلاً روزہ سے اس کی جان کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کے اس ترک روزہ کی وجہ سے حکماً تسلسل ختم نہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے عذر کی وجہ سے روزہ ترک کیا ہے، البتہ اس کو اختیار ہے کہ یا تو ازسرنو روزہ رکھے، اس صورت میں اس پر کوئی کفارہ نہ ہوگا، اس نے جس طرح ادا کرنے کی نذر مانی ہے، اسی طرح ادا کر دیا ہے، یا ترک روزہ سے قبل جو روزہ رکھا ہے اس پر بناء کرے، اس حالت میں اس پر کفارہ لازم ہوگا، اس لئے کہ اس نے اپنی نذر میں مخالفت کی ہے، کیونکہ نذر مانی ہوئی چیز کو ترک کر دینے سے کفارہ لازم آتا ہے۔

اور اگر ترک روزہ ایسے سبب کی وجہ سے ہوا ہے جس میں روزہ ترک کر دینا جائز ہو جاتا ہے مثلاً سفر کی وجہ سے روزہ ترک کر دے تو شافعیہ کے مذہب میں اظہر قول کے مطابق اور حنابلہ کے مذہب میں ایک قول میں اس ترک روزہ سے تسلسل ختم ہو جائے گا، اور نذر ماننے والے پر ازسرنو روزہ رکھنا لازم ہوگا، کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے روزہ ترک کیا ہے۔

یہاں شافعیہ کے مذہب میں ایک دوسرا قول بھی ہے اور یہی حنابلہ کا راجح مذہب ہے کہ اس ترک روزہ سے تسلسل ختم نہ ہوگا، اس لئے کہ نذر ماننے والے نے ایسے عذر کی وجہ سے روزہ ترک کیا ہے جو رمضان میں ترک روزہ کا متقاضی ہے، لہذا یہ اس مرض کے مشابہ ہوگا جس میں روزہ ترک کر دینا واجب ہوتا ہے، البتہ حنابلہ کے مذہب کے مطابق ترک روزہ کے ایام کی قضاء اس پر لازم ہوگی، یہی شافعیہ کے مذہب میں ایک قول ہے۔

ان کے مذہب میں دوسرا قول یہ ہے کہ ان ایام میں قضاء اس پر لازم نہ ہوگی^(۱)۔

(۱) روضۃ الطالین ۳/۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۴، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۵، ۲۲۶، المغنی ۹/۲۵، ۲۶، کشاف القناع ۶/۲۸۲۔

واجب ہوگی، اس لئے کہ حیض و نفاس کا زمانہ اپنی ذات کے اعتبار سے روزہ کے قابل ہے، لہذا قضاء واجب ہوگی جیسا کہ نذر ماننے والی عورت حیض و نفاس کی وجہ سے رمضان کا روزہ ترک کر دے، نووی نے کہا ہے کہ بلکہ قول اظہر جس کے قائل جمہور ہیں، یہ ہے کہ قضاء واجب نہ ہوگی، اس دوسرے قول کو فقہاء مذہب کی ایک جماعت نے صحیح قرار دیا ہے، اس قول کی وجہ یہ ہے کہ حیض و نفاس کے ایام جب روزہ کے قابل نہیں ہیں، اگرچہ اس مانع کے عارض ہونے کی وجہ سے ہے تو نذر میں وہ ایام داخل نہ ہوں گے۔

حنابلہ کی رائے بھی یہ ہے کہ اس وجہ سے روزہ کو چھوڑنا تسلسل کو ختم نہیں کرے گا، اس لئے کہ یہ ترک روزہ عذر کی وجہ سے ہے، البتہ انہوں نے اس وجہ سے روزہ چھوڑنے والی عورت کو اختیار دیا ہے کہ یا تو ازسرنو روزہ رکھے اور اس صورت میں اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے جس طرح ادا کرنے کی نذر مانی ہے اسی طرح ادا کر دیا ہے، یا اس کے ترک روزہ سے قبل جو روزے گزر گئے ہیں، ان ہی پر بناء کرے، اس صورت میں اپنی نذر کی مخالفت کی وجہ سے کفارہ ادا کرے گی، اس لئے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے اس کے چھوڑنے کی وجہ سے کفارہ لازم ہوگا، اگرچہ اس کو ادا کرنے سے عاجز ہے۔

اگر مدت کے دوران ترک روزہ مرض کی وجہ سے ہو تو شافعیہ کے مذہب میں اظہر قول کے مطابق نذر ماننے والا روزہ ترک کر دے گا تو تسلسل ختم ہو جائے گا اور ازسرنو روزہ رکھنا اس پر لازم ہوگا، ایک دوسرا قول ہے کہ تسلسل ختم نہ ہوگا اور نذر ماننے والا گذرے ہوئے روزہ پر بناء کرے گا۔

گذشتہ مسئلہ میں جن ایام میں اس نے روزہ چھوڑ دیا ہے، ان کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو اقوال ہیں:

حنابلہ کی رائے ہے کہ نذر ماننے والا اگر ایسے مرض کی وجہ سے

سے تھا، اپنی ذات کے اعتبار سے وہ مقصود نہیں تھا، جیسا کہ رمضان کی قضاء میں ہوتا ہے^(۱)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے اپنی نذر کے ذریعہ مسلسل روزہ رکھنے کو اپنے اوپر واجب نہیں کیا ہے، تسلسل تو صرف اس لئے واجب ہوتا ہے کہ ایام ملے ہوتے ہیں، کیونکہ اگر مثلاً کسی خاص مہینہ کے روزہ کی نذر مانے تو اس مہینہ کے ایام ملے ہوئے ہوں گے، اور مسلسل بھی ہوں گے، لہذا اس پر صرف ان ہی ایام کی قضاء واجب ہوگی جن میں روزہ ترک کیا ہے، جیسا کہ اگر رمضان میں کسی دن روزہ ترک کر دے تو اس پر صرف اسی دن کی قضاء لازم ہوگی^(۲)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ معین مہینہ کے روزہ میں تسلسل صرف اس وجہ سے لازم ہے کہ جس وقت میں روزہ رکھنا ہے وہ متعین ہے، شرط کی وجہ سے تسلسل واجب نہیں ہے، لہذا اس کے دوران ترک روزہ سے وہ باطل نہ ہوگا، جیسا کہ رمضان میں ہوتا ہے^(۳)۔ جیسا کہ انہوں نے عقلی استدلال بھی کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر نذر ماننے والے پر از سر نو روزہ رکھنا لازم قرار دیا جائے تو اکثر روزہ اس وقت میں ادا ہوگا جس کو اس نے متعین نہیں کیا ہے، اور اگر وہ اپنا روزہ پورا کر لے اور جن ایام میں روزہ چھوڑ دیا ہے ان کی قضاء کر لے تو وہ اکثر روزہ کو اس وقت میں ادا کرنے والا ہوگا جس کو اس نے متعین کیا ہے، لہذا یہ زیادہ بہتر ہوگا^(۴)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ نذر کے روزہ کے لئے معین مہینہ کے دوران جو شخص روزہ ترک کر دے تو

نذر مانے ہوئے معین روزہ میں عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ ترک کر دینا:

۳۵- کسی نے معین مہینہ یا معین جمعہ کو روزہ کی نذر مانی پھر اپنے روزہ کے دوران ایک دن یا اس سے زیادہ دن روزہ چھوڑ دیا تو جو روزہ اس نے رکھا ہے اس کا حکم عذر کی وجہ سے یا بلا عذر ترک روزہ کے اعتبار سے الگ الگ ہوگا، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف- معین روزہ میں بلا عذر ترک روزہ کا حکم:

۳۶- معین روزہ میں نذر ماننے والا بلا عذر روزہ ترک کر دے تو اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس میں دو رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ نذر مانے ہوئے روزہ کے لئے جو مہینہ متعین ہے اس کے دوران اگر کوئی شخص روزہ ترک کر دے تو اس ترک روزہ کی وجہ سے تسلسل ختم نہ ہوگا، اور از سر نو روزہ رکھنا اس پر لازم نہ ہوگا، بلکہ ترک روزہ سے قبل جو روزہ رکھا گیا ہے اسی پر بناء کرے گا، اور جن دنوں میں روزہ ترک کر دیا ہے، دوسرے مہینہ میں ان کی قضاء کرے گا، یہ رائے حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کی ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے^(۱)۔

ان حضرات فقہاء نے قیاس سے استدلال کیا ہے، یعنی جس نے وقت معین کے روزہ میں بلا عذر روزہ ترک کر دیا ہے اس نے اپنے اختیار سے نذر کی ادائیگی کو فوت کر دیا، لہذا اس پر قضاء واجب ہوگی، از سر نو روزہ نہیں رکھے گا، اس لئے کہ تسلسل وقت معین کی وجہ

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۱/۳۳، فتح القدر ۲/۲۷، بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳، شرح الحواشی ۲/۲۵۱، مواہب الجلیل والتاج والاکلیل ۲/۲۲۸، ۲۲۹، ۲۵۲، روضة الطالین ۳/۱۱، نہایۃ المحتاج ۸/۲۵۵، زاد المحتاج ۴/۴۹۷، المغنی ۹/۲۹۹، الکاغنی ۳/۲۲۶۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۵، زاد المحتاج ۴/۴۹۷۔

(۲) رد المحتار ۱/۳۷، فتح القدر ۲/۲۷، بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳۔

(۳) روضة الطالین ۳/۳۱۱، المغنی ۹/۲۹۹، الکاغنی ۳/۲۲۶۔

(۴) بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳، المغنی ۹/۲۹۹۔

نذرے ۳

کردے تو اس کے اس ترک روزہ کی وجہ سے تسلسل ختم نہ ہوگا اور نہ ترک روزہ کے بعد از سر نو روزہ رکھنا اس پر لازم ہوگا، بلکہ ترک روزہ سے قبل جو روزے گذر گئے ہیں، ان پر بناء کرنا اس کے لئے کافی ہو جائے گا^(۱)، البتہ اس حالت میں نذر ماننے والے پر کیا لازم ہوگا؟ اس کے بارے میں فقہاء کے تین مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: اس قول کے قائل فقہاء کی رائے ہے کہ اس نذر ماننے والے نے جن ایام میں روزہ ترک کر دیا ہے ان ایام کی قضاء اس پر لازم ہوگی اور اس پر کوئی کفارہ واجب نہ ہوگا، یہ حنفیہ اور ابو عبیدہ کی رائے ہے، اور جو شخص نذر کے لئے معین مدت کے دوران سفر کی وجہ سے روزہ ترک کر دے اس کے بارے میں مالکیہ و شافعیہ کا صحیح قول یہی ہے۔

البتہ بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ قضاء مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔

یہاں شافعیہ کے مذہب میں اس شخص کے حق میں جو مرض کی وجہ سے روزہ ترک کر دے، قضا کے واجب ہونے کا ایک قول ہے جسے ابن کج نے راجح قرار دیا ہے اور یہی قول اس عورت کے حق میں ہے جو حیض یا نفاس کی وجہ سے روزہ ترک کر دے، شافعیہ کے مذہب میں اظہر کے بالمقابل ہے اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق یہی مذہب ہے^(۲)۔

ان حضرات فقہاء نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ جس نے کسی متعین وقت میں نذر کے ذریعہ اپنے اوپر روزہ کو واجب کیا ہے

اس ترک کی وجہ سے روزہ میں تسلسل نہیں رہ جائے گا اور روزہ ترک کرنے کے بعد از سر نو روزہ رکھنا اس پر لازم ہوگا، یہ امام احمد سے ایک دوسری روایت ہے، اور اس کے اصحاب کا مشہور مذہب ہے، البتہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نذر کی تاخیر کی وجہ سے نذر ماننے والے پر کفارہ لازم ہوگا^(۱)۔

ان حضرات فقہاء نے عقلی استدلال یہ کیا ہے کہ معین جمعہ یا معین مہینہ متصل ایام پر ہی بولا جاتا ہے، متفرق ایام پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اور نذر ماننے والے پر صرف وہی لازم ہوتا ہے جس کی اس نے نذر مانی ہے، لہذا اگر متعین روزہ کو مسلسل ادا نہ کرے تو وہ اپنی نذر کو ادا کرنے والا نہ ہوگا، لہذا از سر نو روزہ رکھنا اس پر لازم ہوگا تاکہ جس طریقہ پر ادا کرنے کی نذر مانی ہے اسی طریقہ پر ادا ہو جائے۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ معین مہینہ کا روزہ نذر کی وجہ سے مسلسل رکھنا واجب ہوگا، اس لئے کہ نذر ماننے والے نے ایک خاص صفت کے ساتھ اس کو اپنے اوپر واجب کیا ہے، پھر روزہ ترک کر کے اس صفت کو فوت کر دیا ہے، لہذا بلا عذر روزہ ترک کر دینے کی وجہ سے اس کا روزہ باطل ہو جائے گا، جیسا کہ اگر اپنے اوپر مسلسل روزہ رکھنے کو واجب کرتا، لہذا اس پر لازم ہوگا کہ از سر نو روزہ رکھے اور نذر کی تاخیر کی وجہ سے کفارہ ادا کرے^(۲)۔

ب۔ معین روزہ میں عذر کی وجہ سے نذر ماننے والے کا روزہ ترک کر دینا:

۳۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور ابو عبیدہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص نذر ماننے ہوئے معین روزہ میں عذر کی وجہ سے روزہ ترک

(۱) فتح القدير ۴/۲۷۲، بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳، مواہب الجلیل والتاج والإکلیل ۲/۴۲۸، شرح الخرشبي ۲/۲۵۱، روضة الطالبين ۳/۳۱۰، ۳/۳۱۱، نہایۃ المحتاج ۸/۲۲۵، زاد المحتاج ۴/۳۹۷، المغنی ۹/۲۵۹، الکافی ۴/۲۲۶، کشف القناع ۶/۲۸۱۔

(۲) رد المحتار ۳/۷۱، سابقہ مراجع۔

(۱) المغنی ۹/۲۸۹، الکافی ۴/۲۲۶، کشف القناع ۶/۲۸۱۔

(۲) المغنی ۹/۲۸۹، الکافی ۴/۲۲۶، کشف القناع ۶/۲۸۱۔

نذر ۳

وجہ سے رمضان میں روزہ ترک کر دے^(۱)۔
دوسرا قول: اس قول کے قائل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص
متعین روزہ میں کسی عذر کی وجہ سے روزہ ترک کر دے اس پر نہ قضا
واجب ہوگی نہ کفارہ لازم ہوگا۔

یہی رائے مالکیہ کی اس شخص کے بارے میں ہے جو مرض کی
وجہ سے روزہ ترک کر دے یا کوئی عورت، حیض یا نفاس کی وجہ سے
روزہ ترک کر دے، اور شافعیہ کے مذہب میں اس شخص کے حق میں
یہی معتد قول ہے جو کسی مرض کی وجہ سے روزہ ترک کر دے، ان کے
مذہب میں اس عورت کے بارے میں جو حیض یا نفاس کی وجہ سے
روزہ ترک کر دے یہی اظہر قول ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حیض یا نفاس کے ایام جب اس
مانع کے عارض ہو جانے کی وجہ سے قابل صوم نہیں رہتے ہیں، تو نذر
میں یہ داخل بھی نہ ہوں گے اور ان کی قضا بھی واجب نہ ہوگی اور کفارہ
تو قضا کے واجب ہونے کا نتیجہ ہے، نیز اس لئے کہ یہ معین ایام ان
کے زمانہ کے فوت ہونے سے فوت ہو گئے^(۳)۔

تیسرا قول: اس قول کے قائل فقہاء کی رائے ہے کہ جو نذر
مانے ہوئے معین روزہ میں کسی عذر کی وجہ سے روزہ ترک کر دے تو
اس پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے، یہی حنابلہ کا مذہب
ہے^(۴)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے نذر مانے

(۱) نہایۃ المحتاج ۲۲۵/۸، زاد المحتاج ۲۴۷/۲۔

(۲) مواہب الجلیل والتاج والإکلیل ۴۲۸/۲، ۴۵۲، شرح الخشتی ۲۵۱/۲،
روضۃ الطالین ۳۱۰/۳، ۳۱۱، نہایۃ المحتاج ۲۲۵/۸، زاد المحتاج
۲۴۷/۲۔

(۳) نہایۃ المحتاج ۲۲۵/۸، زاد المحتاج ۲۴۷/۲، روضۃ الطالین ۳۱۰/۳،
مواہب الجلیل ۴۲۸/۲، ۴۲۹۔

(۴) المغنی ۲۹/۹، الکافی ۲۶/۴، کشاف القناع ۲۸۱/۶۔

اس نے اپنے اوپر مسلسل روزہ رکھنے کو واجب نہیں کیا ہے، تسلسل تو
صرف ایام کے متصل ہونے کی وجہ سے اس پر واجب ہو گیا ہے، اس
لئے کہ اگر وہ کسی خاص مہینہ کے روزہ کی نذر مانے گا تو اس کے ایام
متصل ہوں گے اور وہ مسلسل بھی ہوں گے، لہذا اس پر صرف ان ایام
کی قضا واجب ہوگی جن میں اس نے روزہ ترک کیا ہے، جیسا کہ اگر
رمضان کے کسی دن میں روزہ ترک کر دے تو اس پر صرف اسی دن کی
قضا واجب ہوگی اگرچہ رمضان کے مہینہ کا روزہ مسلسل واجب ہوتا
ہے تو ایسا ہی حکم معین روزہ میں روزہ کے ترک کا بھی ہوگا^(۱)۔

اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ نذر مانے ہوئے روزہ کا حکم
مشروع روزہ کی طرح ہوگا، جو شخص رمضان میں کسی عذر کی وجہ سے
روزہ ترک کر دے تو اس پر صرف ترک کئے ہوئے روزہ کی قضا لازم
ہوتی ہے، اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے، تو اسی طرح اس نذر مانے
ہوئے معین روزہ کا حکم بھی ہوگا^(۲)۔

اسی طرح انہوں نے یہ دلیل بھی دی ہے کہ جس نے نذر مانے
ہوئے روزہ کو ایسے عذر کی وجہ سے چھوڑا ہے جو ترک روزہ کا متقاضی
ہے تو اس نے اس کو شارع کے حکم سے چھوڑا ہے، لہذا اس پر کوئی
کفارہ لازم نہ ہوگا، جیسا کہ اگر اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی نذر
مانے اور صرف اس کا ایک تہائی صدقہ کرے^(۳)۔

ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ جو عورت حیض یا نفاس کی وجہ سے روزہ
ترک کرے گی اس پر قضا واجب ہوگی، اس لئے کہ حیض و نفاس کا
زمانہ اپنی ذات کے اعتبار سے قابل صوم ہے، روزہ کا ترک کرنا کسی
دوسرے معنی کی وجہ سے ہے جو اس زمانہ میں پایا جاتا ہے، لہذا اس کی
قضا واجب ہوگی، جیسا کہ اگر حیض یا نفاس والی عورت حیض یا نفاس کی

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳۔

(۲) المغنی ۲۹/۹۔

(۳) الکافی ۲۶/۴۔

نذر ۳۸-۳۹

ہوئے روزہ کے وقت کو متعین کر کے اپنے اوپر مسلسل روزہ کو واجب کیا ہے، اس لئے کہ جن ایام معینہ کے روزہ کی نذر مانی گئی ہے وہ ایام مسلسل ہیں، لہذا اگر ان ایام کے درمیان روزہ ترک کرے گا تو ترک روزہ کی وجہ سے قضا واجب ہوگی اور نذر کی صفت کے ترک کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم ہوگا، اس لئے کہ جب حضرت عقبہؓ کی بہن نے پیدل مکہ جانے کی نذر مان لی، اور اپنی نذر کے وصف کو پورا کرنے سے عاجز رہ گئیں تو نبی کریم ﷺ نے کفارہ کو لازم قرار دیا^(۱)، حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ ان کی بہن نے بغیر دوپٹے کے پیدل چلنے کی نذر مان لی پھر نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ”ان الله لا يصنع بشقاء أحتك شيئاً فلتركب ولتختمر ولتصم ثلاثة أيام“ (بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کی سختی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، وہ سوار ہو لے، سر پر ڈوپٹہ ڈال لے اور تین دن روزہ رکھے) ایک دوسری روایت میں ہے: ”ولتكفر عن يمينها“^(۲) (اور اپنی یمن کی طرف سے کفارہ ادا کرے)۔

ہوگی۔
اگر روزہ کے صحیح ہونے کی شرط حیض یا نفاس کی وجہ سے مفقود ہو تو اس کی تفصیل گذشتہ مسئلہ میں گذر چکی ہے۔
۳۹- اگر روزہ کے صحیح ہونے کی شرط جنون کی وجہ سے مفقود ہو تو اس سلسلہ میں فقہاء کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول: اس قول کے قائل فقہاء کی رائے ہے کہ کسی شخص نے نذر کے ذریعہ جس مدت کے روزہ کو متعین کیا اس مدت کے دوران اس پر جنون طاری ہو جائے یا پوری مدت میں اس پر جنون طاری رہے تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، یہی رائے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ہے^(۱)۔
ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مجنون روزہ کے واجب ہونے کے وقت اہل نہیں رہا، لہذا اس کی قضا اس پر لازم نہ ہوگی، جیسا کہ اگر رمضان کے مہینہ میں ایسا ہو جائے^(۲)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ مجنون روزہ کے لئے متعین مدت کے دوران مکلف نہیں ہے، لہذا اس کے افاقہ کے بعد دوسرے وقت میں اس پر اس کی قضا واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ جس زمانہ میں وہ قضا کرے گا اس میں اس نے نذر کو معین نہیں کیا ہے، لہذا اس میں روزہ رکھنا اس کے زمانہ کے علاوہ میں روزہ رکھنا پایا جائے گا^(۳)۔

دوسرا قول: اس قول کے قائل فقہاء کی رائے ہے کہ جس مدت کے روزہ کو نذر کے ذریعہ متعین کیا ہے، اس کے دوران اگر وہ مجنون ہو جائے تو اس پر اس کی قضا لازم ہوگی، یہ حنفیہ کا مذہب ہے اور یہی ابو ثور کا قول ہے^(۴)۔

روزہ کے لئے متعین مدت کے درمیان روزہ کے صحیح ہونے کی شرطیں نہ پائی جائیں؟

۳۸- جس وقت روزہ کی شرطیں پوری طرح موجود تھیں اس وقت کسی نے متعین روزہ کی نذر مانی، پھر نذر کے ذریعہ جس مدت کا روزہ متعین کیا گیا اس کے دوران یہ تمام شرطیں یا بعض شرطیں موجود نہیں رہیں تو یا تو روزہ کے صحیح ہونے کی شرط اس مدت کے درمیان حیض کی وجہ سے مفقود ہوگی یا نفاس کی وجہ سے یا جنون کی وجہ سے مفقود

(۱) الشرح الکبیر للدرریر ۵۲۶/۱، نہایۃ المحتاج ۲۲۵/۸، المغنی ۲۹۹/۲، الکانی ۴۳۰/۴، کشاف القناع ۲۸۱/۶

(۲) المغنی ۲۹۹/۲، الکانی ۴۳۰/۴، کشاف القناع ۲۷۱/۶

(۳) الشرح الکبیر للدرریر ۵۲۶/۱

(۴) بدائع الصنائع ۲۸۹۳/۶، المغنی ۲۹۹/۲

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) اس کی تخریج فقہرہ ۱۱ میں گذر چکی ہے۔

نذر ۴۰-۴۱

متعین کیا ہے وہ ان مساجد کے علاوہ ہوگی، اس کی تعین کا حکم درج ذیل ہے اور نذر میں اس کے تعین کی جگہ متعین ہوگی یا نہیں؟

الف- مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر:

۴۱- کوئی شخص مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو اس میں اعتکاف کرنا اس کے لئے کافی ہو جائے گا، اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، ان کے درمیان اختلاف صرف اس بارے میں ہے کہ نذر مانے ہوئے اعتکاف کے لئے یہ مسجد اس طرح متعین ہو جائے گی کہ کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کرنا کافی نہ ہوگا، یا اعتکاف کے لئے اس طرح متعین نہ ہوگی، اس بارے میں دور جہانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے، اس کے لئے کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کرنا کافی نہ ہوگا، حنفیہ میں سے امام زفر نے یہی کہا ہے اور مالکیہ کی یہی رائے ہے، یہی شافعیہ کا راجح مذہب ہے، جمہور شافعیہ نے اسی کو قطعی کہا ہے، یہی حنابلہ کی بھی رائے ہے^(۱)۔

ان حضرات نے سنت نبوی سے استدلال کیا ہے، اور ان کے پاس عقلی دلیل بھی ہے۔

سنت نبوی میں وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانا ہے تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أوف بنذرک“^(۲)، اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مسجد حرام میں اعتکاف کرنے

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مجنون نذر اور قضا کی حالت میں مکلف بنائے جانے کا اہل ہے، لہذا نذر مانے ہوئے روزہ کی قضا اس پر لازم ہوگی، جیسا کہ بے ہوش کا حکم ہے^(۱)، اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ جس وقت وہ مکلف تھا اس نے کسی خاص مہینہ کے روزہ کی نذر مانی پھر اس نے روزہ چھوڑ دیا تو اس نے واجب کو اپنے وقت سے فوت کر دیا اور وہ اس پر دین ہو گیا اور اللہ کے نبی ﷺ نے دین کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اسی وجہ سے اگر رمضان اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو اس کی قضا لازم ہوتی ہے^(۲)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ نذر کے وقت روزہ کا واجب ہونا، اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے ہوتا ہے، لہذا نئے ایجاب کا اعتبار کیا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ جس چیز کو بندوں پر ابتداءً واجب کرے وہ ان سے اداء یا قضاء کے بغیر ساقط نہیں ہوتی ہے، تو اسی طرح اس میں بھی ہوگا^(۳)۔

اعتکاف کی نذر اور اس کی وجہ سے نذر ماننے والے پر کیا واجب ہوگا؟

معین وقت یا معین جگہ کے اعتبار سے اعتکاف کی نذر کا حکم بھی الگ الگ ہوگا، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

اول: معین مکان میں اعتکاف کی نذر:

۴۰- کسی نے کسی خاص جگہ میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو جس جگہ کو اس نے نذر میں متعین کیا ہے وہ یا تو تینوں مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس) میں سے کوئی مسجد ہوگی، یا جس کو

(۱) المغنی ۲۹۹۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۳۔

(۳) سابقہ مراجع۔

(۱) فتح القدر ۲/۱۰۳، الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۱۳، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدرستی علیہ

۱/۵۳، التاج والاکلیل ۲/۳۶۰، المجموع ۶/۲۹۷، ۳/۸۱، المغنی ۳/۲۱۵۔

(۲) حدیث: ”أوف بنذرک.....“ کی تخریج فقرہ ۵ میں گزر چکی ہے۔

نذر ۴۱

ذمہ داری سے بری الذمہ نہ ہوگا^(۱)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ بندہ نے جس چیز کو اپنے اوپر لازم کیا ہے وہ اللہ کے واجب کرنے سے معتبر ہوا ہے اور خاص جگہ کی قید اس میں ہے، لہذا اس کو دوسری جگہ ادا کرنا جائز نہ ہوگا، جیسے حرم میں قربانی کرنا، عرفہ میں وقوف کرنا، بیت اللہ کا طواف کرنا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا، اسی طرح بندہ نے نذر کے ذریعہ جس چیز کو واجب کیا ہے، مناسب ہے کہ اس میں اس قید کا لحاظ رکھا جائے جو اس نے اس میں لگائی ہے^(۲)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ کوئی شخص مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو وہ مسجد نذر کی وجہ سے متعین نہ ہوگی اور کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کرنا اس کے لئے کافی ہو جائے گا، یہ حنفیہ کی رائے ہے اور شافعیہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے^(۳)۔

ان حضرات نے عقلی دلیل بھی بیان کی ہے یعنی نذر سے مقصود اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہے، لہذا نذر میں صرف وہی داخل ہوگا، جو تقرب کا ذریعہ ہو اور اس جگہ کی ذات جس میں اعتکاف کرے گا تقرب کا ذریعہ نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ایک جگہ ہے جہاں قربت (عبادت) ادا کی جاتی ہے، لہذا وہ خود قربت (تقرب کا ذریعہ) نہیں ہو سکتی اس لئے متعینہ جگہ اس کی نذر کے تحت داخل نہیں ہوگی، اور اس کی قید معتبر نہ ہوگی، لہذا اس کا ذکر کرنا اور نہ کرنا یکساں ہوگا^(۴)۔

کی نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا، اگر کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کر لینا کافی ہوتا تو آپ اس کو ضرور بیان فرماتے، جیسا کہ اس شخص کے بارے میں بیان فرمایا تھا جس نے مسجد قصی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی کہ مسجد مکہ میں نذر مانی ہوئی نماز کو ادا کر لینا اس کے لئے کافی ہو جائے گا، اس لئے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث ہے: ”ان رجلاً قام يوم الفتح، فقال: يا رسول الله، اني نذرت لله ان فتح الله عليك مكة ان اصلي في بيت المقدس ركعتين، قال: صل ههنا، ثم اعدا عليه، فقال: صل ههنا، ثم اعدا عليه، فقال: شأنك اذن“^(۱) (فتح مکہ کے دن ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ فتح کر دے گا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز ادا کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہیں پڑھ لو، اس نے دوبارہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہیں پڑھ لو، پھر اس نے سہ بارہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تب جہاں چاہو پڑھ لو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر ماننے والے کے لئے کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کرنا کافی نہ ہوگا۔

عقلی دلیل کے بارے میں ان حضرات نے کہا ہے کہ مسجد حرام تمام مساجد میں افضل ترین ہے، لہذا جائز نہ ہوگا کہ اس کا فرض اس سے کم درجہ کی مسجد میں ادا کرنے سے ساقط ہو جائے^(۲)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے مخصوص جگہ میں اعتکاف کرنے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے، تو اگر دوسری جگہ ادا کرے گا تو جو اس پر واجب ہے اس کو ادا کرنے والا نہ ہوگا، لہذا واجب کی

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹۔

(۲) سابقہ مراجع۔

(۳) فتح القدير ۲/۱۰۴، الفتاوى الهندية ۱/۲۱۴، المجموع ۶/۴۸۱، روضتہ

الطالبيين ۲/۳۹۸۔

(۴) سابقہ مراجع۔

(۱) حدیث: ”انہی نذرت لله ان فتح الله عليك مكة.....“ کی روایت ابوداؤد (۶۰۲/۳ طبع حمص) نے کی ہے، ابن دینق العید نے اس کو صحیح کہا ہے، جیسا کہ ابن حجر کی تلخیص (۴/۳۳۶ طبع دارالکتب العلمیہ) میں ہے۔

(۲) المجموع ۶/۴۹۶، المغنی ۳/۲۱۵۔

نذر ۴۲

ان حضرات کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة في غيره من المساجد إلا المسجد الحرام“^(۱) (میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ کسی بھی دوسری مسجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے) حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی حدیث ایک دوسری روایت میں اضافہ کے ساتھ ہے: ”وصلاة في المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة فيما سواه“^(۲) (مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مسجد میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ شریعت میں سفر کر کے مسجد نبوی تک جانے کا حکم ہے^(۳)، لہذا نذر کے ذریعہ مسجد حرام کی طرح وہ بھی متعین ہوگی^(۴)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد نبوی میں اعتکاف کی نذر مانے تو اعتکاف کے لئے یہ مسجد متعین نہ ہوگی، اور نذر ماننے والے کے لئے جائز ہوگا کہ کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کر لے اگرچہ وہ فضیلت میں اس سے کم درجہ

نیز ان حضرات نے کہا ہے کہ شریعت میں معروف یہ ہے کہ قربت کا التزام واجب ہوتا ہے، اور شریعت میں بندہ کا عبادت کو کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص کر دینے کا اعتبار کرنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، لہذا اس کے التزام کے ذریعہ اصل قربت کے لزوم کی وجہ سے مکان کے ساتھ تخصیص کا لزوم ثابت نہ ہوگا، لہذا وہ لغو ہوگا اور جو قربت ہے صرف وہی لازم رہ جائے گی^(۱)۔

ب۔ نبی کریم ﷺ کی مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر ماننا:

۴۲۔ کوئی شخص مسجد نبوی میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو اس میں اعتکاف کرنا اس کے لئے کافی ہو جائے گا، البتہ فقہاء کے درمیان اختلاف اس میں ہے کہ نذر مانے ہوئے اعتکاف کے لئے یہ مسجد متعین ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں تین رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد نبوی میں اعتکاف کی نذر مانے گا تو نذر کی وجہ سے یہ مسجد متعین ہو جائے گی، البتہ نذر ماننے والے کے لئے مسجد حرام میں اعتکاف کر لینا کافی ہو جائے گا، لیکن مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنا کافی نہ ہوگا، اس لئے کہ فضیلت میں مسجد اقصیٰ، مسجد حرام اور مسجد نبوی سے کم درجہ کی ہے، اسی طرح دوسری کسی بھی مسجد میں ادا کرنا کافی نہ ہوگا، یہ سعید بن المسیب کا قول ہے، یہی مالکیہ کی رائے ہے، شافعیہ کے مذہب میں صحیح قول یہی ہے اور یہی حنابلہ کی بھی رائے ہے^(۲)۔

(۱) حدیث: ”صلاة في مسجدي هذا.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۶۳/۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۰۱۲/۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۲) حدیث: ”صلاة في المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة.....“ کی روایت ابن ماجہ (۴۵۱/۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے، اور بویری نے کہا: یہ صحیح اسناد ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں، (۲۵۰/۱ طبع دار البیان)۔

(۳) اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: مسجدي هذا ومسجد الحرام ومسجد الأقصى“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۶۳/۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۰۱۲/۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۴) المہذب مع المجموع ۶/۹۶-۹۷۔

(۱) فتح القدر ۲/۲۶، رد المحتار ۱/۳۱۔

(۲) التاج والاکلیل ۲/۲۶۰، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۱/۵۲، المجموع ۶/۸۲، المغنی ۳/۲۱۵۔

نذر ۴۳

ابن قدامہ نے اس کو بعض علماء سے نقل کیا ہے (۱)۔
ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سب سے بہتر
جگہ میں دفن کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے مدینہ منتقل کیا
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ افضل ہے، اسی وجہ سے نذر ماننے
والے کے لئے کسی بھی دوسری مسجد میں اعتکاف کرنا کافی نہ ہوگا،
اگرچہ وہ مسجد حرام ہی کیوں نہ ہو (۲)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے ایک خاص جگہ
میں اعتکاف کرنے کو اپنے اوپر واجب کیا ہے، اگر دوسری جگہ
اعتکاف کرے گا تو نذر کے ذریعہ جس کو واجب کیا ہے اس کو ادا
کرنے والا نہ ہوگا، لہذا واجب کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہ
ہوگا (۳)۔

انہوں نے مزید کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے جس چیز کو اپنے
اوپر واجب کیا وہ اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے معتبر ہے اور اس
میں ایک خاص جگہ کی قید ہے، لہذا کسی دوسری جگہ اس کو ادا کرنا جائز
نہ ہوگا، جیسے حرم میں قربانی کرنا، عرفہ میں وقوف کرنا اس کے علاوہ وہ
تمام مقامات جن کو اللہ تعالیٰ نے عبادات کے لئے مقرر کر رکھا ہے،
یہی حکم اس کا بھی ہوگا جس کو بندہ نے نذر کے ذریعہ اپنے اوپر واجب
کیا ہے، کیونکہ اس کی قید کا لحاظ رکھنا واجب و ضروری ہے (۴)۔

ج۔ مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنے کی نذر:

۴۳۔ کسی نے مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو اس مسجد
میں اعتکاف کر لینا کافی ہو جائے گا، البتہ یہاں اختلاف اس میں

کی ہو، یہ رائے حنفیہ کی ہے اور شافعیہ کے مذہب میں ایک قول یہی
ہے (۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مسجد نبوی کے لئے سفر کرنا شرعاً
واجب نہیں ہے، لہذا دوسرے تمام مساجد کی طرح یہ بھی نذر کی وجہ
سے متعین نہ ہوگی (۲)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ نذر کا مقصد اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل
کرنا ہے، لہذا نذر میں صرف وہی چیز داخل ہوگی جو قربت ہو اور
اعتکاف کی جگہ قربت نہیں ہے، کیونکہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں قربت ادا
کی جاتی ہے، لہذا کوئی خاص جگہ نذر میں داخل نہ ہوگی نہ نذر ماننے
والا اس کی قید لگا سکتا ہے، اور نہ ہی نذر میں اس کے ذکر کرنے سے
کوئی فائدہ ہوگا (۳)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ نذر کی وجہ سے قربت واجب
ہوتی ہے، عبادت کو کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص کرنا صرف اللہ
تعالیٰ کا حق ہے، کسی بندہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے، لہذا نذر کے ذریعہ
عبادت کو کسی جگہ کے ساتھ خاص کرنا لغو ہوگا اور نذر صرف عبادت کی
واجب ہوگی (۴)۔

تیسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو
شخص اپنے اعتکاف کے لئے نبی کریم ﷺ کی مسجد کو متعین کر لے تو
اس کے متعین کر دینے سے یہ مسجد متعین ہو جائے گی اور نذر ماننے
والے کے لئے کسی بھی دوسری مسجد میں اعتکاف کرنا کافی نہ ہوگا، خواہ
دوسری مسجد اس مسجد سے افضل ہی کیوں نہ ہو، یہ قول امام زفر کا ہے اور

(۱) فتح القدیر ۲/۱۰۴، الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۱۴، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹،
المجموع ۶/۳۸۲، روضۃ الطالین ۲/۳۹۸۔
(۲) المہذب مع المجموع ۶/۳۸۹۔
(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹۔
(۴) فتح القدیر ۴/۲۶، رد المحتار ۱۳/۷۱۔

(۱) فتح القدیر ۲/۱۰۴، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹، المغنی ۳/۲۱۵۔

(۲) المغنی ۳/۲۱۵۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹۔

(۴) سابقہ مراجع۔

بھیجا ہے اگر تو یہاں نماز پڑھ لے گا تو بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی طرف سے کافی ہو جائے گا، جس نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی اس سے اللہ کے رسول ﷺ نے واضح کر دیا کہ اس کا مسجد حرام میں اپنی نذر کو پورا کرنا اس کے لئے کافی ہو جائے گا اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ سے افضل ہے، اسی وجہ سے جو مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کی نذر مانے گا، مسجد حرام میں اعتکاف کر لینا اس کے لئے کافی ہو جائے گا۔

ان کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی خاتون کو کوئی تکلیف ہوئی، اس نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا دے گا تو میں ضرور سفر کر کے بیت المقدس میں نماز ادا کروں گی، چنانچہ وہ شفا یاب ہو گئیں تو انہوں نے سفر کا ارادہ کیا اور اس کے لئے تیاری کر لی، پھر نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہؓ کے پاس آئیں، ان کو سلام کیا اور ان کو یہ باتیں بتائیں، تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹھو، جو کچھ پکایا ہے کھا لو اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھ لو، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ”صلاة فيه أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد إلا مسجد الكعبة“ (۱) (میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لینا مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسجد اقصیٰ میں نماز کی نذر مانے، مسجد نبوی میں نماز پڑھ لینا اس کے لئے اپنی نذر کی طرف سے کافی ہو جائے گا، اور یہ محض اس لئے ہے کہ مسجد نبوی مسجد اقصیٰ سے

ہے کہ نذر کی وجہ سے اس اعتکاف کے لئے وہ مسجد متعین ہو جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں تین رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ کسی نے اپنے نذر مانے ہوئے اعتکاف کے لئے مسجد اقصیٰ کو متعین کیا تو نذر کی وجہ سے یہ مسجد متعین ہو جائے گی، البتہ اس کے لئے جائز ہوگا کہ مسجد حرام یا مسجد نبوی میں اعتکاف کرے، اور ان دونوں مساجد میں اعتکاف کر لینا، مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کی طرف سے کافی ہو جائے گا، یہ قول سعید بن المسیب کا ہے، اور یہی رائے مالکیہ کی ہے، یہی شافعیہ کا صحیح مذہب ہے اور حنابلہ کی رائے بھی یہی ہے (۱)۔

ان حضرات کی دلیل وہ حدیث پاک ہے، جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص فتح مکہ کے دن کھڑا ہوا اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ اني نذرت لله ان فتح مكة أصلي في بيت المقدس ركعتين، فقال رسول الله ﷺ:

صل هاهنا، ثم أعاد عليه فقال؛ صل هاهنا، ثم أعاد عليه فقال: شأنك إذن“ (۲) (اے اللہ کے رسول! میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ فتح کر دے گا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز ادا کروں گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہیں پڑھ لو اس نے دوبارہ عرض کیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: یہیں پڑھ لو، اس نے سہ بارہ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو چاہو کرو، دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے: والذي بعث محمداً بالحق لو صليت ههنا لأجزأ عنك صلاة في بيت المقدس“ (۳) (اس ذات کی قسم جس نے محمد کو حق کے ساتھ

= روایت ابوداؤد (۳/۶۰۳ طبع حصص) نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے کی ہے، انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔

(۱) حدیث: ”صلاة في مسجدي هذا.....“ کی روایت مسلم (۲/۱۰۱۲ طبع الحلی) نے کی ہے۔

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۱/۵۴۷، التاج والإکلیل ۲/۴۶۰، المجموع ۲/۴۸۲، المغنی ۳/۲۱۵۔

(۲) حدیث: ”صل هاهنا“ کی تخریج فقرہ ۲۱۱ میں گذر چکی ہے۔

(۳) حدیث: ”والذي بعث محمداً بالحق لو صليت ههنا.....“ کی

نذر ۴۳

نیز ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ نذر کا مقصد اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہے، لہذا نذر میں صرف وہی چیز داخل ہوگی جو تقرب کا ذریعہ (قربت) ہو، اور عبادات کی ادائیگی کو کسی متعین جگہ کے ساتھ خاص کرنے میں کوئی قربت نہیں ہے، اس لئے کہ عبادت کی جگہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت نہیں ہے، لہذا عبادت کی جگہ نذر میں داخل نہ ہوگی، اور نذر میں مکان کی قید نہ ہوگی^(۱)۔

تیسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص اپنے اعتکاف کے لئے مسجد اقصیٰ کو متعین کرے تو نذر کی وجہ سے وہ مسجد متعین ہو جائے گی اور کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کر لینا اس کے لئے کافی نہ ہوگا، چاہے دوسری مسجد اس سے افضل ہی کیوں نہ ہو، یہ رجحان امام زفر کا ہے^(۲)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ بندہ نذر کے ذریعہ جو کچھ اپنے اوپر واجب کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کی وجہ سے معتبر ہے تو جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اگر اس کی ادائیگی میں کسی مکان کی قید ہوگی تو دوسری جگہ اس کو ادا کرنا جائز نہ ہوگا، مثلاً صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا، بیت اللہ کا طواف کرنا تو جس کو بندہ نے نذر کے ذریعہ اپنے اوپر واجب کیا ہے اگر اس میں کسی جگہ کی قید ہو تو مناسب ہے کہ اس قید کی رعایت کی جائے^(۳)۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے ایک متعین جگہ میں اعتکاف کرنے کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے، تو اگر کسی دوسری جگہ میں اعتکاف کرے گا تو جو اس پر واجب ہے اس کو ادا کرنے والا نہ ہوگا، لہذا واجب کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہو سکے گا^(۴)۔

افضل ہے تو اسی طرح جو مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے اس کے لئے مسجد نبوی میں اعتکاف کر لینا کافی ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ افضل ہے۔

ان کا استدلال قیاس سے بھی ہے، وہ اس طرح کہ مسجد اقصیٰ ان تین مساجد میں سے ایک ہے، جن کی طرف سفر کر کے جانے کی اجازت شرعاً ہے، لہذا مسجد حرام کی طرح وہ بھی نذر کی وجہ سے متعین ہو جائے گی^(۱)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو نذر کی وجہ سے وہ مسجد متعین نہ ہوگی، اور کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کر لینا اس کے لئے کافی ہوگا اگرچہ دوسری مسجد فضیلت میں اس سے کم درجہ کی ہو، یہ رائے حنفیہ کی ہے، شافعیہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شرعاً مسجد اقصیٰ کے لئے سفر کرنا واجب نہیں ہے، لہذا دوسری تمام مساجد کی طرح نذر کی وجہ سے یہ مسجد متعین نہ ہوگی^(۳)، نیز یہ کہ قربت کا التزام ایسا امر ہے جس کو شریعت نے واجب قرار دیا ہے، شریعت میں کسی عبادت کو کسی متعین جگہ کے ساتھ خاص کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، کسی بندہ کو اس کا حق نہیں ہے، چنانچہ اصل قربت کے لزوم میں، نذر ماننے والے کے التزام کی وجہ سے کسی متعین مکان کے ساتھ خاص کرنے کا لزوم داخل نہ ہوگا، لہذا متعین جگہ سے نذر کی تخصیص لغو ہوگی اور جو قربت ہے وہ لازم باقی رہ جائے گی^(۴)۔

(۱) المہذب مع المجموع ۴۷۹/۶۔

(۲) فتح القدر ۲/۱۰۴، الفتاویٰ الہندیہ ۲۱۴/۱، بدائع الصنائع ۲۸۸۹/۶،

المجموع ۴۸۲/۶، روضۃ الطالبین ۳۹۸/۲، ۳۹۹۔

(۳) المہذب مع المجموع ۴۷۹/۶۔

(۴) فتح القدر ۲/۲۶، رد المحتار ۱۸۳۔

(۱) بدائع الصنائع ۲۸۸۹/۶۔

(۲) فتح القدر ۲/۱۰۴، بدائع الصنائع ۲۸۸۹/۶۔

(۳) بدائع الصنائع ۲۸۸۹/۶۔

(۴) سابقہ مراجع۔

تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر کر کے جانا، شارع نے ممنوع قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر کے ذریعہ ان تینوں مساجد کے علاوہ کوئی مسجد متعین نہ ہوگی کیونکہ وہاں سفر کر کے جانے سے منع کیا گیا ہے۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے کسی مخصوص جگہ کو متعین نہیں کیا ہے، لہذا یہ جگہ کسی دوسرے کے متعین کرنے سے متعین نہ ہوگی^(۱)، اسی طرح سابقہ تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، لہذا متعین کرنے کی وجہ سے بعض مسجدیں متعین نہیں ہوں گی^(۲)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ نذر کا مقصد اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہے، لہذا نذر میں وہی چیز داخل ہوگی جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ (قربت) ہو اور جس جگہ میں قربت (عبادت) ادا کی جاتی ہے، عین وہ جگہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت نہیں ہے، لہذا وہ نذر میں داخل نہ ہوگی، اور نذر میں اس کی قید نہ ہوگی^(۳)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ شریعت میں معروف ہے کہ بندہ جس چیز کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے اگر وہ قربت ہو تو واجب ہوتی ہے، اور بندہ عبادت کو کسی مکان کے ساتھ خاص کرے تو اس کا اعتبار کرنا شرع میں ثابت نہیں ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا معروف ہے، لہذا اس کے التزام کی وجہ سے اصل قربت کے لزوم میں معین مکان کے ساتھ خاص کرنے کا لزوم داخل نہ ہوگا، اور وہ لغو ہوگا، اور قربت میں نذر لازم ہو کر باقی رہ جائے گی^(۴)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ کوئی

دو تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر ماننا:

۴۴- جو شخص مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی متعین مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر مانے اس کے حکم کے بارے میں اور اس بارے میں کہ اگر ایسا ہو جائے تو نذر کی وجہ سے وہ مسجد متعین ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ کوئی اپنے اعتکاف کے لئے سابقہ تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد کو متعین کرے تو نذر کی وجہ سے وہ مسجد متعین نہ ہوگی، اس کے علاوہ کسی بھی مسجد میں اعتکاف کر لینا اس کے لئے کافی ہو جائے گا، یہ حنفیہ و مالکیہ کی رائے ہے، اصح قول میں شافعیہ کی رائے بھی یہی ہے، حنابلہ کی ایک رائے یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے، خواہ سفر کر کے جانے کی ضرورت ہو یا نہیں ہو^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: مسجدی هذا ومسجد الحرام، ومسجد الأقصى“^(۲) (سفر صرف تین مساجد ہی کی طرف کیا جاسکتا ہے: میری اس مسجد کی طرف، مسجد الحرام کی طرف اور مسجد اقصیٰ کی طرف) تو اگر نذر میں متعین کی ہوئی مسجد متعین کرنے سے متعین ہو جائے تو نذر ماننے والے پر وہاں جانا لازم ہوگا، اور اس پر نذر پوری کرنے کے لئے وہاں کا سفر کرنا ضروری ہوگا، حالانکہ مذکورہ

(۱) فتح القدیر ۲/۱۰۴، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹، رد المحتار ۳/۷۱، مواہب الجلیل والتاج والإکلیل ۲/۴۶۱، ۳/۳۴۴، کفایۃ الطالب الربانی وحاشیۃ الحدوی ۳/۷۳، شرح الزرقانی علی خلیل ۳/۱۰۵، المجموع ۶/۴۹۶، ۴/۸۱، روضۃ الطالبین ۲/۳۹۹، المغنی ۳/۲۱۴، کشاف القناع ۲/۵۲۳۔
(۲) حدیث: ”لا تشد الرحال.....“ کی تخریج فقہرہ ۲/۴۲ میں گزر چکی ہے۔

(۱) المغنی ۳/۲۱۴، الکافی ۱/۳۶۸، ۳/۶۹۔

(۲) المجموع ۶/۴۹۶۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹۔

(۴) رد المحتار ۳/۷۱، فتح القدیر ۲/۲۶۱۔

نذر ۴۵

واجب کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہ ہوگا^(۱)۔

دوم: معین زمانہ میں اعتکاف کرنے کی نذر ماننا:
۴۵۔ جو شخص اپنے نذر ماننے ہوئے اعتکاف کے لئے کسی خاص وقت کو متعین کرے اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، نیز یہ کہ اگر ایسا کر دے تو اس کے متعین کرنے سے زمانہ متعین ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں دو رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس کے متعین کرنے سے زمانہ متعین ہو جائے گا، اور اسی وقت مقررہ میں اعتکاف کرنا نذر ماننے والے پر لازم ہوگا، لہذا دوسرے وقت میں اعتکاف نہیں کرے گا، اس وقت سے قبل یا اس کے بعد اعتکاف کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، یہ رائے حنفیہ میں سے امام محمد بن الحسن اور امام زفر کی، مالکیہ کی اور صحیح مشہور قول میں شافعیہ کی نیز حنابلہ کی ہے^(۲)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ وقت میں جو بطور نفل مشروع ہے، اسی کو واجب کر لینا نذر ہے، اور نذر ماننے والے نے ایک مخصوص وقت میں اعتکاف کرنے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے، لہذا اس وقت کے آنے سے قبل اس پر واجب نہ ہوگا، اور جب اعتکاف کے لئے متعین کردہ وقت آجائے گا تو وہ نذر کے لئے متعین ہو جائے گا، اور اس میں اعتکاف کرنا واجب ہو جائے گا^(۳)۔

اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ بندہ نے نذر کے ذریعہ جس چیز کو اپنے اوپر واجب کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کی وجہ سے

ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر ماننے تو وہ مسجد نذر کی وجہ سے متعین ہو جائے گی، نذر ماننے والے کے لئے یہ کافی نہ ہوگا کہ کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کر لے، یہ امام زفر کا قول ہے، اور شافعیہ کے مذہب میں ایک قول ہے، اور حنابلہ کے یہاں بھی ایک رائے ہے، خواہ سفر کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ تمام جگہوں میں اعتکاف کی حقیقت یکسو ہونا اور پلٹ جانا ہے، جیسا کہ روزہ کی حقیقت خاص وقت میں کچھ چیزوں سے رک جانا ہے، کسی جگہ کی طرف اعتکاف کی نسبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے وقت کی طرف روزہ کی نسبت کرنا اگر نذر ماننے والا اپنے روزہ کے لئے کوئی دن متعین کر دے تو صحیح قول کے مطابق وہ دن متعین ہو جائے گا، اسی طرح اگر اعتکاف کے لئے کوئی مسجد متعین کر دے تو وہ بھی متعین ہو جائے گی^(۲)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ جس چیز کو بندہ نے اپنے اوپر واجب کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کی وجہ سے معتبر ہے تو اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو واجب کیا ہے اگر اس کی ادائیگی میں کسی جگہ کی قید ہوگی تو دوسری جگہ میں اس کو ادا کرنا جائز نہ ہوگا، جیسے حرم میں قربانی کرنا، بیت اللہ کا طواف کرنا، اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا، اسی طرح بندہ نے جس کو نذر کے ذریعہ واجب کیا ہے اس میں بھی جگہ کی قید کا لحاظ کیا جائے گا^(۳)۔

انہوں نے مزید کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے ایک خاص جگہ اعتکاف کرنے کو اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے تو اگر اس کو دوسری جگہ ادا کرے گا تو جو اس پر واجب ہے اس کو ادا کرنے والا نہ ہوگا، لہذا

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) فتح القدر ۲/۱۰۳، رد المحتار ۲/۱۳۱، المقدمات المہدات ۱/۲۶۱، المجموع

۲/۳۹۹۔

(۱) فتح القدر ۲/۱۰۳، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹، المجموع ۶/۲۸۱، روضۃ

الطائین ۲/۳۹۹۔

(۲) المجموع ۶/۲۸۱۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۰۔

نذر ۳۵

ومشقت نہ ہو، اس لئے کہ ارشاد بانی ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم“^(۱) (اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو) اور اس لئے بھی کہ عبادت نعت کا شکر ادا کرنے کے لئے واجب ہوئی ہے البتہ شریعت نے بندوں کو بعض اوقات میں اس کو چھوڑ دینے کی اجازت دے دی ہے، تو جب نذر مانے گا تو گویا عزمیت کو اختیار کرے گا اور رخصت و اجازت کو ترک کر دے گا تو اس صورت میں عزمیت کا حکم لوٹ آئے گا۔

دوم: وجوب کا سبب یعنی نذر فی الحال موجود ہے، اور اجل محض ایک مہلت ہے جس سے وہ تاخیر کرنے میں فائدہ اٹھاتا ہے، اگر وہ جلدی کرے تو اجل کو ساقط کرنے میں اس نے اچھا قدم اٹھایا ہے، لہذا اجازت ہوگا اور یہ اس لئے کہ نذر کا صیغہ واجب کرنے کے لئے ہے، اور اصل یہ ہے کہ جس زمانہ میں جو لفظ موجود ہو، لغت کے اعتبار سے وہ لفظ جس چیز کا متقاضی ہو اس زمانہ میں اس چیز کے موجود ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے اور اس کو باطل قرار دینا اور غیر موضوع لہ کی طرف پھیر دینا بغیر کسی قطعی دلیل اور بغیر کسی ضرورت کے جائز نہ ہوگا، اور یہاں نذر کے صیغہ کو باطل کرنے یا اس کو دوسری طرف پھیرنے کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ وقت کے ذکر کے علاوہ اس کی کوئی دلیل ہے، اور وقت میں بھی کئی معانی کا احتمال ہے، اس لئے کہ کبھی تو وقت کا ذکر اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں کسی چیز کا واجب ہونا بتایا جائے جیسا کہ نماز کے باب میں ہے اور کبھی یہ بتانے کے لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ اس میں ادا کرنا صحیح ہے جیسا کہ حج اور قربانی میں ہے اور کبھی یہ بتانے کے لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ اس میں راحت اور توسع ہے جیسا کہ مسافر کے لئے اقامت کے وقت میں اور سال زکاة

(۱) سورہ حج ۷۷۔

معتبر ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کسی خاص وقت کو متعین کر دے کہ وہ اس میں اس کی عبادت کریں تو عبادت کے لئے وہ وقت متعین ہو جائے گا، اسی طرح بندہ خاص زمانہ میں جس اعتکاف کو نذر کے ذریعہ اپنے اوپر واجب کرے گا وہ وقت اس اعتکاف کی ادائیگی کے لئے متعین ہو جائے گا^(۱)۔

انہوں نے مزید کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے ایک خاص زمانہ میں اعتکاف کرنے کو اپنے اوپر واجب کیا ہے، اگر کسی دوسرے زمانہ میں اعتکاف کرے گا تو نذر کے ذریعہ جس چیز کو اس نے اپنے اوپر واجب کیا ہے، اس کو ادا کرنے والا نہ ہوگا، لہذا واجب کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہ ہوگا^(۲)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ کوئی شخص اپنے نذر مانے ہوئے اعتکاف کے لئے کسی زمانہ کو متعین کرے تو نذر کی وجہ سے وہ زمانہ متعین نہ ہوگا، اور نذر ماننے والا اس متعین زمانہ سے قبل یا اس کے بعد کسی دوسرے زمانہ میں اعتکاف کرے تو اس کے لئے کافی ہو جائے گا، یہ امام ابو یوسف کی رائے ہے، اور شافعیہ کے مذہب میں ایک قول ہے^(۳)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت کی طرف نذر کی نسبت کی گئی ہے، اس سے قبل اعتکاف کا واجب ہونا ثابت ہے، اس لئے وقت معین میں اس کو ادا کرنا واجب کے بعد ادا کرنا ہوگا، لہذا اجازت ہوگا، وقت معین سے قبل وجوب کے ثابت ہونے کی دلیل دو طریقوں سے ہے۔

اول: عبادات ہمیشہ واجب ہیں بشرطیکہ ممکن ہوں، حرج

(۱) الکافی ۱/۳۶۹۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۱۴، فتح القدیر ۲/۱۰۴، رد المحتار ۲/۱۳۱، المجموع

نذر ۴۶-۴۷

کے نزدیک رائج مذہب ہے^(۱)۔

ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی ہے کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا، تو نبی کریم ﷺ نے ان کو کہا: ”أوف بندرک“^(۲) (اپنی نذر پوری کرو)۔

نیز عربی زبان میں اعتکاف کا معنی اقامت اختیار کرنا ہے اور تقرب الی اللہ کی نیت سے کسی بھی مسجد میں قیام کرنا، اعتکاف اور عکوف ہے، لہذا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اعتکاف کم یا زیادہ دونوں زمانوں میں ہو سکتا ہے، اس لئے کہ قرآن و حدیث میں نہ تو کسی خاص عدد کا ذکر ہے، نہ کسی خاص وقت کا ذکر ہے^(۳)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ کوئی شخص تنہا کسی مخصوص رات کے اعتکاف کی نذر مانے تو اس کی نذر صحیح نہ ہوگی اور اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا، یہ رائے حنفیہ کی ہے^(۴)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے روزہ شرط ہے، اور اعتکاف میں جس روزہ کی شرط ہے وہ ایک دن سے کم میں صحیح نہیں ہو سکے گا، رات روزہ کا محل نہیں ہے، لہذا نذر ماننے والے کی طرف سے کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی ہے جس سے اس کا اعتکاف میں تباد داخل ہونا واجب ہو، کیونکہ نذر بر محل نہیں ہے^(۵)۔

تیسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ کوئی

کے باب میں ہے تو وقت کا ذکر کرنا اپنی ذات میں مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہے، لہذا اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے ایجاب کے موجودہ صیغہ کو باطل قرار دینا کسی بھی طرح جائز نہ ہوگا اور صیغہ واجب کرنے والا باقی رہے گا، اور وقت کا ذکر محض راحت اور توسع کے لئے ہوگا تا کہ کسی قابل احتمال امر کی وجہ سے یقینی طور پر ثابث کو باطل کرنا لازم نہ آئے^(۱)۔

سوم: معین زمانہ میں نذر مانے ہوئے اعتکاف میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت:

۴۶- جو کسی خاص زمانہ کے اعتکاف کی نذر مانے گا یا تو کسی خاص رات کے اعتکاف کی نذر مانے گا یا کسی خاص دن یا کسی مخصوص مہینہ کے اعتکاف کی نذر مانے گا یا رمضان کے آخری دس دنوں کے اعتکاف کی نذر مانے گا، ان میں سے ہر ایک کے حکم میں فقہاء کے یہاں کچھ تفصیل ہے۔

الف- کسی خاص رات کے اعتکاف کی نذر میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت:

۴۷- کوئی شخص کسی مخصوص رات کے اعتکاف کی نذر مانے تو اس نذر کے حکم میں اور اس کو پورا کرنے کے لازم ہونے اور لازم نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کے تین مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص کسی مخصوص رات کے اعتکاف کی نذر مانے، اس کی نذر صحیح ہوگی، اور اس رات کا اعتکاف کرنا اس پر لازم ہوگا، چنانچہ وہ غروب آفتاب سے قبل اپنے معتکف (اعتکاف کی جگہ) میں داخل ہو جائے گا اور طلوع فجر کے بعد اس سے نکلے گا، یہ رائے شافعیہ کی ہے اور حنابلہ

(۱) زاد المحتاج ۱/۵۴۴، المغنی ۳/۱۸۷، ۲۱۴، اکانی ۱/۳۶۸۔

(۲) حدیث: ”أوف بندرک“ کی تخریج فقرہ ۵ میں گزر چکی ہے۔

(۳) زاد المحتاج ۱/۵۴۴، المغنی ۳/۱۸۷، ۲۱۴، اکانی ۱/۳۶۸، اجمعی ۵/۱۷۹۔

(۴) الدر المختار ۲/۱۳۰، البحر الرائق ۲/۳۲۳، ۳۲۸، بدائع الصنائع

۱۰۵۹/۳

(۵) البحر الرائق ۲/۳۲۳، بدائع الصنائع ۱۰۵۹/۳

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۹، ۲۸۹۱۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یوم دن کی سفیدی کا نام ہے اور یہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک رہتی ہے، لہذا جو شخص کسی خاص دن کے اعتکاف کی نذر مانے، اس پر طلوع فجر سے قبل مسجد میں داخل ہو جانا واجب ہوگا تا کہ اعتکاف اس پورے دن میں ہو سکے^(۱)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ رات یوم کا حصہ نہیں ہے، چنانچہ خلیل نے کہا ہے کہ یوم طلوع فجر اور غروب آفتاب کے درمیانی وقت کا نام ہے اور مسلسل اعتکاف میں رات محض ضمناً داخل ہو جاتی ہے، اسی لئے ہم نے اس کو دنوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے^(۲)۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب اعتکاف کرنے والے پر اس اعتکاف کے ساتھ روزہ بھی لازم ہے تو پوری رات روزہ کی نیت کا وقت ہوگا اور رات کے کسی بھی حصہ میں اعتکاف کرنے والا روزہ کی نیت کرے گا تو اس کے لئے کافی ہو جائے گا^(۳)۔

دوسرا رجحان: مالکیہ کی رائے، اور شافعیہ کے نزدیک ایک ضعیف قول جس کو رافعی نے نقل کیا ہے، یہ ہے کہ کسی خاص دن کے اعتکاف کی نذر میں اعتکاف کرنے والا اعتکاف کے دن کے قبل والے دن میں غروب آفتاب سے پہلے اپنے معتکف میں داخل ہو جائے گا اور اعتکاف کے دن غروب آفتاب کے بعد اس سے نکلے گا، اعتکاف کے دن طلوع فجر سے پہلے اپنے معتکف میں اس کا داخل ہونا کافی نہ ہوگا، البتہ اگر رات کے بغیر صرف دن کے اعتکاف کی نیت کرے گا تو طلوع فجر سے قبل معتکف میں داخل ہونا کافی ہو جائے گا^(۴)۔

= ۲۵۹/۲، مواہب الجلیل ۴۵۹/۲، بدایۃ الجہد ۳۱۵/۱، روضۃ الطالبین ۴۰۱/۲، المغنی ۲۱۳/۳، الکافی ۳۰۱/۳، کشاف القناع ۳۵۲/۲۔

(۱) بدائع الصنائع ۱۰۵۹/۳۔

(۲) المغنی ۲۱۳/۳۔

(۳) المقدمات الحمدات ۲۵۹/۱۔

(۴) المقدمات الحمدات ۲۵۹/۱، مواہب الجلیل ۴۵۸/۲، ۴۵۹، کفایۃ

شخص تنہا ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانے تو اس پر ایک رات اور ایک دن کا اعتکاف لازم ہوگا، یہ رائے مالکیہ کی ہے، اور امام احمد سے ایک روایت یہی ہے، کیونکہ اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے روزہ شرط ہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتکاف کی ایک شرط روزہ بھی ہے، اور صرف رات کا اعتکاف جائز نہیں ہے، اور جب صرف رات کا اعتکاف جائز نہیں ہے تو کم از کم ایک رات اور ایک دن کا اعتکاف واجب ہوگا، اس لئے کہ دن کا روزہ صرف رات ہی کے ذریعہ منعقد ہوگا^(۲)۔

ب- کسی خاص دن کے اعتکاف کی نذر میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت:

۴۸- کسی خاص دن کے اعتکاف کی نذر میں اعتکاف کرنے والا کب اپنے معتکف میں داخل ہوگا اور کب وہاں سے نکلے گا؟ اس بارے میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو کسی خاص دن کے اعتکاف کی نذر مانے وہ اعتکاف کے دن طلوع فجر سے پہلے اپنے معتکف میں داخل ہو جائے گا، اور اس دن کے غروب آفتاب کے بعد اس سے نکلے گا، یہ رائے حنفیہ کی ہے اور امام مالک کا ایک قول یہی منقول ہے، قاضی عبدالوہاب مالکی کا قول یہی ہے، یہی رائے شافعیہ کی ہے اور یہی حنابلہ کا راجح مذہب ہے اور لیث بن سعد کا قول بھی یہی ہے^(۳)۔

(۱) مواہب الجلیل ۴۵۸/۲، بدایۃ الجہد ۳۱۴/۱، المغنی ۱۸۷/۳، الکافی ۳۶۸/۱۔

(۲) بدایۃ الجہد ۲۲۹/۱، ۲۳۰۔

(۳) البحر الرائق ۳۲۸/۲، بدائع الصنائع ۱۰۵۹/۳، المقدمات الحمدات

نذر ۴۹

اسی وقت واقع ہوتے ہیں، لہذا اعتکاف کرنے والے پر غروب آفتاب سے پہلے پہلے داخل ہو جانا واجب ہوگا، تاکہ پورے مہینہ کا اعتکاف ہو سکے، کیونکہ اس کے بغیر پورے ماہ کا اعتکاف ممکن نہیں ہے اور جس چیز کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے جیسے روزہ میں دن کے ساتھ رات کے ایک جزء میں بھی اسماک ضروری ہے^(۱)۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ تمام راتیں آئندہ ایام کے تابع ہوتی ہیں، گذشتہ ایام کے تابع نہیں ہوتی ہیں، البتہ صرف حج میں گذشتہ ایام کے حکم میں ہوتی ہیں، چنانچہ عرفہ کی رات یوم ترویہ کے تابع ہے اور نحر کی رات یوم عرفہ کے تابع ہے اور قربانی کے ایام کی راتیں گذشتہ دنوں کے تابع ہیں، ایسا لوگوں کی سہولت و آسانی کے لئے ہے^(۲)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص کسی خاص مہینہ کے اعتکاف کی نذر مانے وہ اس مہینہ کے پہلے دن طلوع فجر سے پہلے پہلے اپنے معتکف میں داخل ہو جائے گا اور اس ماہ کے آخری دن غروب آفتاب کے بعد اس سے نکلے گا، یہ لیث بن سعد کا قول ہے اور یہی امام احمد کی ایک روایت بھی ہے^(۳)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث ہے، انہوں نے کہا ہے: ”کان رسول اللہ ﷺ إذا أراد أن يعتكف صلى الفجر ثم دخل معتكفه“^(۴) (اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ جب اعتکاف کرنے کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھتے، پھر اپنے معتکف میں داخل ہو جاتے)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یوم، رات و دن دونوں کو کہا جاتا ہے، لہذا جو کسی خاص یوم کے اعتکاف کی نذر مانے گا اس پر لازم ہوگا کہ اپنے اعتکاف کے دن سے قبل والے دن کے غروب آفتاب سے پہلے پہلے اپنے معتکف میں داخل ہو جائے تاکہ جس معین یوم کے اعتکاف کی نذر مانی ہے اس کو ادا کرنے والا ہو جائے^(۱)۔

ج۔ کسی مہینہ کے اعتکاف کی نذر میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت:

۴۹۔ اگر کوئی شخص کسی خاص مہینہ کے اعتکاف کی نذر مانے تو اعتکاف کرنے والا کب اپنے معتکف میں داخل ہوگا اور کب اس سے نکلے گا؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خاص مہینہ کے اعتکاف کی نذر مانے تو وہ اعتکاف شروع کرنے کے دن سے قبل والے دن آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے پہلے اپنے معتکف میں داخل ہو جائے گا اور اس معین مہینہ کی آخری تاریخ کو آفتاب کے غروب ہونے کے بعد نکلے گا، یہ حنفیہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے مہینہ کے اعتکاف کی نذر مانی ہے اور مہینہ کی ابتدا اس کے پہلے دن کے غروب آفتاب سے ہوتی ہے، اسی وجہ سے مہینہ پر معلق دیون (قرضے) اسی وقت واجب الادا ہو جاتے ہیں، اسی طرح اس پر معلق طلاق و عتاق

= الطالب الربانی وحاشیۃ العدوی ۳۲۹/۲، بدایۃ المجتہد ۳۱۵، روضۃ الطالبین ۴۰۱/۲، المجموع ۴۹۶/۶۔

(۱) بدایۃ المجتہد ۳۱۵۔

(۲) البحر الرائق ۳۲۹/۲، بدایۃ الصنائع ۱۰۶۱/۳، کفایۃ الطالب الربانی وحاشیۃ

العدوی ۳۲۹/۲، بدایۃ المجتہد ۳۱۴/۱، روضۃ الطالبین ۴۰۱/۲، المغنی

۲۱۰/۳، الکافی ۳۶۹/۱، کشاف القناع ۳۵۵/۲۔

(۱) المغنی ۲۱۱/۳، کشاف القناع ۳۵۴/۲۔

(۲) البحر الرائق ۳۲۹/۲۔

(۳) بدایۃ المجتہد ۳۱۵/۱، المغنی ۲۱۰/۳۔

(۴) حدیث: ”کان رسول اللہ ﷺ إذا أراد أن يعتكف.....“ کی روایت مسلم (۸۳۱/۲) طبع عیسیٰ الحلی نے کی ہے۔

نذر ۵۰

اس سے نکلے گا، خواہ مہینہ تیس دن کا ہو یا اسیس دن کا ہو، یہ حنفیہ، شافعیہ وحنابلہ کی رائے ہے، مالکیہ کی بھی مشہور رائے یہی ہے، حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک معتکف کے لئے عید کی رات، اپنے معتکف میں گزارنا مستحب ہے تاکہ اس رات میں عبادت کرے، پھر اپنے معتکف سے نکل کر عید گاہ میں جائے۔

سخون اور ابن الماجشون نے کہا ہے کہ اگر عید کی نماز سے قبل اپنے گھر چلا جائے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے، انہوں نے کہا ہے: ”إن رسول الله ﷺ كان يعتكف في العشر الأوسط من رمضان، فاعتكف عاماً حتى إذا كان ليلة إحدى وعشرين، وهي الليلة التي يخرج من صبيحتها منا اعتكافه، قال: من كان اعتكف معي فليعتكف العشر الأخير“^(۲) (رسول اللہ ﷺ رمضان کے دوسرے عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے، چنانچہ ایک سال آپ ﷺ نے اعتکاف کیا اور جب اکیسویں رات آئی اور یہ وہی رات تھی جس کی صبح کو آپ اپنے اعتکاف سے باہر آتے تھے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کر رہا تھا، وہ آخری عشرہ کا بھی اعتکاف کرے)۔

ان حضرات نے کہا ہے کہ عشر (ہاں کے بغیر) رات کی گنتی کے لئے ہے اور آخری عشرہ کی پہلی رات اکیسویں رات ہوگی، لہذا نذر

(۱) البحر الرائق ۳۲۹/۲، بدائع الصنائع ۱۰۵۹/۳، کفاية الطالب الرباني وحاشية العدوي ۳۲۹/۲، بدایة المجتہد ۳۱۵/۱، المجموع ۴۹۱/۶، روضة الطالبین ۴۰۱/۲، مغنی المحتاج ۴۵۶/۱، المغنی ۲۱۱/۳، الکافی ۳۶۹/۳، کشف القناع ۳۵۴/۲۔

(۲) حدیث: ”إن رسول الله ﷺ كان يعتكف في العشر الأوسط.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲۱۱/۳ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

نیز ان حضرات نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو مسلمان رمضان کا مہینہ پائے اس کا روزہ رکھے اور اس مخصوص ماہ کا روزہ صرف اول دن کے طلوع فجر کے قبل سے ہی شروع ہوتا ہے، اسی طرح نذر کے ذریعہ مقرر کردہ ماہ کا اعتکاف بھی اس ماہ کے پہلے دن کے طلوع فجر کے قبل سے ہی شروع ہوگا^(۱)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ اعتکاف میں روزہ شرط ہے اس لئے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا اعتكاف إلا بصيام“^(۲) (روزہ کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں ہے) اور روزہ کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے، لہذا اعتکاف کی شرط کے پائے جانے سے پہلے اس کا شروع کرنا جائز نہ ہوگا^(۳)۔

د- رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی نذر میں داخل ہونے اور نکلنے کا وقت:

۵۰- رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی نذر میں اعتکاف کرنے والا کب اپنے معتکف میں داخل ہوگا اور کب وہاں سے نکلے گا؟ اس بارے میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی نذر مانے وہ رمضان کی اکیسویں تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے پہلے اپنے معتکف میں داخل ہو جائے گا اور رمضان کے آخری دن غروب آفتاب کے بعد

(۱) المغنی ۲۱۱/۳۔

(۲) حدیث: ”لا اعتكاف إلا بصيام“ کی روایت حاکم مستدرک (۴۴۰/۱) طبع دائرة المعارف العثمانیہ نے کی ہے، اور ان سے بیہقی (۳۱۷/۳ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے روایت کی ہے، اور بیہقی نے لکھا ہے کہ اس کی اسناد میں ایک ضعیف راوی ہیں۔

(۳) المغنی ۲۱۱/۳۔

نذرا ۵۱-۵۲

کے اعتکاف میں تسلسل کی نیت کر لے تو اس نے جس تسلسل کو اپنے اوپر لازم کیا ہے، وہ اس پر لازم ہو جائے گا، اور ان ایام کے اعتکاف میں رات بھی داخل ہو جائے گی، اور ان ایام کے درمیان والی راتوں میں اعتکاف کرنا اس پر لازم ہو جائے گا، یہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتکاف میں تسلسل مستقل قربت ہے، اس لئے اس کو اپنے اوپر لازم کرنے کی وجہ سے اس پر لازم ہو جائے گا۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ تسلسل مقصود و وصف ہے، اس لئے کہ جن ایام کے اعتکاف کی نذر مانی گئی ہے، ان میں سے بعض کے ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ کو ادا کرنے میں اس سے جلدی ہوتی ہے^(۲)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ یوم تو درحقیقت دن کی سفیدی کا نام ہے، البتہ درمیانی رات اس لئے داخل ہو جاتی ہے تاکہ دوام و تسلسل حاصل ہو سکے^(۳)۔

ب۔ جس نذر مانے ہوئے اعتکاف میں تسلسل کی شرط نہ لگائی گئی ہو اس میں تسلسل کا حکم:

۵۲۔ کسی نے کسی زمانہ کے اعتکاف کی نذر مانی اور اپنے اعتکاف میں تسلسل کی شرط نہیں لگائی، تو اس میں تسلسل کے حکم کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف مذاہب ہیں:

- (۱) البحر الرائق ۳۲۹/۲، بدائع الصنائع ۱۰۶۱/۳، ۱۰۶۲، التاج والإکلیل ۴۵۹/۲، روضة الطالبین ۳۹۹/۲، ۴۰۱، مغنی المحتاج ۴۵۵/۱، مغنی ۲۱۳/۳، الکافی ۲۰۷/۱۔
- (۲) مغنی المحتاج ۴۵۵/۱۔
- (۳) المغنی ۲۱۳/۳، البدائع ۱۰۶۰/۳۔

ماننے والے پر واجب ہوگا کہ اس رات میں اپنے معتکف میں رہے^(۱)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص ماہ رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی نذر مانے وہ ماہ رمضان کی اکیسویں تاریخ کی صبح کی نماز کے بعد اپنے معتکف میں داخل ہو جائے گا، اور اس ماہ کے آخری دن غروب آفتاب کے بعد اس سے نکلے گا، اس کے قائل، اسحاق، اوزاعی، لیث بن سعد اور ثوری ہیں، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے، انہوں نے کہا: ”کان رسول اللہ ﷺ يعتكف في كل رمضان فإذا صلى الغداة دخل مكانه الذي اعتكف فيه“^(۳) (رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنے اعتکاف کی جگہ چلے جاتے تھے)۔

چہارم: نذر مانے ہوئے اعتکاف میں تسلسل کا حکم:

نذر میں تسلسل کی شرط لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو اس اعتبار سے نذر مانے ہوئے اعتکاف میں تسلسل کا حکم کیا ہوگا؟ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف۔ جس نذر مانے ہوئے اعتکاف میں تسلسل کی شرط لگائی گئی ہو اس میں تسلسل کا حکم:

۵۱۔ جو شخص مسلسل چند ایام کے اعتکاف کی نذر مانے، یا ان ایام

(۱) المغنی ۲۱۱/۳۔

(۲) بدایة المجتہد ۳۱۵/۱، المغنی ۲۱۲/۳، الکافی ۳۶۹/۱، عون الباری لکل أدلیۃ صحیح البخاری للصدیق بن حسن القنوجی ۵۱۰/۳۔

(۳) حدیث: ”کان رسول اللہ ﷺ يعتكف في كل رمضان.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲/۲۸۳، ۲۸۴ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

نذر ۵۳

ضروری ہوگا، اگرچہ لفظ مطلق ہو اور اس میں تسلسل کی قید نہ ہو، البتہ اس کا لفظ تسلسل کا متقاضی ہے اور اس کی ذات اس کو واجب کرنے والی ہے^(۱)۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس نذر ماننے والے پر اپنے اعتکاف میں تسلسل لازم نہ ہوگا، یہ حنفیہ میں سے امام زفر کا قول ہے اور یہی شافعیہ کا راجح مذہب ہے، اگرچہ ان حضرات کے نزدیک اس نذر ماننے والے کے لئے اپنے اعتکاف میں تسلسل کو برقرار رکھنا مستحب ہے اور یہی حنابلہ کا بھی راجح مذہب ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتکاف کی حقیقت ایسی ہے کہ اس میں تفریق جائز ہے، لہذا مطلق نذر ماننے کی صورت میں روزہ کی طرح اس میں بھی تسلسل واجب نہ ہوگا^(۳)۔

نیز نذر کا لفظ مطلق ہے، اس میں تسلسل کی قید نہیں ہے اور نذر ماننے والے نے اعتکاف میں تسلسل کی نیت بھی نہیں کی ہے، لہذا لفظ کے مطلق ہونے کا اعتبار کیا جائے گا اور نذر ماننے والے پر روزہ کی طرح اعتکاف میں بھی تسلسل لازم نہیں ہوگا^(۴)۔

پنجم: اعتکاف کرنے والا اپنے نذر مانے ہوئے اعتکاف کے دوران اپنے اوپر روزہ کو لازم کرے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

۵۳- اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں اعتکاف کی نذر مانے تو اس

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس نذر ماننے والے پر اس زمانہ میں اپنے اعتکاف میں تسلسل لازم ہوگا، یہ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے ہے، اور شافعیہ کا ایک قول ہے، اسی طرح حنابلہ کا بھی ایک قول ہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتکاف دن و رات دونوں میں ہوتا ہے، تو جب مطلق نذر مانے گا اور اس میں تسلسل کی شرط نہیں لگائے گا تو بھی تسلسل واجب ہوگا، جیسا کہ اگر تم کھائے کہ ایک ماہ زید سے بات نہیں کرے گا تو اس میں تسلسل ہوگا، ان حضرات نے ایلاء، عنت (عین ہونے) اور عدت کی مدت پر بھی قیاس کیا ہے^(۲)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ بندہ کا واجب کرنا اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کی وجہ سے معتبر ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے وہ مسلسل ہے تو اسی طرح جس کو بندہ نذر کے ذریعہ واجب کرے گا وہ بھی مسلسل ہی واجب ہوگا، اور اعتکاف کو مطلق رکھنا تسلسل کی صراحت کرنے کے درجہ میں ہے، اس لئے کہ اعتکاف دن و رات دونوں میں مسلسل رہتا ہے، لہذا اس کے اجزاء متصل ہوں گے، اور جس کے اجزاء متصل ہوں اس میں نص کے بغیر تفریق جائز نہ ہوگی^(۳)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ اعتکاف دائمی عبادت ہے اور اس کی بنیاد اتصال پر ہے، کیونکہ اعتکاف ٹھہرنے اور اقامت کرنے کو کہتے ہیں، اور راتیں، ٹھہرنے کے لائق ہیں، لہذا اس میں تسلسل

(۱) بدائع الصنائع ۳/۱۰۶۲، المغنی ۲/۲۱۲۔

(۲) بدائع الصنائع ۳/۱۰۶۱، روضۃ الطالین ۲/۳۹۹، مغنی المحتاج ۱/۴۵۶،

المغنی ۳/۲۱۲، الکافی ۱/۳۰۷، الإیضاف ۳/۳۰۷۔

(۳) المغنی ۳/۲۱۲۔

(۴) بدائع الصنائع ۳/۱۰۶۲۔

(۱) البحر الرائق ۲/۳۲۹، بدائع الصنائع ۳/۱۰۶۱، ۱۰۶۳، التاج والإکلیل

۲/۴۵۹، روضۃ الطالین ۲/۳۹۹، مغنی المحتاج ۱/۴۵۶، المغنی ۳/۲۱۲،

الکافی ۱/۳۰۷، کشف القناع ۲/۳۵۵۔

(۲) مغنی المحتاج ۱/۴۵۶، المغنی ۳/۲۱۲، کشف القناع ۲/۳۵۵۔

(۳) البحر الرائق ۲/۳۲۹۔

نذر ۵۴

حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر ثم أتموا الصيام إلى الليل ولا تباشروهن وأنتم عاكفون في المساجد“^(۱) (اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تم پر صبح کا سفید خط سیاہ خط سے نمایاں ہو جائے پھر روزہ کو رات (ہونے) تک پورا کرو اور بیویوں سے اس حال میں صحبت نہ کرو، جب تم اعتکاف کئے ہو مسجدوں میں)، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزہ کے ساتھ اعتکاف کا ذکر کیا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ روزہ کے بغیر اعتکاف نہ ہوگا۔

اسی طرح ان کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ حضرت عمرؓ نے زمانہ جاہلیت میں کعبہ کے نزدیک ایک دن اعتکاف کرنے کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیا، پھر اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اعتکف و صم“^(۲) (اعتکاف کرو اور روزہ بھی رکھو)۔

نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا اعتکاف إلا بصيام“^(۳) (روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہے)۔

اسی طرح ان حضرات کی دلیل بعض دوسرے صحابہؓ سے مروی قول بھی ہے، چنانچہ حضرت عطاءؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا: ”من اعتکف فعليه الصيام“^(۴) (جو اعتکاف کرے گا اس پر روزہ لازم ہوگا)۔

(۱) سورہ بقرہ/۱۸۷۔

(۲) حدیث: ”اعتکف و صم“ کی روایت ابوداؤد (۲/۸۳۷، ۸۳۸ طبع حمص) اور بیہقی سنن (۳/۳۱۶ طبع دارۃ المعارف العثمانہ) نے کی ہے، اور بیہقی نے کہا کہ اس کی اسناد میں ایک ضعیف راوی ہیں۔

(۳) حدیث: ”لا اعتکاف إلا بصيام“ کی تخریج فقہرہ ۳۹۹ میں گزر چکی ہے۔

(۴) اثر حضرت عائشہؓ: ”من اعتکف فعليه الصيام“ کی روایت بیہقی نے اسنن الکبریٰ (۴/۳۱۷ طبع دارۃ المعارف) نے کی ہے، اور اثر حضرت ابن

پر روزہ کی حالت میں اعتکاف کرنا لازم ہو جائے گا، اس لئے کہ روزہ اعتکاف میں مقصود صفت ہے، لہذا اس کے التزام پر عمل کرتے ہوئے نذر کی وجہ سے اس پر روزہ لازم ہے، جیسا کہ اگر اعتکاف اور روزہ میں تسلسل کو اپنے اوپر لازم کر لے، یہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے^(۱)۔

۵۴- اگر کوئی شخص مطلق اعتکاف کی نذر مانے، نذر میں اعتکاف کے ساتھ روزہ کو اپنے اوپر لازم نہ کرے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اور اگر ایسا کرے تو کیا روزہ کی حالت میں اعتکاف کرنا اس پر لازم ہوگا؟ یا اعتکاف کے ساتھ اس پر روزہ لازم نہ ہوگا، بلکہ روزہ کے بغیر اعتکاف کر لینا اس کے لئے کافی ہو جائے گا؟ اس بارے میں فقہاء کے دو مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص مطلق اعتکاف کی نذر مانے، اس کے ساتھ روزہ کی شرط نہ لگائے تو ایسی صورت میں روزہ کے ساتھ اعتکاف کرنا اس پر لازم ہوگا، روزہ کے بغیر اس کا اعتکاف صحیح نہ ہوگا، یہ رائے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے اور یہی زہری، لیث، قاسم بن محمد، ثوری اور نافع کا قول ہے، یہی رائے حنفیہ اور مالکیہ کی بھی ہے، امام احمد سے ایک روایت اور امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”وکلوا و اشربوا

(۱) المیسوط ۱۱۶/۳، المقدمات ۲۵۷/۱، نہایتہ المحتاج ۲۳۵/۸، زاد المحتاج ۵۴۵/۱، المغنی ۱۸۵/۳، الکافی ۳۶۸/۳۔

(۲) بدائع الصنائع ۱۰۵۹/۳، الدر المختار و رد المختار ۱۳۰/۲، المیسوط ۱۱۵/۳، مواہب الجلیل ۴۶۰/۲، المقدمات المہدات ۲۵۷/۱، ۲۵۸، بدایۃ المجتہد ۳۱۵، المغنی ۱۸۵/۳، ۱۸۶، الکافی ۳۶۸/۱، المغنی المحتاج ۴۵۳/۱، روضۃ الطالین ۳۹۳/۲۔

نذر ۵۵

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ اعتکاف کا تصور دن و رات دونوں میں ہو سکتا ہے، حالانکہ رات روزہ کا وقت نہیں ہے، اور جس عبادت کا کچھ حصہ روزہ کے بغیر صحیح ہو سکتا ہے، وہ پوری عبادت روزہ کے بغیر صحیح ہو سکتی ہے^(۱)۔

نیز ان حضرات نے کہا ہے کہ اعتکاف کرنے والے پر رات کا وقت بھی آتا ہے، اور وہ اس وقت بھی معتکف ہوتا ہے حالانکہ وہ اس وقت روزہ کی حالت میں نہیں ہوتا ہے، اگر روزہ اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہو تو رات کا اعتکاف صحیح نہ ہوگا^(۲)۔

ابن قدامہ نے کہا ہے کہ اعتکاف کرنے والے پر روزہ کو لازم کرنا ایسا حکم ہے جو شریعت کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور اس کے واجب کرنے کے سلسلہ میں نہ تو کوئی صحیح نص ہے اور نہ اجماع ہے، لہذا اعتکاف کرنے والے پر روزہ واجب نہ ہوگا^(۳)۔

بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر ماننا:

۵۵- اگر کسی نے نذر مانی کہ وہ پیدل بیت اللہ جائے گا تو اس پر حج یا عمرہ میں پیدل بیت اللہ جانا لازم ہوگا، یہ ابو عبیدہ، اوزاعی، لیث بن سعد اور ابن المنذر کا قول ہے، یہی رائے حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ہے، ابن قدامہ نے کہا ہے کہ ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے^(۴)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ رسول

(۱) الکافی ۳/۶۸، المغنی ۳/۱۸۶۔

(۲) المقدمات المہمات ۱/۲۵۸۔

(۳) المغنی ۳/۱۸۶۔

(۴) بدائع الصنائع ۶/۲۸۶، مواہب الجلیل والتاج والاکیل ۳/۳۳۱،

۳۳۲، کفایۃ الطالب الربانی ۳/۶۷، روضۃ الطالبین ۳/۳۲۲، نہایۃ المحتاج

۲۲۸/۸، زاد المحتاج ۴/۵۰۳، المغنی ۱۲/۱۲، الکافی ۳/۴۲۳، کشاف

الفتاویٰ ۶/۲۸۲۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس کے اعتکاف کے ساتھ روزہ اس پر لازم نہ ہوگا، بلکہ بغیر روزہ کے بھی اس کا اعتکاف صحیح ہو جائے گا، یہ رائے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے، اور یہی سعید بن المسیب، حسن، عطاء، طاووس، نخعی اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے، اور مالکیہ میں سے ابن لبابہ کا قول بھی یہی ہے، یہی شافعیہ کی رائے ہے، اور حنابلہ کا مشہور مذہب ہے، اگرچہ ان حضرات کے نزدیک افضل یہی ہے کہ نذر ماننے والا اپنے اعتکاف کے ساتھ روزہ بھی رکھے تاکہ دو عبادتیں حاصل ہو جائیں اور فقہاء کے اختلاف سے بچا رہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لیس علی المعتکف صیام إلا أن يجعله علی نفسه“^(۲) (اعتکاف کرنے والا جب تک اپنے اوپر روزہ کو لازم نہ کرے گا اس پر روزہ لازم نہ ہوگا)۔

نیز حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ ان کے والد نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی اور کہا کہ اے اللہ کے رسول، میں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أوف بنذرک“^(۳) (تم اپنی نذر پوری کرو)۔

= عباسؓ: ”لا اعتکاف إلا بصوم“ کی روایت بیہقی (۳/۳۱۸) نے اسی طرح کی ہے۔

(۱) المقدمات المہمات ۱/۲۵۷، بدایۃ المجتہد ۱/۳۱۵، المغنی ۳/۱۸۵، ۱۸۶، مغنی المحتاج ۱/۴۵۳، روضۃ الطالبین ۲/۳۹۳۔

(۲) حدیث: ”لیس علی المعتکف صیام.....“ کی روایت حاکم مستدرک (۳/۳۹۱) طبع دائرۃ المعارف اور بیہقی (سنن الکبریٰ ۳/۳۱۹) طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ نے کی ہے، اور بیہقی نے اس کے حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) حدیث: ”أوف بنذرک“ کی تخریج فقہ ۵/۵ میں گذر چکی ہے۔

نذر ۵۶

ہو کر نماز پڑھنے کی نذر ماننے^(۱) (تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اس پر واجب ہوگا۔

اسی طرح ان کی دلیل ہے کہ جو شخص پیدل بیت اللہ جانے کی نذر مانے اس کے لئے حج یا عمرہ کے بغیر پیدل جانا کافی نہ ہوگا، یہ اس لئے کہ پیدل جانے کا معنی شریعت میں حج یا عمرہ میں پیدل جانا ہے، لہذا جب پیدل بیت اللہ جانے کی مطلق نذر مانے گا تو وہی واجب ہوگا جو شریعت میں معروف ہے اور نذر کی وجہ سے حج یا عمرہ میں پیدل جانا اس پر لازم ہوگا^(۲)۔

نیز پیدل بیت اللہ جانے کی نذر ماننا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر ہے، لہذا نذر ماننے والے پر اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه“^(۳) (جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے)۔

پیدل بیت اللہ جانے کی نذر کو پورا کرنے سے عاجز شخص کا حکم: ۵۶۔ جو شخص پیدل بیت اللہ جانے کی نذر کو پورا کرنے سے عاجز ہو اس پر کیا واجب ہوگا؟ اس کے بارے میں فقہاء کے تین مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص پیدل بیت اللہ جانے کی نذر کو پورا کرنے سے عاجز ہو جائے اور سوار ہو جائے حالانکہ ابھی وہ بیت اللہ کے راستے میں ہو تو اس پر قربانی

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: مسجدی هذا، ومسجد الحرام، ومسجد الاقصی“^(۱) (سفر نہیں کیا جاسکتا ہے مگر صرف تین مساجد کا میری اس مسجد کا، مسجد الحرام کا اور مسجد اقصیٰ کا)۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ ہے کہ نذر ماننے والے کا علیٰ المشیٰ إلى بیت اللہ یا إلى الكعبة وغیرہ کہنا بطور کنایہ اپنے اوپر احرام کو لازم کر لینا ہے، احرام کے التزام کی نذر ماننے والے بطور کنایہ اسی مضمون کا استعمال کرتے ہیں، حالانکہ اس میں کنایہ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ اگر کوئی کہے: لله علي أن أصرب بنو بطنيم الكعبة تو یہ بطور کنایہ اپنے اوپر صدقہ کو لازم کرنا ہے، اور احرام حج یا عمرہ کا ہی ہوتا ہے اس لئے نذر ماننے والے پر ان دونوں میں سے کوئی ایک لازم ہوگا، اس کے برخلاف ان تمام الفاظ کا حکم ہوگا، جن کے ذریعہ اپنے اوپر احرام کو لازم کرنے کی عادت ہو، اس باب میں ان کا عرف اور ان کی عادت ہی معتبر ہوگی، اور یہاں پر کوئی عرف نہیں ہے، لہذا اس پر پیدل حج یا عمرہ کرنا لازم ہوگا کیونکہ اس نے پیدل جانے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اس میں قربت کا اضافہ ہے اس لئے نذر کے ذریعہ اس کو اپنے اوپر لازم کرنا جائز ہوگا، جیسا کہ روزہ میں تسلسل کی صفت مستقل مقصود ہوتی ہے^(۲)۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نذر ماننے والے نے پیدل بیت اللہ جانے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور اس کو ایک عبادت کے لئے وصف قرار دیا ہے، تو پیدل جانا اس پر لازم ہو جائے گا، جیسا کہ اگر کھڑے

(۱) نہایۃ المحتاج ج ۸/۲۹، زاد المحتاج ج ۴/۵۰۳۔

(۲) المغنی ج ۱۲/۹، الکافی ج ۴/۲۳، کشف القناع ج ۶/۲۸۲۔

(۳) حدیث: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه“ کی تخریج فقہ ۵/۵ میں گذر چکی ہے۔

(۲) بدائع الصنائع ج ۶/۲۸۶۔

نذر ۵۶

کے مطابق اس کا حج یا عمرہ کافی ہو جائے گا، اور نافرمانی کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہوگی^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ نے پیدل کعبہ جانے کی نذر مانی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إن الله لغني عن مشيها، لتركب ولنهد بدنة“ (اللہ تعالیٰ اس کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے، اسے چاہئے کہ سوار ہو لے اور ایک اونٹ قربان کرے)، ایک دوسری روایت میں ہے: ”إن أخت عقبة بن عامر نذرت أن تمشي إلى البيت وأنها لا تطيق ذلك فأمرها النبي ﷺ أن تتركب وتهدي هدياً“^(۲) (حضرت عقبہ بن عامر کی بہن نے نذر مانی کہ پیدل بیت اللہ تک جائے گی اور وہ اس پر قادر نہیں تھی تو اس کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سوار ہو لے اور ایک ہدیٰ قربانی کرے)۔

نیز حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں جس نے پیدل بیت اللہ جانے کی نذر مانی تھی، فرمایا: ”يمشي فإذا أعى ركب ويهدى جزوراً“^(۳) (وہ پیدل جائے، جب تھک جائے تو سوار ہو جائے اور قربانی کرے)۔

نیز جو پیدل بیت اللہ جانے کی نذر مانے گا اگر سوار ہوگا تو احرام کے واجبات میں خلل انداز ہوگا، لہذا اس پر قربانی واجب ہوگی

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۶، ۲۸۶۷، مواہب الجلیل والتاج والاکلیل ۳۳۳/۳، ۳۳۴، کفایۃ الطالب الربانی ۳/۶۸، ۶۹، بدایۃ المجتہد ۲۲۵/۱، نہایۃ المحتاج ۸/۲۱۸، زاد المحتاج ۳/۵۰۴، المغنی ۹/۱۲۔
(۲) حدیث: ”إن أختي نذرت أن تمشي إلى بيت الله.....“ کی تخریج فقرہ ۷۱ میں گزر چکی ہے۔

(۳) اثر حضرت علیؓ: ”فیمن نذر أن یمشي إلى البيت.....“ کی روایت عبد الرزاق نے اپنی منصف (۸/۴۵۰، طبع مجلس علمی) اور بیہقی نے اپنی السنن (۸۱/۱۰، طبع دائرة المعارف العثمانیہ) میں کی ہے۔

واجب ہوگی، یہ حنفیہ، مالکیہ اور اظہر قول میں شافعیہ کی رائے ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے، یہی حضرت علیؓ سے مروی ہے، حضرت عطاء بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، ان کے نزدیک اس بارے میں کچھ تفصیل ہے۔

چنانچہ حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر پیدل چلنے سے عاجز نہ بھی ہو تو سوار ہو سکتا ہے اور اپنے سوار ہونے کی وجہ سے ایک بکری کی قربانی کرے گا اور یہ بطور استحسان ہے، امام مالک نے کہا ہے: جس پر پیدل مکہ جانا لازم ہو اور وہ پیدل چلتے ہوئے نکلے پھر چلنے سے معذور ہو جائے تو جہاں معذور ہو گیا ہے، سوار ہو جائے اور جب آرام پالے تو پھر اتر جائے، اور جتنا راستہ سواری پر گزرا ہے اس کو یاد رکھے پھر جب دوبارہ لوٹے گا تو جتنا راستہ سوار ہو کر چلا ہے، اس پر پیدل چلے گا اور اس کے لئے سوار ہونے کے ایام کے بقدر پیدل چلنا کافی نہ ہوگا، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلی بار سوار ہونے کی ضرورت کے مواقع پر سوار ہو اور دوبارہ لوٹنے میں اگر پورا راستہ پیدل چلنے پر قادر ہو تو سوار نہ ہو، البتہ جتنی دور تک سوار رہا ہے اتنی دور پیدل چلے گا اور چونکہ پیدل چلنے میں تسلسل نہیں رہے گا، اس لئے قربانی کرے گا۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ جو شخص کسی عذر کی وجہ سے سوار ہوگا، اس کا حج اس کی نذر کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اظہر قول کے مطابق اس پر قربانی واجب ہوگی، عذر سے مراد یہ ہے کہ واضح مشقت اس کو لاحق ہو، اس کی نظیر نماز میں قیام سے عاجز ہونا اور مرض کی وجہ سے رمضان کے روزہ سے عاجز ہونا ہے، بلقیسی نے قربانی کے واجب ہونے میں یہ قید لگائی ہے کہ مطلقاً احرام باندھنے کے بعد یا اس سے قبل اور پیدل میقات سے آگے بڑھنے کے بعد سوار ہو، ورنہ قربانی واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ حج یا عمرہ میں کوئی ایسا خلل نہیں ہوگا جس کی وجہ سے قربانی واجب ہو، اور اگر بلا عذر سوار ہو گیا تو مشہور مذہب

نذر ۵۷

ہے: ”إن أخته نذرت أن تمشي حافية غير مختمرة إلى الكعبة فسأل النبي ﷺ فقال: إن الله لا يصنع بشقاء

أختك شيئاً فلتركب ولتختمر ولتصم ثلاثة أيام“ (ان کی بہن نے پیدل، ننگے پیر، ننگے سر بیت اللہ تک جانے کی نذر مانی تھی تو انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کی سختی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، وہ سوار ہو کر حج کرے، سر پر دوپٹہ ڈال لے، اور تین روزہ رکھے) اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: ”ولتكفر عن يمينها“^(۱) (اپنی یمن کی طرف سے کفارہ ادا کرے)۔

نیز حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”كفارة النذر كفارة اليمين“^(۲) (نذر کا کفارہ یمن کا کفارہ ہوگا)۔

پیدل مکہ یا اس کے کسی حصہ میں جانے کی نذر ماننا: ۵۷۔ جو شخص پیدل مکہ یا اس کے کسی حصہ میں جانے کی نذر مانے مثلاً صفا، مروہ، مقام ابراہیم یا جبل ابونعیم یا اس جیسی جگہ جانے کی نذر مانے جو مکہ میں ہو تو اس نذر کی وجہ سے اس پر کیا لازم ہوگا؟ اس کے بارے میں فقہاء کے تین مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص پیدل مکہ یا اس کے کسی حصہ میں جانے کی نذر مانے، اس پر اس نذر کی وجہ سے پیدل حج یا عمرہ کرنا لازم ہوگا، یہی شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب ہے^(۳)۔

جیسے کوئی شخص میقات سے احرام باندھنا چھوڑ دے^(۱)۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، حنفیہ کے نزدیک یہی قیاس کا تقاضا ہے اور شافعیہ کے نزدیک اظہر کے بالمقابل قول ہے، ابن رشد ”الحفید“ نے اس کو بعض علماء سے نقل کیا ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے: ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“^(۳) (اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کی بساط کے مطابق)۔

نیز یہ کہ جس نے پیدل بیت اللہ جانے کی نذر مانی ہے، نذر کے ذریعہ اس نے جس چیز کو اپنے اوپر لازم کیا ہے یعنی پیدل چلنا وہ اس سے عاجز ہو چکا ہے، اس لئے اس کو حق ہے کہ سوار ہو اور اس پر کچھ لازم نہ ہو، انہوں نے اس کو اس پر قیاس کیا ہے کہ کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر مانے اور قیام پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے۔

حنفیہ نے قیاس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ نذر کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس چیز کی نذر مانی جائے وہ عبادت مقصودہ ہو اور خود پیدل چلنے میں کوئی قربت نہیں ہے^(۴)۔

تیسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر سوار ہوگا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا، یہ حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب ہے^(۵)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی حدیث

(۱) زاد المحتاج ج ۳/۵۰۴، المغنی ۱۲/۹۔

(۲) بدایۃ المجتہد ۱/۲۲۵، نہایۃ المحتاج ج ۸/۲۳۰، زاد المحتاج ج ۳/۵۰۳، ۵۰۴۔

(۳) سورۃ بقرہ ۲۸۶۔

(۴) نہایۃ المحتاج ج ۸/۲۳۰، بدائع الصنائع ۶/۲۸۷۔

(۵) المغنی ۱۲/۹، کشف القناع ۶/۲۸۳۔

(۱) حدیث حضرت عقبہ بن عامرؓ وحدیث حضرت ابن عباسؓ کی تخریج فقہرہ ۱۷/۱ میں گذری چکی ہے۔

(۲) حدیث: ”كفارة النذر كفارة اليمين“ کی تخریج فقہرہ ۱۲/۱ میں گذری چکی ہے۔

(۳) روضۃ الطالین ۳/۳۲۲، نہایۃ المحتاج ج ۸/۲۲۹، المغنی ۱۵/۹، الکافی

نذرے ۵

کی دلیل وہی ہے جو پہلے انہوں نے بیت اللہ پیدل جانے کی نذر میں پیش کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مذہب کی دلیل کہ مسجد حرام یا حرم، پیدل جانے کی نذر صحیح نہیں ہے، یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ کسی بھی جگہ پیدل جانے کو واجب کرنے سے کچھ واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ پیدل جانا کوئی مقصود عبادت نہیں ہے، کیونکہ وہ محض ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے، لہذا وہ اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی قربت نہیں ہے، اور اسی لئے تمام الفاظ سے کچھ واجب نہیں ہوتا ہے، البتہ ہم نے بیت اللہ کعبہ یا مکہ پیدل جانے کے لفظ میں نذر ماننے والے پر احرام کو عرف کی وجہ سے واجب قرار دیا ہے، اس لئے کہ عرف رائج ہے کہ لوگ ان الفاظ کو بطور کنایہ احرام کو اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، دوسرے الفاظ کو استعمال کرنے کا عرف وہ نہیں ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”مشیٰ الیٰ مکة والكعبة وبیت اللہ“ (وہ مکہ، کعبہ یا بیت اللہ پیدل گیا) اور ”مشیٰ الیٰ الحرم“ یا ”المسجد الحرام“ نہیں کہا جاتا ہے، کنایہ میں عین لفظ کی اتباع کی جاتی ہے، معنی کی نہیں، مجاز اس کے برخلاف ہے کہ اس میں اس معنی کی رعایت کی جاتی ہے جو محل حقیقت میں لازم اور مشہور ہو، کیونکہ کنایہ وضع کردہ اسماء کی طرح اصطلاح سے ثابت ہوتا ہے، لہذا اس میں عرف اور لفظ کے استعمال کا لحاظ کیا جاتا ہے، مجاز اس کے برخلاف ہے (۱)۔

اور صاحبین کے مذہب کی دلیل کہ مسجد حرام یا حرم پیدل جانے کی نذر ماننا صحیح ہے اور اس صورت میں نذر ماننے والے پر پیدل حج یا عمرہ کرنا لازم ہے، یہ ہے کہ جو حرم یا مسجد حرام پیدل جانے کی نذر مانے وہ اس شخص کے درجہ میں ہے جو مکہ یا بیت اللہ پیدل جانے کی

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص حرم یا اس میں کسی جگہ پیدل جانے کی نذر مانے وہ اس شخص کے مشابہ ہے جو بیت اللہ پیدل جانے کی نذر مانے، اس لئے کہ پورا حرم عبادت کی جگہ ہے، اسی لئے کہی کے لئے وہاں سے حج کا احرام باندھنا صحیح ہے (۱)۔

نیز جس نے حرم یا اس کے کسی حصہ میں پیدل جانے کی نذر مانی ہے اس پر صرف حج یا عمرہ میں وہاں پیدل جانا لازم ہوگا، اس لئے کہ اس نے اس کو عبادت کے لئے وصف بنا کر اپنے اوپر لازم کیا ہے جیسا کہ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر مانے (۲)۔

نیز شریعت میں پیدل مکہ یا اس کے کسی حصہ میں جانے کا مقصد حج یا عمرہ میں وہاں پیدل جانا ہے، لہذا نذر کو معبود شرعی پر محمول کیا جائے گا اور جو اس کے خلاف ہوگا وہ لغو قرار پائے گا (۳)۔

دوسرا مذہب: یہ حنفیہ کا مذہب ہے، ان کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص صفا مروہ یا مسجد خیف یا حرم میں واقع کسی دوسری مسجد تک پیدل جانے کی نذر مانے تو اس کی نذر صحیح نہ ہوگی، اس میں مذہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اگر کعبہ یا مکہ یا بیت اللہ کا ذکر کرے گا تو اس کی نذر صحیح ہوگی اور پیدل حج یا عمرہ کرنا اس پر لازم ہوگا، اور اگر حرم یا مسجد حرام کا ذکر کرے گا تو اس کی نذر صحیح نہ ہوگی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کچھ لازم نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس پر پیدل حج یا عمرہ لازم ہوگا (۴)۔

پیدل، کعبہ، یا مکہ، یا بیت اللہ جانے کی نذر صحیح ہے، اور اس نذر کے ماننے والے پر پیدل حج یا عمرہ کرنا لازم ہوگا، اس بارے میں ان

= ۲۲۳/۴، کشاف القناع ۲۸۲/۶۔

(۱) المغنی ۱۵/۹، الکافی ۴/۲۲۳۔

(۲) نہایت المحتاج ۲۲۹/۸۔

(۳) کشاف القناع ۲۹۲/۶۔

(۴) بدائع الصنائع ۲۸۶/۶، ۲۸۶/۶۔

(۱) بدائع الصنائع ۲۸۶/۶۔

نذر ۵۸

جانے کی نذر مانے تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، یہ امام مالک کا ایک قول ہے، اور ابن القاسم کا ایک قول ہے، ابن حبیب نے کہا ہے کہ اگر ”علیّ الممشیٰ الی الحجر أو الی الحطیم، أو زمزم“ کہے گا تو اس کی وجہ سے ابن القاسم کے نزدیک اس پر کچھ لازم نہ ہوگا^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص مکہ، مسجد حرام، یا کعبہ پیدل جانے کی نذر مانے گا، اس پر صرف حج یا عمرہ میں وہاں پیدل جانا لازم ہوگا، اس لئے کہ وہاں بیت حرام ہے اور بیت حرام میں صرف حج یا عمرہ میں جایا جاتا ہے، دوسرے مواضع مثلاً منیٰ، عرفہ، ذی طویٰ یا مزدلفہ وغیرہ کا حکم اس کے برخلاف ہے، لہذا وہاں پیدل جانے کی نذر ماننے والے پر کچھ لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ وہاں کوئی ایسا گھر نہیں ہے جس کا حج کیا جائے یا جس کی زیارت کی جائے^(۲)۔

پیدل مدینہ منورہ، بیت المقدس یا ان کی مساجد تک جانے کی نذر ماننا:

۵۸- جو شخص پیدل مدینہ منورہ یا بیت المقدس جانے کی نذر مانے یا پیدل مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ جانے کی نذر مانے اس کے بارے میں فقہاء کے چند مختلف اقوال ہیں:

حنفیہ وشافعیہ کی رائے ہے کہ اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، حنفیہ نے یہ دلیل دی ہے کہ جو مسجد مدینہ یا مسجد اقصیٰ پیدل جانے کی نذر مانے گا وہ اپنے اوپر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کو لازم کرے گا، اور یہ کوئی مقصود عبادت و قربت نہیں ہے، کیونکہ پیدل چلنے میں کوئی قربت نہیں ہے، اور جو قربت نہ ہو اس کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے^(۳)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ مدینہ یا ایلیاء مطلق جانے یا پیدل جانے کی

نذر مانے، اس لئے کہ حرم میں مکہ اور بیت اللہ دونوں داخل ہیں، لہذا نذر ماننے والے پر وہاں حج یا عمرہ میں پیدل جانا لازم ہوگا^(۱)۔

حنفیہ کے مذہب کی دلیل کہ پیدل صفا مروہ یا مسجد خیف جانے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے، یہ ہے کہ جو پیدل صفا مروہ یا مسجد خیف یا کسی دوسری جگہ جانے کی نذر مانے اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا ہے، بخلاف اس شخص کے جو مکہ یا کعبہ یا بیت اللہ پیدل جانے کی نذر مانے کہ اس پر پیدل حج یا عمرہ کرنا لازم ہو جاتا ہے، یہ اس لئے کہ ان الفاظ (مکہ، کعبہ اور بیت اللہ) میں سے ہر ایک دوسرے لفظ کے استعمال کے وقت استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”فلان ممشیٰ الی بیت اللہ والی الکعبۃ والی مکة“ (فلاں شخص پیدل بیت اللہ، کعبہ یا مکہ گیا) ”مشیٰ الی الصفا والمروة“ نہیں کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے یہاں پیدل جانے کی نذر سے کچھ لازم نہیں ہوتا ہے^(۲)۔

مزید یہ کہ جو شخص صفا مروہ یا مسجد خیف یا اسی طرح کسی دوسری جگہ پیدل جانے کی نذر مانے گا وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو اپنے اوپر واجب کرے گا، اور یہ کوئی مقصود قربت و عبادت نہیں ہے، اس لئے کہ خود پیدل چلنے میں تو کوئی قربت ہے نہیں، قربت تو محض احرام میں ہے، اور وہ یہاں مذکور نہیں ہے اور جو قربت نہ ہو اس کی نذر صحیح نہیں ہے^(۳)۔

تیسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص پیدل مکہ، مسجد حرام، یا حجر اسود جانے کی نذر مانے اس پر حج یا عمرہ میں وہاں پیدل جانا لازم ہو جائے گا، اس کے برخلاف اگر کوئی شخص صفا مروہ، منیٰ، عرفہ، مزدلفہ، ذی طویٰ، حرم یا جبال حرم پیدل

(۱) التاج والإکلیل ۳۳۲/۳، شرح الزرقانی علی غلیل وحاویہ البنانی ۹۸/۳۔

(۲) التاج والإکلیل ۳۳۲/۳، شرح الزرقانی علی مختصر غلیل ۹۸/۳۔

(۳) الدر المختار ۳/۶۷، البدائع ۲۸۶/۶، مغنی المحتاج ۳/۳۶۳۔

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) سابقہ مراجع۔

(۳) بدائع الصنائع ۲۸۶/۶۔

نذر ۵۹

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس شخص پر اس فرض حج کے علاوہ کچھ بھی واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ یہی حج اس کے فرض حج اور نذر کی طرف سے کافی ہو جائے گا، کوئی دوسرا حج کرنا اس پر واجب نہ ہوگا، یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، یہی عکرمہ کا قول ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے جو حنابلہ کے نزدیک مقدم ہے اور یہی مالکیہ کے نزدیک ایک قول ہے اگر وہ نذر اور فرض حج دونوں کی نیت کر لے (۱)۔

ان حضرات کی دلیل وہ روایت ہے جس کو عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں جس نے حج کرنے کی نذر مانی تھی حالانکہ ابھی فرض حج ادا نہیں کیا تھا فرمایا کہ یہ حج دونوں کے لئے کافی ہو جائے گا (۲)۔

اور اس لئے بھی کہ جس نے حج کی نذر مانی ہے اس نے ایک خاص معین وقت میں ایک عبادت کی نذر مانی ہے اور اس وقت میں اس کو ادا بھی کر دیا ہے، لہذا اس کی نذر کی طرف سے اور فرض کی طرف سے کافی ہو جائے گا، جیسا کہ اگر کہے: ”لله علي أن أصوم رمضان“ (۳) (اس صورت میں رمضان کا روزہ فرض اور نذر دونوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا)۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس پر لازم ہوگا کہ پہلے فرض حج شروع کرے پھر اس کے بعد اپنی نذر کے لئے حج کرے، یہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت انسؓ، اور حضرت عروہ بن الزبیرؓ سے منقول ہے، اور یہی مالکیہ کے نزدیک ایک قول ہے، اگر

نذر ماننا لغو ہے، لہذا اس کا وہاں پیدل جانا یا سوار ہو کر جانا لازم نہ ہوگا، دونوں شہروں میں پیدل یا سوار ہو کر جانا اس وقت لازم نہ ہوگا جب کہ ان دونوں شہروں کی مساجد میں نماز پڑھنے کی نذر نہ مانے نہ نیت کرے نہ دونوں مساجد کا نام ذکر کرے، ورنہ اگر ان دونوں میں نماز پڑھنے کی نیت کرے گا یا ان مسجدوں کا نام لے گا تو وہاں جانا اس پر لازم ہو جائے گا، مگر سوار ہو کر جائے گا، پیدل جانا اس پر لازم نہ ہوگا (۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ کی مسجد یا مسجد اقصیٰ میں پیدل جانے کی نذر مانے گا اس پر یہ لازم ہوگا، اس نذر کی وجہ سے اس پر لازم ہوگا کہ جس جگہ جائے وہاں دو رکعت نماز ادا کرے، اس لئے کہ نذر کا مقصود قربت و طاعت ہے اور یہ صرف نماز کے ذریعہ حاصل ہوگی، اس لئے کہ مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد میں صرف نماز کے لئے جایا جاتا ہے، لہذا اس کی نذر میں یہ داخل ہوگا۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مسجد نبوی ﷺ یا مسجد اقصیٰ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کر کے جانا جائز ہے، اس لئے کہ تینوں فضیلت کی عظمت میں مشترک ہیں، اور ان میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد سے زیادہ ہوتا ہے، لہذا نذر کی وجہ سے مسجد حرام کی طرح ان دونوں میں بھی پیدل جانا لازم ہوگا (۲)۔

جس شخص پر حج فرض ہو اس کا اسی سال بیت اللہ کے حج کی نذر ماننا:

۵۹۔ جس شخص پر حج فرض ہو وہ اسی سال حج کرنے کی نذر مانے تو اس پر کیا واجب ہوگا؟ اس کے بارے میں فقہاء کے تین مختلف مذاہب ہیں:

(۱) شرح الزرقانی ۱/۱۰۵، الشرح الکبیر ۲/۱۷۳۔

(۲) کشف القناع ۶/۲۸۳، المغنی ۱۶/۱۶۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۳/۶۸، الدر سوتی ۲/۱۶۹، روضۃ الطالبین ۳/۳۲۲، نہایۃ المحتاج وحاشیۃ الشیر الملسی علیہ ۸/۲۳۰، المغنی ۹/۲۰، ۲۱، الکافی ۲/۲۲۸۔

(۲) المغنی ۹/۲۱۔

(۳) المغنی ۹/۲۱۔

نذر ۶۰

مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر ماننا:
مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ میں نذر مانی ہوئی نماز کے حکم میں فقہاء
کے درمیان اختلاف ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

الف- مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر:
۶۰- جو شخص مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانے، اس کے حکم کے
بارے میں فقہاء کے تین مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص
مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اس پر مسجد حرام میں نماز پڑھ کر
اپنی نذر کو پورا کرنا لازم ہے، دوسری کسی مسجد میں نماز پڑھ لینا اس کے
لئے کافی نہ ہوگا، حنفیہ میں سے امام زفر اسی کے قائل ہیں، مالکیہ کے
مذہب میں ایک قول یہی ہے، اور یہی شافعیہ و حنابلہ کا مذہب
ہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابوالدرداءؓ سے
مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الصلاة في المسجد
الحرام بمائة ألف صلاة والصلاة في مسجدي بألف
صلاة والصلاة في بيت المقدس بخمسمائة صلاة“^(۲)
(مسجد حرام میں نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور میری مسجد
میں نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، اور بیت المقدس میں نماز
پانچ سو نمازوں کے برابر ہے)۔

(۱) فتح القدير ۲۶/۴، بدائع الصنائع ۲۸۸۹/۶، رد المحتار ۷۱/۳، روضة
الطالبين ۳۲۵/۳، نہایۃ المحتاج ۲۳۳/۸، زاد المحتاج ۵۰۶/۳، المغنی
۱۷/۹، الکاغی ۳۲۴/۲، الدسوقي ۱۷۳/۲۔

(۲) حدیث: ”الصلاة في المسجد الحرام بمائة.....“ کو پیشی نے مجمع
الزوائد (۷/۳ طبع القدسی) میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ طبرانی نے الکبیر میں
اس کی روایت کی ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، بعض کے بارے میں کلام کیا
گیا ہے، یہ حدیث حسن ہے۔

نذر و فرض دونوں کی نیت کرے اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے
اور یہی شافعیہ کا مذہب ہے، اگر غیر فرض کی نیت کرے، اگر فرض کی
نیت کرے یا مطلق نذر کرے تو اس کی نذر منعقد نہ ہوگی^(۱)۔

شافعیہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر اپنی نذر سے فرض کی نیت کرے تو
نذر منعقد نہ ہوگی، جیسا کہ اگر فرض نماز یا رمضان کے روزہ کی نذر
مانے (تو نذر منعقد نہ ہوگی) اسی طرح اگر مطلق نذر مانے تو بھی نذر
منعقد نہ ہوگی، اس لئے کہ کوئی عبادت احتمال کے ساتھ منعقد نہیں
ہوتی ہے۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ نذر ماننا ہوا حج اور فرض حج دونوں
دو عبادتیں ہیں جو دو الگ الگ اسباب کی وجہ سے واجب ہوتے
ہیں، ان دونوں میں سے کوئی دوسرے کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا، جیسا
کہ اگر دو حج کی نذر مان لے^(۲)۔

تیسرا مذہب: مالکیہ کی رائے ہے کہ جو شخص حج کی نذر مانے
حالانکہ اس پر حج فرض ہو اور باقی ہو اور نذر و فرض دونوں کو ادا کرنے
کی نیت کرے تو اس کی نذر کی طرف سے کافی ہوگا، فرض کی طرف
سے کافی نہ ہوگا، اور اس پر واجب ہوگا کہ اگلے سال فرض کی قضا
کرے، یہ ”المدونة“ کا مذہب ہے اور اگر احرام باندھے اور فرض یا
نذر کسی کی نیت نہ کرے تو وہ فرض کے لئے ہوگا جیسا کہ کوئی حج کا
احرام باندھے اور نہ فرض کی نیت کرے نہ نفل کی نیت کرے تو اس
سے فرض حج ادا ہوگا^(۳)۔

(۱) المغنی ۲۰۹/۲، الکاغی ۲۲۸/۴، المحلی ۲۶۷/۷، آسنی المطالب ۵۸۶/۱،
مغنی المحتاج ۳۶۵/۳۔

(۲) المغنی ۲۱۹/۲، مغنی المحتاج ۳۶۵/۳، آسنی المطالب ۵۸۶/۱۔

(۳) کفایۃ الطالب الربانی وحاشیۃ العدوی ۷۰/۳، الدسوقي ۱۶۹/۲، مواہب
الجلیل والتاج والإلیل ۳۳۵/۳، شرح الزرقانی علی مختصر الخلیل ۱۰۱/۳۔

نذر ۶۰

لازم ہوگا، نبی کریم ﷺ کی مسجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنا اس کے لئے کافی نہ ہوگا، مسجد نبوی میں نماز پڑھ لینا کافی ہو جائے گا، یہ مالکیہ کا مذہب ہے، مالکیہ کا مشہور مذہب ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے اور مدینہ میں عمل کرنے کا ثواب مکہ میں عمل کرنے کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ جو مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اس کے لئے مسجد نبوی میں نماز پڑھنا کافی ہو جائے، اس لئے کہ مدینہ کی مسجد، مسجد حرام سے افضل ہے، کعبہ اور قبر شریف سے قطع نظر کرتے ہوئے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مدینہ کی مسجد ایسی جگہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے منتخب کیا ہے اور ایسی جگہ کے لئے دوسری جگہ سے افضل ہونا ضروری ہے، اسی وجہ سے اگر کوئی مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو اس کے لئے مدینہ کی مسجد میں نماز پڑھ لینا کافی ہو جائے گا^(۲)۔

تیسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اس کے لئے کسی بھی مسجد میں نماز پڑھ لینا کافی ہو جائے گا، یہ رائے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کی ہے^(۳)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نذر سے مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کا تقرب ہے، لہذا نذر میں صرف قربت ہی داخل ہوگی، اور عین مکان میں کوئی قربت نہیں ہے، کیونکہ وہ تو ایک جگہ ہے جہاں قربت ادا کی جاتی ہے، لہذا جب مکان نذر میں داخل نہ ہوگا، تو نذر میں اس

نیز حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة في غيره من المساجد إلا المسجد الحرام“^(۱) (میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ کسی بھی دوسری مسجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے)۔

نیز یہ کہ نذر ماننے والے نے ایک مخصوص مکان میں نماز ادا کرنے کو اپنے اوپر واجب کیا ہے تو اگر اس کو دوسری جگہ ادا کرے گا تو جو اس پر واجب ہے اس کو ادا کرنے والا نہ ہوگا، لہذا واجب کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہ ہوگا^(۲)۔

نیز بندہ کا واجب کرنا اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے معتبر ہے، تو جس کو اللہ تعالیٰ واجب کرے اگر اس کی ادائیگی میں کسی خاص جگہ کی قید ہوگی تو دوسری جگہ اس کو ادا کرنا صحیح نہ ہوگا، جیسے حرم میں قربانی، عرفہ میں وقوف، بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا، یہی اس کا حکم بھی ہوگا، جس کو بندہ نذر کے ذریعہ اپنے اوپر واجب کرے اور اس میں جگہ کی قید ہو^(۳)۔

نیز جس نے مسجد حرام میں نماز کی نذر مانی ہے اس نے قربت میں اضافہ کی نذر مانی ہے، لہذا جس کا التزام کیا ہے وہ لازم ہوگی، تو اگر نماز دوسری جگہ ادا کرے گا تو جس کی نذر مانی ہے اس کو ادا کرنے والا نہ ہوگا^(۴)۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ جو شخص مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانے، اس پر اپنی نذر کو پورا کرنا

(۱) مواہب الجلیل والتاج والإکلیل ۳۳۱/۳، ۳۳۲، ۳۳۵، شرح الزرقانی ۱۰۵، ۱۰۶، کفایۃ الطالب الربانی وحاشیۃ العدوی ۲/۳، ۷۲، حاشیۃ الدسوقی ۱۷۳۔

(۲) حاشیۃ العدوی علی کفایۃ الطالب الربانی ۲/۳۔

(۳) فتح القدیر ۲/۳، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹، رد المحتار ۱/۳۔

(۱) حدیث: ”صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة.....“ کی تخریج فقرہ ۳۲ میں گزر چکی ہے۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹۔

(۳) سابقہ مراجع۔

(۴) فتح القدیر ۲/۳۔

نذر ۶۱

کی قید بھی نہ ہوگی اور اس کا ذکر کرنا اور نہ کرنا برابر ہوگا^(۱)۔
 ان حضرات کی دلیل حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث ہے:
 ”أَنْ رَجُلًا قَامَ يَوْمَ الْفَتْحِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنِّي
 نَذَرْتُ لِلَّهِ إِنْ فَتَحَ اللَّهُ عَلَيَّ مَكَّةَ أَنْ أَصْلِيَ فِي بَيْتِ
 الْمَقْدِسِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: صَلِّ هَهُنَا
 فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: صَلِّ هَهُنَا ثُمَّ أَعَادَهَا، فَقَالَ: شَأْنُكَ
 إِذَا“^(۱) (فتح مکہ کے دن ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: اے
 اللہ کے رسول! میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ فتح
 کر دے گا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز ادا کروں گا، آپ
 ﷺ نے فرمایا: یہیں پڑھ لو، اس نے دوبارہ عرض کیا تو آپ
 ﷺ نے فرمایا: یہیں پڑھ لو، پھر اس نے سہ بارہ عرض کیا تو آپ
 ﷺ نے فرمایا: تب جہاں چاہو پڑھ لو)، ایک دوسری روایت میں
 ہے: ”وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ لَوْ صَلَّيْتُ هَهُنَا لِأَجْزَاءِ
 عُنُقِ صَلَاةٍ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ“^(۲) (اس ذات کی قسم جس
 نے محمد کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر تو یہاں نماز پڑھ لے گا تو بیت
 المقدس میں نماز پڑھنے کی طرف سے کافی ہو جائے گا)

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے: ”أَنَّ امْرَأَةً
 اشْتَكَتْ شَكْوَى فَقَالَتْ: إِنْ شَفَانِي اللَّهُ لِأَخْرَجَنِي
 فَلَأُصَلِّيَنَّ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَبَرَأَتْ ثُمَّ تَجَهَّزَتْ تَرِيدُ
 الْخُرُوجَ، فَجَاءَتْ مِمْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ تَسْلِمُ عَلَيْهَا،
 فَأَخْبَرَتْهَا ذَلِكَ، فَقَالَ: اجْلِسِي فَكَلِمِي مَا صَنَعْتُ، وَصَلِّي
 فِي مَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:
 يَقُولُ: صَلَاةٌ فِيهِ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيَمَا سِوَاهُ مِنْ

ب- مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر ماننا:
 ۶۱- جو شخص مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اس کا حکم کیا
 ہوگا؟ اور اگر ایسا کر لے تو نذر کی وجہ سے مسجد متعین ہوگی یا نہیں؟ اس
 بارے میں تین مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی
 شخص مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو اس کے لئے وہاں نماز
 پڑھنا اور مسجد حرام یا مسجد رسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھنا کافی
 ہو جائے گا، یہ مالکیہ کا مذہب ہے، اور شافعیہ کے مذہب میں اظہر قول
 یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد اقصیٰ کو نماز کے لئے متعین کرے گا تو وہ مسجد
 نماز کے لئے متعین ہو جائے گی، اصحاب شافعی میں سے مرویہ نے
 تعین کو قطعی کہا ہے، شافعیہ کے مذہب میں صحیح یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ
 میں نماز کی نذر کی طرف سے مسجد حرام یا مسجد مدینہ میں نماز پڑھ
 لینا کافی ہو جائے گا، اور اس کی وجہ سے اپنی نذر سے بری الذمہ
 ہو جائے گا، یہی حنابلہ کا مذہب ہے^(۳)۔

(۱) حدیث: ”إِنِّي نَذَرْتُ لِلَّهِ إِنْ فَتَحَ اللَّهُ.....“ کی تخریج فقہرہ ۴۱/۱ میں گذر چکی ہے۔

(۲) حدیث: ”وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ لَوْ صَلَّيْتُ هَهُنَا.....“ کی تخریج فقہرہ ۴۳/۱ میں گذر چکی ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۲/۶۲۸۸۹۔

(۲) فتح القدير ۲/۲۶۱، رد المحتار ۲/۱۱۲۔

(۳) مواہب الجلیل والتاج والاکیلی ۳/۳۲۴، ۳/۳۲۵، شرح الزرقانی ۳/۱۰۵،
 روضۃ الطالین ۳/۳۲۵، نہایۃ المحتاج ۸/۲۳۳، زاد المحتاج ۴/۵۰۶،
 ۵۰۷، المغنی ۱/۱۷۹، الکافی ۴/۴۲۴۔

ہے (۱)۔

تیسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو صرف اسی مسجد میں نماز پڑھنا اس کے لئے کافی ہوگا، کسی بھی دوسری مسجد میں نماز پڑھ لینا اس کے لئے کافی نہ ہوگا، خواہ وہ دوسری مسجد مسجد اقصیٰ سے افضل ہی کیوں نہ ہو مثلاً مکہ یا مدینہ کی مسجد، اس کے قائل حنفیہ میں سے امام زفر ہیں (۲)۔

دوسرے مذہب کی دلیل جس کے قائل جمہور حنفیہ ہیں اور تیسرے قول کی دلیل جس کے قائل امام زفر ہیں، وہی ہے جو ان حضرات کی طرف سے مسجد حرام میں نماز کی نذر کے بارے میں پہلے پیش کی جا چکی ہے۔

مکہ کے علاوہ کے لئے ہدیٰ کی نذر ماننا:

۶۲- اگر کوئی شخص مکہ کے علاوہ مثلاً مدینہ یا دوسرے شہروں یا مختلف سرحدوں تک ہدیٰ لے جانے کی نذر مانے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اور وہاں ذبح کرنے کا حکم کیا ہوگا؟ اس بارے میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہدیٰ لے جانے کی نذر مانے یا مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ذبح کرنے کی نذر مانے تو اس پر قربانی واجب ہوگی، اور اس نذر کے ذریعہ جس جگہ کو ہدیٰ لے جانے کے لئے متعین کیا ہے وہاں ہدیٰ کا پہنچانا لازم ہوگا، اور اس جگہ کے فقراء و مساکین پر ذبیحہ کے گوشت اور ہدیٰ کو تقسیم کرنا لازم ہوگا، البتہ وہاں

المساجد إلا مسجد الکعبة“ (۱) (ایک خاتون کو کوئی تکلیف ہوئی تو اس نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا عطا فرمائے گا تو میں سفر کر کے جاؤں گی اور بیت المقدس میں ضرور نماز ادا کروں گی، اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا دے دی پھر اس نے سفر کی تیاری کی اور نکلنا چاہا اور حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہؓ کے پاس آئی، ان کو سلام کیا، اور ان کو یہ ساری باتیں بتائیں، انہوں نے کہا کہ بیٹھو جو کچھ پکایا ہے کھا لو اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھ لو کیونکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس مسجد میں ایک نماز مسجد کعبہ کے علاوہ دوسری کسی بھی مسجد میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے۔)

نیز مکہ و مدینہ کی مسجد بالاتفاق مسجد اقصیٰ سے افضل ہے (۲)، اور یہ اس لئے ہے کہ ان دونوں مساجد میں نماز پڑھنا، مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”صلاة في مسجدی هذا خیر من ألف صلاة في غیره من المساجد إلا المسجد الحرام“ (۳) (میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ کسی بھی دوسری مسجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے)۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا اس کے لئے کافی ہوگا، اسی طرح کسی بھی دوسری مسجد میں نماز پڑھ لینا اس کے لئے کافی ہو جائے گا، خواہ فضیلت میں وہ دوسری مسجد مسجد اقصیٰ سے اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، یہ رائے امام ابو حنیفہ اور صاحبین کی

(۱) حدیث: ”صلاة فيه أفضل.....“ کی تخریج فقہرہ ۴۳۳ میں گذری ہے۔

(۲) مواہب الجلیل ۳/۳۴۵۔

(۳) حدیث: ”صلاة في مسجدی هذا خیر.....“ کی تخریج فقہرہ ۴۲ میں گذری ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۹، فتح القدیر ۴/۲۶، رد المحتار ۱۳/۷۱۔

(۲) سابقہ مراجع۔

نذر ۶۲

تھی، لوگوں نے عرض کیا: نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
اپنی نذر پوری کرو۔

نیز اگر کوئی شخص مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہدی لے جانے کی
نذر مانے گا تو اس کی نذر کے ضمن میں اس شہر کے فقراء تک گوشت
پہنچا کر ان کو نفع پہنچانا داخل ہوگا، اور یہ عبادت ہے، لہذا اس پر لازم
ہوگی جیسا کہ اگر ان پر صدقہ کرنے کی نذر مانتا^(۱) (تو اس پر صدقہ
کرنا لازم ہوتا)۔

نیز یہ شریعت میں معروف ہے کہ نذر ماننے والا جس جگہ ذبح
کرنے کی نذر مانے گا اسی جگہ ہدی کا گوشت تقسیم کرے گا، تو گویا اس
نے اس شہر کے فقراء پر گوشت تقسیم کرنے کی نذر مانی ہے^(۲)۔

نیز مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہدی لے جانے کی نذر میں اس
شہر کے مساکین کو کھلانا ہے جہاں ہدی لے جائی جائے گی اور کسی بھی
شہر کے مساکین کو کھلانا طاعت و عبادت ہے^(۳)، اس کو پورا کرنا نذر
ماننے والے پر لازم ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے،
آپ ﷺ نے فرمایا: ”من نذر أن يطيع الله فليطعه“^(۴)
(جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی وہ اس کی اطاعت کرے)۔

نیز جو شخص مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہدی لے جانے کی نذر
مانے گا وہ اپنی نذر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کو اپنے اوپر لازم
کرے گا، لہذا جس چیز کو نذر کے ذریعہ اپنے اوپر لازم کرے اس کو
پورا کرنا اس پر لازم ہوگا^(۵)۔

کے باشندے کافر ہوں تو نذر ماننے والے پر یہ لازم نہ ہوگا، اس لئے
کہ نذر مانی ہوئی قربانی کا گوشت ان کو دینا جائز نہیں ہے، یا نذر کے
ذریعہ جس جگہ کو متعین کیا ہے، وہاں ایسی چیز ہو کہ اس کے لئے نذر
ماننا جائز نہ ہو مثلاً بت ہو یا کنیسہ (گرجا) ہو یا اس طرح کی کوئی
دوسری چیز ہو جس کو کفار وغیرہ قابل عظمت سمجھتے ہوں یا ایسی چیز ہو
جس کی تعظیم جائز نہ ہو جیسے قبر، پتھر یا درخت ہو، اس کے قائل امام
مالک اور اشہب ہیں، شافعیہ و حنابلہ کا مذہب یہی ہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ثابت بن الضحاکؓ سے مروی
حدیث ہے، انہوں نے کہا: ”نذر رجل علی عهد رسول اللہ
ﷺ أن ينحر إبلا ببوانة فأتى النبي ﷺ فقال: إني
نذرت أن أنحر إبلا ببوانة فقال النبي ﷺ: هل كان فيها
وثن من أوثان الجاهلية يعبد؟ قالوا: لا، قال: هل كان
فيها عيد من أعيادهم، قالوا: لا، قال رسول الله ﷺ:
أوف بندرك“^(۲) (ایک شخص نے عہد نبوی میں بوانہ میں اونٹ
کی قربانی کرنے کی نذر مانی، چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا
اور اس نے عرض کیا: میں نے بوانہ میں اونٹ کی قربانی کی نذر مانی
ہے، تو نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا وہاں زمانہ جاہلیت
کے بتوں میں سے کسی بت کی پوجا کی جاتی تھی، لوگوں نے عرض کیا:
نہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا وہاں کافروں کی کوئی عید منائی جاتی

(۱) مواہب الجلیل ۳/۳۱۳، حاشیہ البنانی علی شرح الزرقانی ۱۰۳/۳، روضة
الطالبین ۳/۳۲۷، نہایۃ المحتاج ۸/۲۳۲، ۲۳۳، زاد المحتاج ۴/۵۰۶،
المغنی ۱۹/۱۹، الکافی ۴/۴۲۴، ۴۲۵، الحاوی الکبیر ۵/۸۸، طبع دار الفکر،
المہذب ۱/۲۵۰، طبع دار المعرفہ۔

(۲) حدیث حضرت ثابت بن الضحاکؓ: ”نذر رجل علی عهد رسول
اللہ.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۶۰۷، طبع حصص) نے کی ہے، ابن حجر نے
المختصر (۴/۳۹۹، طبع دار الکتب العلمیہ) میں اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا
ہے۔

(۱) المغنی ۱۹/۱۹۔

(۲) الکافی ۴/۴۲۵۔

(۳) حاشیہ البنانی علی شرح الزرقانی ۱۰۳/۳۔

(۴) حدیث: ”من نذر أن يطيع الله.....“ کی تخریج فقہ ۵/۵ میں گزر چکی
ہے۔

(۵) نہایۃ المحتاج ۸/۲۳۳، زاد المحتاج ۴/۵۰۶۔

نذر ۲۳

ہدی لے جانے کو اپنے اوپر لازم کرنا معصیت و گناہ ہے، نہ اس کی نذر ماننا جائز ہے، نہ اس کو پورا کرنا جائز ہے^(۱)، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نذر أن يعصي الله فلا يعصه“^(۲) (جس نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی ہو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے)۔

تعیین کے بغیر ہدی کی نذر ماننا:

۶۳- اگر کوئی شخص تعین کے بغیر کسی ہدی کی نذر مانے تو نذر ماننے والے پر کیا لازم ہوگا؟ اس کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مطلق ہدی کی نذر مانے تو اس کی ہدی میں وہی جانور کافی ہوگا، جو اضحیہ میں کافی ہوتا ہے (دیکھئے: اضحیہ، فقرہ ۲۲، ۳۸)۔

یہ حنفیہ کا مذہب ہے، ان کی رائے ہے کہ اس صورت میں بکری کافی ہو جائے گی، کیونکہ یہ کم سے کم درجہ ہے، یہی مذہب مالکیہ کا ہے، البتہ ان کی رائے ہے کہ اگر مطلق ہدی کی نذر مانے تو افضل بدنہ (اونٹ) ہے، اگر وہ نہ ہو تو گائے، اگر اس سے بھی عاجز ہو تو بکری ہے، یہی امام شافعی کی جدید رائے ہے، جمہور شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے اور یہی حنبلیہ کا بھی مذہب ہے^(۳)۔

ان حضرات کی دلیل ہے کہ اگر نذر مانی ہوئی ہدی مطلق ہو تو وہ شریعت میں معہود پر محمول ہوگی اور مطلق کو شریعت میں معروف کی

(۱) مواہب الجلیل ۳۰۳/۳۔

(۲) حدیث: ”من نذر أن يعصي الله فلا يعصه“ کی تخریج فقرہ ۵۷ میں گذر چکی ہے۔

(۳) البحر الرائق ۵/۷۴، رد المحتار ۳۰۳/۷۴، بدائع الصنائع ۲۸۷/۶، مواہب الجلیل والتاج والإكليل ۳۰۳/۳، شرح الزرقانی ۱۰۴/۳، روضة الطالبین ۳۲۹/۳، نہایۃ المحتاج ۲۳۲/۸، المغنی ۱۸/۹، الکافی ۲۳۳/۴۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہدی لے جانے کی نذر ماننا جائز نہیں ہے، اور حرم کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہدی کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے، جو شخص مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہدی لے جانے کی نذر مانے گا اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی نذر کے ذریعہ جس جگہ کو متعین کیا ہے اس جگہ ہدی بھیجے یا اس جگہ جانور کو ذبح کرے، یہ رائے حنفیہ اور جمہور مالکیہ کی ہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَيَّ الْاُنْبِيَاءِ الْعَتِيقِ“^(۲) (پھر (اس کے ذبح) کا موقع بیت متیق کے قریب ہے)، اس آیت سے اس طرح استدلال کیا گیا کہ وہ جگہ جہاں ہدی کو ذبح کرنا حلال ہے وہ حرم ہے، اور بیت متیق ہے مراد خود بیت نہیں ہے بلکہ مراد وہ جگہ ہے جہاں بیت متیق ہے اور وہ حرم ہے، اس لئے کہ بیت اللہ میں خون نہیں بہایا جاتا ہے^(۳)۔

نیز انہوں نے کہا ہے کہ ہدی اسی وقت عبادت ہے جب مکہ کے لئے ہو، مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہدی لے جانا گمراہی ہے^(۴)۔

نیز ہدی اس جانور کو کہتے ہیں جو ہدی لے جانے کی جگہ لے جایا جائے اور وہ حرم ہے، تو حرم کے علاوہ کسی دوسری جگہ جو جانور جائے گا اس کو ہدی کہا ہی نہیں جائے گا^(۵)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ

(۱) رد المحتار ۳۰۳/۷۴، بدائع الصنائع ۲۸۷/۶، مواہب الجلیل والتاج والإكليل ۳۰۳/۳، شرح الزرقانی وحاشیۃ البیانی ۱۰۳/۳۔

(۲) سورہ حج ۳۳۔

(۳) فتح القدر للشوکانی ۳۵۲/۳، بدائع الصنائع ۲۸۷/۶۔

(۴) مواہب الجلیل والتاج والإكليل ۳۰۳/۳، ۳۰۳/۳۔

(۵) رد المحتار ۳۰۳/۷۴، بدائع الصنائع ۲۸۷/۶۔

نذر ۶۴

یہ کہنا کہ اس نے ہدی دی صحیح ہوگا، لہذا مطلق نذر میں ہدی کے لئے اس جیسی چیزیں کافی ہوں گی^(۱)۔

ایسی طاعت کی نذر جس کی طاقت نذر ماننے والے کو نہ ہو یا قدرت کے بعد اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے: ۶۴- اگر کوئی شخص کسی طاعت کی نذر مانے اور شروع ہی میں اس کے ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا اس پر قادر ہونے کے بعد اس کی ادائیگی سے عاجز ہو چکا ہو تو اس کی نذر کے حکم میں اور اس نذر کی وجہ سے اس پر کیا لازم ہوگا؟ اس کے بارے میں فقہاء کے چار مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی نذر مانے کہ اس کی ادائیگی کی طاقت و قدرت اس کو کبھی بھی نہ ہو تو اس نذر کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی محدود وقت میں کوئی نذر مانے اور وہ وقت آجائے اور یہ شخص اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس پر نہ اس وقت اس کو ادا کرنا لازم ہوگا اور نہ اس کے بعد لازم ہوگا اور نہ کوئی دوسری چیز اس پر واجب ہوگی، یہ مالکیہ کا مذہب ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل ارشاد ربانی ہے: "لَا يَكْفِيُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا"^(۳) (اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کی بساط کے مطابق)۔

نیز حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه

طرف لوٹایا جائے گا، اس لئے کہ اسی کا نام ہدی ہوگا، جیسا کہ اگر کوئی نماز پڑھنے کی نذر مانے تو اس پر نماز پڑھنا لازم ہوگا، اور یہ صلاۃ شرعی ہوگی، لغوی صلاۃ مراد نہیں ہوگی^(۱)۔

نیز لغت اور شریعت میں ہدی کا معنی ایک ہی ہے، یعنی وہ اونٹ، گائے اور بکری جو بطور ہدی حرم میں لے جائے جائیں، ان کے علاوہ کسی دوسرے جانور کو ہدی کہنا حجاز کے قبیل سے ہے^(۲)۔ دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اس صورت میں کم از کم جس کو ہدیہ کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاسکتا ہے وہ نذر ماننے والے کے لئے کافی ہوگا اور ہر عطیہ کے ذریعہ اپنی نذر کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جائے گا، یہاں تک کہ مرغی، انڈا اور ہر مال کافی ہو جائے گا، اس لئے کہ اس پر ہدیہ کا لفظ بولا جاتا ہے اور یہ امام شافعی کا قدیم قول ہے^(۳)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کم از کم جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاسکے، خواہ وہ مرغی ہو، انڈا ہو یا کوئی بھی مال ہو، اس کو ہدی کہا جاتا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ کے لئے جانے میں جلدی کرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا: "من راح في الساعة الرابعة فكأنما قرب دجاجة ومن راح في الساعة الخامسة فكأنما قرب بيضة"^(۴) (جو چوتھی گھڑی میں جائے گا اس نے گویا مرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی میں جائے گا اس نے گویا انڈے کی قربانی کی)، لہذا جو اس جیسے سے تقرب حاصل کرے گا اس کے بارے میں

(۱) نہایۃ المحتاج ۸/۲۳۲، لغنی ۹/۱۸۹، الکافی ۲۳/۲۳۔

(۲) البحر الرائق ۵/۳۵۔

(۳) روضۃ الطالبین ۳/۳۲۹۔

(۴) حدیث: "من راح في الساعة الرابعة....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۲/۳۶۶ طبع السلفیہ) نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے۔

(۱) روضۃ الطالبین ۳/۳۲۹، المہذب ۱/۲۵۰۔

(۲) المقدمات المہدات ۱/۴۰۴، مواہب الجلیل ۳/۳۲۰۔

(۳) سورۃ بقرہ ۲۸۶۔

نذر ۶۴

کوئی شخص کسی معین وقت میں نماز، روزہ یا اعتکاف کی نذر مانے اور اس مقررہ وقت میں اس عبادت کو ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس پر قضاء لازم ہوگی، اس معین وقت سے تاخیر کرنے کی وجہ سے کفارہ لازم نہ ہوگا اور اگر صدقہ کرنے کی نذر مانے اور تنگ دست ہو جائے تو جب تک تنگ دست رہے گا نذر اس سے ساقط رہے گی، اس کے بعد جب خوش حال ہوگا اس کا ادا کرنا اس پر لازم ہوگا، اور اگر کسی معین سال میں حج کی نذر مانے اور احرام سے پہلے ہی مرض وغیرہ مانع بن جائے تو اس پر قضاء واجب نہ ہوگی، اسی طرح اس پر قضاء واجب نہ ہوگی اگر نذر کے وقت لہجہ یا رکاوٹ طاری ہو جائے اور معین سال گزر جائے اور اس کو مال حاصل نہ ہو، اگر احرام کے بعد مرض مانع ہو تو راجح مذہب جس کو جمہور شافعیہ نے قطعی کہا ہے، قضاء کا واجب ہونا ہے، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ اس سال قدرت کے باوجود حج نہ کرے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نماز روزہ شرعاً عجز کے باوجود بھی واجب ہوتے ہیں، اور نذر کے ذریعہ واجب ہونے والا شریعت کی طرف سے واجب ہونے والے کی طرح ہوتا ہے، اس لئے نذر ماننے والے پر ان دونوں کے واجب ہونے میں، ان دونوں کی ادائیگی سے اس کے عاجز ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، لہذا اگر ادائیگی کے لئے کوئی وقت مقرر کیا ہے تو ان دونوں کی قضاء اس پر لازم ہوگی، حج کا حکم اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ وہ استطاعت کے بغیر واجب نہیں ہوتا ہے، جس پر حج فرض ہو اور جس پر نذر مانا ہوا حج واجب ہو دونوں برابر ہیں، لہذا حج کی استطاعت رکھے اور ادائیگی پر اس کے قادر ہونے کے بعد کوئی رکاوٹ پیش آجائے تو اس

فلا يعصه،^(۱) (جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے اس کی نافرمانی کی نذر مانی وہ اس کی نافرمانی نہ کرے)۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا اس کو پورا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس کے بدل کو ادا کر کے تقدیراً اس کو پورا کرنا اس پر واجب ہوگا، یہ حنفیہ کا مذہب ہے، ان کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کی نذر مانے اور اس سے عاجز ہو جائے تو اپنی نذر کی طرف سے فدیہ ادا کرنا اس پر لازم ہوگا^(۲)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نذر ماننے والے کا اپنی نذر کے ذریعہ اپنے اوپر ایسی چیز کو لازم کرنا جس کی طاقت وہ نہیں رکھتا ہے، معصیت اور گناہ ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کو پورا کرنا نذر ماننے والے کی ہلاکت کا سبب ہو جائے، ایسی نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہوتا ہے^(۳)۔

نیز خود نذر مانی ہوئی چیز کو پورا کرنا صرف اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ اس کو پورا کرنا ممکن ہو، اگر اس کو پورا کرنا ممکن نہ ہو تو اس کا بدل ادا کر کے تقدیراً اس کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے، اس لئے کہ بدل اصل کے قائم مقام ہوتا ہے، جیسا کہ طہارت کے مسئلہ میں پانی کی عدم موجودگی میں مٹی کے استعمال کرنے کا حال ہے، اور عدت میں حیض کے نہ آنے کی صورت میں مہینہ اس کا بدل ہے^(۴)۔

تیسرا مذہب: یہ شافعیہ کا مذہب ہے، ان کی رائے ہے کہ اگر

(۱) حدیث: ”من نذر أن يطیع الله.....“ کی تخریج فقہرہ ۵ میں گذری ہے

(۲) رد المحتار ۷/۳۰۳، بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۵۔

(۳) رد المحتار ۷/۳۰۳، بدائع الصنائع ۶/۲۸۶۴۔

(۴) بدائع الصنائع ۶/۲۸۸۵۔

(۱) روضة الطالین ۳/۳۲۲، نہایۃ الحجاج وحافیۃ الشیر املسی علیہ ۸/۲۳۱،

زاد الحجاج ۳/۵۰۵۔

نذر ۶۳

کلام شریعت میں معروف پر محمول کیا جاتا ہے، ان سے دوسری روایت یہ منقول ہے کہ نذر ماننے والے پر کفارہ کے علاوہ کچھ لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ ایسی نذر ہے کہ اس کو پورا کرنے سے عاجز ہے، لہذا اس پر دوسرے تمام نذروں کی طرح قسم کا کفارہ لازم ہوگا، نیز اس لئے بھی کہ نذر سے وہی واجب ہوتا ہے جو قسم سے واجب ہوتا ہے، البتہ اگر عبادت ہو اور اس کو پورا کرنا ممکن بھی ہو تو اس کو پورا کرنا ہی واجب ہوگا^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی حدیث ہے کہ انہوں نے اپنی ایک بہن کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا جس نے بغیر دوپٹے کے پیدل چلنے کی نذر مانی تھی، تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مرھا فلتختمر ولنترکب ولتصم ثلاثة أيام“ (اس کو حکم دو کہ دوپٹہ ڈال لے اور سوار ہو لے اور تین دن روزہ رکھے)، ایک دوسری روایت میں ہے: ”إن الله تعالى لا يصنع بشقاء أختك شيئا فلتحج راکبة ولتکفر عن يمينها“^(۲) (اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کی سختی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، وہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی یمن کی طرف سے کفارہ ادا کرے)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نذر نذراً لم یسمه فکفارتہ کفارة یمن، ومن نذر نذراً فی معصية فکفارتہ کفارة یمن، ومن نذر نذراً لا یطيقه فکفارتہ کفارة یمن، ومن نذر نذراً أطاقه فلیف به“^(۳) (جو بہم نذر مانے اس کا کفارہ قسم

پر قضاء واجب ہوگی، کیونکہ اس پر اس کے قادر ہونے کی وجہ سے حج اس کے ذمہ میں ثابت ہو گیا ہے، اگر نذر ماننے والا اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کا حکم اس کے برخلاف ہے مثلاً نذر ماننے کے بعد اس کی ادائیگی پر قادر ہونے سے پہلے کوئی رکاوٹ پیش آجائے، اس لئے کہ نذر مانی ہوئی چیز اسی سال میں عبادت ہے اور نذر ماننے والا اس پر قادر نہیں ہو سکا^(۱)۔

چوتھا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء حنابلہ ہیں، ان کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ، نماز، اعتکاف، طواف یا اس طرح کی عبادت کی نذر مانے اور اس کے ادا کرنے کی طاقت نہ ہو یا اس سے عاجز ہو اور یہ ایسی عاجزی ہو کہ اس کے دور ہونے کی کوئی امید نہ ہو تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور اگر ادائیگی سے عجز کے دور ہو جانے کی توقع ہو تو اس کے ختم ہونے کا انتظار کیا جائے گا اور دور ہونے کے بعد نذر کی وجہ سے جو واجب ہے اس کو ادا کرے گا، اور اس صورت میں اس پر کفارہ لازم نہ ہوگا، اور اگر حج کی نذر مانے کا تو خواہ تندرست ہو یا لنگا ہو اس پر حج کرنا لازم ہوگا، البتہ اگر لنگا ہوگا تو اس کا نائب اس کی طرف سے حج ادا کرے گا اور اگر بعض کو ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو ادا کرے گا اور باقی کے لئے کفارہ دے گا۔

اگر کوئی شخص روزہ کی نذر مانے اور اس سے عاجز ہو جائے تو نذر کے کفارہ کے ساتھ نذر مانے ہوئے ایام میں سے ہر یوم کی طرف سے اس پر کھانا کھلانا لازم ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء حنابلہ میں اختلاف ہے، امام احمد سے منقول ہے کہ جن ایام کے روزہ کی نذر مانی ہے، ان میں سے ہر دن کی طرف سے ایک مسکین کو کھانا کھلانا نذر ماننے والے پر لازم ہوگا جیسا کہ رمضان کے روزہ سے عاجز ہونے والے کا یہی حکم ہے، یہی راجح مذہب ہے، یہ اس لئے کہ آدمی کا مطلق

(۱) المغنی ۱۱، ۹، ۱۱، الکافی ۴، ۲۸، ۴۲۹، کشف القناع ۶، ۲۸۲۔

(۲) حدیث: ”مرھا فلتختمر.....“ کی تخریج فقہرہ ۱۷ میں گزر چکی ہے۔

(۳) حدیث: ”من نذر نذراً لم یسمه.....“ کی تخریج فقہرہ ۲۳ میں گزر چکی ہے۔

(۱) روضة الطالبین ۳، ۲۲، نہایۃ المحتاج ۸، ۲۳۱، زاد المحتاج ۳، ۵۰۵۔

نذر ۶۵

پر قادر ہونے سے پہلے مرجائے یعنی وجوب کے سال لوگوں کے حج کرنے سے پہلے مرجائے تو اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ نذر کی وجہ سے جو حج اس پر واجب ہے اس کی ادائیگی پر قادر ہونے سے پہلے اگر مرجائے تو وہ حج اس سے ساقط ہو جائے گا اور جب تک اس کی وصیت نہ کرے اس کی طرف سے ادا کرنا واجب نہ ہوگا، اگر وصیت کرے گا تو اس کے تہائی مال سے اس کی طرف سے حج کرایا جائے گا، وارث یا ولی پر اپنے مال کے ذریعہ اس کی طرف سے حج کرنے کا حکم دینا واجب نہ ہوگا، یہ قول ابن سیرین، حماد بن ابی سلیمان، حمید الطویل، شعبی، عثمان البتی اور ابراہیم نخعی کا ہے، یہی حنفیہ کا مذہب، مالکیہ کا مشہور مذہب اور شافعیہ کا مذہب ہے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نذر کی وجہ سے جس پر حج واجب ہو اور وہ ادائیگی پر قادر ہونے سے پہلے مرجائے تو جو اس پر واجب ہو ہے، ساقط ہو جائے گا جیسا کہ اگر زکاۃ نکالنے پر قادر ہونے سے پہلے نصاب ہلاک ہو جائے^(۲)۔

نیز یہ کہ حج بدنی عبادت ہے، لہذا جس پر واجب ہے اس کی موت سے ساقط ہو جائے گا جیسے نماز ساقط ہو جاتی ہے^(۳)۔

نیز یہ کہ حج ایک عبادت ہے اور جو ایسا ہو اس میں اختیار کا ہونا ضروری ہے اور اختیار وصیت میں ہے، وراثت میں نہیں ہے، کیونکہ وراثت جبری ہے اور وصیت کرنا ابتداء تبرع ہے، نیز اس لئے کہ حج

کے کفارہ کی طرح ہے، اور جو کسی معصیت کی نذر مانے تو اس کا کفارہ بیہین کا کفارہ ہے، اور جو ایسی نذر مانے کہ اس کو پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے اور جو ایسی نذر مانے جس کو پورا کر سکتا ہے تو اس کو پورا کرے۔

نیز ان حضرات نے کہا ہے کہ نذر کا حکم بیہین کے حکم کی طرح ہے اور نذر سے وہی واجب ہوتا ہے جو بیہین سے واجب ہوتا ہے البتہ اگر عبادت ہو اور اس کو پورا کرنا ممکن بھی ہو تو اس کو پورا کرنا ہی واجب ہوگا اور اگر اس سے عاجز ہو جائے تو اس صورت میں اس پر وہی لازم ہوگا جو قسم میں حائث ہونے پر لازم ہوتا ہے^(۱)۔

نذر مانی ہوئی طاعت پر عمل کرنے سے قبل موت آجائے: اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی کسی طاعت کی نذر مانے اور اس پر عمل کرنے سے پہلے اس کی موت ہو جائے تو جس طاعت کی نذر مانی ہے وہ حج ہوگا یا روزہ، اعتکاف ہوگا، یا نماز، صدقہ ہوگا یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا عمل ہوگا؟ اس کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

اول: جو شخص حج کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے پہلے مرجائے:

اگر کوئی شخص حج کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے پہلے مرجائے تو یا تو اس کی موت، حج کی ادائیگی پر اس کے قادر ہونے سے پہلے ہوگی یا ادائیگی پر قادر ہونے کے بعد ادائیگی سے پہلے ہوگی۔

الف- جو شخص حج کی نذر مانے اور اس کی ادائیگی پر قادر ہونے سے قبل مرجائے:

۶۵- اگر کسی شخص پر نذر کی وجہ سے حج واجب ہو اور وہ اس کی ادائیگی

(۱) البحر الرائق ۲/۳، ۷۴، تحفۃ الفقہاء للسمرقندی ۱/۶۵۰، شرح منہج الجلیل ۱/۴۵۰، مواہب الجلیل والتاج والاکیل ۳/۳، المجموع ۲/۴۹۳، ۱/۱۰۹، ۸/۸۰، ۴۹۷، المغنی ۳/۲۴۲، المغنی للباہجی ۲/۲۷۱۔
(۲) المجموع ۷/۱۰۹۔
(۳) المغنی ۳/۲۴۲۔

(۱) المغنی ۱۰/۱۰۹، الکافی ۴/۲۲۸۔

نذر ۶۵

بہن نے حج کی نذر مانی اور مرگئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر اس پر کسی کا قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے جواب دیا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کا قرض بھی ادا کرو، وہ زیادہ حق دار ہے۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے: ”أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جَهينةَ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنَّ امِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحْجَّ، فَلَمْ تَحْجَّ حَتَّى مَاتَتْ، أَفَأَحْجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ حَجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكَ دِينَ أَكُنْتَ قَاضِيَةً؟ أَقْضُوا لِلَّهِ، فَاللَّهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ“^(۱) (قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی لیکن حج نہ کر سکیں اور اس کی موت ہوگئی تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس کی طرف سے تم حج ادا کرو، تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا نہیں کرتی؟ اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو، اللہ تعالیٰ ادا نیگی کا زیادہ مستحق ہے۔)

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس نذر ماننے والے پر جو حج واجب ہوا ہے اور ثابت ہو گیا ہے، اس میں نیابت ہو سکتی ہے، لہذا موت کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا، جیسے واجب شدہ دین ساقط نہیں ہوتا ہے، نیز یہ کہ نذر مانا ہوا حج ایک دین ہے جو نذر ماننے والے کے ذمہ ثابت ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے، لہذا آدمی کے دین کی طرح پورے ترکہ سے حج کرایا جائے گا^(۲)۔

ایک فعل ہے، جس کا مکلف بنایا جاتا ہے اور تمام افعال موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں، لہذا حج ایسا ہو جائے گا گویا وہ دنیا کے حق میں ساقط ہو گیا، لہذا اس کی طرف سے حج کرانے کی وصیت کرنا تبرع ہوگا اور یہ وصیت تہائی مال سے معتبر ہوگی^(۱)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص حج کرنے کی نذر مانے اور اس کی ادائیگی پر قادر ہونے سے قبل اس کی موت ہو جائے تو اس کے پورے مال سے اتنا نکال لیا جائے گا جس کے ذریعہ اس کی طرف سے حج کرایا جاسکے، بشرطیکہ اس کی طرف سے بطور تبرع حج کرانے والا کوئی موجود نہ ہو خواہ وہ اس کی وصیت کرے یا نہ کرے، یہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے، اور یہی سعید بن جبیر، عطاء، طاووس، ضحاک، حسن بصری، ثوری، اوزاعی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور اسحاق کا قول ہے، اور یہی حنابلہ کا مذہب ہے^(۲)۔

ان حضرات کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوَصَّى بِهَا أَوْ دَيْنٍ“^(۳) (بعد اس کے کہ مورث اس کی وصیت کر جائے یا ادائے قرض کے بعد)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے، انہوں نے کہا: ”أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ أُخْتِي نَذَرَتْ أَنْ تَحْجَّ وَأَنَّهَا مَاتَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دِينَ أَكُنْتَ قَاضِيَةً؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاقْضِ لِلَّهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ“^(۴) (ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ میری

(۱) العنای علی الہدایہ ۲/۸۴۔

(۲) المغنی ۳/۲۴۲، کشف القناع ۲/۳۳۶، ۳/۳۹۳۔

(۳) سورۃ نساء/۱۱۔

(۴) حدیث: ”أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ.....“ کی روایت بخاری (۱۱/۵۸۴ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۱) حدیث: ”إِنَّ امِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحْجَّ فَلَمْ تَحْجَّ حَتَّى مَاتَتْ.....“ کی

روایت بخاری (۴/۶۳ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) المغنی ۳/۲۴۲، کشف القناع ۲/۳۳۶۔

یُوصَىٰ بِهَا أَوْ ذَيْنَ“ (۱) (بعد اس کے کہ مورث اس کی وصیت کر جائے یا ادائے قرض کے بعد)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے: ”استفتی سعد بن عبادۃ الأنصاری رسول اللہ ﷺ فی نذر کان علی أمه، توفیت قبل أن تقضیه، فأفتاه أن يقضیه“ (۲) (حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی ماں پر واجب نذر کے بارے میں فتویٰ پوچھا جس کو ادا کرنے سے پہلے ان کی وفات ہوگئی تھی تو آپ نے ان کو اس کے ادا کرنے کا فتویٰ دیا)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے کہ جہینہ کی ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا: ”إن أمی نذرت أن تحج، فلم تحج حتی ماتت، أ فأحج عنها؟ قال: نعم حجي عنها، رأيت لو كان علي أمك دين أكنت قاضيته؟ اقضوا الله فالله أحق بالوفاء“ (۳) (میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی لیکن حج نہ کر سکیں اور ان کی موت ہوگئی تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ان کی طرف سے تم حج ادا کر دو، تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا نہیں کرتی؟ اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو، اللہ تعالیٰ ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: ”إن أختی نذرت أن تحج وأنها ماتت، فقال النبي ﷺ: لو كان عليها دين أكنت قاضيه؟ قال: نعم، قال: فاقض الله فهو أحق

(۱) سورة نساء ۱۱۔

(۲) حدیث: ”استفتی سعد بن عبادۃ رسول اللہ ﷺ.....“ کی روایت بخاری (۱۱/۵۸۳ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”إن أمی نذرت.....“ کی تخریج فقہرہ ۶۵ میں گذر چکی ہے۔

ب۔ اگر کوئی شخص حج کی نذر مانے اور اس کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود مر جائے:

۶۶۔ اگر کوئی شخص نذر کے ذریعہ حج کو اپنے اوپر واجب کرے اور اس کی ادائیگی پر قادر بھی ہو جائے لیکن ادا نہ کر سکے اور اس کی موت ہو جائے تو اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص نذر کے ذریعہ واجب شدہ حج کو ادا کرنے پر قادر ہو جائے اور ادا کئے بغیر مر جائے تو اس کے ترکہ سے اس کی طرف سے حج کی قضاء کی جائے گی، یعنی اس کے پورے مال سے اتنا نکال لیا جائے گا کہ جس سے اس کی طرف سے حج کرایا جاسکے، خواہ اس کی وصیت وہ کرے یا نہ کرے، اس کی موت کی وجہ سے حج ساقط نہ ہوگا، یہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، اسی کے قائل حسن بصری، طاووس، ثوری، اوزاعی، ضحاک، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، اسحاق، سعید بن المسیب، عطاء اور سعید بن جبیر ہیں، یہی شافعیہ کا مذہب ہے، ان حضرات کی رائے ہے کہ اگر میت اتنا مال نہ چھوڑے جس سے نذر مانا ہو حج کرایا جاسکے تو وارث پر اس کی طرف سے حج کرانا لازم نہ ہوگا، البتہ اس کی طرف سے حج کر دینا وارث کے لئے مستحب ہوگا، لہذا اگر وارث خود اس کی طرف سے حج ادا کر دے یا کسی اجیر کے ذریعہ اس کی طرف سے حج کرادے تو میت پر واجب شدہ حج کی طرف سے کافی ہو جائے گا، یہی مذہب حنابلہ کا بھی ہے (۱)۔

ان حضرات کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ

(۱) المجموع ۱۰۹/۷، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۶، ۸/۴۹۴، زاد المحتاج ۵۰۵/۴، المغنی ۳۳۶/۲، ۲۴۲/۳، ۲۴۳/۳، ۳۰۶/۹، ۳۱۰/۳، الکافی ۴۳۰/۲، کشف القناع ۳۳۶/۲، ۳۳۶/۲۔

نذر ۶

اپنے اوپر لازم کیا ہے، ایسا حق ہے جو اس کی حیات میں اس پر لازم و ثابت ہوا ہے، اور اس میں نیابت بھی چل سکتی ہے، لہذا جس پر وہ واجب ہے اس کی موت کی وجہ سے آدمی کے دین کی طرح اس سے ساقط نہ ہوگا^(۱)۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ نذر ماننے والے کے ذمہ جو حج ثابت ہے وہ ایک دین ہے جس کو پورا کرنا واجب ہے، لہذا آدمی کے دین کی طرح اس کے ترکہ کے راس المال سے ادا کرایا جائے گا^(۲)۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص نذر کے ذریعہ اپنے اوپر واجب کردہ حج کے ادا کرنے پر قادر ہو، اور حج ادا نہ کر سکے اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی موت کی وجہ سے حج اس سے ساقط ہو جائے گا، الا یہ کہ اپنی طرف سے اس کے ادا کرنے کی وصیت کر جائے، اگر اس کی وصیت کرے گا تو اس کے تہائی مال سے اس کی طرف سے حج کرایا جائے گا، اس کے ولی پر اپنے مال سے اس کی طرف سے حج ادا کرنے کا حکم دینا واجب نہ ہوگا، اسی کے قائل شعبی، نخعی، ابن سیرین، حماد بن ابی سلیمان، حمید الطویل، داؤد بن ابی ہند اور عثمان اللمتی ہیں، اور یہی حنفیہ و مالکیہ کا مذہب ہے^(۳)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عمرؓ سے مروی حضرت نافع کی یہ حدیث ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: ”لا یصلی أحد عن أحد ولا یصوم أحد عن أحد ولا یحج أحد عن أحد، قال: عبد اللہ

بالقضاء“^(۱) (میری بہن نے حج کی نذر مانی اور مرگئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس پر کسی کا قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قرض بھی ادا کرو، وہ ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے: ”إن امرأة أتته فقالت: إن أمی ماتت وعليها حج، أفأحج عنها؟ فقال: هل كان علی أمک دین؟ قالت: نعم، قال: فما صنعت؟ قالت: قضیته عنها، قال: فالله خیر غرمائك حجی عن أمک“^(۲) (ایک خاتون حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور ان پر حج واجب ہے، کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کروں، حضرت ابن عباسؓ نے کہا: کیا تیری ماں پر کوئی دین بھی تھا؟ خاتون نے کہا: ہاں، انہوں نے پوچھا اس کے بارے میں تم نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے اپنی ماں کی طرف سے دین کو ادا کر دیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قرض خواہوں میں سب سے بہتر ہے، اپنی ماں کی طرف سے حج کر لو)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: ”إذا مات وعليه نذر قضی عنه ولیه“^(۳) (اگر کوئی مرجائے اور اس پر کوئی نذر واجب ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے ادا کرے گا)۔

نیز ان حضرات نے کہا ہے کہ جس حج کو نذر ماننے والے نے

(۱) حدیث: ”إن أختی نذرت أن تحج.....“ کی تخریج فقہرہ ۶۵ میں گذر چکی ہے۔

(۲) اثر: ”إن أمی ماتت وعليها حج.....“ کی روایت ابن حزم نے لکھی (۶۳/۷ طبع المنیر یہ) میں کی ہے۔

(۳) حدیث: ”إذا مات وعليه نذر قضی عنه ولیه“ کی روایت ابن ابی شیبہ (المصنف فی الجزء المطبوع باسم الجزء المفقود ص ۶۵ طبع دار عالم الکتب) نے کی ہے، اور ابن حجر نے فتح الباری (۱۱/۵۸۳ طبع السلفیہ) میں اس کو ذکر کیا ہے، اور اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

نذر ۶۷

تہائی سے معتبر ہوگا^(۱)۔

دوم: اگر روزہ کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے قبل مرجائے:

۶۷- اگر کوئی شخص اپنے اوپر نذر کے ذریعہ روزہ کو واجب کرے اور اس کو ادا کرنے سے پہلے مرجائے تو اس کے حکم کے بارے میں نیز اگر ایسا ہو جائے تو کیا اس کی طرف سے روزہ رکھا جائے گا یا کھانا کھلایا جائے گا؟ اس بارے میں فقہاء کے دو مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کسی پر نذر مانا ہو اور وہ واجب ہو اور وہ مرجائے تو اس کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جائے گا، بلکہ اس کا ولی اس کی طرف سے ہردن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا، یہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، یہی حسن بصری وزہری کا قول ہے، یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے بشرطیکہ نذر ماننے والا اس کی وصیت کرے، اگر میت کے پاس مال ہو تو ترکہ کی تہائی سے نذر مانے ہوئے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا، اگر نذر ماننے والا اس کی وصیت نہ کرے تو اس کی طرف سے فدیہ دینا وارث پر لازم نہ ہوگا، بلکہ صرف جائز ہوگا، اگر اس کا ولی بطور تبرع اس کی طرف سے فدیہ ادا کر دے تو جائز اور کافی ہو جائے گا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ نذر ماننے والا نذر کے وقت تندرست اور مقیم ہو، اگر اس نے اپنے مرض یا اپنے سفر کے دوران روزہ کی نذر مانی اور موت تک اس کا مرض باقی رہا یا اس کا سفر جاری رہا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ مریض کے لئے اس کے تندرست ہونے سے پہلے روزہ کی ادائیگی کو اپنے اوپر لازم کرنے کے بارے میں صحیح ذمہ نہیں ہے، اسی طرح مسافر، اقامت سے قبل

(۱) فتح القدیر ۲/۸۵۔

ولو كنت أنا أفعل ذلك لتصدقك وأهديت،^(۱) (کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے اور نہ حج کرے، عبد اللہ کہتے ہیں: اگر میں ایسا کرتا تو صدقہ کرتا، قربانی کرتا)۔

نیز حج بدنی عبادت ہے، لہذا جس پر حج واجب ہو اس کی موت سے نماز کی طرح حج بھی ساقط ہو جائے گا^(۲)۔

نیز نیت عبادت کے صحیح ہونے کی شرط ہے تاکہ مکلف کا اپنے اختیار سے عبادت کو ادا کرنا ثابت ہو اور ظاہر ہو جائے کہ اس نے اپنے اختیار سے محصیت کو چھوڑ کر طاعت کو اختیار کیا ہے، جو مکلف بنانے کا اصل مقصود ہے اور مبتلی بہ کے حکم کے بغیر وارث کے عمل سے مبتلی بہ کا اختیار ثابت نہ ہو سکے گا، بلکہ جب اس نے نہ عمل کیا اور نہ اس کا حکم دیا اور مر گیا تو اس کی نافرمانی ثابت ہوگی، اس لئے کہ اس کو جس کا مکلف بنایا گیا تھا، وہ اس پر عمل کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو گیا، اس کی وجہ سے اس پر نافرمانی کا وبال ثابت ہو چکا ہے، لہذا وارث کا عمل، وہ عمل نہ ہو سکے گا، جس کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے واجب ساقط نہ ہوگا جیسا کہ اگر اس کی حیات میں اس کے امر کے بغیر وارث اس کو ادا کرتا تو اس کی طرف سے ادا نہ ہوتا، اسی وجہ سے چونکہ حقوق اللہ سے مقصود محض افعال ہیں، اس لئے کہ ان ہی سے طاعت و فرمانبرداری کا ظہور ہوتا ہے، اور موت کی وجہ سے تمام افعال ساقط ہو گئے، کیونکہ دنیا میں افعال کے ذریعہ مکلف کی طاعت کا ظہور ممکن نہیں رہا، اس لئے اس مال کے ذریعہ وصیت کرنا جو افعال سے متعلق ہے، ابتداء میت کی طرف سے تبرع ہوگا، لہذا

(۱) اثر: "لا یصلی أحد عن أحد ولا یصوم أحد عن أحد ولا یحج أحد عن أحد....." کی نسبت ترکمانی نے (بیہقی کی سنن ۲۵۷/۴) کے حاشیہ پر الجوبہ الرقی میں ابن جریر طبری کی التہذیب کی طرف کی ہے۔

(۲) المغنی ۳/۲۴۲۔

نذر ۶۷

ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عباس سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا یصلی أحد عن أحد ولا یصوم أحد عن أحد ولكن یطعم عنه مکان کل یوم مداً من حنطة“^(۱) (کوئی کسی دوسرے کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے بلکہ اس کی طرف سے ہر دن کے بدلہ میں ایک مد گندم صدقہ کرے)۔

امام مالک اور ماوردی نے اس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے کہ میت پر اگر روزہ واجب ہو تو اس کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جائے گا، جن حضرات سے یہ قول منقول ہے، ان میں حضرت ابن عباسؓ بھی ہیں، انہوں نے فرمایا کہ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے، جبکہ اس سے قبل انہوں نے نبی کریم ﷺ سے میت کی طرف سے روزہ رکھنے کی حدیث نقل کی ہے اور وہ یہ ہے: ”أن امرأة سألت رسول الله ﷺ عن صیام منذور ماتت أمها قبل أدائه، فأمرها أن تصوم عنها“^(۲) (ایک خاتون نے اللہ کے رسول ﷺ سے ان نذر مانے ہوئے روزوں کے بارے میں دریافت کیا جن کو ادا کرنے سے قبل اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا تو آپ نے اس خاتون کو اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھنے کا حکم دیا)، ان میں حضرت عائشہؓ بھی ہیں، انہوں نے کہا: ”لا تصوموا عن موتاكم وأطعموا عنهم“^(۳) (اپنے مرنے والوں کی طرف سے

روزہ کو اپنے اوپر لازم نہیں کر سکتا، اگر مریض ایک دن شفا یاب ہو یا مسافر نے ایک دن اقامت کی اور دونوں میں سے کسی نے بھی روزہ نہیں رکھا تو امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک جتنا اس نے اپنے اوپر واجب کیا ہے، سب واجب ہو جائے گا، اس لئے کہ صحت یا اقامت کے بعد وہ ایسا ہوگا جیسے کہ نئے سرے سے نذر مانی ہو، تندرست آدمی اگر ایک ماہ کی نذر مانے اور ایک ہی دن کے بعد اس کی موت ہو جائے تو پورے ماہ کا روزہ اس پر لازم ہوگا۔

امام محمد بن الحسن نے کہا ہے کہ نذر مانے ہوئے روزہ میں سے اتنا ہی اس پر لازم ہوگا جتنے دن وہ تندرست رہا، یا جتنے دن اس نے اقامت کی، اس لئے کہ اس نے اتنے ایام پائے جن میں وہ اپنی نذر کو پورا کرنے پر قادر ہے اور جتنی مقدار اس نے پائی ہے، اس سے زیادہ اس پر لازم نہ ہوگی، دونوں اقوال کے مطابق اگر نذر ماننے والا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے تو اس پر فدیہ نکالنا لازم ہوگا اور تہائی ترکہ سے فدیہ نکالنے پر اس کو مجبور کیا جائے گا۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ جس پر نذر کے ذریعہ روزہ واجب ہو اور وہ روزہ رکھنے سے قبل مرجائے تو اگر اس کا ترکہ ہو اور وہ فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے تو تہائی ترکہ سے اس کا ولی اس کی طرف سے کھانا کھلائے گا، جس شخص پر نذر مانا ہو اور وہ واجب ہو اور وہ مرجائے تو اس کی طرف سے کھانا کھلانے کا قول، امام شافعی کے جدید مذہب میں ان کا قول ہے، اور جمہور شافعیہ کے نزدیک یہی مشہور اور صحیح قول ہے، خواہ اس کی وصیت کرے یا نہ کرے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر ہو، پھر بھی روزہ نہ رکھ سکے اور مرجائے، لیکن اگر روزہ رکھنے پر قادر ہونے سے قبل ہی مرجائے تو اس کی طرف سے نہ روزہ رکھا جائے گا، نہ کھانا کھلایا جائے گا^(۱)۔

۱ = ۵۳/۱، ۱۸/۲، الخطاب ۴۰۸/۶، المجموع ۴۹۷/۸، روضة الطالبین ۳۳۳/۳، مغنی المحتاج ۴۳۹/۱، زاد المحتاج ۵۲۶/۱، عمدة القاری ۵۹/۱۱، شرح النووی علی صحیح مسلم ۲۶۸/۸، المنشی ۶۳، ۶۲/۲۔

(۱) حدیث: ”لا یصلی أحد عن أحد، ولا یصوم أحد عن أحد.....“ کی روایت نسائی (السنن الکبریٰ ۱۷۵/۲ طبع دار الکتب العلمیہ) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”أن امرأة سألت رسول الله ﷺ عن صیام منذور.....“ کی روایت مسلم (۸۰۴/۲ طبع عیسیٰ اکلسی) نے کی ہے۔

(۳) اثر حضرت عائشہؓ: ”لا تصوموا عن موتاكم وأطعموا عنهم“ کی

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۱۱۸/۲، ۱۱۹، الہدایہ والعنایہ وفتح القدیر ۳۵۷/۲، المبسوط للسرخی ۹۰۳، ۹۱، الفروق ۱۸۷/۳، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی

نذر ۶۷

ہے کہ عبادت کا مفہوم اس کے بدن پر اس کا شاق ہونا ہے، اگر اس کا نائب اس کی طرف سے ادا کرے گا تو یہ چیز حاصل نہ ہوگی، البتہ اس کی طرف سے ہردن کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلائے گا، اس لئے کہ اس کے حق میں روزہ کی ادائیگی سے مایوسی ہو چکی ہے، لہذا اندیہ اس کے قائم مقام ہوگا، جیسا کہ شیخ فانی کے حق میں ہوتا ہے^(۱)۔

اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ روزہ عبادت ہے، اور عبادت میں اختیار ضروری ہے، یہ وصیت کرنے میں تو ہوگا وراثت میں نہیں ہوگا، کیونکہ وراثت جبری ہے پھر یہ ابتداء میں تبرع ہے، اس لئے کہ روزہ ایک عمل ہے جس کا مکلف بنایا گیا ہے، اور اعمال موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں، تو روزہ گویا دنیا کے حق میں اس سے ساقط ہو گیا، لہذا اندیہ کے ادا کرنے کی وصیت تبرع ہوگی^(۲)۔

دوسرا مذہب: اس مذہب کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی مر جائے اور اس پر نذر مانے ہوئے روزے واجب ہوں، تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے گا، خواہ وہ اس کی وصیت کرے یا وصیت نہ کرے، یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، اور یہی لیث بن سعد، ابو سعید، الزہری، اسحاق، حماد بن ابی سلیمان، طاؤس اور قتادہ کا قول ہے اور یہی امام شافعی کے قدیم مذہب میں ان کا ایک قول ہے جس کو نووی نے صحیح قرار دیا ہے، اور اسی کو صحیح قرار دینے میں محققین شافعیہ کی ایک جماعت نے ان کی تائید کی ہے، البتہ علامہ نووی نے کہا ہے کہ نذر ماننے والے کی طرف سے صرف اس وقت روزہ رکھا جائے گا جب کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر ہو اور روزہ نہ رکھ سکے اور مر جائے، اگر روزہ پر قادر ہونے سے قبل ہی مر جائے تو نہ اس کی طرف سے روزہ رکھا جائے گا، نہ صدقہ کیا جائے گا اور انہوں نے کہا

(۱) المبسوط ۸۹/۳، الفروق ۱۸۷/۳، مغنی المحتاج ۳۳۹/۱، المغنی ۳/۳۳۳،
کشاف القناع ۲/۳۳۳، المغنی ۲/۶۳۔
(۲) العنایہ ۸۴۔

روزہ نہ رکھو بلکہ ان کی طرف سے صدقہ کرو، حالانکہ اس سے قبل انہوں نے نبی کریم ﷺ سے میت کی طرف سے روزہ رکھنے کی حدیث نقل کی ہے: ”من مات وعليه صيام صام عنه وليه“^(۱) (اگر کوئی مر جائے اور اس پر روزہ واجب ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے گا)، راوی کا اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دینا اس بات کی علامت ہے کہ اس کی روایت کردہ حدیث منسوخ ہے اور حکم کے منسوخ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ مناط کا اعتبار نہ ہوگا، اسی وجہ سے قیاس میں یہ شرط ہے کہ اصل کا حکم منسوخ نہ ہو، اس لئے کہ جامع وصف (مشرکہ علت) کی وجہ سے ہی حکم متعدی ہوتا ہے اور حکم کے منسوخ ہونے سے اس (علت) کے اعتبار کا باطل ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ معتبر ہوتی تو اس کے مطابق حکم کا مرتب ہونا جاری رہتا، جن صحابہ سے یہ مروی ہے، ان میں حضرت عمرؓ بھی ہیں^(۲)۔

امام مالک نے کہا ہے کہ مدینہ میں صحابہ و تابعین میں سے کسی کے متعلق میں نے نہیں سنا ہے کہ ان میں سے کسی نے کسی کو کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھنے یا نماز پڑھنے کا حکم دیا ہو، اس سے بھی نسخ کی تائید ہوتی ہے، اور اس بات کی کہ یہی وہ حکم ہے جو شریعت میں بعد میں ثابت ہے^(۳)۔

ان حضرات نے مزید کہا ہے کہ روزہ بدنی عبادت ہے، زندگی میں اس میں نیابت نہیں ہوتی ہے، اسی طرح موت کے بعد بھی اس میں نیابت نہیں ہو سکے گی، جیسا کہ نماز میں نہیں ہوتی ہے، یہ اس لئے

= روایت بیہقی (السنن الکبریٰ ۲/۲۵۷ طبع دارۃ المعارف) نے کی ہے۔

(۱) حدیث: ”من مات وعليه صيام صام عنه وليه“ کی روایت بخاری (فتح ۱۹۲/۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۲/۸۰۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

(۲) فتح القدر ۲/۸۴۔

(۳) سابقہ مراجع۔

نذرے

اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے گا۔
 نیز حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ان امی ماتت وعلیها صوم نذر، أفأصوم عنها؟ قال: رأیت لو کان علی أمک دین فقضیتہ أکان یؤدی ذلک عنها؟ قالت: نعم، قال: فصومي عن أمک“^(۱) (ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میری ماں کا انتقال ہو گیا اور ان پر نذر کا روزہ باقی رہ گیا ہے تو کیا میں ان کی طرف سے روزہ رکھ سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: بتاؤ اگر تیری ماں پر دین ہوتا اور تم اس کو ادا کر دیتی تو کیا ان کی طرف سے ادا ہو جاتا؟ عرض کیا: ہاں، تو فرمایا: جاؤ اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھو۔

نیز حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے، انہوں نے کہا: ”إن امرأة نذرت وهي في البحر، إن نجاها الله أن تصوم شهرا فأنجاها الله، وماتت قبل أن تصوم فجاءت ذات قرابة لها إما أختها أو ابنتها إلى رسول الله ﷺ فأخبرته، فقال: صومي عنها“^(۲) (ایک خاتون نے جو کہ سمندر میں تھی نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ اگر اس کو نجات دے گا تو ایک ماہ روزہ رکھے گی، اللہ تعالیٰ نے اس کو نجات دے دی اور روزہ رکھنے سے قبل ہی اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی ایک رشتہ دار عورت اس کی بہن یا بیٹی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور صورت حال کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی طرف سے روزہ رکھ لو۔

(۱) حدیث حضرت ابن عباسؓ: ”جاءت امرأة إلى رسول الله.....“ کی روایت مسلم (۸۰۴/۲ طبع اکتلی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”إن امرأة نذرت وهي في البحر.....“ کی روایت بیہقی (السنن الکبریٰ ۲۵۶/۴ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے۔

ہے کہ ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ میت پر واجب شدہ نذر کی قضاء اس کے وارث پر اس وقت لازم نہیں ہوتی ہے، جب نذر غیر مالی ہو یا نذر مالی ہو مگر میت اتنا مال نہ چھوڑے جس سے اس کی نذر پوری ہو سکے، البتہ اس کی طرف سے اس کی قضاء کر دینا وارث کے لئے مستحب ہے۔

یہی حنا بلکہ کا مذہب ہے، ان کی رائے ہے کہ اگر میت ترک نہ چھوڑے تو ولی پر اس کی طرف سے روزہ رکھنا واجب نہ ہوگا، البتہ اس کے لئے بطور صلہ رحمی اور احسان کے ایسا کرنا مستحب ہے تاکہ میت کا ذمہ اس سے فارغ ہو جائے اور اولیٰ یہ ہے۔ جیسا کہ ابن قدامہ نے کہا ہے۔ کہ اس کا وارث اس کی نذر کو اس کی طرف سے ادا کرے، اگر کوئی دوسرا بھی اس کی طرف سے ادا کر دے گا تو بھی اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا جیسا کہ کوئی شخص اس کی طرف سے اس کا دین ادا کر دے اور اگر میت ترک چھوڑے تو دین کی ادائیگی کی طرح اس کی طرف سے نذر کا روزہ رکھنا واجب ہوگا، میت کی طرف سے خود ولی کا روزہ رکھنا مستحب ہے، اس لئے کہ میت کے ذمہ کی براءت کے لئے اسی میں زیادہ احتیاط ہے، اگر ولی خود ایسا نہ کر سکے تو اس کے ترکہ میں سے ہردن کے بدلہ، ایک مسکین کا کھانا کسی کو دے گا جو اس کی طرف سے روزہ رکھے گا، کیونکہ یہ فدیہ ہے، ولی کے علاوہ کسی دوسرے کا روزہ رکھنا کافی ہو جائے گا، خواہ ولی اس کی اجازت دے یا نہ دے^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من مات و علیہ صیام صام عنه ولیہ“ (جس کی موت اس حال میں ہو کہ اس پر روزے ہوں تو

(۱) المجموع ۵۰۶/۱، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳،

سوم: اعتکاف کی نذر ماننے والا اگر اس کو ادا کرنے سے

پہلے مرجائے:

۶۸- اگر کسی شخص پر نذر مانا ہوا اعتکاف واجب ہو اور وہ اس کو ادا کرنے سے قبل انتقال کر جائے، تو اس بارے میں فقہاء کے تین مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس پر نذر مانا ہوا اعتکاف باقی رہ جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے اعتکاف کرے گا، یہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، اسی کے قائل اوزاعی اور اسحاق ہیں، یہی امام شافعی کا ایک قول ہے اور یہی حنابلہ کا مذہب ہے، البتہ میت کی طرف سے ولی کا اعتکاف کرنا اس پر واجب نہ ہوگا، بلکہ صلہ رحمی کے طور پر اس کی طرف سے اس کا ادا کر دینا مستحب ہوگا اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کا وارث اس کی طرف سے اس کی قضاء کرے، اگر وارث کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے ادا کر دے گا تو بھی نذر ماننے والے کی طرف سے کافی ہو جائے گا جیسا کہ اگر اس کی طرف سے اس کا دین ادا کر دے، اس لئے کہ نذر دین کے مشابہ ہے اور اس لئے بھی کہ وارث جو ادا کرے وہ اس کی طرف سے تبرع ہوگا تو دوسرا آدمی بھی تبرع میں وارث جیسا ہی ہوگا^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے: "إن سعد بن عبادۃ استفتی رسول اللہ ﷺ فی نذر کان علی أمہ فتوفیت قبل أن تقضیہ، فأفتاہ رسول اللہ

(۱) المجموع ۲/۶، ۳، ۵۴۱، مغنی المحتاج ۳/۱، زاد المحتاج ۱/۵۲، المغنی

۳۳۵/۲، کشف القناع ۳۳۶، ۳۳۷

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے: "جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله، إن أمي ماتت وعليها صوم شهر، أفقضيه عنها؟ فقال ﷺ: لو كان علي أمك دين أكنت قاضيه عنها؟ قال: نعم، قال: فدين الله أحق يقضى"^(۱) (ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میری ماں کا انتقال ہو گیا اور ان پر ایک ماہ کا روزہ باقی رہ گیا ہے تو کیا میں ان کی طرف سے ادا کر سکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تمہاری ماں پر دین ہوتا تو کیا تم ان کی طرف سے اس کو ادا کرتے؟ انہوں نے کہا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: اللہ کا دین ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔)

نیز حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ ان سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا انتقال ہو گیا تھا اور اس پر نذر کے ایک ماہ کا روزہ رہ گیا تھا اور رمضان کا روزہ بھی رہ گیا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ رمضان کے روزہ کی طرف سے تو صدقہ دیا جائے اور نذر کا روزہ اس کی طرف سے رکھا جائے^(۲)۔

نیز روزہ عبادات بدنیہ میں سے ہے جو نیابت کے قابل نہیں ہوتی ہیں، البتہ نذر اور غیر نذر میں فرق ہے، اس لئے کہ عبادت میں نیابت اس کے ہلکا ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے، اور نذر حکم میں شریعت کی طرف سے واجب کے مقابلہ میں ہلکی ہوتی ہے، کیونکہ نذر شریعت کی طرف سے واجب نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کو تو محض نذر ماننے والا اپنے اوپر واجب کرتا ہے^(۳)۔

(۱) حدیث: "إن أمي ماتت وعليها صوم شهر....." کی روایت مسلم (۸۰۴/۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

(۲) اثر حضرت ابن عباسؓ: "سئل عن رجل مات وعليه نذر صوم شهر....." کی روایت بیہقی (السنن الکبریٰ ۳/۲۵۷ طبع دار المعارف) نے کی ہے۔

(۳) المغنی ۳/۳۳۵، کشف القناع ۳۳۵/۲

نہ کرے تو وارث کو مجبور نہیں کیا جائے گا، یہ اس وقت ہوگا جب کہ نذر کی وجہ سے اس پر اعتکاف کا واجب ہونا صحت کی حالت میں ہو۔ اگر اعتکاف کی نذر کے وقت مریض ہو اور تندرست ہونے سے پہلے مرجائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ اعتکاف کی ادائیگی کے واجب ہونے میں مریض کے پاس ذمہ صحیح نہیں ہے، اگر ایک دن بھی تندرست ہو جائے گا اور مرجائے گا تو جتنے دنوں کی نذر مانی ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان تمام ایام کی طرف سے صدقہ کیا جائے گا اور امام محمد بن الحسن نے کہا ہے کہ جتنے دنوں تک تندرست رہے گا، صرف ان ہی دنوں کے بدلہ میں صدقہ کیا جائے گا اور یہی عبادات بدنیہ میں امام مالک کے مذہب کے قیاس کا تقاضا ہے، اور یہی امام شافعی سے ایک روایت ہے، اس روایت کے مطابق ولی ایک دن رات کے اعتکاف کے بدلہ میں ایک مَد صدقہ کرے گا^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتکاف روزہ کی فرع ہے اور جب نذر کے ذریعہ میت پر واجب شدہ روزہ میں فدیہ کافی ہو جائے تو اعتکاف میں بھی کافی ہو جائے گا اگر اس کی وصیت کرے^(۲)۔ نیز یہ کہ اعتکاف ایک عبادت ہے اور عبادت میں اختیار ضروری ہے، اور یہ وصیت کرنے میں تو ظاہر ہوگا، وراثت میں ظاہر نہ ہوگا، کیونکہ وراثت جبری ہے، نیز میت کی طرف سے اعتکاف کرنا ابتداءً تبرع ہے، اس لئے کہ وہ ایسا عمل ہے جس کا مکلف اس کو بنایا گیا ہے اور جس شخص پر یہ واجب ہے اس شخص کی موت سے سارے افعال ساقط ہو گئے، تو اعتکاف ایسے ہو گیا گویا وہ دنیا کے حق میں ساقط ہو گیا، لہذا اس کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا

(۱) الدر المختار ۲/۱۱۹، البسوط ۳/۱۲۳، ۱۲۴، المجموع ۶/۲۷۶، ۵۳۱، ۵۳۲، المنشیٰ ۲۳۰/۳

(۲) البسوط ۳/۱۲۳، ۱۲۴۔

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ: أَنْ يَقْضِيَهُ عَنْهَا فَكَانَتْ سَنَةً بَعْدَهُ“^(۱) (حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی ماں پر واجب نذر کے بارے میں فتویٰ پوچھا جس کو ادا کرنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی تھی تو آپ ﷺ نے ان کو اس کے ادا کرنے کا فتویٰ دیا، پس اس کے بعد یہ معمول ہو گیا)۔

نیز حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے مروی حدیث ہے کہ ان کی ماں نے اعتکاف کرنے کی نذر مانی اور اعتکاف کرنے سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے بھائیوں نے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا: ان کی طرف سے اعتکاف کرو اور روزہ رکھو^(۲)۔

نیز جب میت پر نذر کے ذریعہ واجب شدہ روزہ اس کی طرف سے رکھا جاسکتا ہے تو اسی طرح اس کی طرف سے اعتکاف کر لینا بھی جائز ہوگا، اس لئے کہ اعتکاف اور روزہ دونوں میں رکنا اور منع کرنا ہے^(۳)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس پر نذر مانا ہو اعتکاف باقی رہ جائے تو اس کی طرف سے صدقہ کیا جائے گا، اس کی طرف سے اعتکاف نہیں کیا جائے گا، یہ ثوری کا قول ہے اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے بدلہ میں نصف صاع گندم صدقہ کیا جائے گا بشرطیکہ نذر ماننے والا اس کی وصیت کر جائے، ایسی صورت میں وارث کو تہائی ترکہ سے فدیہ نکالنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر وصیت

(۱) حدیث: ”أَنْ يَقْضِيَهُ عَنْهَا فَكَانَتْ سَنَةً بَعْدَهُ“ کی تخریج فقرہ ۶۶ میں گزر چکی ہے۔

(۲) اثر عبید اللہ بن عبد اللہ: ”أَنْ أَمَّهُ نَذْرَتْ اِعْتِكَافًا.....“ کی روایت عبد الرزاق نے (المصنف ۳/۳۵۳ طبع مجلس علمی) میں کی ہے۔

(۳) مغنی المحتاج ۱/۴۳۹، زاد المحتاج ۱/۵۲، کشف القناع ۲/۳۳۶۔

دور کعتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، اگر ان دور کعات میں اس کی طرف سے نیابت کے جواز کا قول اختیار کیا جائے تو جس نے حج یا عمرہ کیا ہے اس کی طرف سے طواف کی دور کعات ادا کی جائیں گی، یہ حنفیہ کا مذہب ہے اور مالکیہ کا مشہور مذہب ہے، اگر ان پر عقد اجارہ کرنے کی وصیت کرے گا تو ان کے نزدیک وصیت نافذ نہ ہوگی، یہی شافعیہ کا مشہور مذہب ہے اور امام احمد سے ایک روایت ہے، یعنی نے اس پر فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے کہ کوئی کسی دوسرے کی طرف سے نماز ادا نہیں کر سکتا ہے اور قاضی عیاض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ میت کی طرف سے نماز ادا نہیں کی جائے گی، قرانی نے کہا ہے: نماز کے بارے میں اس پر اجماع منقول ہے کہ میت کی طرف سے نماز ادا نہیں کی جائے گی، ابن بطلال نے اس پر فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے کہ کسی کی طرف سے کوئی دوسرا نہ فرض نماز ادا کر سکتا ہے اور نہ سنت، نہ کسی زندہ کی طرف سے ادا کر سکتا ہے نہ کسی میت کی طرف سے ادا کر سکتا ہے (۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عباسؓ سے مروی یہ اثر ہے: ”لا یصلیٰ أحد عن أحد ولا یصوم أحد عن أحد“ (۲) (کوئی کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا اور نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے گا)۔

نیز امام مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مدینہ میں

(۱) الہدایہ والعنایہ وفتح القدر ۲/۸۵، رد المحتار ۲/۱۱۸، الفروق ۳/۱۸۷، تہذیب الفروق لابن الشاطب ۳/۲۱۹، مواہب الجلیل ۲/۵۲۳، ۵۲۴، المجموع ۶/۲۷۳، مغنی المحتاج ۱/۴۳۹، زاد المحتاج ۱/۵۲۷، المغنی ۹/۳۰۹، ۳۱، اکافی ۴/۴۳۰، کشف القناع ۲/۳۳۶، عمدۃ القاری ۱۱/۶۰، ۲۳/۲۱۰۔

(۲) أثر: ”لا یصلیٰ أحد عن أحد.....“ کی تخریج فقرہ ۶۷ میں گذر چکی ہے۔

تبرع ہوگا اور تہائی ترکہ میں معتبر ہوگا (۱)۔

تیسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس پر نذر مانا ہوا اعتکاف باقی رہ جائے تو اس کی طرف سے اعتکاف نہیں کیا جائے گا اور یہ اس کے لئے کافی بھی نہ ہوگا، نہ اس کی طرف سے صدقہ کیا جائے گا، نہ فدیہ کے ذریعہ اس سے اعتکاف ساقط ہوگا، یہ شافعیہ کا مشہور مذہب ہے، ”الأم“ وغیرہ میں امام شافعی کی صراحتوں سے یہی معروف ہے (۲)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شارع کی طرف سے ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ اگر کوئی مرجائے اور اس کا نذر مانا ہوا اعتکاف ہو تو اس کی طرف سے اعتکاف کیا جائے گا، اس اعتکاف کی طرف سے فدیہ ادا کرنا بھی کافی نہ ہوگا، اس لئے کہ شریعت میں ایسی کوئی صراحت موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ اس کی طرف سے فدیہ ادا کرنا کافی ہوگا (۳)۔

چہارم: اگر کوئی شخص نماز کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے قبل مرجائے:

۶۹- اگر کسی شخص پر نذر مانی ہوئی نماز واجب ہو اور وہ اس کو ادا کرنے سے قبل مرجائے تو اس کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:

پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس پر نذر مانی ہوئی نماز باقی رہ جائے تو اس کے ولی یا کسی دوسرے کے لئے اس کی طرف سے اس کو ادا کرنا جائز نہیں ہے، نہ فدیہ کے ذریعہ اس سے ساقط ہوگی، البتہ طواف کی

(۱) العنایہ ۲/۸۴۔

(۲) المجموع ۶/۲۷۳، مغنی المحتاج ۱/۴۳۹، زاد المحتاج ۱/۲۵۷۔

(۳) مغنی المحتاج ۱/۴۳۹، زاد المحتاج ۱/۵۲۷۔

کردینا مستحب ہے، اور یہ اس کی طرف سے صلہ رحمی ہوگی اور میت کا ذمہ اس سے بری ہو جائے گا^(۱)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے: "أَنَّ سَعْدَ بْنَ عَبَادَةَ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي نَذْرِ كَانَ عَلَى أُمِّهِ، فَتَوَفَّيْتُ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ، فَأَفْتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّهُ يَقْضِيهِ عَنْهَا، فَكَانَتْ سَنَةً بَعْدَهُ"^(۲) (حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی ماں پر واجب نذر کے بارے میں فتویٰ پوچھا جس کو ادا کرنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی تھی تو آپ نے ان کو اس کے ادا کرنے کا فتویٰ دیا اس کے بعد یہ معمول ہو گیا)۔

اسی طرح ان حضرات کی دلیل وہ احادیث بھی ہیں جن سے میت کی طرف سے حج کرنے اور روزہ رکھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے: "فَاقْضُوا لِلَّهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ"^(۳) (اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو، وہ ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے) اور یہ نماز جس کو نذر ماننے والے نے اپنے اوپر واجب کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا دین ہے جس کو ادا کرنے سے پہلے وہ مر گیا ہے، لہذا اس کی طرف سے اس کے ولی کا اس کو ادا کر دینا کافی ہو جائے گا۔

نیز حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک خاتون کو

صحابہ یا تابعین میں سے کسی کے متعلق میں نے نہیں سنا کہ ان میں سے کسی نے کسی کو کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھنے یا نماز پڑھنے کا حکم دیا ہو^(۱)۔

نیز نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں زندگی میں نیابت نہیں ہوتی ہے تو مرنے کے بعد بھی اس میں نیابت نہ ہو سکے گی^(۲)۔ نیز کسی بھی حال میں نماز کا کوئی بدل نہیں ہے، اس لئے نماز میں نائب کا عمل، اس شخص کے عمل کے قائم مقام نہ ہو سکے گا جس کا وہ نائب ہے^(۳)۔

نیز احکام شرعیہ کا مقصود امتحان و مشقت ہے اور یہ عبادات بدنہ میں خاص افعال کے ذریعہ نفس و اعضاء کو تھکانے سے حاصل ہوتی ہے اور نائب کے عمل سے اس شخص پر کوئی مشقت نہ ہوگی جس پر نماز واجب ہے، لہذا نماز میں مطلقاً نیابت جائز نہ ہوگی^(۴)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس پر نذر مانی ہوئی نماز باقی رہ جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے اس کو ادا کرے گا، یہ حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے، اسی کے قائل اوزاعی، عطاء اور اسحاق ہیں، مالکیہ میں سے محمد بن عبدالحکم نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے کہ میت کی جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں ان کو میت کی طرف سے ادا کرنے کے لئے کسی کو اجرت پر رکھا جائے، بعض متاخرین شافعیہ کی رائے ہے کہ میت پر جو نماز واجب ہے اس کو اس کا وارث اس کی طرف سے ادا کرے گا، حنابلہ کا مشہور مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص نماز ادا کرنے کی نذر مانے اور ادا کرنے سے قبل مرجائے تو اس کے ولی کے لئے اس کی طرف سے اس کو ادا

(۱) فتح القدیر ۲/۸۴۔

(۲) الہدب مع شرح المجموع ۶/۳۶۷، اکافی ۴۳۰/۴۔

(۳) المغنی ۳۰/۹۔

(۴) البحر الرائق ۶۵۳۔

(۱) مواہب الجلیل ۲/۵۳۳، إيعانة الطالبین ۲/۲۴۴، المغنی ۳۰/۹، اکافی ۴۳۰/۴، كشف القناع ۲/۳۳۶، عمدة القاری ۲۳/۲۱۰، شرح النووی علی صحیح مسلم ۹۰/۱۔

(۲) حدیث: "أَنَّ سَعْدَ بْنَ عَبَادَةَ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ....." کی تخریج فقرہ ۶۶ میں گذر چکی ہے۔

(۳) حدیث: "فَاقْضُوا لِلَّهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ" کی تخریج فقرہ ۶۵ میں گذر چکی ہے۔

نذر ۷۰

ان حضرات کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ
يُوصِي بِهَا أَوْ ذِينَ“^(۱) (بعد اس کے کہ مورث اس کی وصیت کر
جائے یا ادائے قرض کے بعد)۔

نیز حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث ہے کہ ایک شخص نے نبی
کریم ﷺ سے عرض کیا: ”إن أمي افتلتت نفسها، وأظنها
لو تكلمت تصدقت، فهل لها أجر إن تصدقت عنها؟
قال: نعم“^(۲) (میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا، میرا خیال ہے کہ
اگر اس کو بات کرنے کا موقع ملتا تو کچھ صدقہ کرتی تو کیا اگر میں اس
کی طرف سے صدقہ کر دوں تو اس کو ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے
فرمایا: ہاں)۔

نیز حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی حدیث
ہے: ”أن العاص بن وائل أوصى أن يعتق عنه مائة رقبة،
فأعتق ابنه هشام خمسين رقبة، فأراد ابنه عمرو أن يعتق
عنه الخمسين الباقية فقال: حتى أسأل رسول الله ﷺ،
فأتى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله، إن أبي أوصى بعق
مائة رقبة، وأن هشاماً أعتق عنه خمسين، وبقيت عليه
خمسون رقبة، أفأعتق عنه؟ فقال رسول الله ﷺ: إنه لو
كان مسلماً فأعتقتم عنه أو تصدقتم عنه أو حججتم عنه
بلغه ذلك“^(۳) (عاص بن وائل نے وصیت کی کہ ان کی طرف
سے سو غلام آزاد کئے جائیں تو ان کے صاحبزادے ہشام نے پچاس

جس کی ماں نے قبا میں اپنے اوپر نماز کو واجب کر لیا تھا، حکم دیا کہ اپنی
ماں کی طرف سے نماز پڑھ لو^(۱)۔

نیز میت کی طرف سے حج اور روزہ کو ادا کرنا نص سے ثابت
ہے لہذا ان دونوں پر قیاس کرتے ہوئے نماز کو بھی اس کی طرف سے
ادا کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ یہ سب بدنی عبادات ہیں، اور اس لئے
کہ یہ سب میت پر واجب شدہ دین ہیں، لہذا دوسرے تمام دیون کی
طرح نماز بھی اس کی طرف سے ادا کی جائے گی اور یہ ادا کرنا کافی
ہو جائے گا^(۲)۔

پنجم: اگر کوئی صدقہ کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے
قبل مرجائے:

۷۰- اگر کوئی شخص صدقہ کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے پہلے
مر جائے تو اس کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف رجحانات ہیں:
پہلا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر
کوئی شخص صدقہ کرنے کی نذر مانے اور اس کو ادا کرنے سے قبل اس
کی موت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے اس کے ترکہ سے ادا
کرے گا، خواہ وہ اس کی وصیت کرے یا نہ کرے، یہ شافعیہ و حنابلہ کا
مذہب ہے^(۳)، انہوں نے کہا ہے کہ ولی کا اس نذر کو ادا کرنا بطور صلہ
رحمی و احسان کے مستحب ہے تاکہ میت کا ذمہ اس پر واجب شدہ سے
اس کے ذریعہ بری و سبکدوش ہو جائے۔

(۱) اثر حضرت ابن عمرؓ: ”أنه أمر امرأة جعلت أمها على نفسها صلاة
بقبا فقال: صلي عنها“ کو بخاری (فتح الباری ۱۱/۵۸۳ طبع السلفیہ)
نے ”من مات وعليه نذر“ کے ترجمہ الباب میں ذکر کیا ہے، ابن حجر نے
کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

(۲) الکافی ۴/۴۳۰۔

(۳) مغنی المحتاج ۱/۴۱۱، المغنی ۹/۳۰۹، ۳۱، الکافی ۴/۴۳۰، کشاف القناع
۳۳۵/۲، شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۱/۸۴، ۹۶۔

(۱) سورہ نساء ۱۱۔

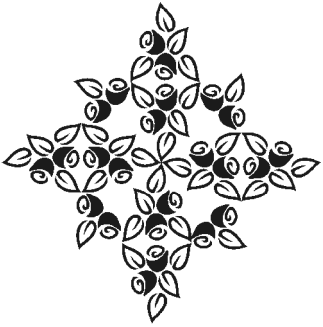
(۲) حدیث: ”إن أمي افتلتت نفسها، وأظنها لو تكلمت
تصدقت.....“ کی روایت بخاری (۳/۲۵۴ طبع السلفیہ) اور مسلم
(۲/۶۹۶ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”أن العاص بن وائل أوصى أن يعتق عنه.....“ کی روایت
ابوداؤد (۳/۳۰۲ طبع حصص) نے کی ہے۔

نذر ۷۰

کہ اس کو اپنے خاص مال سے یا میت کے ترکہ سے ادا کرے، یہ حنفیہ و مالکیہ کا مذہب ہے (۱)۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شرعی احکام کا مقصود آزمائش و مشقت ہے اور یہ مشقت مالی عبادات میں نفس کے محبوب مال کو فقیر تک پہنچا کر کم کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور اس مال کا تعلق ایسے فعل سے ہے جس کا مکلف بنایا گیا ہے، اور موت کی وجہ سے تمام افعال ساقط ہو گئے، کیونکہ دنیا میں ان کے ذریعہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا ظاہر ہونا ناممکن ہو گیا، لہذا اس مال کی وصیت کرنا جس کا تعلق افعال سے ہے، میت کی طرف سے ابتداء تبرع ہے، لہذا وہ تہائی میں معتبر ہوگا (۲)۔



غلام آزاد کئے، اور ان کے دوسرے بیٹے عمرو نے ان کی طرف سے باقی ماندہ پچاس غلام آزاد کرنا چاہا تو سوچا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی، اور ہشام نے ان کی طرف سے پچاس غلام آزاد بھی کر دیئے ہیں، اب ان پر پچاس غلام باقی رہ گئے ہیں تو کیا میں ان کی طرف سے آزاد کر دوں؟ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر وہ مسلمان ہوتا اور تم لوگ اس کی طرف سے آزاد کرتے یا اس کی طرف سے صدقہ کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا)۔

نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے: ”أن سعد بن عبادۃ استفتی رسول اللہ ﷺ إن أمی ماتت وعلیہا نذر لم تقضه، فقال رسول اللہ ﷺ: اقضه عنها۔ فكانت سنة بعده“ (۱) (میری والدہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے ذمہ نذر تھی جسے انہوں نے پورا نہیں کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان کی طرف سے اسے پورا کر دو، تو یہ اس کے بعد سنت قرار پائی)۔

دوسرا رجحان: اس رجحان کے حامل فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس پر نذر مانا ہوا صدقہ واجب ہو تو اس کی طرف سے ادا نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ اس کی وصیت کی ہو اور اس کا ترکہ اتنا ہو کہ اس کو ادا کیا جاسکے، لہذا اگر اس کے نکالنے کی وصیت کی ہو تو یہ وصیت ہوگی، اور اس کے تہائی ترکہ سے نکالا جائے گا، اور دوسرے تمام وصایا پر مقدم ہوگا، اور اگر اس کی وصیت نہ کی ہو تو اس کی موت کی وجہ سے اس سے ساقط ہو جائے گا، وارث پر واجب نہ ہوگا

(۱) فتح القدیر ۲/۸۵، البحر الرائق ۳/۶۳، ۶۵، تحفۃ الفقہاء ۱/۴۸۲، المنقح ۲/۶۳، ۶۲۔

(۲) فتح القدیر ۲/۸۵، البحر الرائق ۳/۶۵۔

(۱) حدیث: ”أن سعد بن عبادۃ استفتی رسول اللہ ﷺ.....“ کی تخریج فقرہ ۶۶ میں گزر چکی ہے۔

ہے (۱) اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”من لعب بالنرد شیر فکأنما صبغ یدہ فی لحم خنزیر و دمہ“ (۲) (جو شخص نرد شیر کھیلے گا گویا وہ اپنا ہاتھ سور کے گوشت اور اس کے خون میں رنگے گا)، نیز ارشاد نبوی ہے: ”من لعب بالنرد فقد عصی اللہ و رسولہ“ (۳) (جو نرد کھیلے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا)، اور سابقہ حدیث کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ اگر اس کے ذریعہ جو کھیلے گا تو جو انص سے حرام ہے اور اگر جو انص نہیں کھیلے گا تو لہو اور عبث ہوگا (۴)، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”لیس من اللہو الا ثلاث: تأدیب الرجل فرسہ، وملا عبته أهله، ورمیہ بقوسہ ونبلہ“ (۵) (لہو میں سے صرف تین چیزیں جائز ہیں: آدمی کا اپنے گھوڑے کو سدھانا، اپنی بیوی سے کھیلنا اور اپنے تیر و کمان سے تیر اندازی کرنا)۔

شافعیہ نے اس کے حرام ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس کی بنیاد انکل اور تخمین پر ہوتی ہے جو پرلے درجہ کی حماقت ہے۔
رافعی نے کہا ہے کہ شطرنج اور نرد پر ان تمام کھیلوں کو قیاس کیا جائے گا، جو ان جیسے ہوں گے، لہذا جس کھیل کی بنیاد حساب ہو

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۵/۲۵۲، ۲۵۳، حاشیۃ الدسوقی ۴/۱۶۷، عقد الجواہر الثمینیۃ فی مذہب عالم المدینہ لابن شاس ۳/۵۳۵ طبع اول، دار الغرب الإسلامی، بغنی المحتاج ۴/۲۲۸، تحفۃ المحتاج وحاشیۃ الشروانی ۱۰/۲۱۶، روض الطالب ۳/۳۳۳، المغنی ۹/۱۷۰، ۱۷۱۔

(۲) حدیث: ”من لعب بالنرد شیر فکأنما.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۷۰ طبع عیسیٰ الخلیفی) نے حضرت بریدہ سے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”من لعب بالنرد فقد عصی اللہ ورسولہ“ کی روایت ابوداؤد (۵/۲۳۰ طبع حمص) نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کی ہے۔

(۴) تکملۃ فتح القدر ۱۰/۶۳، تبیین الحقائق للزیلعی ۶/۳۰۔

(۵) حدیث: ”لیس من اللہو الا ثلاث.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۲۹) طبع حمص (اور نسائی (۶/۲۲۳ طبع التجاریہ الکبری) نے حضرت عقبہ بن عامر سے کی ہے۔

نرد

تعریف:

۱- لغت میں نرد ایک مشہور کھیل ہے جس کو ارد شیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا، اسی لئے اس کو نرد شیر بھی کہا جاتا ہے۔
اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- شطرنج:

۲- لغت میں شطرنج، شین کے زبر کے ساتھ ہے، ایک قول ہے کہ شین پر زیر ہے یہی مختار ہے، یہ معرب ہے، دراصل فارسی لفظ ہے۔
اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے (۲)۔

نرد اور شطرنج میں تعلق یہ ہے کہ دونوں کھیل ہیں، البتہ نرد کی بنیاد انکل اور تخمینہ پر ہوتی ہے جب کہ شطرنج فکر و تدبیر کے ساتھ کھیلا جاتا ہے (۳)۔

نرد کھیلنے کا حکم:

۳- جمہور فقہاء مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک نرد کھیلنا حرام ہے، شافعیہ کے نزدیک صحیح مذہب یہی ہے اور بعض حنفیہ کی ایک رائے یہی

(۱) المصباح المنیر، القاموس المحیط، حاشیاء ابن عابدین ۵/۲۵۲، ۲۵۳۔

(۲) المصباح المنیر، بغنی المحتاج ۴/۲۲۸۔

(۳) تحفۃ المحتاج ۱۰/۲۱۵، ۲۱۶۔

نزاع، نزول ۱-۲

جیسے منقلہ کہ کچھ گڈھے اور خطوط ہوتے ہیں، حساب سے کنکریاں ان میں رکھی اور نکالی جاتی ہیں، تو یہ حرام نہیں ہوگا اور جس کی بنیاد اٹکل پر ہو وہ حرام ہوگا جیسے نزد وغیرہ، نزد کا موضوع وہ ہے جو اس کے مہرے یعنی کنکریاں بتائیں تو وہ ازلام کی طرح ہے، شافعیہ کے نزدیک صحیح کے بالمقابل قول ہے کہ وہ مکروہ ہے (۱)۔

نزول

تعریف:

۱- لغت میں نزول، نزل کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: نزل نزولاً اوپر سے نیچے اترنا، کہا جاتا ہے: نزل فلان عن الأمر والحق یعنی اس کو چھوڑ دیا، اگر اس کا صلہ بالمکان یا فی المکان ہو تو اس کا معنی ہوگا اترنا (قیام کرنا)، اگر اس کا صلہ علی القوم ہو تو اس کا معنی ہوگا: مہمان بننا، کہا جاتا ہے: نزل به مکروہ یعنی اس کو ناخوش گوار حالات پیش آئے، نزل الحاج یعنی حج کرنے والا منیٰ میں آیا، نزل علی إرادة زمیلہ یعنی اپنے ساتھی کی رائے میں موافقت کی (۱)۔

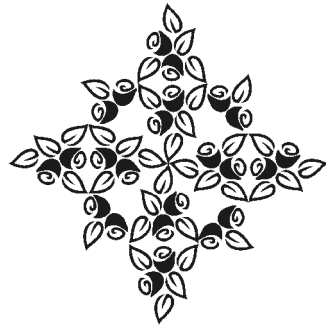
اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے (۲)۔

نزول سے متعلق احکام:

جمعہ کے خطیب کا اپنے خطبہ سے فارغ ہو کر اترنا:
۲- جمعہ کے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد خطیب کب اترے گا، اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

نزاع

دیکھئے: ”دعویٰ“۔



(۱) المعجم الوسيط۔
(۲) حاشیہ الجمل علی شرح المنہج ۳/۶۲۸، ۴/۲۶۷ طبع دار احیاء التراث العربی، المحرر ۲/۳۷ طبع دار الکتب العربی، الاختیار ۵/۹۲، ۹۳ طبع دار المعرفہ، مواہب الجلیل ۶/۴۱۰، ۴۱۲ طبع دار الفکر، کشف القناع ۴/۴۲۴، ۴۲۵ طبع عالم الکتب۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۱۰/۲۱۶، مغنی المحتاج ۴/۴۲۸، روض الطالب ۴/۳۴۳۔

نزول ۳-۵

حنفیہ نے کہا ہے کہ جب خطیب اتر جائے گا تو مؤذن نماز کے لئے اقامت کہے گا۔
 مالکیہ نے کہا ہے کہ خطیب جب خطبہ سے فارغ ہو جائے گا تو استغفار کرے گا پھر اترے گا اور نماز پڑھائے گا۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کی ایک سنت یہ ہے کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد اترنا شروع کرے گا اور مؤذن اقامت کہنا شروع کرے گا اور امام جلدی کرے گا تاکہ اقامت کہنے والے کے فارغ ہونے کے ساتھ ہی وہ محراب میں پہنچ جائے۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ جب خطیب خطبہ سے فارغ ہو جائے گا تو مؤذن جب قد قامت الصلاة کہے گا تب اترے گا اور اترنے میں تیزی کرے گا تاکہ دونوں خطبوں اور نماز کے درمیان زیادہ سے زیادہ تسلسل رہے، مگر تیزی کرنے میں ایسی جلد بازی نہیں کرے گا جو ناپسندیدہ ہو^(۱)۔

مسجد میں کفار کے وفد کا اترنا:
 ۳- نووی نے کہا ہے کہ اگر کفار کا کوئی وفد آئے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ امام ان کو اس عمارت میں ٹھہرائے جو ایسے کام کے لئے مقرر ہے یا کسی مسلمان کے خالی گھر میں اتارے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ان کو مسجد میں بھی اتار سکتا ہے^(۲)۔

ابن قدامہ نے اس کے جواز کی دلیل یہ دی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے پاس ثقیف کا وفد آیا اور ابھی وہ مسلمان نہیں ہوئے

(۱) الاختیار ۸۵/۱، المدونہ ۱۵۰/۱، ۱۵۱، روضة الطالین ۳۲/۲، کشف القناع ۳۸/۲

(۲) روضة الطالین ۳۱۱/۱۰

(۱) حدیث: "أَنْ وَفَدَ ثَقِيفٌ لِمَا قَدَّمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ....." کی روایت ابوداؤد (۳۲۰/۳ طبع محص) نے حسن بصری عن عثمان بن ابی العاص سے کی ہے۔

اور منذری نے (مختصر السنن ۴/۲۴ طبع دار المعرفہ) میں کہا: کہا گیا ہے کہ حسن بصری نے عثمان بن ابی العاص سے نہیں سنا ہے۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۵۳۲/۸ طبع الریاض۔

نزول ۶، نساء ۱-۲

مالکیہ کی رائے سجدہ نہ کرنے کی ہے، اور اس لئے ان کے نزدیک سجدہ کے لئے اترنا جائز نہیں ہے، البتہ سجدہ کے مکروہ یا حرام ہونے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔
اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”سجود التلاوة“ (فقہہ نمبر ۲۱)۔

نساء

تعریف:

۱- لغت میں نساء کا معنی تاخیر کرنا ہے، باب فتح سے ہے، کہا جاتا ہے: ”نساء اللہ أجله وفي أجله“ مہلت دینا، عمر دراز کرنا، انسأہ اور انسأ فیہ مؤخر کرنا^(۱)۔
اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۲)۔

روزہ دار کے حق میں شہوت کے ساتھ منی کا نکلتا:

۶- فی الجملہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ جان بوجھ کر منی کے نکلنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”صوم“ (فقہہ نمبر ۴۱، ۴۲) اور ”استمناء“ (فقہہ ۸، ۱۰)۔

متعلقہ الفاظ:

نقد:

۲- لغت میں نقد کا معنی دراہم کو پرکھنا، اور اس میں سے کھوٹ کو الگ کر دینا ہے، نیز دراہم پر قبضہ کرنا، ان کو لینا اور دینا، یہ نساء کے برخلاف ہے، کہا جاتا ہے: ”نقدت لہ الدراہم ثمن المبیع“ میں نے قیمت نقد ادا کی، فائقہ ہا اس نے اس پر قبضہ پالیا^(۳)۔
حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی حدیث میں ان کے اونٹ کے بارے میں ہے: ”نقدنی ثمنہ“^(۴) یعنی آپ نے مجھ کو اس کی قیمت نقد ادا کی۔



(۱) المصباح الممیر، القاموس المحیط، احکام القرآن لابن العربی ۵۰۱/۲ دارالکتب العلمیہ۔
(۲) مفتی المحتاج ۲۱/۲۔
(۳) لسان العرب، المصباح الممیر۔
(۴) حدیث جابر: ”فقدنی ثمنہ“ کی روایت بخاری (فتح ۳۱۳/۵ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۲۲۱/۳ طبع عیسیٰ الخلی) نے کی ہے۔

نساء ۳

کیف شتتم یداً بید“^(۱) (سونے کو چاندی سے ہاتھوں ہاتھ جیسے چاہو فروخت کرو، گندم کو کھجور سے ہاتھوں ہاتھ جیسے چاہو فروخت کرو، جو کھجور سے ہاتھ در ہاتھ جیسے چاہو پتو)۔

رہا نساء تو جن دو جنسوں میں ایک علت کی وجہ سے ربا پایا جاتا ہو مثلاً مکیل کو مکیل سے یا کھانے کی چیز کو کھانے کی چیز سے جن کے نزدیک ربا کی علت یہی ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے سے ادھار فروخت کرنا حرام ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شتتم إذا كان يداً بید“^(۲) (اگر یہ اصناف بدل جائیں تو جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو)۔

ایک روایت میں ہے: ”لا بأس ببيع الذهب بالفضة والفضة أكثرهما: يداً بید، وأما نسيئة فلا، ولا بأس ببيع البر بالشعير والشعير أكثرهما يداً بید، وأما نسيئة فلا“^(۳) (سونے کو چاندی سے جب کہ چاندی زیادہ ہونے پر فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ادھار جائز نہیں ہے، گندم کو جو سے جب کہ جو زیادہ ہونے پر فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ادھار جائز نہیں ہے)، البتہ دونوں طرف کے مال میں سے ایک ثمن اور دوسرا سامان ہو تو ایسی صورت میں دونوں میں ادھار جائز

(۱) حدیث: ”بيعوا الذهب بالفضة كيف شتتم يداً بید.....“ کی روایت ترمذی (۵۳۲/۳) طبع عیسیٰ الحلی نے عبادہ بن الصامتؓ سے کی ہے اور اس کی اصل صحیح مسلم (۱۲۱۱/۳) میں ہے۔

(۲) حدیث: ”فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شتتم إذا كان يداً بید“ کی روایت مسلم (۱۲۱۱/۳) طبع عیسیٰ الحلی نے حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”لا بأس ببيع الذهب بالفضة.....“ کی روایت ابوداؤد (۶۳۶/۳) طبع حمص نے حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے کی ہے۔

اصطلاح میں نقد، سونا اور چاندی کو کہتے ہیں، نیز ادھار کے برخلاف کو بھی کہتے ہیں۔

نساء اور نقد میں تضاد کا تعلق ہے^(۱)۔

نساء سے متعلق احکام:

عقود میں نساء (ادھار عقد کرنا):

۳- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس عقد میں بدین میں کمی بیشی ناجائز ہو اس میں نساء (ادھار) بھی حرام ہوگا اور قبضہ سے قبل ایک دوسرے سے علاحدہ ہونا بھی حرام ہوگا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”عیناً بعین“^(۲) (عین کے بدلہ عین)، اسی طرح ارشاد ہے: ”یداً بید“^(۳) (ہاتھ در ہاتھ ہو) اور اس لئے بھی کہ نساء کی حرمت میں زیادہ تاکید آئی ہے۔

تو جب کمی بیشی کرنا حرام ہوگا تو نساء بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا اور بدین دو جنس سے ہوں تو ان میں کمی بیشی جائز ہوگی جب کہ ہاتھوں ہاتھ ہو، ادھار جائز نہ ہوگا۔

دو جنسوں میں کمی بیشی کے جائز ہونے میں سعید بن جبیر کے علاوہ کسی کا اختلاف نہیں ہے، انہوں نے کہا ہے کہ جن دونوں چیزوں سے انتفاع کا طریقہ یکساں ہو ان میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی لیکن یہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے قابل رد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”بيعوا الذهب بالفضة كيف شتتم يداً بید، وبيعوا البر بالتمر كيف شتتم يداً بید، وبيعوا الشعير بالتمر“

فرمایا: ”بيعوا الذهب بالفضة كيف شتتم يداً بید، وبيعوا الشعير بالتمر“

(۱) لسان العرب، قواعد الفقہ للمبرکتی۔

(۲) حدیث: ”عیناً بعین“ کی روایت مسلم (۱۲۱۰/۳) طبع عیسیٰ الحلی نے عبادہ بن الصامتؓ سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں کی ہے۔

(۳) حدیث: ”یداً بید“ کی روایت مسلم (۱۲۱۳/۳) طبع عیسیٰ الحلی نے ابوبکرہ نفع بن الحارثؓ سے کی ہے۔

نساء ۴

اس کے لئے ادھار فروخت کرنا خواہ ثمن مثل (مناسب قیمت) سے زائد میں ہو جائز نہیں ہوگا، کیونکہ مطلق ہونے کا تقاضا ہے کہ نقد بیع ہو اس لئے کہ اکثر اس کا رواج ہوتا ہے^(۱)۔

لیکن حنا بلہ نے مطلق ہونے کی صورت میں وکیل اور مضاربت کے عامل و شریک کے درمیان فرق کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: اگر مطلق اجازت دے، ادھار یا نقد کی قید نہ لگائے تو وکیل کے لئے ادھار فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، عقد مضاربت کے عامل اور شریک کے لئے ادھار فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں دو روایتیں ہیں: پہلی روایت یہ ہے کہ ان دونوں کے لئے ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع میں یہ دونوں نائب ہیں، لہذا ان کے لئے وکیل کی طرح صریح اجازت کے بغیر ادھار فروخت کرنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ نائب کے لئے احتیاط کے ساتھ ہی تصرف کرنا جائز ہوتا ہے اور ادھار فروخت کرنے میں مال کو خطرہ میں ڈالنا ہے، مطلق کلام میں قرینہ حالیہ کے ذریعہ قید لگائی جاتی ہے تو ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا اس نے کہا کہ نقد فروخت کرنا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ عقد مضاربت کے عامل اور تجارت میں شریک کے لئے ادھار فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ مضاربت اور تجارت کی اجازت سے عام رائج تجارت کی اجازت سمجھی جائے گی اور ادھار فروخت کرنا تاجروں کی عام عادت ہے، اس لئے کہ تجارت کا مقصود نفع حاصل کرنا ہے اور ادھار میں نفع زیادہ ہوتا ہے۔

یہ اجازت مطلق وکالت کے حکم میں جدا ہوتی ہے، اس لئے کہ وکالت میں صرف نفع مقصود نہیں ہوتا ہے، بلکہ مقصود صرف ثمن کا حاصل کرنا ہوتا ہے، تو اگر اس کو خطرہ کے بغیر حاصل کرنا ممکن ہو تو یہ

ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے^(۱)، اس لئے کہ شریعت نے بیع سلم میں رخصت دی ہے، حالانکہ اس المال میں اصل دراہم و دنانیر ہیں، اگر بیع سلم میں ادھار جائز نہ ہو تو وزن والی اشیاء میں بیع سلم کا دروازہ بند ہو جائے گا^(۲)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”ربا“ (فقہہ ۲۶/۱ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

شریک، وکیل اور مضارب کا ادھار فروخت کرنا:

۴- شافعیہ و حنا بلہ کی رائے ہے کہ دوسرے کے مال میں تصرف کے وقت جس شخص پر احتیاط کرنا واجب ہو مثلاً وکیل، عقد مضاربت میں عامل، مال تجارت میں شریک اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ مضاربت میں اس المال کے مالک کی اجازت کے بغیر، بیع کی وکالت میں مؤکل کی اجازت کے بغیر اور مال تجارت میں شریک کی اجازت کے بغیر ادھار فروخت کرے، اگر وہ اس کی اجازت دے دیں تو جائز ہوگا۔

اور اس پر واجب ہے کہ مہلت دینے میں مبالغہ نہ کرے، اگر ادھار کے لئے کوئی مدت مقرر کر دی گئی ہو تو اس کی پابندی کرے گا، اور اگر کوئی مدت مقرر نہ ہو تو اگر وہاں کوئی عرف ہو تو اس پر محمول ہوگا ورنہ مصلحت کی رعایت رکھے گا، اگر اس کو بیع و شراہ کی اجازت دی گئی ہو تو ادھار فروخت کرنے پر گواہ بنا لینا اس پر واجب ہوگا، اسی طرح اس پر یہ بھی واجب ہوگا کہ ادھار بیع و شراہ قابل بھروسہ اور خوش حال لوگوں سے کرے۔

اگر مذکورہ شخص کو مال میں مطلق تصرف کی اجازت دی گئی ہو تو

(۱) المغنی لابن قدامہ ۱۱/۴، ۱۲، مغنی المحتاج ۲/۲۲، ۲۳، نہایۃ المحتاج ۳/۱۱، ۱۲،

تعیین الحقائق ۴/۸۷-۸۸، القوانین الفقہیہ ص ۱۶۶ طبع دارالعلم۔

(۲) المغنی ۱۲/۴، نہایۃ المحتاج ۳/۱۰۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۶/۹۳، مغنی المحتاج ۲/۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، المحلی شرح المنہاج

۵۶۲، ۳۳۵، ۳۴۱، المغنی ۵/۳۹، ۴۰ اور اس کے بعد کے صفحات۔

نساء ۴

دوم: مضاربت میں ثمن کی وصولیابی کی ذمہ داری عامل پر ہوتی ہے، لہذا وصولیابی میں تاخیر کا ضرر اس کو ہوگا اور وکالت اس کے برخلاف ہے، لہذا مؤکل اس پر راضی نہ ہوگا، نیز اس لئے کہ ثمن کے ہلاک ہونے کا ضرر عامل کو ہوگا، کیونکہ نفع میں اس کا حساب کیا جائے گا، اس لئے کہ نفع کی وجہ سے اس المال محفوظ رہتا ہے، اور وکالت میں ضرر مؤکل کو ہوگا، اس لئے دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا، اور اگر کسی سامان کو ادھار فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا اور اس نے ادھار والے دام سے کم میں نقد فروخت کر دیا تو اس کی بیع نافذ نہ ہوگی اس لئے کہ اس نے اپنے مؤکل کی مخالفت کی ہے، کیونکہ وہ ادھار ثمن پر راضی تھا، نقد ثمن پر راضی نہیں تھا^(۱)۔

اور اگر جتنے میں ادھار فروخت ہوتا اتنے ہی میں اس نے نقد فروخت کر دیا یا اس نے اس کا ثمن مقرر کر دیا اور اس نے اسی ثمن میں نقد بیچ دیا تو قاضی نے کہا ہے کہ بیع صحیح ہوگی، اس لئے کہ اس نے خیر میں اضافہ کیا ہے، لہذا عرف کے اعتبار سے اس کی اجازت صحیحی جائے گی، یہ ایسا ہی ہے کہ اس کو دس درہم میں فروخت کرنے کا وکیل بنایا اور اس نے اس سے زیادہ میں بیچ دیا۔

ہوسکتا ہے کہ اس میں اس طرح غور کیا جائے کہ اگر ادھار فروخت کرنے میں اس کی کوئی خاص غرض نہ ہو تب تو بیع صحیح ہوگی ورنہ اگر ادھار بیچنے میں کوئی خاص غرض ہو مثلاً ثمن ایسا ہے کہ فی الحال اس کو حفاظت میں ضرر ہے یا اس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے یا ڈاکوؤں سے اندیشہ ہے یا ادائیگی کے وقت تک اس کی حالت کے بدل جانے کا اندیشہ ہے تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس کو اس کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ جس چیز سے سکوت ہو اس کے لئے طے شدہ کا حکم نہیں ہوگا، البتہ اگر معلوم ہو کہ وہ مصلحت میں منطوق

زیادہ بہتر ہوگا، نیز بیع میں مطلق وکالت سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤکل کو فوری ثمن کی ضرورت ہے، لہذا اس میں تاخیر کرنا جائز نہ ہوگا، مضاربت کا حکم اس کے برخلاف ہے، اگر اس کو یہ کہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق کام کرو تو اس کے لئے ادھار فروخت کرنا بھی جائز ہوگا، اس لئے کہ عام الفاظ میں اجازت دینے سے اور قریبہ حالیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع کی صفات اور تجارت کی اقسام میں اس کی رائے پر راضی ہے اور ادھار بیع ان ہی میں سے ہے^(۱)۔

جب ہم یہ کہیں گے کہ اس کے لئے ادھار فروخت کرنا جائز ہے تو بیع صحیح ہوگی، ثمن کا کچھ حصہ اگر ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان اس پر لازم نہ ہوگا البتہ اگر بیع میں کوتاہی کرے گا اور ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے گا جو قابل بھروسہ نہیں ہے یا جس کو وہ پہچانتا نہیں ہے تو ثمن کا جو حصہ مشتری کے ذمہ باقی رہ جائے گا اس کا تاوان اس پر لازم ہوگا، اور اگر ہم یہ کہیں گے کہ اس کو ادھار فروخت کرنے کا حق نہیں ہے تو بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ اس نے ایسا کام کیا ہے کہ اس بارے میں اس کو اجازت نہیں دی گئی ہے، لہذا یہ اجنبی کی بیع کے مشابہ ہوگا^(۲)۔

رہا وکیل تو اگر اس کے لئے نقد خریداری کو متعین کر دیا ہے تو اس کی مخالفت جائز نہ ہوگی اور اگر مطلق اجازت دی ہے تو نقد پر محمول ہوگی، اس لئے کہ بیع وشراء میں اصل نقد ہی ہے۔

وکالت اور مضاربت میں دو طرح سے فرق ہے:

اول: مضاربت کا مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے، فی الحال ثمن کے ذریعہ حاجت روائی مقصود نہیں ہوتی ہے اور کبھی وکالت میں پیش آمدہ فوری ضرورت کو پورا کرنا مقصود ہوتا ہے جو ثمن کی تاخیر کی وجہ سے فوت ہو سکتی ہے۔

(۱) المغنی ۵/۳۹، ۴۰۔

(۲) المغنی ۵/۴۰۔

(۱) المغنی ۵/۱۳۴، ۱۳۵۔

نساء، نسب ۱-۲

نسب

تعریف:

۱- نسب لغت میں نَسَب کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: ”نسبتہ الی اُبیہ نسباً“ یعنی میں نے اس کو اس کے والد کی طرف منسوب کیا، انتساب الیہ: یعنی اس نے اپنا نسب بیان کیا۔
اسم نسبة ہے، نون کے زیر کے ساتھ، کبھی کبھی اس پر پیش بھی آتا ہے۔

ابن السکیت نے کہا ہے کہ نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے اور ماں کی طرف سے ہوتا ہے^(۱)۔
اصطلاح میں نسب قرابت کو کہتے ہیں، یعنی دو آدمیوں کا ولادت قریبہ یا بعیدہ میں شرکت کے ذریعہ باہم متصل ہونا^(۲)۔
مالکیہ نے کہا ہے کہ کسی معین باپ کی طرف انتساب کرنا نسب کہلاتا ہے^(۳)۔

متعلقہ الفاظ:

الف-عصبہ:

۲- لغت میں عصبہ کا معنی وہ مرد رشتہ دار ہے جو مرد کے ذریعہ

(مصرح) کی طرح ہے یا اس سے بھی بڑھ کر ہے تو بطور تنبیہ یا مماثلت کے اس میں حکم ثابت ہوگا^(۱)۔

جب منطوق بہ میں کوئی ایسی غرض ہوگی جو اس کے ساتھ خاص ہوگی تو اس کو فوت کرنا اور دوسرے میں حکم کو ثابت کرنا جائز نہ ہوگا^(۲)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ مطلق اجازت کی صورت میں عقد مضاربت کے عامل کا، تجارت میں شریک کا اور بیع میں وکیل کا ادھار فروخت کرنا جائز ہے، اگر اتنی مدت کے لئے ادھار دیا ہو جس کا رواج لوگوں میں ہو، اس لئے کہ مطلق وکالت میں عرف و عادت کی قید ہوا کرتی ہے، اور تصرفات ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں، لہذا مطلق وکیل میں مواقع ضرورت کی قید ہوگی، رواج یا تو نقد بیع کا ہوتا ہے یا اتنی مدت تک بیع کرنے کا ہوتا ہے جو لوگوں میں معروف ہو^(۳)، امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ بیع کے بعد ثمن کو مؤخر کرنا وکیل کے لئے جائز نہیں ہے، عقد مضاربت میں عامل کے لئے ثمن کو مؤخر کر دینا جائز ہے خواہ بیع کے بعد ہو، اس لئے کہ وہ اقالہ کا مالک ہوتا ہے جب کہ وکیل بالبیع اقالہ کا مالک نہیں ہوتا ہے^(۴)۔

نساء

دیکھئے: ”امرأة“۔

(۱) المصباح المنیر، الصحاح۔
(۲) نیل المآرب بشرح دلیل الطالب ۵۵/۲، مغنی المحتاج ۴/۳، التفریح ۳۳۸/۲، ہدایۃ الراغب ص ۴۲۲۔
(۳) جواهر الإلکلیل ۱۰۰/۲۔

(۱) المغنی ۵/۱۳۴، ۱۳۵۔
(۲) سابقہ حوالہ۔
(۳) تبیین الحقائق ۴/۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۴۵۔
(۴) تبیین الحقائق ۵/۶۸۔

نِسْب ۳-۷

منسوب ہو، یہ عاصب کی جمع ہے^(۱)۔
 اصطلاح میں مطلق عصبہ سے مراد میت کی اولاد، اس کے آباء،
 اور آباء کی اولاد میں مرد لوگ ہیں^(۲)۔
 نسب اور عصبہ میں تعلق یہ ہے کہ نسب عام ہے۔
 انہوں نے کہا ہے کہ بعض اہل عرب ’صہر‘ سسر و داماد دونوں کو کہتے
 ہیں، اگر کوئی شخص کسی خاندان میں شادی کرتا ہے تو وہ کہتا ہے:
 ’صاہرت الیہم‘، اسی طرح کہا جاتا ہے: ’أصہرت بہم‘: ان
 کے ساتھ مل گیا، اور پڑوس، نسب یا شادی کے ذریعہ ان کے ساتھ
 حرمت قائم ہوئی^(۱)۔

ب- ولاء:

۳- لغت میں ولاء کا معنی مدد کرنا ہے، لیکن شریعت میں ولاء عتق
 کے ساتھ خاص ہے^(۳)۔
 اصطلاح میں ولاء عتق یا اس کے اسباب کے اختیار کرنے کی
 وجہ سے کسی شرعی حکم کا ثبوت ہے^(۴)۔
 ان دونوں میں تعلق یہ ہے کہ دونوں وراثت کا سبب ہیں۔

ھ- رضاع:

۶- لغت میں رضاع کا معنی پستان چوسنا ہے^(۴)۔
 اصطلاح میں عورت کا دودھ یا اس کے دودھ سے حاصل شدہ
 چیز مخصوص شرطوں کے ساتھ بچہ کے پیٹ میں پہنچانا رضاع
 کہلاتا ہے^(۵)۔
 نسب اور رضاع میں یہ تعلق ہے کہ رضاع سے نسب کے بعض
 احکام ثابت ہوتے ہیں۔

د- مصاہرۃ:

۵- جوہری نے کہا ہے کہ ’صہار عورت کے گھر والے ہیں، نیز
 ۷- لغت میں قعد کا معنی باپ سے لے کر جد اکبر تک میں سے

(۱) المصباح الممیر، لسان العرب۔

(۲) المغنی والشرح الکبیر ۱۹/۷، نہایۃ المحتاج ۲۳/۶۔

(۳) المصباح الممیر، الصحاح۔

(۴) نیل المآرب ۲/۵۵، المغنی المحتاج ۳/۴، نیل الأوطار ۶/۷۰۔

(۵) المصباح الممیر، مختار الصحاح۔

(۶) حاشیہ ابن عابدین ۵/۸۶، ۴/۵۰، العذب الفانض ۲/۱۵۔

نسب ۸-۹

کے کسی ایسے بچے کے نسب کا اقرار کرے جس کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ اس کا بچہ نہیں ہے، اسی طرح ایسے بچے کے نسب کا انکار کرنا حرام ہے جس کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ اس کا بچہ ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”أیما رجل جحد ولده وهو ينظر إليه احتجب الله منه وفضحه على رؤوس الأولین والآخیرین یوم القیامة“^(۱) (جو شخص اپنے بچے کا انکار کرے گا حالانکہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس سے پردہ فرمائے گا اور ساری مخلوق کے سامنے اس کو رسوا کرے گا) اور چونکہ ایسا کرنے والے کی سخت مذمت کی گئی ہے اور ان دونوں پر انتہائی برے مفاسد مرتب ہوتے ہیں، اس لئے یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں^(۲)۔

نسب کے حقوق:

۹- نسب میں چند حقوق ہیں، چنانچہ اس میں بچہ کا حق ہے^(۳) کہ جب وہ کسی باپ کو پائے گا تو باپ، بچہ کی نگرانی کرے گا اور اس کو نفقہ دے گا، اس میں ماں کا بھی حق ہے، اس لئے کہ ایسے بچہ کی وجہ سے جس کا کوئی باپ نہ ہو اس کو عار دلایا جاتا ہے^(۴)، اسی طرح اس میں باپ کا بھی حق ہے^(۵)، اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے،

(۱) حدیث: ”أیما رجل جحد ولده“ کی روایت ابوداؤد (۶۹۵/۲، ۶۹۶، طبع حمص) اور نسائی (۱۷۹/۶، ۱۸۰، طبع التجاریۃ الکبریٰ) نے ابو ہریرہؓ سے کی ہے، الفاظ ابوداؤد کے ہیں، المنذری نے مختصر السنن (۱۸۲/۳) میں کہا ہے کہ اس میں ایک راوی کی جہالت ہے اس لئے یہ حدیث معلول ہے۔

(۲) المجموع ۳۲/۱، نہایۃ المحتاج ۱۰۶/۷، طبع المکتبۃ الاسلامیۃ، ابن عابدین ۵۹۲/۲۔

(۳) حاشیہ الجمل ۳۳۶/۵، آسنی المطالب ۳۳۳/۳۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۶۱۶/۲۔

(۵) جواہر الإکلیل ۳۴۲/۲، نیل المآرب ۲۰۲/۲۔

قرب شخص ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص، فلاں شخص کے ساتھ فلاں سے تعدد میں برابر ہے، یعنی نیچے کے دادا سے قریب ہونے میں برابر ہے، نیز کہا جاتا ہے: ”فلاں أقعد من فلاں“ یعنی اس سے زیادہ قریب ہے، اہل عرب کہتے ہیں: صاحب ولاء میت کے عصبہ میں سے أقعد شخص ولاء کا وارث ہوگا^(۱)۔

اس کا ذکر بہت سے ابواب میں آتا ہے، مثلاً کسی کے لئے گواہی دینا کہ وہ میت کا عصبہ ہے، اس صورت میں گواہ کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ فلاں جد میں میت کا رشتہ دار ہے جس میں ابن عم اس کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے، ایک درجہ میں یا دو درجہ میں ہو^(۲)۔

ولی دم کے معاف کرنے کے بارے میں فقہاء کہتے ہیں کہ قصاص کے اولیاء میں سے اگر بعض معاف کر دیں تو قصاص ساقط ہو جائے گا جب تک معاف کرنے والا تعدد میں ابعد نہ ہو^(۳)، ولاء کے ذریعہ میراث میں کہتے ہیں کہ صاحب ولاء میت کے عصبہ میں سے أقعد کو ولاء ملے گا^(۴)۔

نسب اور تعدد میں تعلق یہ ہے کہ نسب تعدد سے عام ہے۔

نسب سے متعلق احکام:

نسب کے اقرار کا حکم:

۸- نسب کی بنیاد احتیاط پر ہے، اسی وجہ سے آدمی کے لئے حرام ہے

(۱) القاموس المحیط، الموطا ۵۱۳/۲، شرح السجلماسی علی نظم العمل الفاسی ۱۱۳/۲، طبع لیتھو، فاس ۱۲۹۱ھ۔

(۲) المدونہ ۸۹/۸، الکفایہ ۱۸۲/۲۔

(۳) شرح التاودی ۴۰۸/۱۔

(۴) شرح السجلماسی علی نظم العمل الفاسی ۱۱۳/۲۔

نسب ۱۰-۱۱

اس لئے کہ اگر شوہر نو سال سے کم عمر کا بچہ ہو تو بچہ کا نسب اس سے ثابت نہ ہوگا، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اسی طرح جس کا عضو تناسل کاٹ دیا گیا ہو، جمہور کے نزدیک اس سے نسب ثابت نہ ہوگا۔
حنفیہ کا مذہب ہے کہ اگر اس کو انزال ہوتا ہو تو نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں^(۱)، دیکھئے: اصطلاح ”جُب“ (فقہ ۹/۹)۔

جس شخص کے دونوں نصیبے نکال دیئے گئے ہوں، اگر اس کا عضو تناسل باقی ہو تو شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک صحیح مذہب کے مطابق بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا، امام مالک نے کہا ہے کہ اس بارے میں میری رائے ہے کہ خصی اور مجبوب (جس کا عضو تناسل کاٹ دیا گیا ہو) کے بارے میں اہل معرفت سے پوچھا جائے، اگر اس جیسے آدمی کو بچہ پیدا ہو سکتا ہو تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا ورنہ نہیں^(۲)۔

ب۔ عورت، مدت حمل کے دوران بچے جننے، اس کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ پانچ سال ہے، اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”حمل“ (فقہ ۷/۷)۔

ج۔ عقد کے بعد زوجین میں ملاقات کا امکان ہو، اگر شوہر نے مجلس عقد ہی میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، یا دونوں کے درمیان آپس میں نکاح ہوا اور دونوں الگ الگ تھے، ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں تھا، تو جمہور کے نزدیک بچہ کا نسب ثابت نہ ہوگا^(۳)۔

”جو اہر الکلیل“ میں ہے کہ اگر مغرب میں رہنے والی عورت، مشرق میں رہنے والے اپنے شوہر پر بچہ کا دعویٰ کرے اور دونوں میں

اس لئے کہ صلہ رحمی میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے^(۱)۔

نسب بیچ کا محل نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ مال نہیں ہے، اسی طرح وہ ہبہ، صدقہ اور وصیت کا محل بھی نہیں ہے^(۲)۔

نسب کے اسباب:

۱۰۔ نسب کے دو اسباب ہیں: نکاح اور استیلا (باندی سے بچہ پیدا کرنا)۔

سبب اول: نکاح:

۱۱۔ نکاح کی دو قسمیں ہیں: صحیح اور فاسد، ان کے ساتھ وطی بالشبہ بھی ملحق ہے۔

رہا نکاح صحیح تو اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کا نکاح صحیح ہو اس سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب ثابت ہوگا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”الولد للفراش وللعاهر الحجر“^(۳)

(بچہ صاحب فراش کا ہوگا اور بدکار کو سنگسار کیا جائے گا)، فراش سے مراد نکاح ہے یا جو نکاح کے حکم میں ہو، اور اس کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:

الف۔ شوہر سے حمل کا ہونا عادتاً ممکن ہو اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ مالکیہ و شافعیہ کے نزدیک شوہر قمری حساب سے نو سال کا ہو، اور حنفیہ کے نزدیک ۱۲ سال کا ہو، اور حنابلہ کے نزدیک ۱۰ سال کا ہو^(۴)، دیکھئے: اصطلاح ”بلوغ“ (فقہ ۲۱/۲۱)۔

= ۱۵۳۶/۳، حاشیہ الرسوقی ۲/۲۶۰، روضۃ الطالبین ۸/۳۵۷، المغنی ۷/۲۶۹۔

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) القلیوبی وغیرہ ۳/۵۰، المغنی ۷/۳۸۰، المدونہ ۲/۳۴۵۔

(۳) حاشیہ الرسوقی ۲/۲۶۰، مغنی المحتاج ۳/۳۹۶، ۳/۳۷۳، المغنی ۷/۳۳۰، نیل المآرب ۲/۲۶۹۔

نیل المآرب ۲/۲۶۹۔

(۱) شرح الکلی ۳/۳۲۲، ۳/۳۲۳۔

(۲) بدائع الصنائع ۴/۱۷۳۔

(۳) حدیث: ”الولد للفراش وللعاهر الحجر“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۵/۳۷۱ طبع استغلیہ) اور مسلم (۲/۱۰۸۰ طبع عیسیٰ الکلی) نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۶۵، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۶۱، بدائع الصنائع

نسب ۱۲

کرے، اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جماعت کے ساتھ کوئی حاکم ہو یا نہ ہو پھر اسی مجلس میں اس کو طلاق دے کر الگ کر دے یا اسی مجلس میں مرجائے یا عقد کے وقت زوجین کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ جس مدت میں بچہ پیدا ہوا ہے اس میں اس مسافت کو طے کرنا ممکن نہ ہو مثلاً مشرق میں رہنے والے کسی مرد نے مغرب میں رہنے والی کسی عورت سے شادی کی، پھر چھ ماہ گذر گیا اور بچہ پیدا ہوا تو اس کے ساتھ بچہ کا نسب ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ بچہ کا نسب صرف اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کہ عقد بھی ہو اور حمل کی مدت بھی ہو یا شوہر کی عمر دس سال پوری نہ ہوئی ہو یا خصیتین کے ساتھ اس کا عضو تناسل کاٹ دیا گیا ہو تو ان تمام صورتوں میں بچہ کا نسب شوہر کے ساتھ ثابت نہ ہوگا^(۱)۔

حنفیہ کے نزدیک بچہ کا نسب ثابت ہوگا، اس لئے کہ ان کے نزدیک نسب کے ثبوت کے لئے صحیح نکاح کا ہونا کافی ہے اگرچہ زوجین کے درمیان ملاقات نہ ہوئی ہو^(۲)۔

حاشیہ ابن عابدین میں ہے کہ حنفیہ نے دخول کے بغیر صرف فراش کے ہونے کو کافی قرار دیا ہے، مثلاً مغرب میں رہنے والا کوئی شخص مشرق میں رہنے والی کسی خاتون سے نکاح کرے اور دونوں کے درمیان سال بھر کی مسافت اور شادی کے چھ ماہ پورے ہونے پر بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت ہوگا^(۳)۔

نکاح فاسد:

۱۲- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر نکاح فاسد میں حقیقی وطی ہو تو نسب ثابت ہوگا، اس لئے کہ بچہ کے حقوق کو زندہ رکھنے کے لئے نسب

سے ہر ایک جس شہر میں رہتے ہیں اس سے اتنی مدت غائب نہیں ہوئے جس میں عادتاً دوسرے کے پاس پہنچ جانا ممکن ہو تو ایسی صورت میں لعان کے بغیر بچہ کے نسب کی نفی کر دی جائے گی اس لئے کہ عادتاً بچہ کا اس سے ہونا محال ہے^(۱)۔

حاشیہ الجمل میں ہے: نکاح صحیح میں اگر بچہ کا شوہر سے ہونا ممکن ہو تو مطلقاً اس کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا لہذا اس کو قیافہ شناس پر پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے^(۲)۔

شافعیہ نے بھی کہا ہے کہ زوجہ کے ساتھ محض خلوت ہو جائے تو فراش بن جاتی ہے، اس لئے اگر اس کے ساتھ خلوت کا امکان ہو اور وہ بچہ جنے تو اگرچہ شوہر وطی کا اقرار نہ کرے لیکن بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا، اس لئے کہ نکاح کا مقصد استمتاع اور بچہ کا حصول ہے لہذا اس میں خلوت کا ممکن ہونا کافی ہوگا^(۳)۔

اسی طرح انہوں نے کہا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور تین قروء گذر جائے پھر وہ بچہ جنے اور اس کا شوہر سے ہونا ممکن ہو تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا، اس لئے کہ نکاح کا فراش قوی ہوتا ہے^(۴)۔

نیل المآرب میں ہے: اگر شوہر سے بچہ ہونا ممکن نہ ہو، مثلاً شادی کے دن سے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہو جائے اور وہ زندہ ہے یا علیحدگی کے بعد چار سال سے زائد گذرنے پر بچہ پیدا ہو یا حاملہ ہونے کی حالت میں طلاق دی، بچہ پیدا ہوا پھر چھ ماہ کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا یا معلوم ہو کہ زوجیت کے زمانہ میں کبھی بیوی کے ساتھ خلوت نہیں ہوئی ہے، مثلاً ایک جماعت کی موجودگی میں اس سے شادی

(۱) جواہر الإکلیل ۲/۳۸۱، الدر سوتی ۲/۴۶۰۔

(۲) حاشیہ الجمل ۵/۴۳۶۔

(۳) القلیوبی وعمیرہ ۴/۶۱ طبع دار الفکر بیروت، مغنی المحتاج ۳/۴۱۳۔

(۴) سابقہ مراجع۔

(۱) نیل المآرب ۲/۲۶۹۔

(۲) بدائع الصنائع ۱۵۴۶/۳، ابن عابدین ۳/۶۳۰۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۲/۶۳۰۔

نسب ۱۳-۱۵

کے ثبوت میں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے^(۱)۔

حنابلہ میں قاضی ابویعلیٰ نے کہا ہے (اور انہوں نے اس کو حنا بلہ میں سے ابو بکر کی طرف منسوب کیا ہے) کہ اس سے نسب ثابت نہ ہوگا، اس لئے کہ نسب صرف نکاح صحیح یا فاسد یا ملک یا شہرہ ملک میں ثابت ہوتا ہے اور یہاں اس میں سے کوئی موجود نہیں ہے، نیز یہ ایسی وطی ہے جو کسی عقد کی طرف منسوب نہیں ہے، لہذا زنا کی طرح اس میں بچہ کا نسب ثابت نہ ہوگا۔

امام احمد نے کہا ہے کہ جس وطی میں وطی کرنے والے سے حد ساقط ہو جائے اس میں بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا، نیز اس لئے کہ یہ ایسی وطی ہے کہ وطی کرنے والا اس کو حلال سمجھتا ہے، لہذا اس کی وجہ سے نسب ثابت ہوگا جیسا کہ نکاح فاسد میں ہوتا ہے، یہ زنا سے بالکل جدا ہے کہ اس میں زنا کرنے والا اس کو حلال نہیں سمجھتا ہے، اگر شوہر والی عورت سے شہرہ میں ایسے طہر میں وطی کر لے جس میں اس کے شوہر نے وطی نہ کی ہو اور شہرہ میں وطی کے بعد شوہر اس کو الگ رکھے اور شہرہ میں وطی کے بعد چھ ماہ پورا ہونے پر بچہ پیدا ہو تو وطی کرنے والے سے نسب ثابت ہوگا اور لعان کے بغیر شوہر سے نسب کی نفی ہو جائے گی۔

ابو بکر کے قول کے مطابق شوہر سے نسب ثابت ہوگا، اس لئے کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے^(۱)۔

ایک عورت سے وطی میں شرکت:

۱۵- اگر ایک عورت سے وطی میں شرکت ہو تو نسب ثابت ہوگا یعنی ایک عورت سے شہرہ میں دو مرد وطی کریں، مثلاً ان میں سے ہر ایک نے اس کو اپنے بستر پر پایا اور اس کو اپنی بیوی سمجھا، یا اپنی بیوی سے وطی کیا اور طلاق دے دی، پھر کسی دوسرے نے شہرہ میں اس سے وطی کر لی یا

(۱) المغنی ۴/۳۱۷، ۴۳۲۔

نکاح فاسد میں نسب کی مدت کا اعتبار کب سے کیا جائے گا: ۱۳- امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے صراحت کی ہے کہ نسب کی مدت کا اعتبار نکاح کے وقت سے کیا جائے گا جیسا کہ نکاح صحیح میں ہوتا ہے، اس لئے کہ نکاح فاسد کا حکم نکاح صحیح سے ماخوذ ہے۔

امام محمد بن الحسن کی رائے ہے کہ دخول کے وقت سے اعتبار کیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے، اس لئے کہ نکاح فاسد وطی کا داعی نہیں ہے، اور نکاح وطی کے قائم مقام اس لئے ہوتا ہے کہ نکاح وطی کا داعی ہوتا ہے اور نکاح فاسد چونکہ وطی کا داعی نہیں ہے اس لئے اس کے قائم مقام بھی نہیں ہوگا^(۲)۔

شہرہ میں وطی کرنا:

۱۴- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ شہرہ میں وطی کرنے سے نسب ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ یہاں نسب کا ثبوت وطی کرنے والے کے گمان کی وجہ سے ہوتا ہے، زنا اس کے برخلاف ہے کہ اس میں کوئی گمان نہیں ہوتا ہے۔

اس لئے اگر شہرہ میں ایسی عورت سے وطی کی جس کا شوہر نہیں ہے تو گویا اس نے اس کو اپنی بیوی گمان کیا یا اپنی باندی سمجھا، اور وطی کے وقت سے چھ ماہ یا اس سے زائد گزرنے پر بچہ پیدا ہو تو اس سے نسب ثابت ہوگا خواہ عورت کی طرف سے بھی کوئی شہرہ ہو یا نہ ہو^(۳)۔

(۱) الہدایہ ۴/۲۰۲، بدائع الصنائع ۳/۱۵۵۳ اور اس کے بعد کے صفحات، حاشیہ ابن عابدین ۲/۶۳۳، جواہر الإکلیل ۲/۲۷۸، حاشیہ الدسوقی ۲/۴۵۷، روضۃ الطالبین ۷/۴۲، المغنی والشرح الکبیر ۷/۳۴۵۔

(۲) الہدایہ مع الشرح ۳/۲۴۵، شائع کردہ دار احیاء التراث۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۲/۶۰، القلیوبی ۲/۳۵۰، الشرح القوی ۲/۲۱۹، ۳۲۸۔

۳۲۹ مغنی المحتاج ۴/۴۹۰، المغنی ۷/۴۳۱، ۴۳۲۔

نسب ۱۶-۱۹

ہے)، عاہر زانی کو کہتے ہیں، نیز اس لئے کہ زنا ممنوع ہے اور زانی گناہ گار ہوتا ہے^(۱)۔

سبب دوم: استیلاؤ:

۱۸- لغت میں استیلاؤ کا معنی بچہ طلب کرنا ہے، اور اصطلاح میں اس کا معنی باندی کو ام ولد بنانا ہے، اگر کوئی شخص اپنی باندی کو ام ولد بنائے تو کہا جاتا ہے: فلان استولد جاربتہ۔

اگر آقا و طی کا اقرار کرے تو جمہور کے نزدیک نسب ثابت ہوگا، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک یہ شرط ہے کہ آقا اس کا اقرار کرے کہ بچہ اس کا ہے، تفصیل اصطلاح ”استیلاؤ“ (فقہ ۸/۸) میں ہے۔

ثبوت نسب کے دلائل:

الف- فراش:

۱۹- لغت میں فراش کا معنی روندنا ہے، یعنی وہ جس کو بچھا یا جائے، اسی طرح شوہر اور آقا کو بھی فراش کہتے ہیں، عورت کو بھی فراش کہتے ہیں، اس لئے کہ مرد اس کو روندتا یعنی بچھاتا ہے^(۲)، اسی معنی میں حدیث ہے: ”الولد للفراش“ اس سے مراد مالک فراش ہے۔

اصطلاح میں فقہاء کے نزدیک فراش و طی کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح عورت کا ایک شخص کے لئے ولادت کے لئے متعین ہونے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، ذیلیعہ کہتے ہیں: فراش کا معنی یہ ہے کہ عورت ایک شخص کے لئے ولادت کے لئے

نکاح فاسد میں وطی کر لی پھر بچہ پیدا ہوا، اور اس کا دونوں سے ہونا ممکن ہو تو اس کو قیافہ شناس پر پیش کیا جائے گا، اگرچہ ان میں سے کوئی دعویٰ نہ کرے، اس لئے کہ دونوں سے اس کا نسب ثابت کرنا یا دونوں سے اس کی نفی کرنا دشوار و ناممکن ہے^(۱)۔

منی کو رحم میں داخل کرنے کی وجہ سے نسب کا ثبوت:

۱۶- مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر عورت جماع کے بغیر منی کے فرج میں داخل ہونے کی وجہ سے حاملہ ہو جائے جیسے..... تو اگر شوہر والی ہو اور اس سے نسب کو ثابت کرنا ممکن ہو اس طرح کہ شادی کے بعد چھ ماہ یا اس سے زائد گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا، اور اگر شوہر والی نہ ہو یا شوہر والی ہو لیکن اس سے نسب ثابت کرنا ممکن نہ ہو تو اس سے نسب ثابت نہ ہوگا^(۲)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ عورت کا مرد کی منی کو اپنے رحم میں داخل کر لینا، عدت کے واجب ہونے اور نسب کے ثابت ہونے میں وطی کے قائم مقام ہے^(۳)۔

زنا کی وجہ سے نسب کا ثبوت یا عدم ثبوت:

۱۷- فقہاء کی رائے ہے کہ زنا سے مطلقاً نسب ثابت نہ ہوگا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی اہل علم نے زنا سے نسب کو ثابت نہیں کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”الولد للفراش وللعاهر الحجر“^(۴) (بچہ صاحب فراش کا ہوگا اور زانی کے لئے پتھر

(۱) مغنی المحتاج ۴/۴۸۹، آسنی المطالب ۴/۴۳۱۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۱/۶۳۰۔

(۳) الروضہ ۸/۳۶۵، القلیوبی و عمیرہ ۳/۲۴۳۔

(۴) حدیث: ”الولد للفراش وللعاهر الحجر“ کی تخریج فقہ ۱۱/۱۱ میں گزر چکی ہے۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲/۶۳۳، جواہر الإکلیل ۲/۲۸۳، ۳/۱۴، الأم ۵/۱۶۶،

۳/۲۶، الشرفاوی علی التخریر ۲/۳۲۸، ۳/۲۹، القلیوبی و عمیرہ ۳/۲۴۳،

المغنی ۵/۳۲۵۔

(۲) متن اللغۃ، المغرب للمطرزی، النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر۔

متعین ہو^(۱)، کرنی نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ عقد ہے^(۲)۔
حضرت سودہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

نیز حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:
لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنی باندیوں سے وطی کرتے ہیں، پھر عدل
کر لیتے ہیں، اگر میرے پاس کوئی باندی آئے گی، اور اس کا آقا
اقرار کرے گا کہ اس نے اس سے وطی کی ہے تو میں اس باندی کے بچہ
کا نسب اس کے آقا سے ثابت کر دوں گا، اب اس کے بعد تم چاہے
عزل کرو یا نہ کرو^(۱)۔

یہ فیصلہ فراش کی وجہ سے نسب کے ثبوت میں اصل بنیاد ہے،
اسی طرح اس بات میں بھی اصل کی حیثیت رکھتا ہے کہ اگر مشابہت
فراش کے معارض ہو تو فراش کو مقدم کیا جائے گا^(۲)۔
زوجہ کس چیز کی وجہ سے فراش بنتی ہے، اس میں فقہاء کا
اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ زوجہ عقد
نکاح کی وجہ سے فراش بنتی ہے بشرطیکہ دخول حقیقی یعنی وطی ممکن ہو، اگر
وطی ممکن نہ ہو مثلاً مغرب میں رہنے والا کوئی مرد، مشرق میں رہنے والی
کسی عورت سے نکاح کر لے، اور دونوں میں سے کوئی اپنے وطن سے
جدانہ ہو اور چھ ماہ یا زائد گزرنے پر بچہ پیدا ہو تو بچہ کا نسب ثابت نہ
ہوگا، اس لئے کہ بچہ کا شوہر سے ہونا ممکن نہیں ہے^(۳)۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ محض عقد نکاح سے زوجہ میں فراش ہونا
ثابت ہو جائے گا، وطی کا ممکن ہونا شرط نہیں ہے، اگر عقلاً وطی کا تصور

فراش کے بارے میں متعدد احادیث مروی ہیں: حضرت
ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”الولد
للفراش وللعاہر الحجر“^(۳)، نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے
:”اختصم سعد بن ابی وقاص وعبد بن زمعة فی غلام،
فقال سعد: هذا یا رسول اللہ: ابن أخي عتبة بن ابی
وقاص عهد إلي أنه ابنه، انظر إلي شبهه، وقال عبد بن
زمعة: هذا أخي یا رسول اللہ، ولد علی فراش ابی، فنظر
رسول اللہ ﷺ إلي شبهه فرأى شبهاً بیناً بعتبة فقال: هو
لك یا عبد، الولد للفراش وللعاہر الحجر، واحتججی
منه یا سودة بنت زمعة، قلت: فلم یرسودة قط“^(۴) (سعد
بن ابی وقاص اور عبد بن زمعة کے درمیان ایک لڑکے کے بارے میں
اختلاف ہوا، چنانچہ حضرت سعد نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ
میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے، انہوں نے مجھ کو بتایا تھا کہ
وہ میرا بیٹا ہے، آپ اس کی مشابہت کو دیکھ لیں، عبد بن زمعة نے کہا:
اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھائی ہے، میرے والد کے فراش پر پیدا ہوا
ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی شکل و صورت کو دیکھا تو محسوس کیا
کہ عتبہ کے ساتھ واضح مشابہت ہے، پھر فرمایا: عبد اس کو تم لے جاؤ،
بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے، اور اے سودہ بنت
زمعة تم اس سے پردہ کرو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر اس لڑکے نے

(۱) تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۴۳۳، التعریقات للبحر جانی۔

(۲) حاشیہ الشیخ بہامش الزلیلی ۳۹۳۔

(۳) حدیث ابی ہریرہ: ”الولد للفراش وللعاہر الحجر“ کی روایت بخاری
(فتح الباری ۱۲/۱۲) اور مسلم (۱۰۸۱/۲ طبع مجلسی) نے کی ہے۔

(۴) حدیث: ”اختصم سعد بن ابی وقاص.....“ کی روایت بخاری (فتح
الباری ۴/۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۰۸۰/۲ طبع مجلسی) نے حضرت
عائشہؓ سے کی ہے۔

(۱) اثر عمرؓ: ”ما بال رجال یطنون ولاندهم ثم یعزلونہن.....“ کی روایت
امام مالک نے الموطأ (۲/۲۲۲ طبع عیسیٰ الحلیمی) میں اور عبدالرزاق نے
المصنف (۷/۱۳۲ طبع المجلس العلمی) میں کی ہے، الفاظ مالک کے ہیں۔
(۲) زاد المعاد لابن القیم ۵/۴۱۰ طبع مؤسسۃ الرسالہ ۱۹۸۷ھ۔
(۳) الشرح الصغیر ۳/۵۴۰، ۵۴۱، القلیوبی وعمیرہ ۴/۱۰۷، المغنی ۳/۲۹۳، صحیح
مسلم شرح النووی ۱۰/۳۸، فتح الباری ۱۲/۳۳، زاد المعاد ۵/۴۱۰۔

نسب ۲۰-۲۲

نے نسب کے دعویٰ کو ضروری نہیں قرار دیا ہے، اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ آقا یہ دعویٰ کرے کہ اس کی باندی کو جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ اس کا بچہ ہے، لہذا بچہ جننے والی باندی اس وقت اپنے آقا کی فراش ہوگی جب اس کا آقا اس کے بچہ کا نسب خود سے ثابت کرے، محض اس سے وطی کا اقرار کافی نہ ہوگا۔

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ محض وطی کے اقرار سے باندی فراش ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے دعویٰ کے بغیر نسب ثابت ہو جائے گا^(۱)۔

د- حمل:

۲۲- نمایاں ہونے والے حمل سے نسب ثابت ہو جائے گا^(۲)، اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ بچہ معینہ مدت کے اندر پیدا ہو، اس مدت کی کم از کم حد اور زائد سے زائد حد متعین ہے، مدت حمل کی کم از کم حد چھ ماہ ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے^(۳)۔

اکثر مدت حمل میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ شافعیہ نے کہا ہے اور یہی حنابلہ کے نزدیک ظاہر مذہب ہے، اور مالکیہ کے نزدیک ایک قول ہے کہ اکثر مدت حمل چار سال ہے^(۴)۔

حنفیہ کی رائے اور ایک روایت میں امام احمد کا قول یہ ہے کہ

(۱) البدائع ۱۲۵/۳، الکافی لابن عبدالبر ۹۸۱/۲، القلیوبی ۶۲/۳، المغنی ۵۸۳، ۵۲۸/۹۔

(۲) ابن عابدین ۵۳۴/۲۔

(۳) الہدایہ ۳۶۲/۳، حاشیہ ابن عابدین ۶۲۳/۲، الاختیار ۱۷۹/۳، بدائع الصنائع ۲۱۱/۳، بدایۃ المجتہد ۳۵۲/۲، جواهر الإکلیل ۳۱۳، ۳۱۲/۲، القلیوبی ۴۲/۳، مغنی المحتاج ۳/۳، المغنی ۴۰۸، ۴۰۷/۳۔

(۴) بدایۃ المجتہد ۳۷۲/۲، جواهر الإکلیل ۳۸۰/۱، الخرشبی ۱۴۳/۱، روضۃ الطالبین ۱۴۱/۲، ۱۴۲، مغنی المحتاج ۳/۳، ۳۸۰، ۳۷۷/۳، ۴۸۳۔

ہو، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک عقلی تصور موجود ہو نکاح وطی کا قائم مقام ہوگا، لہذا اگر عقد کے وقت سے ادنیٰ مدت حمل کے گزرنے پر بچہ پیدا ہو تو شوہر سے اس کا نسب ثابت ہوگا، مثلاً اگر مشرق میں رہنے والا کوئی شخص مغرب میں رہنے والی کسی عورت سے نکاح کرے اور بچہ پیدا ہو تو اگرچہ حقیقی دخول نہیں پایا جائے پھر بھی بچہ کا نسب ثابت ہوگا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا قول ہے: ”الولد للفراش“ مراد صاحب فراش ہے، اس میں وطی کی شرط نہیں لگائی گئی ہے، نیز اس لئے کہ زوجہ میں عقد وطی کے قائم مقام ہے^(۱)۔

ب- قیافہ:

۲۰- قیافہ سے نسب ثابت کرنے کے بارے میں فقہاء کی دو مختلف آراء ہیں:

پہلی رائے: مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ قیافہ سے نسب ثابت ہوگا، اگر نسب میں اختلاف ہو اور قیافہ سے زیادہ قوی دلیل موجود نہ ہو، یا ہو مگر ان دلائل میں اختلاف ہو تو نسب کے اثبات کے لئے ان حضرات نے قیافہ پر اعتماد کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

دوسری رائے: حنفیہ کی رائے ہے کہ قیافہ شناس کے کہنے سے نسب ثابت نہ ہوگا، اس کی تفصیل اصطلاح ”قیافہ“ (فقہ ۶/۶) میں ہے۔

ج- دعوۃ^(۲):

۲۱- ام ولد سے متعلق نسب کے ثابت کرنے میں حنفیہ کے علاوہ کسی

(۱) بدائع الصنائع ۱۵۴/۳، ۱۵۴/۲، حاشیہ ابن عابدین ۶۳۰/۵، فتح القدر ۳۰۱/۳، البیہاقیہ ۸۱۸/۳۔

(۲) دعوۃ (دال کے زیر کے ساتھ) لے پالک لڑکے کا باپ کے علاوہ دوسرے سے نسب کا دعویٰ کرنا (لسان العرب، المغرب)۔

نسب ۲۳-۲۴

(فقہہ ۱۹) میں ہے۔

اکثر مدت حمل دو سال ہے^(۱)۔

امام مالک سے مشہور ہے کہ اکثر مدت حمل پانچ سال ہے، محمد بن عبدالحکم نے کہا ہے کہ اکثر مدت حمل نو ماہ ہے، اور یہی معتاد مدت ہے^(۲)؛ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”حمل“ (فقہہ ۶) اور اس کے بعد کے فقرات)۔

و- اقرار:

۲۴- صحیح نسب کا اقرار کرنا واجب ہے، اور دوسرے کے نسب کا اقرار کرنا حرام ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اقرار سے نسب ثابت ہو جائے گا، اگرچہ بعض تفصیلات میں کچھ اختلاف ہیں۔

چنانچہ حنفیہ کی رائے ہے کہ نسب کے اقرار کی دو صورتیں ہیں:

اول: آدمی کسی کے وارث ہونے کا اقرار کرے۔

دوم: کوئی وارث کسی دوسرے کے وارث ہونے کا اقرار

کرے۔

ان دونوں میں سے ہر ایک سے دو حکم متعلق ہیں: نسب کا حکم

اور میراث کا حکم۔

نسب کے ثبوت کے سلسلہ میں کسی کے وارث ہونے کا اقرار اس وقت صحیح ہوگا جب اس میں چند شرطیں پائی جائیں، ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کا اقرار کیا گیا ہے اس کا ثابت ہونا ممکن ہو، اس لئے کہ اقرار ماضی میں کسی چیز کے ہونے کی خبر دینا ہے، تو اگر اس کا ہونا محال و ناممکن ہوگا تو اس کے ہونے کی خبر دینا خالص جھوٹ ہوگا، اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ کسی لڑکے کے بارے میں اقرار کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے، حالانکہ اس جیسے آدمی کو اس جیسا لڑکا ہونا ممکن نہیں ہے تو یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا بیٹا ہونا محال ہے، لہذا وہ یقینی طور پر اپنے اقرار میں جھوٹا ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ جس کے نسب کا اقرار کیا گیا ہے اس کا نسب

دوسرے سے معروف نہ ہو، اگر اس کا نسب دوسرے سے معروف ہوگا

تو اقرار صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ جب اس کا نسب دوسرے سے

ثابت ہوگا تو پھر اس کے بعد اس کا نسب اقرار کرنے والے سے

ہ- بینہ:

۲۳- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایک عادل کی گواہی اور قسم سے

نسب ثابت نہ ہوگا، اسی طرح دو عورتوں کی گواہی اور قسم سے بھی ثابت

نہ ہوگا^(۳)۔

ایک عادل مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے نسب ثابت ہوگا یا

نہیں، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ ایک عادل

مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے نسب ثابت نہ ہوگا، نسب تو صرف

دو عادل مردوں کی گواہی سے ہی ثابت ہو سکتا گا^(۴)، اس لئے کہ

نسب نہ خود مال ہے اور نہ اس سے مال مقصود ہوتا ہے اور مرد اس پر

مطلع ہو سکتے ہیں، اس لئے حدود و قصاص کی طرح اس کی شہادت میں

عورتوں کو کوئی دخل نہ ہوگا۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی

شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا^(۵)؛ تفصیل اصطلاح ”شہادۃ“

(۱) الہدایہ ۳۶۲، حاشیہ ابن عابدین ۶۲۳/۲، الاختیار ۱۷۹/۳، المغنی ۴۸۰، ۴۴۷/۷۔

(۲) جواہر الإکلیل ۳۱۲/۲، ۳۱۳، بدایۃ المجتہد ۲۵۲/۲، حاشیہ الدسوقی ۴۶۰/۲۔

(۳) جواہر الإکلیل ۳۰۴/۲، الجمل ۳۹۴/۵، بدایۃ المجتہد ۳۶۰/۲۔

(۴) جواہر الإکلیل ۳۰۴/۲، الجمل ۳۹۴/۵، نیل المآرب ۴۸۳/۲، ۴۸۴۔

(۵) فتح القدیر ۷/۶۔

نسب ۲۴

ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ اس بنیاد پر مرد پانچ آدمیوں کا اقرار کر سکتا ہے: والدین، اولاد،

بیوی اور آقا۔

اور عورت چار آدمیوں کا اقرار کر سکتی ہے: والدین، شوہر اور آقا، بچہ کا اقرار کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ ان لوگوں کا اقرار کرنے میں، دوسرے کا نسب دوسرے پر محمول کرنا نہیں ہوتا ہے،

ولاء کے اقرار میں تو ظاہر ہے اس لئے کہ اس میں تو کسی کی طرف نسب کی نسبت ہی نہیں ہے، اسی طرح زوجیت کے اقرار میں بھی دوسرے کا نسب کسی دوسرے پر محمول کرنا نہیں ہے، لیکن تصدیق ضروری ہے، پھر اگر تصدیق اقرار کرنے والے کی حیات میں پائی جائے گی تو اس کے جائز ہونے میں حنفیہ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اگر تصدیق مقرر کی موت کے بعد پائی جائے تو اگر اقرار شوہر کی طرف سے ہو تو عورت کی تصدیق صحیح ہوگی، خواہ شوہر کی زندگی میں تصدیق کرے یا اس کے مرنے کے بعد کرے، اس پر بھی حنفیہ کا اجماع ہے، یعنی مرد زوجیت کا اقرار کرے پھر مر جائے، اس کے بعد عورت اس کی تصدیق کرے اس لئے کہ شوہر کی موت کے بعد بھی ایک طرح سے نکاح باقی رہتا ہے، اس لئے کہ عدت میں اس کے بعد احکام باقی رہتے ہیں، لہذا اس میں تصدیق کی گنجائش ہوگی، اور اگر زوجیت کا اقرار عورت کی طرف سے ہو اور اس کی موت کے بعد شوہر اس کی تصدیق کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اقرار صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ نکاح فی الحال حقیقتاً ختم ہو چکا ہے، لہذا اس میں تصدیق کی گنجائش نہ ہوگی، البتہ نکاح کے باقی رہنے کا حکم بعض ان احکام کے نفاذ کے لئے ہے جو موت سے قبل ثابت تھے، اور میراث ایسا حکم ہے جو موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، لہذا اس حکم کے حق میں نکاح ختم ہو چکا ہے، اس لئے اس میں تصدیق کی گنجائش نہ ہوگی۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اقرار صحیح ہوگا، اس لئے

ایک شرط یہ ہے کہ جس کے نسب کا اقرار کیا گیا ہے اگر وہ خود مختار ہو تو اس اقرار کی تصدیق کرے، اس لئے کہ اس کے اقرار سے اس کی خود مختاری باطل ہوگی، لہذا اس کی رضامندی کے بغیر اس کی خود مختاری باطل نہ ہوگی۔

نسب کے اقرار کے صحیح ہونے کے لئے اقرار کرنے والے کا تندرست ہونا شرط نہیں ہے، تندرست اور مریض دونوں کی طرف سے اقرار کرنا صحیح ہوگا، اس لئے کہ مرض بذات خود مانع نہیں ہے، بلکہ دوسرے کے حق کے تعلق سے یا تہمت کی وجہ سے مانع بنتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں یہاں نہیں ہیں، تعلق کا نہ ہونا تو ظاہر ہے اس لئے کہ مجہول النسب میں تعلق معروف نہیں ہوتا ہے، اسی طرح تہمت کا معنی بھی نہیں ہے، اس لئے کہ نسب کے لئے ارث ضروری نہیں ہے، کیونکہ ارث سے محروم ہونے کے بہت سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے نسب میں کوئی خرابی نہیں لازم آتی ہے، مثلاً قتل، غلام ہونا، دین کا اور ملک کا اختلاف۔

ایک شرط یہ ہے کہ دوسرے پر نسب نہ ڈالا گیا ہو، خواہ جس کے نسب کا اقرار کیا گیا ہے وہ اس کی تصدیق کرے یا جھٹلائے، اس لئے کہ انسان کا اقرار اپنے خلاف تو حجت ہے لیکن دوسرے کے خلاف حجت نہیں ہے، کیونکہ دوسرے کے خلاف اقرار کرنا دعویٰ ہے یا شہادت ہے، اور محض دعویٰ حجت نہیں ہے، اور ایک آدمی کی شہادت اس چیز میں جس کی اطلاع مردوں کو ہو سکتی ہو اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہو قابل قبول نہیں ہوتی ہے، اور اقرار جس میں دوسرے کا نسب دوسرے پر محمول ہوتا ہے، یہ دوسرے کے خلاف اقرار ہے اپنے خلاف نہیں ہے، لہذا یہ دعویٰ ہوگا یا شہادت ہوگی، ان میں سے کوئی حجت کے بغیر قابل قبول نہیں ہے۔

نسب ۲۵

بالکل صحیح نہیں ہے، اور میراث کے حق میں صحیح ہوگا بشرطیکہ اس کا کوئی وارث نہ ہو اور میراث صرف اسی کو ملے اس لئے کہ ممکن حد تک عاقل کے تصرف کو صحیح قرار دینا واجب ہے، لہذا اثبوت نسب کے حق میں اس کے صحیح ہونے کی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کو صحیح قرار دینا ممکن نہیں ہے مگر میراث کے حق میں ممکن ہے اگر وہاں کوئی دوسرا قریب یا بعید وارث ہو تو اس کا اقرار بالکل صحیح نہ ہوگا، اور اس کو میراث میں سے کچھ بھی نہ ملے گا، مثلاً کسی کے بھائی ہونے کا اقرار کرے اور اس کی کوئی پھوپھی یا خالہ ہو تو اس کی میراث اس کی پھوپھی یا خالہ کو ملے گی مقررہ کو کچھ نہیں ملے گا، اس لئے کہ وہ دونوں یقینی وارث ہیں، لہذا ان کا حق یقین کے ساتھ ثابت ہوگا، ان دونوں کے علاوہ کسی کی طرف پھیر کر ان کا حق باطل کر دینا جائز نہ ہوگا۔

۲۵- رہا کسی کے وارث ہونے کا اقرار تو اس کے بارے میں دو جگہ بحث ہوگی: اول ثبوت نسب کے حق میں، دوم میراث کے حق میں۔ پہلی صورت میں معاملہ دو حال سے خالی نہ ہوگا، یا تو وارث کوئی ایک ہی شخص ہوگا یا ایک سے زائد وارث ہوں گے، مثلاً کوئی مرجائے اور ایک بیٹا چھوڑے اور وہ کسی کے بھائی ہونے کا اقرار کرے تو کیا میت سے اس کا نسب ثابت ہوگا؟

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے ہے کہ ایک وارث کے اقرار سے نسب ثابت نہ ہوگا، اس لئے کہ بھائی ہونے کا اقرار کرنا دراصل دوسرے کے خلاف اقرار کرنا ہے، کیونکہ اس میں دوسرے کا نسب دوسرے پر محمول کرنا ہے، لہذا یہ شہادت ہوگی، اور ایک آدمی کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔

امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ نسب ثابت ہو جائے گا، اسی کو کرنی نے اختیار کیا ہے، اس لئے کہ میراث کے حق میں ایک آدمی کا اقرار قابل قبول ہے تو نسب کے حق میں بھی قبول کیا جائے گا جیسا کہ

کہ من وجہ موت کے بعد بھی نکاح باقی رہتا ہے، لہذا تصدیق جائز ہوگی، جیسا کہ اگر شوہر زوجیت کا اقرار کرے اور عورت اس کی موت کے بعد تصدیق کرے۔

رہا بچہ کا اقرار تو اس لئے کہ اس میں بھی دوسرے کا نسب دوسرے پر محمول کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے اوپر محمول کرنا ہے، لہذا یہ دوسرے کے خلاف اقرار نہ ہوگا بلکہ اپنے خلاف ہوگا اس لئے قبول کیا جائے گا، لیکن تصدیق ضروری ہے اگر خود مختار ہو خواہ اس کو اس کی زندگی میں پائے یا اس کے مرنے کے بعد پائے، اس لئے کہ نسب موت کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے، لہذا دونوں حالات میں تصدیق جائز ہوگی، اسی طرح والدین کا اقرار بھی ہے، اس میں بھی دوسرے کا نسب کسی دوسرے پر محمول کرنا نہیں ہے، لہذا یہ اقرار اپنے اوپر ہوگا نہ کہ غیر پر، اس لئے قبول کیا جائے گا، اسی طرح اگر عورت ان سب چیزوں کا اقرار کرے تو اس کا اقرار بھی مذکورہ وجوہات کی بنا پر صحیح ہوگا، البتہ وہ بچہ کا اقرار کرے تو صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں دوسرے کا نسب دوسرے پر یعنی لڑکے کا نسب شوہر پر محمول کرنا ہوگا اس لئے جب تک شوہر اس کی تصدیق نہ کر دے یا کوئی عورت ولادت پر شہادت نہ دے اس کا اقرار قابل قبول نہ ہوگا، مرد کا حکم اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ اس میں بچہ کا نسب اپنے اوپر محمول کرنا ہے۔

ان کے علاوہ چچا اور بھائی کے نسب کا اقرار صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ اس میں دوسرے کا نسب دوسرے پر یعنی باپ یا دادا پر محمول کرنا ہوگا، اسی طرح میراث کے حق میں وارث ہونے کا اقرار کرنے میں وہی شرطیں ہیں جو ثبوت نسب میں اقرار کی شرطیں ہیں، جن کا ذکر گذرا، البتہ دوسرے پر نسب کے حمل کی شرط مستثنیٰ ہے، اس لئے کہ نسب کا اقرار جس میں اقرار کرنے والا دوسرے پر نسب کو محمول کرے

نسب ۲۶

ایک جماعت کا اقرار مقبول ہے۔

اگر میت کا بیٹا میت کے پوتے کا اقرار کرے اور وہ اس کی تصدیق کرے لیکن وہ کہے کہ مقرریت کا بیٹا نہیں ہے تو مقرر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور مال دونوں کے درمیان بطور استحسان نصف نصف ہوگا، اس لئے کہ مقررہ محض مقرر کی طرف سے میراث کا حق دار ہوا ہے، اگر اس کا اقرار باطل ہو جائے تو اس کی وراثت باطل ہو جائے گی اور اس کی وراثت باطل ہو جائے گی تو مقررہ کی وراثت بھی باطل ہو جائے گی، اور قیاس کا تقاضا ہے کہ مقررہ کے قول کا اعتبار کیا جائے، اور جب تک نسب پر بینہ قائم نہ ہو جائے کل مال مقررہ کو ملے، اس لئے کہ مقررہ کی وراثت کے اثبات پر دونوں متفق ہیں اور مقررہ کی وراثت میں دونوں کے درمیان اختلاف ہے، لہذا جو متفق علیہ ہے وہ ثابت ہوگا اور جس میں اختلاف ہے وہ دلیل و حجت کے قائم ہونے پر موقوف رہے گا^(۱)۔

۲۶- مالکیہ اقرار بالنسب کو استلحاق کہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ باپ نسب کا اقرار کر سکتا ہے، ابن القاسم نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص بیٹا کا اقرار کرے تو اس کا اقرار جائز ہوگا، اور اس سے اس کا نسب ثابت ہوگا، بیٹا چھوٹا ہو یا بڑا، وہ انکار کرے یا اقرار کرے۔

باپ محض مجہول النسب کے نسب کا اقرار کر سکتا ہے، امام مالک کی المدونہ میں ہے: اگر کوئی شخص کسی بچے کے بارے میں بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے اور اس سلسلہ میں اس کا جھوٹ بولنا معروف نہ ہو تو اگر عقل، حس، عادت یا شرع کے خلاف نہ ہو تو اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہو جائے گا جس کے نسب کا اقرار کیا گیا ہے، وہ چھوٹا ہو یا بڑا، زندہ ہو یا مرچکا ہو۔

المدونہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص لعان کے ذریعہ کسی بچے کا انکار

اگر وارث ایک سے زائد ہوں مثلاً دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، یا اس سے زیادہ ہوں، تو ان کے اقرار سے نسب ثابت ہو جائے گا اس پر حنفیہ کا اجماع ہے، اس لئے کہ نسب میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قابل قبول ہے۔

رہا میراث کے حق میں تو ایک وارث کا کسی کے وارث ہونے کا اقرار کرنا صحیح ہے اور میراث کے حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی، مثلاً بیٹا جو معروف ہو کسی کے بھائی ہونے کا اقرار کرے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اقرار کرنے والے کے قبضہ میں جو میراث ہوگی اس میں وہ شریک ہو جائے گا، اس لئے کہ بھائی ہونے کا اقرار کرنا دراصل دو چیزوں کا اقرار کرنا ہے، نسب کا اور مال کے استحقاق کا، نسب کا اقرار تو وہ دوسرے پر اقرار ہے اس لئے قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ یہ حقیقت میں دعویٰ ہے یا شہادت ہے، اور مال کے استحقاق کا اقرار اپنے اوپر اقرار ہے اور وہ قابل قبول ہے اور یہ جائز ہے کہ ایک ہی اقرار ایک اعتبار سے مقبول ہو اور کسی دوسرے اعتبار سے ناقابل قبول ہو۔

اگر معروف بیٹا کسی بہن کا اقرار کرے تو مقرر کے قبضہ میں جتنا مال ہوگا اس میں ایک تہائی وہ عورت لے لے گی، اس لئے کہ میراث کے حق میں اس کا اقرار صحیح ہے اور بہن کو بھائی کے ساتھ میراث کا تہائی ملے گا، اور اگر کسی عورت کے بارے میں اقرار کرے گا کہ وہ اس کے والد کی بیوی ہے تو مقرر کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کا آٹھواں حصہ وہ عورت لے گی، اور اگر جدہ کے بارے میں اقرار کرے گا کہ وہ میت کی ماں ہے تو وہ اس کے قبضہ کا چھٹا حصہ پائے گی، اصل یہ ہے کہ مقرر کے قبضہ میں جو مال ہے اس کے بارے میں وہی معاملہ کیا جائے گا جو نسب کے ثابت ہونے کی صورت میں ہوگا۔

(۱) بدائع الصنائع لکھنؤی ۲۲۸/۷ اور اس کے بعد کے صفحات، طبع دارالکتب

العلمیہ بیروت، ابن عابدین ۴/۳۶۳، ۴۶۵۔

نسب ۲۷

اگر اس کا کوئی ثابت النسب وارث نہ ہو تو ایک قول یہ ہے کہ مال بیت المال کا ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ مقررہ اولیٰ ہے، اور یہ سب سے بہتر قول ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے اس کے وارث ہونے میں شبہ ہو گیا۔

اگر اقرار تندرستی کے زمانہ میں ہو اور مدت طویل ہو جائے اور وہ دونوں اس اقرار پر برقرار ہوں ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنا بھائی کہتا ہو یا ایک کہتا ہو کہ یہ میرے چچا ہیں اور دوسرا کہتا ہو کہ یہ میرا بھتیجا ہے، اور اس پر چند سال گذر گئے اور کسی نے اس کے غلط ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تو نسب معتبر ہوگا۔

اگر میت کے ورثاء میں سے دو عادل وارثوں نے - مثلاً دو بیٹوں، دو بھائیوں، یا دو چچاؤں نے - کسی تیسرے کا اقرار کیا جو استحقاق میں ان دونوں کے مساوی ہو مثلاً بیٹا، بھائی یا چچا ہونے کا اقرار کیا تو میت سے نسب اور میراث دونوں ثابت ہوں گے، شرط کا مفہوم یہ ہے کہ اگر غیر عادل اقرار کریں گے تو اس سے نسب ثابت نہ ہوگا، اس پر اجماع ہے۔

اگر ایک عادل اقرار کرے تو مقررہ اس عادل اقرار کرنے والے کے ساتھ قسم کھائے گا اور مقرر کے ساتھ میت کا وارث ہوگا حالانکہ عادل کے اقرار اور اس کی قسم سے نسب ثابت نہ ہوگا، اگر مقرر عادل نہ ہو تو وارث کا اقرار کرنے والے کا حصہ کل مال متروک کے درجہ میں ہوگا، گویا کہ اس کا حصہ مقرر اور مقررہ کے درمیان تقسیم کرنے میں کل ترکہ ہے، لہذا اگر دو لڑکے ہوں اور ان میں سے ایک کسی تیسرے کا اقرار کرے اور اس کا بھائی اس کی تکذیب کرے تو مقرر کے نصف حصہ کو سمجھا جائے گا کہ یہ کل ترکہ ہے اور اس کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک تہائی مقررہ لے گا اور دو تہائی مقرر کو ملیں گے اور اگر میت کے دو عصبہ میں سے ایک کسی تیسرے شخص کے بارے میں کہے

کرے پھر مال چھوڑ کر اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے تو اگر اس میت کو اولاد ہوگی تو مقرر پر حد قذف جاری کی جائے گی اور اس کے ساتھ نسب ثابت کیا جائے گا اور اگر میت کو کوئی اولاد نہ ہو تو مقرر کا قول قابل قبول نہ ہوگا اس لئے کہ وہ اس کی میراث کے بارے میں متہم ہوگا اور اس پر حد جاری کی جائے گی اور وراثت نہیں پائے گا۔

۲- اگر کوئی شخص کسی میت کے نسب کا اقرار کرے گا تو مقرر، مقررہ کا وارث ہوگا جب مقررہ کو کوئی بیٹا ہو، الخطاب نے کہا ہے کہ بظاہر یہ شرط صرف اس سے اس کے وراثت پانے کے بارے میں ہے۔

رہا اس کا نسب تو وہ بہر حال ثابت ہوگا خواہ اس کا کوئی بیٹا وارث نہ ہو، مسئلہ اسی طرح ہے جیسا کہ ابوالحسن نے کتاب اللعان میں اس کی صراحت کی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کے وارث ہونے کا اقرار کرے اور وہ اقرار کرنے والے کا بیٹا نہ ہو مثلاً بھائی، چچا، باپ یا ماں ہو، تو اس سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، اگر مقرر کا کوئی دوسرا وارث ہو تو مقررہ، مقرر کا وارث نہ ہوگا لیکن اگر مقرر کا کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو مقررہ کے وارث ہونے میں مالکیہ کے نزدیک اختلاف ہے، چنانچہ ابن یونس کا مذہب ہے کہ اقرار کی وجہ سے وراثت جاری نہ ہوگی، ابن رشد نے کہا ہے کہ المذہب کا مذہب ہے کہ اقرار کی وجہ سے وراثت جاری ہوگی، اور باجی نے اس قول کی نسبت امام مالک اور جمہور مالکیہ کی طرف کی ہے، اختلاف صرف مقرر سے مقررہ کے وراثت پانے میں ہے جب کہ مقرر کا کوئی معروف وارث نہ ہو، نحی کے نزدیک یہ اس صورت میں مختار ہے جبکہ وارث ہونے کا اقرار بہت دنوں سے نہ ہو، اگر بہت دنوں سے ہو تو ان کے نزدیک وراثت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اس کی سچائی کی دلیل ہے، نحی نے کہا ہے کہ اگر کہے: یہ میرا بھائی ہے تو

گفتگو کا حق ہے لہذا اس کی تصدیق کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ مال کے اقرار میں ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ اس کے نسب میں اس کا بھی حق ہے، لہذا اگر وہ مقرر کو جھٹلا دے تو بینہ کے بغیر اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، اگر مقرر کے پاس بینہ نہ ہوگا تو وہ مقرر سے قسم لے گا، اگر وہ قسم کھالے گا تو اس کا دعویٰ ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ انکار کر دے گا تو مدعی قسم کھائے گا اور اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر تصدیق یا تکذیب کچھ نہ کرے تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، جیسا کہ رافعی نے کہا ہے کہ یہ تصدیق کے اعتبار کرنے کا معاملہ ہے۔

اور اگر عاقل بالغ جس کا اقرار کیا گیا ہے میت ہو تو وراثت اور نسب دونوں ثابت ہوں گے، اس لئے کہ اس صورت میں اس کو گفتگو کا کوئی موقع نہیں ہے، اور وہ بچہ کے مشابہ ہے، حنا بلہ نے اس کی صراحت کی ہے اور شافعیہ کے نزدیک یہی اصح قول ہے، اصح کے بالمقابل دوسرا قول ہے کہ ثابت نہ ہوگا، اس لئے کہ تصدیق نہیں ہے۔

پہلے قول کے مطابق مقرر میت کا وارث ہوگا اور تہمت کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص کسی مکلف کی زندگی میں اس کے نسب کا دعویٰ کرے اور ابھی اس نے تصدیق نہیں کی کہ مقرر مر گیا، پھر اس کے مرنے کے بعد اس نے اس کی تصدیق کی تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کی تصدیق سے دونوں طرف سے ایک دوسرے کا وارث ہونے پر ان دونوں کا اتفاق ہو جائے گا۔

اگر کسی بچہ کے نسب کا دعویٰ کیا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، پھر اگر وہ بالغ ہونے پر اس کی تکذیب کرے گا تو شافعیہ کے نزدیک اصح قول کے مطابق اس کا نسب باطل نہ ہوگا، اس لئے کہ نسب میں احتیاط برتی جاتی ہے، لہذا نسب کے ثبوت کے بعد اس کا رد نہیں ہوگا،

کہ یہ میرا بھائی ہے، اور اس کا بھائی اس کا انکار کرے پھر اقرار کرنے والا اس تیسرے کے حق میں اقرار سے پھر جائے اور دوسرے چوتھے شخص کے بارے میں کہے کہ بلکہ یہ میرا بھائی ہے تو مقرر کو اپنے والد سے جو وراثت ملے گی اس کا نصف مقررہ اول لے گا، اس لئے کہ اس نے اس کا اقرار کیا ہے، مقرر کا اپنے اقرار سے پھر جانا اس کے حق کو ساقط نہ کر سکے گا بلکہ یہ شخص ندامت سمجھی جائے گی، اور جو نصف مقرر کے قبضہ میں باقی رہ جائے گا اس کا نصف مقررہ ثانی لے لے گا اس لئے کہ اس نے اس کا بھی اقرار کیا ہے (۱)۔

۲۸- شافعیہ و حنا بلہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی مکلف کسی مجہول النسب بچہ یا مجنون کے نسب کا اقرار کرے اور کہے کہ وہ میرا بیٹا ہے اور مقرر جیسے آدمی کو ویسا بیٹا ہو سکتا ہو مثلاً مقرر، مقررہ سے عمر میں دس برس یا اس سے زیادہ بڑا ہو جیسا کہ حنا بلہ نے صراحت کی ہے، اور اس سے کوئی اختلاف کرنے والا نہ ہو تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی ایسے شخص کے نسب کا اقرار نہیں کرے گا جو اس کا بیٹا نہ ہو جیسا کہ مال کے اقرار میں ہے۔

اور اگر وہ بچہ یا مجنون جس کا اقرار کیا گیا ہے میت ہو تو مقرر اس کا وارث ہوگا اور اس کا نسب ثابت ہوگا اس لئے کہ زندگی کے ساتھ ثبوت نسب کا سبب جو کہ اقرار ہے یہاں موجود ہے، حنا بلہ نے اس کی صراحت کی ہے اور شافعیہ کے نزدیک یہی اصح قول ہے، اصح کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ نسب ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ تصدیق نہیں ہے۔

اور اگر جس کا اقرار کیا گیا ہے وہ عاقل بالغ ہو تو جب تک وہ تصدیق نہ کر دے اس کا نسب مقرر سے ثابت نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کو

(۱) جوہر الإلکلیل ۲/۱۳۸ اور اس کے بعد کے صفحات، حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۳۳ اور اس کے بعد کے صفحات۔

نسب ۲۹-۳۱

اختلاف کرنے والا بھی نہیں ہے، اور نسب کے ثابت کرنے میں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر غائب ہو جائے اور اس کے غائب ہونے کے بعد دس سال یا زائد گزرنے پر اس عورت کو بچہ پیدا ہو تو بچہ کا نسب اس شخص سے ثابت ہوگا اگرچہ شوہر کا اس عورت کے پاس آنا یا اس عورت کا شہر سے باہر جانا معروف نہ ہو^(۱)۔

۳۱- اگر کوئی شخص اپنے والد یا دادا کی حیات میں بھائی یا چچا کے نسب کا اقرار کرے تو یہ قابل قبول نہ ہوگا، اس لئے کہ کسی آدمی کا دوسرے پر اقرار کرنا قابل قبول نہیں ہوتا ہے۔

اور اگر والد اور دادا کے مرنے کے بعد بھائی یا چچا کے نسب کا اقرار کرے اور مقرر تھا وارث ہو تو اس کا اقرار صحیح ہوگا اور نسب ثابت ہوگا، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: ”الولد للفراش وللعاهر الحجر“^(۲)، اور اس لئے بھی کہ وارث اپنے مورث کے حقوق میں اس کے قائم مقام ہوتا ہے، اور یہ اس کے حقوق میں سے ہے^(۳)۔

شافعیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق یہ شرط نہیں ہے کہ اس نے اس کی نفی نہ کی ہو لہذا اس کی نفی کے بعد بھی اس کا نسب اس سے ثابت کرنا جائز ہوگا جیسا کہ لعان وغیرہ کے ذریعہ اس کی نفی کرنے کے بعد اس کے نسب کا دعویٰ کرے، شافعیہ کے نزدیک صحیح کے بالمقابل دوسرا قول اور حنا بلہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ شرط ہے کہ میت نے اپنی موت سے قبل اس کی نفی نہ کی ہو اس لئے کہ اس نے جس کی نفی کر دی ہے اس کے مرنے کے بعد اس کا نسب اس سے ثابت کرنا اس

صحیح کے بالمقابل دوسرا قول ہے کہ نسب باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ نسب کا فیصلہ اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ انکار کرنے کا اہل نہیں تھا، اب وہ اہل ہو گیا ہے اور اس نے انکار کر دیا ہے۔

یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہوگا جب کسی مجنون کے نسب کا دعویٰ کرے پھر وہ افاقہ کے بعد انکار کر دے۔

اگر دو آدمی کسی ایک بالغ کے نسب کا دعویٰ کریں تو وہ ان دونوں میں سے جس کی تصدیق کرے گا اس سے اس کا نسب ثابت ہوگا اور اگر ان دونوں میں سے کسی کی تصدیق نہ کرے تو اس کو قیافہ شناس پر پیش کیا جائے گا^(۱)۔

۲۹- جس کا نسب ثابت ہو اگر اس کی ماں ہو اور وہ مقرر کے مرنے کے بعد آئے اور زوجیت کا دعویٰ کرے تو اس سے زوجیت ثابت نہ ہوگی، اس لئے کہ آدمی اگر بچے کے نسب کا اقرار کرے گا تو وہ اس کی ماں کی زوجیت کا مقرر نہ ہوگا، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ شبہ میں یا نکاح فاسد میں وطی کی وجہ سے ہو۔

یہی حکم اس وقت ہوگا جب اس کی بہن بیٹی ہونے کا دعویٰ کرے، اس کو ”التبصرہ“ میں ذکر کیا ہے، ”الاختیارات“ میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کی زوجیت کا انکار کرے پھر اس کا اقرار کرے تو عورت کو اس سے اپنے حقوق کے مطالبہ کا اختیار ہوگا^(۲)۔

۳۰- اگر کوئی عورت بلا دروم سے آئے اور اس کے ساتھ کوئی بچہ بھی ہو اور کوئی شخص اس بچے کے بارے میں اقرار کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے اور ایسا ہونا ممکن ہو اور کوئی اختلاف کرنے والا بھی نہ ہو تو اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ ممکن ہے اور کوئی

(۱) کشف القناع ۶/۲۶۰، المغنی ۵/۱۹۹، ۲۰۰۔

(۲) حدیث عائشہؓ: ”الولد للفراش وللعاهر الحجر“ کی تخریج فقہ ۱۱/۱ میں گذر چکی ہے۔

(۳) شرح المحلی ۳/۱۵، کشف القناع ۶/۲۶۱۔

(۱) شرح المحلی ۳/۱۴، ۱۵، حاشیہ الجمل ۵/۳۹۴، نیل المآرب ۲/۱۰۰، نہایت المحتاج ۵/۱۰۹، ۱۱۰، تحفۃ المحتاج ۵/۲۰۱، المغنی ۵/۱۹۹، ۲۰۰، ۳۹۴۔

۳۹۵، کشف القناع ۶/۲۶۰۔

(۲) کشف القناع ۶/۲۶۰، المغنی ۵/۱۹۹، ۲۰۰۔

نسب ۳۲-۳۳

ان کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ اگر قابطض بیٹا کسی مجہول شخص کے بھائی ہونے کا اقرار کرے اور مجہول مقرر کے نسب کا انکار کرے تو اس کے انکار کا کوئی اثر نہ ہوگا اور مجہول کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا، دوسرا قول ہے کہ اس کے انکار کا اثر پڑے گا اور مقرر کو اس کے نسب پر ثبوت پیش کرنے کی ضرورت ہوگی، تیسرا قول ہے کہ مجہول کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس کا خیال ہے کہ مقرر وارث نہیں ہے۔

ان کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ جس کے نسب کا اقرار کیا جا رہا ہے اگر وہ ظاہر وارث کو محجوب کر دے مثلاً بھائی میت کے لئے بیٹے کا اقرار کرے تو بیٹا کے لئے نسب تو ثابت ہو جائے گا لیکن وہ وارث نہ ہوگا۔

دوسرا قول ہے کہ نسب بھی ثابت نہ ہوگا، اس لئے کہ اگر نسب ثابت ہوگا تو وراثت بھی ثابت ہوگی، اور اگر بیٹا وارث ہوگا تو بھائی محجوب ہو جائے گا اور اقرار کرنے کا اہل باقی نہیں رہے گا، لہذا بیٹے کا نسب اور میراث دونوں ثابت نہ ہوں گے۔

تیسرا قول ہے کہ دونوں ثابت ہوں گے اور بھائی محجوب ہونے کی وجہ سے اقرار کے لئے نااہل نہیں ہوگا، اس لئے کہ معتبر مقرر کا ترکہ پر قابطض ہونا ہے نہ کہ اس کا اقرار (۱)۔

۳۳- اگر باپ، اولاد، بیوی یا ایسے آقا کا اقرار کرے جس نے اس کو آزاد کیا ہے تو تہمت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اقرار قبول کیا جائے گا، اگرچہ اس کی وجہ سے کسی معروف وارث کو ساقط کر دے، اس لئے کہ فی الحال وارث کا کوئی حق نہیں ہے وہ تو صرف موت کے بعد چند شرطوں کے ساتھ وارث ہو سکے گا:

پہلی شرط: کسی ساقط کرنے والے سے اس کا خالی ہونا، اگر مقرر کا صادق ہونا ممکن ہو یعنی ظاہر حال اس کی تکذیب نہ کرے اور اس کی

کے لئے باعث عار ہے (۱)۔

۳۲- دوسرے کے نسب کو اپنے ساتھ ثابت کرنے میں یہ شرط ہے کہ مقرر ملحق بہ کے ترکہ کا قابطض وارث ہو ایک ہو یا زیادہ ہوں، مثلاً دو بیٹے ہوں اور دونوں کسی تیسرے کا اقرار کریں تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور وہ ان دونوں کے ساتھ وارث ہوگا، شافعیہ کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ اگر دو قابطضوں میں سے ایک کسی تیسرے کا اقرار کرے اور دوسرا انکار کرے تو جس کا اقرار کیا گیا ہے وہ وارث نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کا نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ وہ مقرر کے حصہ میں شریک ہوگا، اور اصح کے بالمقابل دوسرا قول ہے کہ وہ وارث ہوگا یعنی مقرر کے حصہ میں شریک ہوگا، پہلی صورت میں شریک ہونا ظاہر حکم کے مطابق ہے ورنہ باطن میں اگر مقرر سچا ہو تو اس پر واجب ہوگا کہ جو کچھ اس کو وراثت ملی ہے اصح قول کے مطابق ایک تہائی کے ساتھ اس کو اس میں شریک کر لے اور ایک قول ہے کہ آدھا کے ساتھ شریک کر لے۔

شافعیہ کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ بالغ وارث تہا اقرار نہیں کرے گا بلکہ نابالغ کے بلوغ کا انتظار کرے گا، اصح کے بالمقابل دوسرا قول ہے کہ وہ تہا اقرار کرے گا اور فی الحال ثبوت نسب کا حکم ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ عالی مرتبہ ہے اس میں حد سے تجاوز نہیں کرے گا۔

شافعیہ کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ اگر دو قابطض وارثین میں سے ایک کسی تیسرے کا اقرار کرے اور دوسرا انکار کرے اور مرجائے اور مقرر کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا، اس لئے کہ پوری میراث اسی کی ہوگی۔

اصح کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ نسب ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ اصل مورث نے انکار کر دیا ہے۔

(۱) شرح المحلی ۱۶۱۳، ۱۷، ۱۸۔

(۱) شرح المحلی ۱۵۸۳، کشاف القناع ۳۶۱/۶۔

نسب ۳۴

ممکن ہونے سے قبل ہی مرجائے تو نسب ثابت ہو جائے گا^(۱)۔
 ۳۴- جس کا نسب معروف ہو اس کا ان چاروں کے علاوہ کا اقرار کرنا صحیح نہ ہوگا، اور یہ چار: باپ، بیٹا، زوج اور آقا ہیں، مثلاً دادا اپنے پوتے کا اقرار کرے یا پوتا اپنے دادا کا اقرار کرے یا بھائی، بھائی کا اقرار کرے یا چچا، بھتیجا کا اقرار کرے، اس لئے کہ اس میں دوسرے پر نسب کو محمول کرنا ہے لہذا قابل قبول نہ ہوگا، البتہ اگر وراثت اس شخص کے لئے اقرار کریں کہ ان کا مورث اس کا اقرار کرتا تو اس کا نسب ثابت ہو جاتا تو یہ اقرار صحیح ہوگا اس لئے کہ وراثت اپنے مورث کے قائم مقام ہیں۔

اگر دو مکلف بیٹے چھوڑے اور ان میں سے ایک کسی نابالغ یا مجنون بھائی کا اقرار کرے (اور دوسرا انکار کرے) پھر انکار کرنے والا مرجائے، اور مقرر منکر کا تنہا وارث ہو تو مقربہ کا نسب ان دونوں سے ثابت ہو جائے گا، اس لئے کہ صرف وہی وارث ہے، لہذا اگر مقرر چچا زاد بھائی اور مقربہ بھائی کو چھوڑ کر مرجائے تو مقربہ بھائی اس کا وارث ہوگا، چچا زاد بھائی وارث نہ ہوں گے، اس لئے کہ بھائی ان کو محبوب کر دے گا کیونکہ اس کا نسب میت کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہے^(۲)۔

اگر زوج کسی بچہ کا اقرار کرے تو اس کے اقرار کی وجہ سے بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا، اس کے شوہر سے ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس نے اقرار نہیں کیا ہے، اسی طرح اگر مرد اس کا اقرار کرے تو اس کی بیوی سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا^(۳)۔

تصدیق ممکن نہ ہو مثلاً کوئی آدمی ایسے شخص کا اقرار کرے جو اس کا ہم عمر یا اس سے بڑا ہو تو قبول نہیں کیا جائے گا۔

دوسری شرط: اپنے اقرار سے دوسرے کے نسب کو دفع نہ کرے، اگر اس کے ذریعہ اس کو دفع کرے تو صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ دوسرے پر اقرار کرنا ہے۔

تیسری شرط: جس کا اقرار کیا ہے وہ مکلف ہو اور اس کی تصدیق کرے ورنہ قبول نہیں کیا جائے گا، یا جس کا اقرار کیا ہو وہ میت ہو، البتہ اگر نابالغ یا مجنون ہو تو ان دونوں کی تصدیق شرط نہیں ہے، جیسا کہ گذرا، اگر دونوں بالغ عاقل ہو جائیں اور نسب کا انکار کریں تو ان دونوں کا انکار کرنا قابل سماع نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسا نسب ہے جس کے ثبوت کا فیصلہ ہو چکا ہے لہذا اس کے رد کرنے سے ساقط نہ ہوگا جیسا کہ اگر اس پر بینہ قائم ہو جائے اور اگر وہ دونوں مقرر سے قسم کھانے کا مطالبہ کریں تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی، اس لئے کہ اگر باپ لوٹ کر نسب کا انکار کرے تو قابل قبول نہ ہوگا اس لئے کہ مال کے برخلاف نسب میں احتیاط پر عمل کیا جاتا ہے۔

اگر والد کسی کے بیٹا ہونے کا اقرار کرے یا بیٹا کسی کے باپ ہونے کا اقرار کرے تو اس کی تصدیق میں دوسرے کا خاموش رہ جانا کافی ہے، اس لئے کہ اس صورت میں تصدیق کا ظن غالب ہوگا، ان میں سے کسی ایک کی تصدیق میں یعنی باپ کا بیٹے کے اقرار میں یا اس کے برعکس میں، تصدیق کی تکرار معتبر نہیں ہے، لہذا گواہ، سکوت کے ساتھ تصدیق کی تکرار کے بغیر ان دونوں کے نسب کی شہادت دے گا، یہ حنا بلہ کے نزدیک ہے۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر تصدیق یا تکذیب نہ کرے بلکہ خاموش رہے تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، نسب میں خاموشی کا حکم احتیاط کی وجہ سے اموال میں خاموشی کے حکم سے الگ ہے، ہاں اگر تصدیق کے

(۱) کشف القناع ۶/۶۶، القلیوبی و عمیرہ ۱۵/۳، نیل المآرب بشرح دلیل الطالب ۱۰۰/۲، شرح منہجی الارادات ۶۲/۳، طبع عالم الکتب۔
 (۲) کشف القناع ۶/۶۶، ۴۶۲۔
 (۳) کشف القناع ۶/۶۶، ۴۶۳۔

کسی شخص کے اقرار سے اس کے نسب کا ثبوت:

۳۵- شافعیہ نے کہا ہے کہ آدمی کا نسب اس کے اقرار سے ثابت نہ ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ اس کے اقرار سے ثابت ہو جائے گا، اس لئے کہ ان حضرات نے قضاء علی الغائب کی بحث میں لکھا ہے کہ اگر کسی کا غز کے گواہ اس میں لکھے ہوئے نام کے خلاف گواہی دیں اس کی ذات کے خلاف گواہی نہ دیں، اور جس کو حاضر کیا گیا وہ اقرار کر لے کہ یہی اس کا نام و نسب ہے، یا انکار کرے اور قسم سے بھی انکار کر جائے، اور مدعی اس پر قسم کھالے تو اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا، نیز اس لئے کہ آج کل معمول یہ ہے کہ مشہود علیہ (جس کے بارے میں گواہی دی جائے) سے اس کا نام و نسب پوچھا جاتا ہے اور اس کو اس کے خلاف حجت قرار دیا جاتا ہے، نیز اس لئے کہ لوگ اپنے نسب کے بارے میں امین سمجھے جاتے ہیں، اگر کسی کو کسی چیز پر امین مانا جائے تو اس کے خلاف پر اس کی بات تسلیم کی جاتی ہے، اس کے حق میں ہو تو تسلیم نہیں کی جاتی ہے^(۱)۔

نسب کے اقرار سے رجوع کرنا:

۳۷- بیٹا ہونے کا صحیح اقرار کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ مکلف کے کلام کو بلا ضرورت لغو قرار دینا جائز نہیں ہے^(۱)۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”اقرار“ (فقہہ/۶۷)۔

لقیط (اٹھائے ہوئے بچہ) کا نسب:

۳۸- نبی الجملہ فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی ایک آدمی لقیط کا دعویٰ کرے، خواہ وہی اٹھانے والا ہو یا کوئی دوسرا ہو، تو اگر مدعی آزاد، مسلمان مرد ہو تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، بشرطیکہ اس کا اس سے ہونا ممکن ہو اس طرح پر کہ استحقاق کی تمام شرطیں اس میں موجود ہوں، اس لئے کہ اقرار میں بچہ کے نسب کے اتصال کی وجہ سے اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے، اور اس میں کسی دوسرے کو کوئی نقصان بھی نہیں ہے، لہذا قبول کیا جائے گا، جیسا کہ اگر اس کے لئے مال کا اقرار کرے۔

سفیہ (خفیف العقل) اگر نسب کا اقرار کرے:

۳۶- فقہاء کی رائے ہے کہ سفیہ اگر نسب کا اقرار کرے تو اس کے بارے میں اس کا اقرار صحیح ہوگا اور فی الحال اس سے مواخذہ ہوگا، ابن المنذر نے کہا ہے کہ ہمارے علم کے مطابق اس پر اجماع ہے، اس لئے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں متہم نہیں ہے، حجر کا تعلق صرف اس کے مال سے ہے، اور اس کے بچہ پر جس کا نسب اس سے ثابت ہے، بیت المال سے خرچ کیا جائے گا^(۲)۔

اس کے علاوہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک اس میں تفصیل ہے جسے اصطلاح ”لقیط“ فقہہ/۱۱، ۱۲ میں دیکھی جائے۔

ز- قرعہ:

۳۹- نبی الجملہ فقہاء کی رائے ہے کہ نسب کو ثابت کرنے میں قرعہ کا استعمال نہیں کیا جائے گا، تفصیل اصطلاح ”قرعہ“ (فقہہ/۱۹) میں ہے۔

(۱) آسنی المطالب ۴/۳۶۷۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۶/۱۵، حاشیہ ابن عابدین ۹۳/۵، الشرح القامی علی التخریر

۱۳۸/۲، جواہر الإکلیل ۹۸/۲، نیل المآرب بشرح دلیل المطالب ۴/۱۰۱۔

(۱) بدائع الصنائع ۷/۲۳۲، جواہر الإکلیل ۲/۱۳۹، الشرح القامی علی التخریر ۱۳۰/۲، المعنی ۲۰۶/۵۔

ح-سماع:

۴۰- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ نسب ضرورت کی وجہ سے سماعی شہادت سے ثابت ہو جائے گا۔

ابن المنذر نے کہا ہے کہ نسب کے معاملہ میں میرے علم کے مطابق اہل علم میں سے کسی نے سماعی شہادت سے منع نہیں کیا ہے، اگر یہ ممنوع ہوگا تو نسب کی شہادت دینا ہی محال ہو جائے گا، کیونکہ یقینی طور پر دوسرے کو اس کے جاننے کی کوئی سبیل نہیں ہے، اور نہ اس کا مشاہدہ ممکن ہے، اگر مشاہدہ کو ضروری قرار دیا جائے تو کوئی شخص اپنے باپ یا ماں یا کسی بھی رشتہ دار کو نہیں پہچان سکے گا^(۱)۔

حنفیہ نے شہادت بالتسامع (سننے کی بنیاد پر شہادت) کے قبول ہونے کے لئے نسب کے مشہور ہونے کی شرط لگائی ہے، الفتاویٰ الہندیہ میں ہے: نسب وغیرہ میں شہرت کی بنیاد پر شہادت دو طرح سے ہوتی ہے: حقیقیہ، حکمیہ۔

حقیقیہ یہ ہے کہ مشہور ہو اور اتنے زیادہ لوگوں سے سنی جائے کہ جھوٹ پر سب کے متفق ہونے کا تصور نہ کیا جاسکے، اور اس میں عدالت شرط نہیں ہے، نہ لفظ شہادت شرط ہے بلکہ تو اتر شرط ہے۔

حکمیہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں لفظ شہادت کے ساتھ اس کی گواہی دیں، ایسا ہی ”الخلاصہ“ میں ہے، اور یہ اس وقت ہے کہ وہ دونوں اس آدمی کی طلب شہادت کے بغیر گواہی دیں، چنانچہ امام محمد نے کتاب

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۵۸، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۵۸، بدائع الصنائع ۶/۲۶۶، ۲۶۷، مواہب الجلیل ۶/۱۹۴، بلغة السالك ۲/۳۶۲ اور اس کے بعد کے صفحات، القوانین الفقہیہ لابن جزى ۲/۲۰۵، تبصرة الحکام ۳/۳۹۴، الکافی لابن عبدالبر ۲/۹۰۳، ۹۰۶، تہذیب الفروق ۳/۱۰۱، ۱۰۲، جواهر الإكليل ۲/۲۴۲، ۲۴۳، التاودي مع التولي على تحفة ابن العاصم ۱۳۲/۱ اور اس کے بعد کے صفحات، روضة الطالبين ۱۱/۲۶۶ اور اس کے بعد کے صفحات، المغنی مع الشرح الکبیر ۱۲/۲۴۔

الشہادات میں لکھا ہے کہ اگر یہ دو عادل مردوں سے ملے وہ دونوں اس کے نزدیک اس کے نسب کی شہادت دیں اور اس کی حالت بتائیں تو اس کے لئے شہادت دینے کی گنجائش ہوگی اور اگر وہ آدمی اس کے نزدیک دو گواہوں کو پیش کرے جو اس کے نسب پر گواہی دیں تو اس کے لئے گواہی دینا جائز نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی آدمی کسی قوم میں اقامت اختیار کرے اور وہ لوگ اس کو نہ پہچانتے ہوں اور وہ بتائے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں تو امام محمد فرماتے ہیں کہ ان کے لئے اس کے نسب پر گواہی دینا اس وقت جائز ہوگا جب کہ اس کے علاقہ والوں میں سے دو عادل مردان کے نزدیک اس کے نسب پر گواہی دیں، الجصاص نے اس کتاب کی شرح میں لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے، اور صدر الشہید کی ”شرح أدب القاضی“ میں بھی ایسا ہی ہے^(۱)۔

حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کا مشاہدہ و معاینہ کئے بغیر اس کی گواہی نہیں دے سکتا ہے، البتہ دس چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ان میں ایک نسب بھی ہے، چنانچہ اگر گواہ کو قابل بھروسہ ذریعہ سے نسب کا علم ہو، مثلاً ایسی جماعت کے خبر دینے سے ہو جن کے بارے میں جھوٹ پر جمع ہو جانے کا تصور نہ کیا جاسکے، اس میں عدالت کی شرط بھی نہیں ہے، یا دو عادل مردوں کی شہادت سے ہو تو وہ اس کی گواہی دے سکتا ہے^(۲)۔

۴۱- مالکیہ نے کہا ہے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک مشہور نسب پر سماعی شہادت دینا جائز ہے۔

ابن القاسم نے کہا ہے کہ اس سے نسب ثابت نہ ہوگا، صرف مال کا مستحق ہو جائے گا، إلا یہ کہ بہت زیادہ مشہور ہو، مثلاً حضرت

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳/۵۸۔

(۲) ابن عابدین ۳/۳۷۵۔

نسب ۴۲

ہو جن کی صداقت میں اس کو کوئی شک نہ ہو اور وہ لوگ ایک ہی بار اس کو اس کے نسب کی اطلاع دیں تو اس کے لئے شہادت دینا جائز ہوگا، ابن کج نے اس کو قطعی کہا ہے، البغوی نے بھی نسب بیان کرنے میں یہی جواب دیا ہے۔

اس شخص کے انتساب اور لوگوں کے منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے خلاف کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے شک و شبہ پیدا ہو، لہذا اگر منسوب راہیہ (جس کی طرف نسبت کی گئی ہے) زندہ ہو اور وہ انکار کرے تو شہادت دینا جائز نہ ہوگا اور اگر مجنون ہو تو صحیح قول کے مطابق شہادت جائز ہوگی، جیسا کہ اگر مردہ ہو تو جائز ہوتی ہے۔

اگر کچھ لوگ اس نسب میں طعن کریں تو کیا یہ جواز شہادت سے مانع ہے، اس میں دو اقوال ہیں، ان میں اصح یہ ہے کہ ہاں مانع ہے اس لئے کہ ظن مختلف ہو گیا ہے۔

استفاضہ اور شہرت میں معتبر چند صورتیں ہیں:

اول: اور یہی سب سے اصح قول ہے، ایسی بڑی جماعت سے سننا شرط ہے جن کی خبر سے یقین یا ظن غالب حاصل ہو جائے اور جھوٹ پر ان کے جمع ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، اسی کو ماوردی، ابن الصباغ اور غزالی نے راجح قرار دیا ہے، اور یہی امام شافعی کے کلام سے زیادہ مشابہ ہے۔

دوم: دو عادل مرد کافی ہیں، ابو حامد اور ابو حاتم نے اسی کو مختار کہا ہے، اور امام الحرمین کا رجحان بھی ادھر ہی ہے۔

سوم: ایک آدمی کی خبر بھی کافی ہے اگر دل اس پر مطمئن ہو، سرخسی وغیرہ نے یہی نقل کیا ہے۔

پہلی صورت میں مناسب یہ ہے کہ عادل ہونا، آزاد ہونا اور مرد ہونا شرط نہ ہو۔

نافع، حضرت ابن عمر کے مولیٰ ہیں (۱)۔

۴۲- شافعیہ نے بھی مشہور ہونے کی شرط لگائی ہے، اس لئے کہ نسب ایسا معاملہ ہے کہ اس میں روایت کو کوئی دخل نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ فراش پر ولادت کی روایت ممکن ہے، لیکن مرے ہوئے آباء واجداد اور پرانے قبائل کی طرف نسب منسوب کرنے میں روایت نہیں ہو سکتی ہے، لہذا ضرورت ہے کہ شہرت پر اعتماد کیا جائے، اور باپ پر قیاس کرتے ہوئے ماں سے بھی اسی طرح شہرت کی وجہ سے نسب ثابت ہوگا۔

نووی نے لکھا ہے کہ جن چیزوں میں تسامح یعنی استفاضہ و شہرت کی بنیاد پر شہادت دینا جائز ہے، ان میں ایک نسب بھی ہے، اور کہا ہے کہ یہ جائز ہے کہ تسامح کی بنیاد پر اس بات کی شہادت دے کہ یہ آدمی فلاں کا بیٹا ہے، یا اگر عورت کی ذات کو پہچانتا ہو تو یہ کہے کہ یہ عورت فلاں کی بیٹی ہے، یا یہ دونوں فلاں قبیلہ کے ہیں۔

اصح قول کے مطابق تسامح کی بنیاد پر ماں سے بھی نسب ثابت ہو جاتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ قطعاً ثابت ہوتا ہے جیسے باپ سے ہوتا ہے منع کی وجہ یہ ہے کہ ولادت کو دیکھ لینا ممکن ہے۔

امام شافعی اور ان کے اصحاب نے تسامح کی کیفیت کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ گواہ جس شخص کے نسب کی گواہی دے رہا ہے خود اس سے یہ بات سنے کہ وہ اپنے کو اس آدمی کی طرف یا اس قبیلہ کی طرف منسوب کر رہا ہے اور لوگ بھی اس کی نسبت اسی کی طرف کرتے ہوں، کیا اس میں تکرار اور سماع کی مدت کا طویل ہونا ضروری ہے، اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ ہاں، الصیرمی نے یہی جواب دیا ہے، دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر وہ کسی شخص کو اپنا نسب بیان کرتے ہوئے سنے اور وہاں ایسی جماعت موجود

(۱) التاج والإكليل ۶/۱۹۴۔

عادل کی گواہی سے ثابت ہو جاتے ہیں، یہ متاخرین شافیہ کا قول ہے، لفظ استفاضہ کا مقتضی پہلا قول ہی ہے، اس لئے کہ وہ ”فیض الماء“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی (پانی کا) بہت زیادہ ہونا ہے، اور اس لئے بھی کہ اگر دو عادل کا قول کافی ہوگا تو اس میں وہ شرطیں نہ ہوں گی جو شہادت علی الشہادت میں ہوتی ہیں، بلکہ اس میں صرف سننا کافی ہو جائے گا، اور اگر کسی آدمی کو کسی بچہ کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سنے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کے لئے اس کی شہادت دینا جائز ہے، اس لئے کہ وہ اس کے نسب کا اقرار کر رہا ہے، اور بچہ کو یہ کہتے ہوئے سنے کہ یہ میرے والد ہیں، اور وہ آدمی خاموش ہو تو بھی شہادت دینا جائز ہے، اس لئے کہ باپ کی خاموشی اقرار ہے، اور اقرار سے نسب ثابت ہو جاتا ہے، لہذا شہادت دینا جائز ہوگا، اور یہاں خاموشی کو اقرار کے قائم مقام صرف اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ دوسرے تمام دعووں کے برخلاف باطل انتساب کا اقرار کرنا بھی جائز ہے، نیز اس لئے کہ نسب میں اثبات کو غلبہ ہوتا ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ نکاح کی صورت میں صرف امکان کی بنیاد پر نسب ثابت کر دیا جاتا ہے۔

ابو الخطاب نے لکھا ہے کہ جب تک سکوت کی تکرار نہ ہو وہ گواہی نہ دے، اس لئے کہ سکوت، حقیقی اقرار نہیں ہے بلکہ وہ صرف اقرار کے قائم مقام ہے، اس لئے تکرار کے ذریعہ اس کی تقویت ضروری ہے، جیسا کہ اراضی میں استمرار کے ذریعہ قبضہ کی تقویت ضروری ہے^(۱)۔

ط- قاضی کا فیصلہ:

۴۴- نسب کے بارے میں قاضی کا فیصلہ مستقل دلیل سمجھا جاتا ہے، اس لئے کہ فیصلہ میں کبھی اس کی بنیاد نہیں ذکر کی جاتی ہے، اور اکثر

اگر کسی آدمی کو دوسرے کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سنے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور دوسرا اس کی تصدیق کرے، یا یہ کہے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں اور وہ فلاں اس کی تصدیق کرے تو بہت سے شافیہ نے یہ کہا ہے کہ ایسی صورت میں نسب پر شہادت دینا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی بچہ یا بالغ کے نسب کا اقرار کرے اور وہ خاموش رہے تو گواہی دینا جائز ہوگا، اس لئے کہ نسب کے باب میں خاموش رہ جانا اقرار کے درجہ میں ہے، لہذا میں ایک قول یہ ہے کہ خاموشی کی صورت میں اس وقت گواہی دے سکتا ہے جب کہ اقرار و خاموشی اس کے نزدیک بار بار ہو، غزالی نے کہا ہے کہ اس صورت میں نسب کی گواہی دینا جائز نہیں ہے، بلکہ اس حالت میں اقرار پر گواہی دے گا، یہ قیاس کے مطابق ہے^(۱)۔

۴۳- اسی طرح حنا بلہ بھی نسب کے باب میں استفاضہ یا عدد کی شرط لگانے میں شافیہ کے ہم خیال ہیں۔

المغنی میں ہے کہ اگر خبریں ظاہر ہو جائیں اور اس کے دل میں اس کی معرفت مستحکم ہو جائے تو اس کی گواہی دے سکتا ہے اور یہ علم استفاضہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، نسب اور ولادت میں استفاضہ کی بنیاد پر شہادت کے صحیح ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔

امام احمد اور خرقی کے کلام کا مقتضی یہ ہے کہ استفاضہ کی بنیاد پر گواہی نہ دے، البتہ اگر خبریں بہت ہوں اور اتنے زیادہ لوگوں سے سنے کہ اس سے یقین حاصل ہو جائے تو گواہی دے سکتا ہے، خرقی کہتے ہیں: جس میں خبریں مسلسل آئیں اور دل میں اس کی معرفت جم جائے یعنی اس سے یقین حاصل ہو جائے (تو گواہی دے سکتا ہے)، قاضی نے ”المجرد“ میں لکھا ہے کہ یہ کافی ہے کہ دو عادل مردوں سے سنے اور ان کی خبر پر دل مطمئن ہو جائے، اس لئے کہ تمام حقوق دو

(۱) المغنی ۱۲/۲۳ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۱) روضة الطالبین ۱۱/۲۶۶ اور اس کے بعد کے صفحات۔

نسب ۴۴

ہے کہ نسب کے اثبات کے مدعی کو عاجز قرار دے، خواہ وہ اپنے عجز کا اعتراف کرے یا دعویٰ کرے کہ اس کے پاس ثبوت ہے اور اس کے لئے مہلت طلب کرے اور اس کو مہلت دی جائے پھر بھی ثبوت نہ پیش کر سکے، لہذا اگر اس کو عاجز قرار دے گا تو عاجز قرار دینے پر اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا، اگر نسب کا مدعی کہے کہ میرے پاس اس کا ثبوت ہے اور اس کو پیش کرنے کے لئے مہلت طلب کرے، پھر اس کا جھگڑالو ہونا ظاہر ہو جائے تو قاضی نسب کے ثابت نہ ہونے کا فیصلہ کرے گا، اس مدعی کے عاجز ہونے کا فیصلہ نہ کرے گا، اگر اس کے عاجز ہونے کا فیصلہ کرے گا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا، البتہ نفی نسب کے مدعی کے بارے میں نسب میں اس کے عاجز ہونے کا حکم دے گا تو اس کا حکم نافذ ہوگا، لہذا اگر نسب کے مدعی کے لئے بینہ قائم ہو جائے اور مدعا علیہ کہے کہ میرے پاس ایسا ثبوت ہے جس سے مدعی کے گواہ مجروح قرار پائیں گے، پھر اگر مہلت طلب کرے اور اس کا جھگڑالو ہونا ظاہر ہو جائے تو قاضی نسب کے ثبوت اور مدعا علیہ کے عاجز ہونے کا فیصلہ کر دے گا، اور جب اس کو عاجز قرار دے دے گا تو پھر اس کے بعد اگر وہ کوئی ثبوت پیش کرنا چاہے گا تو قبول نہیں کیا جائے گا، ایسا ہی الجیزی نے کہا ہے اور البنانی نے اس کو پسند کیا ہے، اور الأجهوری کے حاشیہ میں انہوں نے کہا ہے: نسب کے باب میں مدعا علیہ مدعی کی طرح ہے، قاضی کے لئے اس کو عاجز قرار دینا بالکل جائز نہیں ہے^(۱)۔

اگر قاضی ثبوت نسب کا فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ محکوم علیہ پر اور اس کے علاوہ ان لوگوں پر بھی نافذ ہوگا جو مقدمہ میں فریق نہیں ہیں، اس لئے کہ بعض مسائل میں حاضر پر جو فیصلہ کیا جاتا ہے وہ غائب پر بھی

فقہاء کی رائے ہے کہ اس سے فیصلہ میں کوئی عیب نہیں ہوتا ہے جیسا کہ مالکیہ نے ذکر کیا ہے، اس کی اصل سخون کا قول ہے کہ جو کام دارالقضاء میں ہو اس میں قاضی کا قول قبول کیا جائے گا، اس لئے بھی کہ کبھی فیصلہ کی دلیل، دلیل ہونے کے اعتبار سے مختلف فیہ ہوتی ہے، اور جب اس کے مقتضی کے مطابق فیصلہ ہو جائے گا تو اختلاف ختم ہو جائے گا اور فیصلہ ثبوت کی دلیل بن جائے گا۔

فقہ مالکی میں نسب کے مقدمات میں اکثر تنبیہ کی جاتی ہے کہ اگر مختلف فیہ احوال میں قاضی نسب کے مدعی کے لئے وراثت کا فیصلہ کرے تو فیصلہ نافذ ہوگا، اگر قاضی کسی دوسرے کے نسب کے ثبوت کا فیصلہ کر دے اور اس میں فیصلہ کی بنیاد مذکور ہو اور اس فیصلہ سے مدلی جائے تو جس قاضی کے پاس اس فیصلہ سے مدلی جا رہی ہے وہ صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں قاضی کے حکم سے یہ ثابت ہوا ہے۔

مالکیہ میں سے الجیزی نے کہا ہے کہ اگر اسباب مٹ جائیں اور مدعی عاجز ہو جائے تو قاضی اس کو عاجز قرار دے گا اور اس پر گواہی بنوادے گا، ہر اس چیز میں جس کا دعویٰ کیا جائے عاجز قرار دینا صحیح ہے، البتہ پانچ اشیاء اس سے مستثنیٰ ہیں: خون، اوقاف، عتق، طلاق اور نسب۔ ابن القاسم، أشہب اور ابن وہب نے بھی یہی کہا ہے^(۱)۔

اس کا ضابطہ ہر ایسے حق میں ہے جس کے ثبوت کے بعد اس کا مدعی اس کو ساقط نہ کر سکے، اور اسی میں سے کسی خاص شخص کے لئے بینہ کے ذریعہ نسب کا دعویٰ کرنا ہے، اور مہلت دینے کے بعد بھی بینہ نہ پیش کر سکے تو اس کو عاجز قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ جب بینہ پیش کر دے گا تو اس کے مقتضی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا^(۲)۔

دسوقی نے اس کی تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے: قاضی کو حق نہیں

(۱) حاشیہ الدسوقی ۱۵۰/۳، شرح الزرقانی ۱۴۱/۷، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۱۳/۱، ۱۱۴/۱،

(۱) التاج والإکلیل بہامش مواہب الجلیل ۱۳۲/۶، ۱۳۳، طبع دارالفکر۔

(۲) جواہر الإکلیل ۲۲۸/۲۔

نسب ۴۵-۴۷

مسلمانوں کا نگران مقرر کیا گیا ہے اور یہ فریق کے خلاف شہادت ہوگی^(۱)۔

البتہ کسی آدمی سے چھوٹے بچے کے نسب کے ثبوت پر شہادت جب کہ وہ شخص انکار کر رہا ہو، دعویٰ کے بغیر قبول کی جائے گی^(۲)۔
شافعیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ حقوق اللہ میں دعویٰ کے بغیر شہادت قبول کی جائے گی، اور اسی میں سے نسب بھی ہے، اس لئے کہ اس کو ملانے میں اللہ تعالیٰ کا ایک حق ہے^(۳)۔

نسب میں حکم بنانا:

۴۶- مالکیہ کی رائے ہے کہ باپ کے لئے نسب میں حکم بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مسئلہ بہت اہم ہے اور اس سے فریقین کے علاوہ کسی دوسرے کا حق متعلق ہے اور وہ بھی آدمی ہے، لیکن اگر نسب میں حکم بنا دے تو اگر اس کا فیصلہ درست ہوگا تو نافذ ہوگا، نہ امام اس کو توڑے گا نہ قاضی توڑے گا^(۴)۔

اصح نے کہا ہے کہ نسب میں حکم بنانا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ امام کا حق ہے، لہذا میں اصح سے مزید منقول ہے کہ اگر دونوں اس کو حکم بنا دیں تو نسب میں اس کا فیصلہ نافذ ہوگا^(۵)۔

نسب کے دعویٰ میں قسم کھلانا:

۴۷- جمہور فقہاء امام ابوحنیفہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ نسب کے دعویٰ میں قسم نہیں کھلائی جائے گی، مثلاً کسی مجہول پر دعویٰ ہو کہ وہ

(۱) بدائع الصنائع ۴/۱۱۱

(۲) بدائع الصنائع ۴/۱۱۰

(۳) القلیوبی علی المجلد ۳/۳۲۲، ۳/۳۲۳، آسنی المطالب ۴/۳۶۷، حاشیہ الجمل

۳۸۶/۵

(۴) جواہر الإکلیل ۲/۲۲۳

(۵) مواہب الجلیل ۶/۱۱۲ طبع دار الفکر

نافذ ہو جاتا ہے، ان ہی مسائل میں نسب بھی ہے^(۱)۔

غائب سے مراد وہ شخص ہے جو فیصلہ شدہ مقدمہ میں بالکل فریق نہ ہو یا قاضی کی طرف سے فیصلہ صادر ہونے کے وقت موجود نہ ہو، انہوں نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اس کا غائب ہونا بینہ سے ثابت ہو جائے، خواہ شہادت پیش کرنے کے وقت غائب ہو یا شہادت و تزکیہ کے بعد غائب ہو اور خواہ دارالقضاء سے غائب ہو یا شہر سے غائب ہو، لیکن اگر قاضی کے پاس اقرار کر لے گا تو اس کے غائب ہونے کی حالت میں اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے کہ اس کو بینہ میں طعن کا حق ہے، قاضی کے پاس کئے ہوئے اقرار میں طعن کا حق نہیں ہے^(۲)۔

ی- بلا دعویٰ شہادت سے نسب کا ثابت ہونا:

۴۵- دعویٰ کے بغیر شہادت سے نسب کے ثبوت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ و حنابلہ کی رائے اور صحیح کے بالمقابل شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ دعویٰ کے بغیر نسب پر شہادت قابل قبول نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نسب آدمی کا ایک حق ہے، اور آدمی کے حق میں دعویٰ کے بغیر شہادت قبول نہیں کی جاتی ہے^(۳)۔

امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ اگر وہ بچہ ہو تو جب تک بچہ کی طرف سے کسی کو فریق نہ مقرر کر دے جو شرعاً اس کا نائب ہو کر اس کے لئے نسب کا دعویٰ کرے، شہادت قبول نہیں کی جائے گی، اس میں اس بچہ کا مفاد پیش نظر ہے جو اپنا حق زندہ رکھنے سے عاجز ہے، اور قاضی

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۴/۳۳۷

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۴/۳۳۵

(۳) بدائع الصنائع ۴/۱۱۱، شرح المجلد علی المنہاج ۴/۳۲۲، ۳/۳۲۳، آسنی

المطالب ۴/۳۶۷، حاشیہ الجمل ۵/۳۸۶، المغنی ۹/۲۱۵، ۲۳۸

نسب ۲۸-۵۴

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”قصاص“ (فقہہ ۲۶ / فقرہ ۲۶ اور اس کے بعد کے فقرات)، ”صغر“ (فقہہ ۲۱ / فقرہ ۲۱)، ”نکاح“ اور ”ولایت“۔

د- میراث:

۵۱- فی الجملہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ نسب وراثت کا ایک سبب ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ”ارث“ (فقہہ ۱۴ / فقرہ ۱۴) میں ہے۔

ھ- نکاح کا حرام ہونا:

۵۲- فی الجملہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ نسب نکاح کے حرام ہونے کا ایک سبب ہے، تفصیل اصطلاح ”محرمات النکاح“ (فقہہ ۳ / فقرہ ۸-۳) میں ہے۔

کفائت میں نسب کا اعتبار:

۵۳- نکاح کے باب میں کفائت کے بارے میں نسب کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا جب کہ دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس کی تفصیل اصطلاح ”کفائت“ (فقہہ ۸ / فقرہ ۸) میں ہے۔

لعان کی وجہ سے نسب کا ختم ہو جانا:

۵۴- فقہاء کی رائے ہے کہ اگر زوجین کے درمیان لعان مکمل ہو جائے اور قذف بچہ کے انکار کے ذریعہ ہو تو اس کے نتیجے میں بچہ کا نسب شوہر سے ختم ہو جائے گا اور اس کا نسب ماں سے ثابت ہوگا۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”لعان“ (فقہہ ۲۵ / فقرہ ۲۵ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

اس کا بیٹا ہے، یا اس کے برعکس ہو۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا ہے کہ نسب میں قسم کھلائی جائے گی، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ قاضی کے لئے مناسب ہے کہ مدعا علیہ کی حالت میں غور کرے، اگر اس کو سرکش محسوس کرے تو صاحبین کا قول اختیار کرے اور اس کو قسم کھلائے، اور اگر مظلوم ہو تو امام صاحب کا قول اختیار کرے اور اس کو قسم نہ کھلائے^(۱)۔

نسب کے آثار:

نسب کے ثبوت پر کچھ آثار مرتب ہوتے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

الف- نفقہ:

۴۸- فقہاء کی رائے ہے کہ نسب نفقہ کا ایک سبب ہے، اور یہ فی الجملہ ہے، تفصیل اصطلاح ”نفقہ“ میں ہے۔

ب- قصاص کا ساقط ہونا:

۴۹- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ مطلقاً باپ، بیٹا کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، تفصیل اصطلاح ”قصاص“ (فقہہ ۱۷ / فقرہ ۱۷) میں ہے۔

ج- ولایت کا ثابت ہونا:

۵۰- نسب کا ثبوت چند امور میں ولایت کا سبب ہے: قصاص لینا، نکاح اور مال پر ولایت، یہ فی الجملہ ہے۔

(۱) الدر المختار مع حاشیة ابن عابدین ۴/۲۵، تکملة فتح القدیر ۸/۱۸۱، مواہب الجلیل ۶/۱۳۳، الإصناف ۱۲/۱۱۱۔

نسب ۵۵-۵۶

نسب قابل استقاط نہیں ہے:

یہاں موجود نہیں ہے، نسب کی نفی پر ان دونوں کا متفق ہو جانا قابل اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ نسب بچہ کے حق کے طور پر ثابت ہوتا ہے اور نسب کی نفی پر ان دونوں کے متفق ہو جانے سے بچہ کا حق باطل ہوگا، اور یہ جائز نہیں ہے^(۱)۔

مالکیہ کا مشہور قول ہے کہ اگر رخصتی سے قبل یا اس کے بعد زوجین نسب کی نفی پر متفق ہو جائیں تو بچہ کی نفی کے لئے شوہر کی طرف سے لعان ضروری ہوگا، اگر وہ لعان نہیں کرے گا تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور اس پر حد جاری نہ ہوگی، اس لئے کہ اس نے غیر پاکدامن پر قذف کیا ہے، اور ہر حال میں عورت پر حد جاری کی جائے گی، البتہ اگر بچہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہو تو اس وقت لعان کے بغیر نسب کی نفی ہو جائے گی۔

امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے نسب کی نفی ہو جائے گی۔

صاحب التاج والاکلیل نے المدونہ سے نقل کیا ہے کہ اگر زوجین حمل کی نفی پر متفق ہو جائیں تو لعان کے بغیر نسب کی نفی ہو جائے گی اور زوجہ پر حد جاری کی جائے گی، یہ امام مالک کا قول ہے، اکثر نقل کرنے والوں نے کہا ہے کہ لعان کے بغیر نسب کی نفی نہیں ہوگی، یہ بھی امام مالک کا قول ہے^(۲)۔

۵۵- نسب بچہ کا حق ہے، اور جب یہ حق ثابت ہو جائے گا تو جس کے ساتھ بچہ کا نسب ثابت ہوگا اس کے لئے اس حق کو ساقط کر دینا جائز نہ ہوگا، لہذا اگر بیٹا ہونے کا اقرار کر لے یا اس کو بیٹے کی مبارک باد دی جائے اور وہ خاموش رہے، یا دعا پر آمین کہے، یا نفی کے ممکن ہونے کے باوجود نفی میں تاخیر کرے تو ان تمام صورتوں میں بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور اس کے بعد اس کو ساقط کرنا صحیح نہ ہوگا^(۱)۔

اگر کسی عورت کو اس کا شوہر طلاق دے دے اور شوہر کے خلاف دعویٰ کرے کہ اس کے پاس جو بچہ ہے وہ اس کے بطن سے اس کا بیٹا ہے اور مرد اس کا انکار کرے، پھر عورت کچھ لے کر نسب کے بارے میں صلح کر لے تو یہ صلح باطل ہوگی، اس لئے کہ نسب اس کا حق نہیں ہے بلکہ بچہ کا حق ہے^(۲)۔

نسب کی نفی پر متفق ہو جانا:

۵۶- حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر کسی آزاد عورت کے بچہ کے نسب کی نفی کرے اور عورت اس کی تصدیق کر دے تو بھی نسب کی نفی نہ ہو سکے گی، اس لئے کہ اس میں تناقض کی وجہ سے لعان ممکن نہیں ہے، کیونکہ وہ لعان میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے گی کہ وہ جھوٹا ہے حالانکہ وہ کہہ چکی ہے کہ وہ سچا ہے، اور جب نسب کو ختم کرنا ممکن نہ ہو کیونکہ قطع نسب لعان کا حکم ہے اور وہ ان دونوں کا بیٹا ہو گیا تو نسب کی نفی پر ان دونوں کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ نسب ثابت ہو چکا ہے اور نکاح کے ذریعہ ثابت شدہ نسب لعان کے بغیر ختم نہیں ہو سکتا اور لعان

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۴/۲۶۶، الکافی لابن عبدالبر ۲/۶۱۶، نہایۃ المحتاج

۱۱۶/۷، المغنی ۷/۴۲۴، شرح منہجی الإرادات ۳/۲۱۱۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/۲۹۹۔

(۱) بدائع الصنائع ۳/۲۴۶۔

(۲) الشرح الکبیر ۲/۴۶۰، الشرح الصغیر ۲/۶۶۰، التاج والاکلیل ۳/۱۳۳۔

نسخ-۱-۵

ہے کہ تخصیص اس چیز کو نکالنا ہے جو خطاب میں داخل ہو، ایک قول یہ ہے کہ جملہ کے بعض حصہ کو حکم میں ممتاز کرنا، زرکشی نے کہا ہے کہ پہلا معنی زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ عام صیغہ ان تمام افراد کو شامل ہوتا ہے جو خطاب میں داخل ہوتے ہیں، ارادہ کا تقاضا تمام افراد کے لئے حکم کا شامل ہونا ہوتا ہے، پھر بعض افراد کو خاص کر لیا جاتا ہے^(۱)۔

نسخ اور تخصیص میں تعلق یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک خطاب میں داخل ہونے والے کو نکالنا ہے، البتہ نسخ میں حکم کے ثابت ہونے کے بعد حکم کو ختم کر کے نکالا جاتا ہے، اور تخصیص میں حکم کے ثبوت سے قبل اس کو بعض کے ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے^(۲)۔

ب- محکم:

۳- محکم وہ ہے جس کی مراد تبدیلی و تغیر یعنی نسخ، تخصیص اور تاویل سے محفوظ ہو^(۳)۔

نسخ اور احکام میں تضاد کا تعلق ہے۔

ج- تاویل:

۴- لغت میں تاویل کا معنی ترجیح دینا ہے، اصطلاحی معنی میں لفظ کو اس کے ظاہر معنی سے کسی ایسے دوسرے معنی کی طرف پھیر دینا ہے جس کا احتمال لفظ میں ہو^(۴)۔

نسخ کی قسمیں:

۵- نسخ کی تین قسمیں ہیں: تلاوت کو باقی رکھتے ہوئے حکم کو منسوخ

نسخ

تعریف:

۱- لغت میں نسخ کے دو معانی ہیں: اول: نقل کرنا، مثلاً کوئی کتاب کسی دوسری کتاب سے نقل کرنا، اگر کوئی شخص کتاب نقل کرے تو کہتا ہے: نسخت الكتاب، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّا كُنَّا نَسْتَسِيخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ"^(۱) (تم جو کچھ بھی کرتے رہتے تھے ہم سب لکھواتے جاتے تھے) یعنی اس کو نقل اور محفوظ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

دوم: باطل کرنا، زائل کرنا، کہا جاتا ہے: "نسخت الشمس الظل والريح الأثر" یعنی سورج نے سایہ کو اور ہوا نے نشان کو زائل کیا^(۲)۔

اصطلاحی معنی میں نسخ کسی شرعی دلیل کے بعد کسی دوسری شرعی دلیل کا آنا ہے جو پہلی دلیل کے حکم کے خلاف کی متقاضی ہو، یہ ہمارے علم کے اعتبار سے تبدیلی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے حکم کی مدت کو بیان کرنا ہے^(۳)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- تخصیص:

۲- لغت میں تخصیص کا معنی خاص کرنا، اور الگ کرنا ہے، ایک قول یہ

(۱) البحر المحیط ۳/۲۴۱۔

(۲) البحر المحیط ۳/۲۴۰، ۲۴۱۔

(۳) التعریفات للبحر جانی۔

(۴) حوالہ سابق۔

(۱) سورۃ جاثیہ/۲۹۔

(۲) المصباح المنیر، القاموس المحیط، الجامع لأحكام القرآن للقرطبی ۲/۶۲، ۶۳۔

(۳) التعریفات للبحر جانی، قواعد الفقہ للمبرکتی۔

نسخ ۶-۷

دوم: نسخ منسوخ سے الگ اور اس سے مؤخر ہو، جو ساتھ ہوگا جیسے شرطیں اور استثناء، اس کو نسخ نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ محض تخصیص ہے۔

سوم: نسخ شرعی خطاب سے ہو، لہذا موت یا جنون کی وجہ سے حکم کا ختم ہو جانا نسخ نہیں ہے، بلکہ یہ محض شرعی احکام کا ساقط ہو جانا ہے۔

چہارم: اٹھایا گیا حکم ایسے وقت کے ساتھ مقید ہو جس وقت کا داخل ہونا اس بات کا متقاضی ہو کہ کسی انتہاء کے ساتھ مقید حکم ختم ہو جائے، لہذا اس انتہاء کی موجودگی کے ساتھ نسخ نہیں ہوگا۔

پنجم: نسخ منسوخ سے قوی یا اس کے مثل ہو، اگر اس سے کمزور ہوگا تو نسخ نہیں کر سکے گا، اس لئے کہ ضعیف کسی قوی کو دور نہیں کر سکتا، الکیا ہر اسی نے کہا ہے کہ یہی عقل کا تقاضا ہے اور اجماع بھی اس کی دلیل ہے، اس لئے کہ حضرات صحابہ نے خبر واحد سے قرآن کے نص کو منسوخ نہیں کیا ہے۔

ششم: منسوخ کا مقتضی نسخ کے مقتضی کے خلاف ہو۔

ہفتم: ایسا ہو کہ جس کا مشروع ہونا جائز ہو اور مشروع ہونے کے ساتھ ان چیزوں میں سے نہ ہو جن میں کوئی وقت مقرر کرنے کا احتمال نہیں ہوتا ہے، اسی لئے کسی بھی حال میں اصل توحید میں نسخ نہیں ہو سکتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء و صفات کے ساتھ لم یزل ولا یزال ہے (ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا)، اسی طرح جس چیز کے بارے میں نص سے معلوم ہے کہ وہ ہمیشہ رہے گی، اور اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اس میں نسخ کو کوئی دخل نہ ہوگا، جیسے ہماری موجودہ شریعت ہے، انہوں نے کہا ہے کہ جو چیز ہمیشہ ایک ہی صفت پر رہتی ہے اس میں نسخ کو کوئی دخل نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی وحدانیت، چنانچہ اس میں نسخ کو کوئی دخل نہیں ہے۔

کرنا، حکم کو باقی رکھتے ہوئے تلاوت کو منسوخ کرنا، حکم اور تلاوت دونوں کو منسوخ کرنا۔

اس کی تفصیل ”اصولی ضمیمہ“ میں ہے۔

نسخ کا واقع ہونا:

۶- نسخ عقل کے اعتبار سے جائز ہے اور نقل کے اعتبار سے واقع ہے، اس کے وقوع کا انکار اسلام کی طرف انتساب کرنے والی متأخرین کی ایک قلیل جماعت نے کیا ہے، پھر ان میں سے بعض نے اس کو عقلاً جائز اور شرعاً ممنوع قرار دیا ہے اور بعض نے عقلاً بھی ممنوع قرار دیا ہے، ان کے خلاف حجت، شریعت میں نسخ کے واقع ہونے پر متقدمین سلف کا اجماع ہے، ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ بعض مسلمانوں سے نسخ کا انکار کرنا منقول ہے، وہ اس معنی میں نہیں ہے کہ ثابت شدہ حکم ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ نص سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا، لہذا یہ نسخ نہیں ہوتا^(۱)، تفصیل ”اصولی ضمیمہ“ میں ہے۔

نسخ کے واقع ہونے کی شرطیں:

۷- نسخ کے واقع ہونے کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:

اول: منسوخ شدہ حکم شرعی ہو یعنی شریعت سے ثابت ہو عقلی نہ ہو، لہذا اگر کوئی کام لوگ اپنی عادت و رواج کی وجہ سے کرتے ہوں اور ان کو اس پر برقرار رکھا جائے، پھر حکم اٹھالیا جائے تو یہ نسخ نہیں ہوگا بلکہ نیا حکم شروع ہوگا، مثلاً زمانہ جاہلیت میں شراب نوشی ان کی عادت تھی، اسلام سے قبل شراب نوشی کو جائز سمجھتے تھے، پھر حرام کر دی گئی تو یہ نیا حکم شروع ہوا ہے۔

(۱) تفسیر القرطبی ۲/۶۳، البحر المحیط للدرکشی ۲/۷۲۔

نسخ ۸-۱۱

کے مثل سے جائز ہے، جیسا کہ قبلہ ہے، اسی طرح کوئی دوسرا حکم دیئے بغیر بھی کسی حکم کو منسوخ کرنا جائز ہے، جیسے حضور اکرم ﷺ سے بات کرنے کا صدقہ ہے^(۱)۔

آحاد کے ذریعہ متواتر کا نسخ:

۹- زرکشی نے کہا ہے کہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ قرآن کا نسخ قرآن سے، سنت متواترہ کا نسخ اسی جیسی سنت سے، آحاد کا نسخ آحاد سے، اور آحاد کا نسخ متواترہ سے جائز ہے۔

البتہ متواتر سنت یا قرآن کا نسخ آحاد سے جائز اور واقع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے^(۲)۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ”اصولی ضمیمہ“۔

سنت سے قرآن کا نسخ:

۱۰- زرکشی نے کہا ہے کہ اگر سنت خبر واحد ہو تو ممنوع ہے اور اگر خبر متواتر ہو تو اس میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک اس کا وقوع جائز ہے^(۳)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ”اصولی ضمیمہ“۔

حائضہ اور جنبی کے لئے منسوخ شدہ آیت کی تلاوت کرنا اور اس سے نماز ادا کرنا:

۱۱- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی جن آیات کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور ان کی تلاوت باقی ہے، نماز میں ان کو پڑھنا جائز ہے اور حائضہ و جنبی کے لئے ان کا پڑھنا حرام ہے، منسوخ کی یہ قسم قرآن

اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ صادق نے جس کی خبر دی ہے اس کے خلاف اس کے واقع ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے^(۱)۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ”اصولی ضمیمہ“۔

ثقیل سے خفیف کی طرف اور اس کے برعکس نسخ کا جائز ہونا:

۸- ثقیل کا نسخ اس سے خفیف کی طرف جائز ہے جیسا کہ ارشاد ربانی: ”إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا“^(۲) (اگر تم میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے، اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے) میں دس گنا کا ثبوت دوسرے ارشاد ربانی سے منسوخ ہے، ارشاد ہے: ”أَلَا أَنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ“^(۳) (اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں جوش کی کمی ہے، سو اب اگر تم میں سے سو ثابت قدم ہوں تو دو سو پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے)۔

اسی طرف خفیف کا نسخ ثقیل کی طرف جائز ہے جیسے یوم عاشورا کا روزہ اور ایام معدودات کا روزہ، رمضان کے روزہ سے منسوخ ہو گیا ہے، اسی طرح ثقیل و خفیف ہونے کے اعتبار سے مثل کا نسخ اس

(۱) الجامع لأحكام القرآن ۲/۶۵، ۲۷۵، نواخ الرصوت ۱/۲۷۲۔

(۲) البحر المحیط ۴/۱۰۸۔

(۳) حوالہ سابق۔

(۱) البحر المحیط ۴/۷۸، ۷۹۔

(۲) سورة انفال ۲۵۔

(۳) سورة انفال ۶۶۔

نسر، نسک

نسر

دیکھئے: ”اُطعمۃ“۔

نسک

دیکھئے: ”حج“، ”عمرہ“۔



ہے، اس لئے کہ قرآن کے جس حصہ کی تلاوت کی جاتی ہے وہ اللہ کا کلام ہے، اور قرآن کریم کی تلاوت جیسا کہ اس کے احکام کو یاد رکھنے کے لئے کی جاتی ہے تاکہ اس پر عمل کرنا آسان ہو اسی طرح اس کے کلام اللہ ہونے کی وجہ سے بھی تلاوت کی جاتی ہے تاکہ اس کے پڑھنے پر ثواب ہو، لیکن جس آیت کی تلاوت منسوخ ہے اور اس کا حکم باقی ہے، اس کو پڑھنے سے نماز جائز نہ ہوگی، نہ حائضہ و جنبی کے لئے اس کا پڑھنا حرام ہوگا، اس لئے کہ نماز کے جائز ہونے کا حکم اس کی تلاوت سے متعلق ہے اور جنبی، حائضہ اور نساء پر اس کی قرأت کا حرام ہونا مقصود ہے، اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا کسی وقت سے موقت ہونا جائز ہے کہ اس وقت کے گزرنے پر حکم ختم ہو جائے، لہذا تلاوت کا منسوخ ہونا اس حکم کی مدت کا بیان کرنا ہے، جیسا کہ حکم کو منسوخ کرنا اس کی مدت کو بیان کرنا ہے^(۱)۔

سرخسی نے کہا ہے کہ تلاوت کردہ آیات کے بارے میں یہ اعتقاد کر لینے کے بعد کہ وہ قرآن ہے، کلام اللہ ہے، کسی بھی حال میں ہم یہ اعتقاد نہیں رکھ سکتے ہیں کہ وہ قرآن نہیں ہے، کلام اللہ نہیں ہے، لیکن تلاوت کے منسوخ ہو جانے سے اس سے نماز کے جواز کے تعلق اور جنبی و حائضہ پر اس کی قرأت کے حرام ہونے کے تعلق کا حکم ختم ہو گیا ہے^(۲)۔

(۱) معنی الحج ۱/۳۷، کشاف القناع ۱/۱۳۵، اصول السرخسی ۲/۸۱۔

(۲) سابقہ مراجع۔

نسل ۱-۳

ہے جن کی محافظت واجب ہے، اس لئے یہ نوع انسانی کی بقا کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

شاطبی نے مقاصد شریعت پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ دین و دنیا کے مصالح ان پانچ امور کی محافظت پر مبنی ہیں جو ضروری ہیں، یعنی دین، جان، نسل، مال اور عقل کی حفاظت، پھر انہوں نے کہا ہے کہ اگر نسل نہ رہے تو انسان باقی نہیں رہ سکتے گا^(۱)۔

سرخسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک دنیا کو باقی رکھنے کا فیصلہ کیا ہے، اور یہ باقی رہنا تناسل کے ذریعہ ہوگا، اور یہ تناسل عادتاً مذکورہ منوث کے درمیان ہوتا ہے، اور یہ ان دونوں کے درمیان محض وطی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے، لہذا شریعت نے اس وطی کا جائز طریقہ نکاح کو قرار دیا ہے، اس لئے کہ زبردستی مسلط ہونے میں فساد ہے اور ملک کے بغیر اقدام کرنے میں نسب مشتبہ ہو جائے گا اور یہ نسل کے ضائع ہو جانے کا سبب ہوگا^(۲)۔

امام غزالی نے کہا ہے کہ نکاح کا ایک فائدہ اولاد ہے اور یہی اصل فائدہ ہے، اسی کے لئے نکاح مقرر کیا گیا ہے، اور مقصود نسل کو باقی رکھنا ہے اور یہ بھی مقصد ہے کہ دنیا انسان سے خالی نہ رہے^(۳)۔
الفواکہ الدوانی میں ہے: نکاح کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن تک نوع انسانی کو باقی رکھنے کا جو ارادہ کیا ہے، اس کی تحفیذ ہو^(۴)۔

ب- کثرت نسل پر فخر کرنا:

۳- سرخسی اور ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ نکاح کی ایک مصلحت یہ

نسل

تعریف:

۱- لغت میں نسل کا معنی اولاد ہے، نسل نسلاً باب ضرب سے ہے، یعنی: اس کی اولاد زیادہ ہوئی، یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: نسلت الولد نسلاً، یعنی بچہ جنا، نسل کا معنی ذریت ہے، اس کی جمع ”انسال“ ہے۔

”تناسلوا“ کا معنی ہے: بہت پیدا ہوئے، بعض نے بعض کو پیدا کیا، بعض بعض سے پیدا ہوئے^(۱)۔

نسل نسولاً: دوسرے سے جدا ہونا^(۲)۔

فقہاء اولاد کو نسل کہتے ہیں، خواہ آدمی کی اولاد ہو یا کسی جانور کی ہو، اسی طرح حمل کو بھی کہتے ہیں^(۳)۔

نسل سے متعلق احکام:

نسل سے متعلق چند احکام ہیں، بعض درج ذیل ہیں:

الف- نوع انسانی کی بقا کے لئے نسل کی اہمیت:

۲- نسل شریعت کا ایک اہم مقصد ہے، اور ان کلیات میں سے ایک

(۱) المواقات للشاطبی ۱۰۲، ۱۰۱۔

(۲) المبسوط ۴، ۱۹۲، ۱۹۳۔

(۳) إحياء علوم الدین ۲، ۵۴۔

(۴) الفواکہ الدوانی ۲، ۲۲۔

(۱) المصباح المنیر، لسان العرب۔

(۲) المعجم الوسيط، کلیات ۲، ۳۶۲، المفردات فی غریب القرآن۔

(۳) جواهر الإكلیل ۱، ۱۳۶، ۲۱۰، روضة الطائین ۵، ۳۳۷، ۳۳۳، المغنی

۶۰۸، فتح القدر ۵، ۳۵۲ طبع دار إحياء التراث۔

نسل ۴-۶

بغیر ناجائز قرار دیا ہے۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”عزل“ (فقہہ ۳۳) میں ہے۔

خضاء کا حرام ہونا:

۵- نسل کی حفاظت کا ایک سبب خصی نہ ہونا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے: ”کنا نغزو مع النبی ﷺ لیس لنا نساء فقلنا: یا رسول اللہ ألا نستخصی؟ فنہا ناعن ذلک“ (۱)

(ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ میں تھے، ہمارے پاس عورتیں نہیں تھیں، تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ کیا ہم لوگ خصی ہو جائیں تو آپ ﷺ نے ہم لوگوں کو اس سے منع فرمایا)، علماء نے کہا ہے کہ خضاء سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ اس کثرت نسل کے خلاف ہے جو شارع کا مقصود ہے تاکہ کفار سے جہاد جاری رہے، ورنہ اگر اس کی اجازت دی جاتی تو ہو سکتا ہے کہ سب ہی لوگ ایسا کر لیتے اور نسل ختم ہو جاتی اور اس کے ختم ہونے سے مسلمان کم ہو جاتے اور کفار زیادہ ہو جاتے اور یہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے مقصد کے خلاف ہوتا (۲)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ”خضاء“ (فقہہ ۵)۔

جس چیز سے نسل ختم ہو جائے یا کم ہو جائے اس کے استعمال کا ممنوع ہونا:

۶- مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ کسی مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی منی کو ختم کرنے کے لئے ایسا ذریعہ اختیار کرے کہ بچہ بالکل پیدا

(۱) حدیث: ”کنا نغزو مع النبی ﷺ.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۱۷/۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۰۲۲/۲ طبع عینی اٹلی) نے کی ہے۔

(۲) الدر المختار ۲۴۹/۵، فتح الباری ۱۱۹/۹، صحیح مسلم بشرح النووی ۱۷۷/۹۔

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے زیادہ ہوں، نبی کریم ﷺ کی امت کثیر ہو اور ان کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا فخر کرنا ثابت ہو جائے (۱)، حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر بسانے کا حکم دیتے تھے، بغیر شادی کے رہنے سے سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے اور کہتے تھے: ”تزوجوا الودود الودود، انی مکاثر الأنبیاء یوم القیامۃ“ (۲) (خوب محبت کرنے والی اور خوب بچہ جننے والی عورت سے شادی کرو میں قیامت میں انبیاء میں سب سے زیادہ امت والا ہوں گا)۔

امام غزالی نے بچہ پیدا کرنے کے لئے ذریعہ اختیار کرنے کو عبادت قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کو طلب کرنا ہے، کیونکہ آپ ﷺ ان لوگوں کی کثرت پسند فرماتے تھے جن کے ذریعہ آپ فخر کر سکیں (۳)۔

ج- نسل کی محافظت:

نسل کی حفاظت کرنا شریعت کا ایک اہم مقصد ہے، اور اس کی محافظت کے چند وسائل ہیں، بعض درج ذیل ہیں:

عزل سے روکنا:

۴- بیوی سے عزل کرنے کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض نے مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے، بعض نے مطلقاً اجازت دی ہے، اور بعض نے بیوی کی اجازت سے جائز اور اس کی اجازت کے

(۱) المبسوط ۱۹۲، المغنی ۶/۲۷۷۔

(۲) حدیث: ”تزوجوا الودود الودود.....“ کی روایت امام احمد (۱۵۸/۳ طبع الیمینیہ) نے کی ہے، پیشی نے مجمع الزوائد (۲۵۸/۳ طبع القدسی) میں لکھا ہے کہ اس کی روایت احمد نے اور طبرانی نے الأوسط میں کی ہے، اور اس کی اسناد حسن ہے۔

(۳) إحياء علوم الدین ۵۳/۲۔

نسل ۷-۹

کے فقرات) میں دیکھی جائے۔

قطع نسل کا سبب بننے والے کی سزا:

۸- فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی انسان پر تعدی کرے جس کی وجہ سے اس کی نسل اور بچہ دینے کی صلاحیت ختم ہو جائے تو اس میں پوری دیت واجب ہوگی، اس لئے کہ بچہ پیدا کرنا مقصود منفعت ہے جس کو اس نے ضائع کر دیا ہے^(۱)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”دیات“ (فقہہ ۶۲، ۴۴، ۳۸) میں ہے۔

د- غصب کردہ جانور کی نسل کا تاوان:

۹- اصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز غصب کرے تو وہ چیز اس کے مالک کو واپس کرنا واجب ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”علی الید ما أخذت حتی تؤدی“^(۲) (ہاتھ جو کچھ لے اس کا واپس کرنا اس پر واجب ہے)، اس حکم میں غصب کردہ جانور کی نسل بھی داخل ہے، لہذا اگر کوئی شخص کوئی جانور غصب کرے اور وہ غاصب کے پاس بچہ جنے تو بچہ کو اس کی ماں کے ساتھ مالک کو واپس کرنا واجب ہے، اور اگر کوئی بکری غصب کرے اور کسی بکرا سے اس پر جفتی کرائے تو بچہ بکری کے مالک کا ہوگا اس لئے کہ یہ بکری کی نماء (بڑھوتری) سے ہے، اور اگر کسی بکرا کو غصب کرے اور اس سے اپنی

ہی نہ ہو، یا ایسی چیز استعمال کرے جو اس کی نسل کو کم کر دے، اور کیا ان دونوں امور میں عورت کا حکم بھی یہی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کی منی کا ختم ہونا بھی قطع نسل کا ذریعہ ہے۔

المعیار میں ہے کہ ہمارے ائمہ نے صراحت کی ہے کہ ایسی چیز کا استعمال کرنا ممنوع ہے جو رحم کو کمزور کر دے یا رحم میں داخل منی کو باہر کر دے^(۱)۔

شافی نے کہا ہے کہ عزل کرنا مکروہ ہے اور شہوت کو کم کر دینا بھی مکروہ ہے، قطع نسل حرام ہے، خواہ دوا کے ذریعہ ہو، اسی طرح عورت کی طرف سے حمل کو ضائع کر دینا بھی حرام ہے^(۲)۔

بعض حنفیہ نے اجازت دی ہے کہ عورت اپنے رحم کے منہ کو بند کر سکتی ہے، اصل مذہب یہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر یہ حرام ہے، انہوں نے اس کو عورت کی اجازت کے بغیر شوہر کے عزل کرنے پر قیاس کیا ہے۔

ابن عابدین نے کہا ہے کہ زمانہ کے فساد کے پیش نظر دونوں جانب سے جائز ہونا مفید ہوگا^(۳)۔

استقاط حمل کا ممنوع ہونا:

۷- نسل کی محافظت کا ایک ذریعہ حاملہ عورت کا استقاط حمل نہ کرانا ہے۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ نفخ روح کے بعد استقاط حمل حرام ہے، اس لئے کہ یہ اس کو قتل کرنا ہے، لیکن نفخ روح سے قبل استقاط کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”اجہاض“ (فقہہ ۴ اور اس کے بعد

(۱) فتح العلی الممالک ۱/۳۹۹، ۴۰۰، الخرش ۳/۲۲۶۔

(۲) حاشیہ القلیوبی ۳/۲۰۶، ۴/۳۵۷۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۲/۹۷، ۳/۳۸۰۔

(۱) البدائع ۷/۳۱۱، ۳۱۲، جواہر الإکلیل ۲/۲۶۸، القلیوبی ۲/۱۴۲، کشف القناع ۶/۳۸۔

(۲) حدیث: ”علی الید ما أخذت حتی تؤدی“ کی روایت ابو داؤد (۳/۸۲۲ طبع محص) اور ترمذی (۳/۵۵۷ طبع اکتلی) نے حضرت سمرہ سے کی ہے، ابن حجر نے التلخیص (۳/۵۳ طبع شرکتہ الطباعة الفدیہ) میں لکھا ہے کہ سمرہ سے حسن کی سماعت میں اختلاف ہے۔

نسل ۱۰-۱۲

لوگ داخل ہوں گے اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔

مالکیہ کے نزدیک اور ایک روایت میں حنفیہ کے نزدیک جسے ہلال نے ذکر کیا ہے اور جسے بعض فقہاء حنفیہ نے راجح قرار دیا ہے اور حنابلہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ وقف میں واقف کی اولاد مذکورہ مؤنث اور مذکورہ اولاد کی اولاد داخل ہوگی، مؤنث کی اولاد اس میں داخل نہ ہوگی۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ قرینہ کے بغیر بیٹیوں کی اولاد داخل نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ اس کی طرف منسوب نہیں ہوتی ہے۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت ہے کہ اس میں لڑکیوں کے اولاد کے داخل ہونے کا عرف و رواج نہ ہو اس لئے کہ واقعۃً واقف کے الفاظ کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک اور ایک دوسری روایت میں حنفیہ کے نزدیک جس کو بعض حنفیہ نے راجح قرار دیا ہے، اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ نسل پر وقف کرنے کی صورت میں لڑکیوں کی اولاد اس میں داخل ہوگی، جیسا کہ لڑکوں کی اولاد داخل ہوگی، اس لئے کہ سب اس کی نسل سے ہیں، ارشاد ربانی ہے: ”وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ“ سے ”وَعَيْسَى“^(۱) تک، حالانکہ وہ ان کی بیٹی کی اولاد ہیں^(۲)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”وقف“۔

ز۔ جانور کی نسل میں بیع مسلم:

۱۲۔ شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ صفات کے ساتھ جس کا جمع ہونا

(۱) سورۃ انعام ۸۴، ۸۵۔

(۲) الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۴۳۹/۳، الشرح الکبیر مع حاشیہ الدسوقی

۹۳/۴، المہذب ۴۵۱/۱، کشف القناع ۲۸۷/۴۔

بکری پر جفتی کرائے تو بچہ بکری کے مالک کا ہوگا، اس لئے کہ بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے، اور اس کو کوئی اجرت نہیں ملے گی اس لئے کہ نخل (نر جانور کے ذریعہ جفتی کرانے) کے کرایہ سے ممانعت وارد ہوئی ہے^(۱)۔

اگر غصب کردہ جانور کا بچہ غاصب کے پاس ضائع ہو جائے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اس کا ضمان واجب ہوگا، خواہ تعدی کرے یا نہ کرے، حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر تعدی کرے گا تو ضامن ہوگا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”غصب“ (فقہ ۱۸)۔

ھ۔ رہن رکھے ہوئے جانور کی نسل:

۱۰۔ رہن رکھے ہوئے جانور کی نسل اصل کے تابع ہو کر رہن ہوگی یا نہیں؟ اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ رہن سے جو بچہ پیدا ہو اصل کے ساتھ وہ بھی رہن ہوگا، شافعیہ کی رائے ہے کہ جانور کی نسل پر رہن کا اثر نہ ہوگا^(۲)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”رہن“ (فقہ ۱۵) میں دیکھی جائے۔

و۔ وقف میں لفظ نسل استعمال کیا جائے تو اس میں کون لوگ داخل ہوں گے:

۱۱۔ اگر واقف کہے کہ میں نے اپنی نسل پر وقف کیا تو لفظ نسل میں کون

(۱) المغنی ۲۶۰/۵، ۲۶۵، الفواکہ الدوانی ۲/۲۳۵، روضۃ الطالبین ۲۷۵/۵، تاملتہ فتح القدر ۲۷۸/۲۳۲، تبیین الحقائق ۲۳۲/۵، حاشیہ ابن عابدین ۱۲۹/۵۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳۳۵/۵، الدسوقی ۲۴۴/۳، نہایۃ المحتاج ۲۸۰/۴، المغنی ۴۳۰/۴۔

نسیہ، نسیان

نسیان

تعریف:

۱- لغت میں نسیان (نون کے زیر کے ساتھ) یاد اور حفظ کی ضد ہے، کہا جاتا ہے: نسیہ نسیاناً ونسأوة ونسأوة، اور چھوڑنے کے معنی میں بھی آتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ”نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ“^(۱) (انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اس نے انہیں بھلا دیا)، یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو چھوڑ دیا، اور چونکہ نسیان ترک کی ایک قسم ہے اس لئے اس کی جگہ پر اس کو رکھ دیا، یا مطلب یہ ہے کہ ان کو بھلا دیا کہ اپنے لئے عمل کر سکیں، ارشاد ربانی ہے: ”فَنَسِيَتْهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى“^(۲) (سو تو نے ان کا خیال نہ کیا اسی طرح آج تیرا خیال نہ کیا جائے گا)، رجل نسیان (نون کے زبر کے ساتھ) کسی چیز کو بہت بھولنے والا، ارشاد ربانی ہے: ”مَا نَسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنسِهَا“^(۳) (ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں)، یعنی ہم تم کو اس کے چھوڑنے کا حکم دیتے ہیں۔

الفیومی نے کہا ہے: نسیت الشيء أنساه نسیاناً ودمعانی میں مشترک ہے: اول: کسی چیز کو بھول کر غفلت میں چھوڑ دینا، یہ اس کو یاد رکھنے کے خلاف ہے، تم کہو گے: تروکت رکعة میں نے

(۱) سورہ توبہ/۶۷۔

(۲) سورہ طہ/۱۲۶۔

(۳) سورہ بقرہ/۱۰۶۔

نادر ہو اس میں بیع سلم صحیح نہیں ہے، جیسے باندی اور اس کا بچہ، جانور اور اس کا بچہ، اس لئے کہ جن اوصاف کا ذکر کرنا بیع سلم میں ضروری ہے ان کے پیش نظر دونوں کا جمع ہو جانا انتہائی نادر ہے، جانور کا مخصوص اوصاف کے ساتھ متصف ہونا اور اس کے بچہ کا بھی ان ہی اوصاف کے ساتھ متصف ہونا انتہائی نادر ہے۔

مالکیہ کے نزدیک سلم کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ (سلم میں خریدا ہو سامان)، مسلم الیہ (جس سے بیع سلم کا معاملہ ہو) کے ذمہ میں دین ہو، اور جب اس کا وقت آئے تو مسلم فیہ موجود ہو، اس لئے ایسے جانور کی نسل میں بیع سلم جائز نہ ہوگی جو معین ہو اور وہ کم بھی ہو، یعنی جن جانور کی نسل میں بیع سلم ہو ان کی تعداد بہت ہی کم ہو، لہذا دونوں شرطوں کے نہ پائے جانے کی وجہ سے بیع سلم جائز نہ ہوگی، نیز اس میں جنین کو فروخت کرنا ہے جس سے منع کیا گیا ہے^(۱)۔

نسیہ

دیکھئے: ”نساء“۔

(۱) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۲۱۱/۳، حاشیۃ الجمل ۲۳۳/۳، نہایۃ المحتاج

۱۹۸/۳، کشف القناع ۲۹۰/۳۔

نسیان ۲-۳

خطا اور نسیان میں تعلق یہ ہے کہ دونوں میں مقصود حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اہلیت پر نسیان کا اثر:

۳- اہلیت پر نسیان کے اثر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ شافعیہ کی رائے اور حنابلہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ بھولنے والا، نسیان کی حالت میں مکلف نہیں ہے، اس لئے کہ امتثال (حکم کی بجا آوری) کے طور پر مقررہ کام کو انجام دینا اس کام کے علم پر موقوف ہے جس کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے کہ امتثال مامور بہ کو بطور طاعت انجام دینے کو کہتے ہیں۔

اس سے لازم آتا ہے کہ اس کی طرف امر کے متوجہ ہونے سے مامور بہ کا علم ہو اور یہ فہم کے نہ ہونے کی وجہ سے عقلاً محال ہے، حدیث میں ہے: "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكروها عليه،" (۱) (اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو اور جس پر ان کو مجبور کیا جائے معاف کر دیا ہے)۔

زکاۃ، نفقہ، ضائع کردہ اشیاء کا تاوان واجب ہونا، اور طلاق کا نافذ ہونا وغیرہ بھولنے والے کے جو احکام ہیں وہ مکلف بنائے جانے کے باب سے نہیں ہیں، بلکہ ان کا تعلق احکام کو اسباب سے جوڑنے کے باب سے ہے، اس لئے کہ وجوب کا تعلق اس کے مال یا اس کے انسانی ذمہ سے ہے جس کے ذریعہ اس حالت کے ختم ہونے کے بعد جس کی وجہ سے اس کو مکلف بنانا ناممکن ہے قوت فہم کے لئے تیار ہوتا

(۱) حدیث: "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان " کی روایت ابن ماجہ (۶۵۹/۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے اور حاکم نے المستدرک (۱۹۸/۲ طبع دارۃ المعارف العثمانیہ) میں حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے، الفاظ ابن ماجہ کے ہیں، حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

ایک رکعت کو بھول کر چھوڑ دیا، دوم: جان بوجھ کر چھوڑ دینا، اسی معنی میں ارشاد ربانی ہے: "وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ" (۱) (اور آپس میں لطف و احسان نظر انداز نہ کرو) یعنی چھوڑنے کا ارادہ نہ کرنا۔

نسیان تاخیر کے معنی میں بھی آتا ہے، ابن الاعرابی نے کہا ہے:

إن علي عقیبة أقضيها

لست بناسيها ولا منسيها

(مجھ پر بدلہ واجب ہے جس کو میں ادا کروں گا، اس کا بھولنے والا یا مؤخر کرنے والا نہیں ہوں) (۲)۔

نسیان کا اصطلاحی معنی: راغب نے کہا ہے کہ انسان نے جس چیز کو امانت رکھا ہے اس کی حفاظت کو ترک کر دینا یا تودل کی کمزوری کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے یا توجہ کے ہٹ جانے سے یہاں تک کہ دل سے اس کی یاد حذف ہو جائے (۳)۔

ابن نجیم نے نسیان کی تعریف اس طرح کی ہے، ضرورت کے وقت کسی چیز کا یاد نہ آنا (۴)۔

متعلقہ الفاظ:

خطأ:

۲- خطأ لغت میں صواب (درستی) کی ضد ہے، اور عمد کی ضد بھی ہے، أخطأ الطريق: راستہ سے ہٹ گیا، أخطأ الرأمي، الغرض: نشانہ پر نہیں لگا۔

اصطلاح میں خطا یہ ہے کہ اس میں انسان کا کوئی ارادہ نہ

ہو (۵)۔

(۱) سورة بقرہ ۲۳۷۔

(۲) لسان العرب، المصباح المنیر۔

(۳) المفردات فی غریب القرآن۔

(۴) الأشباہ لابن نجیم ۳۰۲۔

(۵) لسان العرب، المصباح المنیر، التعريفات للبرجانی۔

نسیان ۳

ہے، جانور اس کے برخلاف ہیں^(۱)۔
 بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ شہوات کی قوت کے سبب احکام کو
 بھول جانے سے تکلیف ساقط نہیں ہوتی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی
 خوبصورت عورت کو دیکھے اور وہ جانتا ہے کہ اس کو دیکھنا حرام ہے پھر
 بھی دیکھنے کی حرمت کو بھول کر اس کی طرف دیکھے^(۲)۔

حقیقہ کی رائے ہے کہ نسیان حق اللہ میں وجوب کے منافی نہیں
 ہے، اس لئے کہ وہ نہ عقل کے منافی ہے، نہ قول و فعل کے حکم کے منافی
 ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حق اللہ کے بارے میں اس کو عذر تسلیم
 کیا جائے، کیونکہ اس کی وجہ سے قصد و ارادہ ختم ہو جاتا ہے، اس لئے
 کہ کسی خاص فعل کا ارادہ اس کے علم سے قبل نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ابوالیسر نے کہا ہے کہ نسیان عجز کا سبب ہے اس لئے کہ بھول
 جانے والا نسیان کے سبب حقوق کی ادائیگی سے عاجز رہتا ہے اسی وجہ
 سے ہمارے عام اصحاب کے نزدیک دوسرے اعذار کی طرح ادا
 حقوق کے وجود سے مانع ہوتا ہے، لیکن حقوق سے مانع نہیں ہوتا ہے
 اس لئے کہ اس کی وجہ سے اہلیت میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا ہے اور
 بھول جانے والے پر حقوق کے واجب کرنے سے اس کو حرج میں
 ڈالنا لازم نہیں آئے گا کہ اس کی وجہ سے وجوب ممنوع ہو، اس لئے
 کہ انسان بار بار ہونے والی عبادت کو جو تکرار کی حد میں داخل ہے
 اکثر اوقات نہیں بھولتا ہے، لہذا نسیان نیند کے حکم میں ہوگا، اسی وجہ
 سے نبی کریم ﷺ نے نماز بھول جانے کو اور اس کو چھوڑ کر سو جانے
 کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے، ارشاد نبوی ہے: ”إِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ

صلاة أو نام عنها فليصلها إذا ذكرها“^(۱) (اگر تم میں سے
 کوئی کسی نماز کو بھول جائے اور یا اس کو چھوڑ کر سو جائے تو جب یاد
 آئے اس کو ادا کر لے)۔
 حقوق العباد میں نسیان کو عذر نہیں مانا جائے گا، اس لئے کہ
 حقوق العباد بندوں کے حق کی وجہ سے ضائع شدہ کی تلافی کے لئے
 محترم ہیں، اس میں امتحان و آزمائش نہیں ہے، حقوق اللہ امتحان کے
 لئے مشروع ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے بے نیاز ہے، لیکن ان کو
 آزماتا ہے اس لئے کہ وہ ہمارا معبود ہے اور ہم اس کے بندے ہیں
 اور مالک اپنے مملوک میں جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے^(۲)۔

حقیقہ کے نزدیک نسیان کی دو قسمیں ہیں:
 پہلی قسم: اصلی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ انسان یاد رکھنے کے
 اسباب میں کسی کوتاہی کے بغیر نسیان میں مبتلا ہو جائے، یہ قسم عذر بن
 سکتی ہے کیونکہ یہ اکثر پائی جاتی ہے۔
 دوسری قسم غیر اصلی یا طاری ہے، آدمی اپنی کوتاہی سے اس میں
 مبتلا ہو جاتا ہے، اس طرح کہ قدرت کے باوجود یاد رکھنے کے اسباب
 کو اختیار نہ کرے، یہ قسم عتاب کے لائق ہے یعنی یہ قسم عذر نہیں بن سکتی
 ہے، کیونکہ اس نے کوتاہی کی ہے، اور اس کا وجود بھی بہت کم ہے۔
 بزدلی نے کہا ہے کہ شریعت کے حق میں نسیان اس وقت عذر
 ہوگا جب کہ غفلت کی وجہ سے نہ ہو، اگر غفلت کی وجہ سے ہوگا تو عذر
 نہیں ہوگا، مثلاً انسان نے جس چیز کو یاد کیا ہے، تکرار کے ذریعہ اس کو
 یاد رکھنے پر قدرت کے باوجود اس کو بھول جائے تو یہ محض اس کی کوتاہی
 کی وجہ سے ہوگا، ایسی صورت میں یہ عتاب کا سبب ہوگا، اسی وجہ سے

شرح الکوکب السنیر ۵۱۱/۱، ۵۱۲، شرح مختصر الروضة للطوفی ۱۸۸/۱، نزہۃ
 الطائر العاطر شرح روضة الناظر لابن بدران ۱۳۹/۱، ۱۴۱، القواعد والفوائد
 الاصولیہ ص ۳۰ اور اس کے بعد کے صفحات، البحر المحیط ۳۵۱/۱، ۳۵۲،
 المستصفیٰ ۸۳/۱، قواعد الاحکام للعلما بن عبدالسلام ۳/۲۔

فتح الغفار شرح المنار لابن نجیم ۸۸/۲، کشف الاسترار ۱۳۹۷/۲۔

(۱) حدیث: ”إِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صلاة أو نام عنها فليصلها إذا ذكرها“
 کی روایت نسائی (۲۹۴/۱) طبع التجاریہ الکبریٰ اور ترمذی (۳۳۲/۱) طبع
 التجاریہ الکبریٰ نے ابوقادہؓ سے کی ہے، ترمذی نے کہا: حسن صحیح ہے۔

(۲) فتح الغفار شرح المنار لابن نجیم ۸۸/۲، کشف الاسترار ۱۳۹۷/۲۔

(۱) شرح الکوکب السنیر ۵۱۱/۱، ۵۱۲، شرح مختصر الروضة للطوفی ۱۸۸/۱، نزہۃ
 الطائر العاطر شرح روضة الناظر لابن بدران ۱۳۹/۱، ۱۴۱، القواعد والفوائد
 الاصولیہ ص ۳۰ اور اس کے بعد کے صفحات، البحر المحیط ۳۵۱/۱، ۳۵۲،
 المستصفیٰ ۸۳/۱، قواعد الاحکام للعلما بن عبدالسلام ۳/۲۔

(۲) البحر المحیط ۳۵۱/۱، ۳۵۲، المستصفیٰ ۸۳/۱، القواعد للعلما بن عبدالسلام ۳/۲۔

نسیان ۴-۵

جو شخص قرآن کو یاد کرنے کے بعد تلاوت کے ذریعہ اس کو یاد رکھنے پر قدرت کے باوجود بھول جائے تو وعید کا مستحق ہوگا (۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ عبادات میں نسیان معیوب نہیں ہے، جہالت معیوب ہے، اس لئے کہ انسان جس کام کو کرے اس کا علم واجب ہے، تو نماز میں جاہل شخص ترک علم کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو واجبات کے علم کے بعد جان بوجھ کر اس کو چھوڑ دے، امام مالک کے قول کا یہی مطلب ہے، انہوں نے کہا ہے کہ نماز میں جہالت عمد کی طرح ہے، اور جاہل جان بوجھ کر چھوڑنے والے کی طرح ہے، بھول جانے والے کی طرح نہیں ہے، بھول جانے والا قابل معافی ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنَّسِيَانَ وَمَا اسْتَكْرَهُوا عَلَيْهِ“ (اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا و نسیان کو اور اس چیز کو جس پر ان کو مجبور کیا جائے معاف کر دیا ہے)۔

نیز اس لئے کہ نسیان محل کلام کی دلالت کی وجہ سے حقیقت کو ترک کرنے کے باب سے ہے، کیونکہ خطا، نسیان اور اکراہ کی حقیقت و ذات کو رفع کرنا تو ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ ان کا حکم مراد لیا جائے گا اور اس کی دو قسمیں ہیں: اخروی اور وہ گناہ ہے، اور دنیوی اور وہ فساد ہے، اور دونوں حکم مختلف ہیں، تو مجاز مشترک ہونے کے باوجود عام نہیں ہوگا اور جب اجماع کے ذریعہ اخروی ثابت ہو گیا تو دوسرا ثابت نہ ہوگا (۳)۔

دوم: دنیوی حکم:

۵- اگر نسیان کسی مامور بہ کے ترک میں ہو تو وہ ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کی تلافی واجب ہوگی اور اس پر مرتب ہونے والا ثواب اس کو نہیں ملے گا اس لئے کہ اس نے فرمانبرداری نہیں کی ہے۔

اور اگر نسیان کسی منع کردہ کام میں ہو اور اس میں کچھ ضائع نہ ہو تو اس میں کچھ واجب نہ ہوگا۔

ما لکیہ نے کہا ہے کہ عبادات میں نسیان معیوب نہیں ہے، جہالت معیوب ہے، اس لئے کہ انسان جس کام کو کرے اس کا علم واجب ہے، تو نماز میں جاہل شخص ترک علم کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو واجبات کے علم کے بعد جان بوجھ کر اس کو چھوڑ دے، امام مالک کے قول کا یہی مطلب ہے، انہوں نے کہا ہے کہ نماز میں جہالت عمد کی طرح ہے، اور جاہل جان بوجھ کر چھوڑنے والے کی طرح ہے، بھول جانے والے کی طرح نہیں ہے، بھول جانے والا قابل معافی ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنَّسِيَانَ وَمَا اسْتَكْرَهُوا عَلَيْهِ“ (اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا و نسیان کو اور اس چیز کو جس پر ان کو مجبور کیا جائے معاف کر دیا ہے) اور فی الجملہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ نسیان میں کوئی گناہ نہیں ہے، اس لئے کہ نسیان از خود بندہ پر مسلط ہو جاتا ہے، اپنے سے اس کو دور کرنے کے لئے بندہ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اور جہالت علم سیکھ کر دور کی جاسکتی ہے (۲)۔

نسیان پر مرتب ہونے والے احکام:

دنیا و آخرت میں نسیان پر کچھ احکام مرتب ہوتے ہیں:

اول: اخروی حکم:

۴- اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ مطلقاً نسیان کی وجہ سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”زَبْنَا لَا تَوَاخِذْنَا إِنَّ“

(۱) كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البر دوی ۱۳۹۷/۲

(۲) الفروق ۱۳۶۲/۲، ۱۳۹۷

(۱) سورة بقرہ ۲۸۶۔

(۲) حدیث: ”إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنَّسِيَانَ“ کی تخریج فقہرہ ۳/ میں گذری چکی ہے۔

(۳) الأشیاء والنظار لابن نجیم ص ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، الأشیاء والنظار للسبیلی ص ۱۸۷، المنہور فی القواعد للزکشی ص ۲۳، ۲۴، ۲۵، شرح مسلم الثبوت ۲۹۵/۱، شرح اللکوب المیزر ۵۱۱/۱ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح مختصر الروضہ ۱۸۸/۱ اور اس کے بعد کے صفحات۔

نسیان ۶

کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا صلاة لمن لا وضوء له ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه“^(۱) (جس کا وضو نہ ہو اس کی نماز نہ ہوگی اور جو وضو میں بسم اللہ نہ کہے اس کا وضو صحیح نہ ہوگا)، اس سے مراد فضیلت کی نئی ہے^(۲)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ بسم اللہ کہنا وضو کے فضائل میں سے ہے، امام مالک نے کبھی تو اس کو اچھا کہا ہے، اور کبھی انکار کیا ہے، اگر کوئی فضیلت کو چھوڑ دے تو اس کے کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا ہے اور نہ اعادہ کا حکم دیا جاتا ہے، اور اگر کوئی سنت کو چھوڑ دے تو اس کو ادا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے^(۳)۔

شافعیہ کی رائے اور یہی امام احمد کا ظاہر مذہب ہے کہ بسم اللہ کہنا وضو کی ایک سنت ہے، اگر ابتدا میں اس کو بھول جائے تو فارغ ہونے سے قبل جب یاد آ جائے ادا کر لے جیسا کہ کھانا کھانے میں ہوتا ہے اور اگر بھول کر چھوڑ دے تو اس کی طہارت صحیح ہوگی، امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے، ابوداؤد کی روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا: اگر کوئی شخص وضو میں بسم اللہ کہنا بھول جائے تو کیا ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے امید ہے کہ کوئی حرج نہ ہوگا، یہی اسحاق کا قول ہے، تو اس لئے اگر طہارت

اور اگر نسیان کسی ممنوع کام میں ہو اور اس میں کچھ ضائع ہو جائے تو ضمان ساقط نہ ہوگا، اگر نسیان کسی ممنوع فعل میں ہو جس میں حد واجب ہوتی ہے تو اس کے ساقط کرنے میں نسیان سے شبہ پیدا ہوگا^(۱)۔

نسیان کی اقسام:

پہلی قسم: مامور بہ کے ترک میں نسیان:

مامور بہ کے ترک میں نسیان کبھی عبادات میں ہوتا ہے اور کبھی معاملات میں ہوتا ہے۔

الف - وضو کی ابتدا میں بسم اللہ کو بھول جانا:

۶ - حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کی ابتدا میں بسم اللہ کہنا بھول جائے پھر وضو کے دوران اس کو یاد آئے اور بسم اللہ کہہ لے تو سنت ادا نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر یہی صورت کھانے میں پیش آئے تو باقی حصہ میں سنت ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ فوت شدہ کی تلافی ہوگئی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إذا أكل أحدكم فليذكر اسم الله تعالى، فإن نسي أن يذكر اسم الله تعالى في أوله فليقل: بسم الله أوله وآخره“^(۲) (جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بسم اللہ کہہ لے، اگر ابتدا میں بسم اللہ کہنا بھول جائے تو بسم اللہ اولہ و آخرہ کہہ لے)۔

حنفیہ کے نزدیک اور مالکیہ میں سے ابن رشد کے نزدیک اصح قول کے مطابق بسم اللہ کہنا وضو کے مستحبات میں سے ہے، اس لئے

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) حدیث: ”إذا أكل أحدكم فليذكر اسم الله تعالى“ کی روایت ابوداؤد (۱۳۹/۳ طبع حصص) اور ترمذی (۲۸۸/۳ طبع مجلسی) نے کی ہے، اور ترمذی نے کہا: حسن صحیح ہے۔

(۱) حدیث: ”لا صلاة لمن لا وضوء له، ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه“ کی روایت ابوداؤد (۲۵۱/۱ طبع حصص) نے ابو ہریرہ سے کی ہے، ابن حجر نے التلخیص (۲۵۱/۱ طبع العلمیہ) میں اس کی اسناد میں متعدد علل ذکر کیا ہے، پھر اس کے دوسرے شواہد کی تخریج کی ہے، اور کہا ہے کہ احادیث کے مجموعہ سے ایسی قوت حاصل ہو جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔

(۲) فتح القدیر ۱۹/۱۹، حاشیہ ابن عابدین ۷/۷۴، الذخیرہ للقرانی ۲۸۲/۱، المقدمات لابن رشد ۱۹/۵۶۔

(۳) الذخیرہ للقرانی ۲۷۰/۱، الفواکہ الدوانی ۱۵۸/۱، مقدمات ابن رشد ۱۹/۵۶۔

نسیان ۱۰

دوسری چیزوں سے اس کو بے خبر کر دے، اور سفر مشقتوں کا محل اور اندیشوں کا مقام ہے، اس لئے سفر میں کسی چیز کو فراموش کر دینا نادر بات نہیں ہے، نیز اس لئے کہ نماز کی حالت میں اس کے ساتھ پانی نہیں تھا، لہذا قضا نہیں کرے گا^(۱)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر مسافر تیمم کرے حالانکہ اس کے ساتھ اس کے کجاوہ میں پانی موجود ہو مگر اس کو اس کا علم نہ ہو (اس میں نسیان وغیرہ کی حالت بھی داخل ہے) تو اگر اس کو خیال ہو کہ پانی ختم ہو گیا ہے اس لئے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر معلوم ہوا کہ پانی باقی ہے تو یہ تیمم کافی نہ ہوگا اس لئے کہ علم، ظن سے باطل نہیں ہوتا ہے، لہذا اس پر پانی تلاش کرنا واجب تھا، نسیان کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ وہ علم کی ضد ہے۔

اسی طرح اگر اس کے سر پر یا پشت پر پانی ہو، یا پانی اس کے گلے میں لٹکا ہوا ہو، پھر بھی اس کو بھول جائے اور تیمم کر لے پھر یاد آئے تو یہ کافی نہ ہوگا، اس لئے کہ ایسی حالت میں بھولنا بہت ہی نادر ہوتا ہے لیکن اگر پانی پالان میں لٹکا ہوا ہو تو اس پر سوار ہوگا یا پیچھے سے اس کو ہانک رہا ہوگا، اگر سوار ہو اور پانی کجاوہ کے پچھلے حصہ میں ہو تو اس کے بارے میں طرفین (امام ابوحنیفہ و امام محمد) اور امام ابو یوسف کے درمیان اختلاف ہے، اور اگر پانی کجاوہ کے اگلے حصہ میں ہو تو بالا جماع تیمم درست نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کا بھولنا نادر ہے، اور اگر اس کو پیچھے سے ہانک رہا ہو تو جواب اس کے برعکس ہوگا یعنی اگر پانی کجاوہ کے پچھلے حصہ میں ہو تو حنفیہ کے نزدیک بالا جماع تیمم درست نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہوگا اور بھول جانا نادر ہوگا، اور اگر کجاوہ کے اگلے حصہ میں ہوگا تو اس میں

میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنا بلکہ کی رائے اور یہی شافعیہ کا اظہر قول ہے، اور مالکیہ میں سے مطرف، عبد الملک اور ابن عبد الحکم کی رائے اور امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص کجاوہ میں پانی بھول کر تیمم کر لے تو یہ کافی نہ ہوگا اور نماز کی قضا اس پر لازم ہوگی۔

اسی طرح اگر پانی فروخت ہو رہا ہو اور ثمن بھول جائے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو اس کے لئے کافی نہیں ہوگا اور نماز کا اعادہ اس پر واجب ہوگا، اس لئے کہ بھول جانے کی وجہ سے وہ پانی کا نہ پانے والا نہیں ہوگا، اور تیمم اسی وقت جائز ہے جب کہ پانی نہ ہو، نیز اگر یاد رہے تو پانی سے طہارت حاصل کرنا واجب ہے تو نسیان حدث کی طرح یہ بھی نسیان سے ساقط نہ ہوگا، نیز اس کے ساتھ پانی موجود ہے^(۱)۔

امام ابوحنیفہ و امام محمد کی رائے اور اظہر کے بالمقابل شافعیہ کا قول اور مالکیہ میں سے ابن عبد الحکم کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کجاوہ میں پانی بھول جائے اور تیمم کر کے نماز ادا کر لے تو مطلقاً نماز کا اعادہ اس پر واجب نہ ہوگا، اور اگر پانی اس کے کجاوہ میں رکھا جائے اور اس کو معلوم نہ ہو تو وہ نماز کو نہ توڑے گا اور نہ اس کی قضا کرے گا اس لئے کہ وہ پانی کے استعمال سے عاجز ہے کیونکہ نسیان کی وجہ سے وہ اس کے استعمال کرنے پر قادر نہیں ہے اور یہ عجز امر سماوی کی وجہ سے ہے، یعنی نسیان کی وجہ سے ہے۔

اگر دور ہونے، مرض، ڈول یا رسی کے نہ ہونے کی وجہ سے عاجزی ہو تو بھی یہی حکم ہے، اس لئے کہ نسیان انسان کی فطرت میں داخل ہے، خاص کر جب اس کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش آجائے جو

(۱) بدائع الصنائع ۱/۴۹، الاختیار ۱/۲۲، الذخیرہ للقرافی ۱/۳۶۲، القلیوبی وغیرہ ۱/۸۲، ۸۳۔

(۱) کشف القناع ۱/۱۶۹، الذخیرہ للقرافی ۱/۳۶۲، القلیوبی وغیرہ ۱/۸۲، ۸۳، الاختیار ۱/۲۲، بدائع الصنائع ۱/۴۹۔

نسیان ۱۱-۱۲

اختلاف ہے^(۱)۔

ز- بھول کر نماز کے کسی حصہ کو ترک کر دینا:

۱۲- حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر نماز پڑھنے والا نماز کے کسی فرض کو مثلاً قرأت، رکوع یا سجدہ کو چھوڑ دے تو اگر قضا کے ذریعہ اس کا تدارک ممکن ہو تو قضا کر لے ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور اگر نماز کے کسی واجب کو ترک کر دے مثلاً سورہ فاتحہ کا پڑھنا، اس پر سورہ کا ملانا، ہر رکعت یا پوری نماز میں مکرر ادا کئے جانے والے افعال میں ترتیب کی رعایت کرنا وغیرہ تو اگر اس کو بھول کر چھوڑ دے تو سجدہ سہو سے اس کی تلافی کرے گا اور اگر جان بوجھ کر چھوڑ دے گا تو سجدہ سہو سے اس کی تلافی نہ ہو سکے گی، اکثر فقہاء کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر چھوڑنے کی صورت میں سجدہ سہو واجب نہ ہوگا، بلکہ اس کے نقصان کی تلافی کے لئے صرف اعادہ ہی واجب ہوگا۔

اگر نماز کی کوئی سنت ترک کر دے، مثلاً امام کا زور سے تکبیر کہنا، ثنا پڑھنا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، اس لئے کہ نماز کا قیام اس کے ارکان سے ہوتا ہے اور وہ موجود ہیں، سنت کی تلافی سجدہ سہو سے نہیں کی جائے گی^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر نمازی بھول کر کسی رکن کو چھوڑ دے مثلاً رکوع یا سجدہ چھوڑ دے اور دیر ہو جائے، اس طرح کہ تدارک نہ کرے، یا عرف کے اعتبار سے دیر ہو جائے یا مسجد سے نکلنے کی وجہ سے دیر ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر جان بوجھ کر چھوڑ دے تو نماز کے باطل ہونے کے لئے دیر ہونے کی قید نہ ہوگی۔ سنت مؤکدہ کے ترک سے نماز باطل ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں مالکیہ کے درمیان اختلاف ہے۔

ابن کثیر نے کہا ہے کہ جان بوجھ کر یا جہالت کی وجہ سے سنت

مالکیہ کا مشہور قول ہے کہ اگر اپنے کجاوہ میں پانی کو بھول کر تیمم کر کے نماز ادا کر لے تو وقت کے اندر اعادہ کرے گا اور اگر اعادہ نہ کر سکے اور وقت نکل جائے تو مشہور قول کے مطابق اعادہ واجب نہیں ہے^(۲)۔

و- فرض نماز کو بھول جانا:

۱۱- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص فرض نماز بھول جائے تو اس کی قضا اس پر لازم ہوگی اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”اذا نسی أحدكم صلاة أو نام عنها فليصلها إذا ذكرها“^(۳) (اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی نماز بھول جائے یا اس کو چھوڑ کر سو جائے تو جب یاد آئے اس کو پڑھ لے)۔

بھول کر چھوڑی ہوئی نماز ایک ہوگی یا اس سے زائد ہوگی، اگر ایک ہوگی تو بعینہ معلوم ہوگی مثلاً ظہر کی نماز ہے یا معلوم نہ ہوگی۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہوگی تو دوسری چھوٹی ہوئی نمازوں کے تعلق سے ان میں سے ہر ایک کی ترتیب معلوم ہوگی یا معلوم نہ ہوگی اگر ترک شدہ نماز معلوم ہو اور موجودہ نماز یا دوسری چھوٹی ہوئی نمازوں کے تعلق سے اس کی ترتیب معلوم ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک مطلقاً ترک شدہ ترتیب کی رعایت کے ساتھ ادا کی جائے گی البتہ عذر کے حالات اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اگر ترک شدہ نماز معلوم نہ ہو یا ترتیب معلوم نہ ہو تو فقہاء کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق ادا کی جائے گی، اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”قضاء الفوائت“ (فقہہ ۱/۱۷، ۲۵)۔

(۱) بدائع الصنائع ۱/۳۹، ۵۰۔

(۲) الذخیرہ للقرآنی ۱/۳۶۱، التاج والإکلیل ۲/۸، ۹۔

(۳) اس حدیث کی تخریج فقہہ ۳/۳۳ میں گزر چکی ہے۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۲۶، تبیین الحقائق ۱/۱۹۳، بدائع الصنائع ۱/۱۷۔

نسیان ۱۳

سہو کرے گا۔

ابغاض کے علاوہ دوسری سنتوں کی تلافی سجدہ سہو سے نہیں کی جائے گی، خواہ ان کو جان بوجھ کر چھوڑ دے یا بھول کر چھوڑے (۱)۔

حنا بلکہ رائے ہے کہ نماز کے ارکان۔ مثلاً امام و منفرد کے لئے فاتحہ کا پڑھنا۔ کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوتے ہیں، خواہ جان بوجھ کر ہو یا بھول سے ہو یا جہالت کی وجہ سے ہو، لہذا اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کو بھی چھوڑ دے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی خواہ جان بوجھ کر ہو یا بھول کر یا جہالت کی وجہ سے ہو۔

اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نماز کے کسی واجب کو مثلاً تکبیر انتقال، تسبیح اور تہمید کو ترک کر دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کو بھول کر یا جہالت کی وجہ سے ترک کر دے تو سجدہ سہو ادا کرے گا۔

رہیں سنتیں: مثلاً ثنا و تعوذ، تو ان کے ترک سے نماز باطل نہ ہوگی، خواہ جان بوجھ کر چھوڑ دے (۲)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”صلاة“ (فقہ ر ۱۰، ۱۴، ۱۵، ۱۲۴)۔

ح۔ نمازی کا بدن یا کپڑے میں نجاست کو بھول جانا:

۱۳۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص اتنی نجاست کے ساتھ بھول کر نماز پڑھ لے جو نماز کے صحیح ہونے سے مانع ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی (۳)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ نمازی کا بدن اور جگہ سے نجاست کو دور

(۱) مغنی المحتاج ۱/۱۷۹، ۲۰۵، ۲۰۶، روضة الطالبین ۱/۲۲۳، نہایۃ المحتاج ۱/۶۲، ۶۶۔

(۲) المغنی ۲/۶۳، کشف القناع ۱/۳۸۵، ۳۹۱۔

(۳) المحموی ۳/۲۹۳، ۲۹۴ طبع دارالکتب العلمیہ، ابن عابدین ۱/۱۶۶۔

ترک کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ اس نے کھلواڑ کیا ہے اور الیمان میں اس کو مشہور کہا ہے۔

امام مالک اور ابن القاسم نے کہا ہے اور ابن عطاء اللہ نے اس کو مشہور قرار دیا ہے کہ جان بوجھ کر یا جہالت کی وجہ سے سنت کے چھوڑ دینے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے، البتہ استغفار کرے گا، اس لئے کہ عبادت اپنے ارکان اور شرائط کے ساتھ موجود ہو چکی ہے اور سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اس لئے کہ سجدہ سہو واجب کے بھولنے سے واجب ہوتا ہے۔

خلیل کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سنت کے ترک سے نماز باطل نہ ہوگی جیسا کہ ابن رشد کے نزدیک المقدمات میں ہے اگر چھوڑی ہوئی سنتیں زیادہ ہو جائیں تو نماز باطل ہو جائے گی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیل کے کلام میں سنت سے مراد جنس ہو تو ایسی صورت میں ترک شدہ سنتیں زیادہ ہوں گی تو بھی نماز باطل نہ ہوگی (۱)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ اگر نمازی جان بوجھ کر نماز کے کسی رکن مثلاً رکوع یا سجدہ کو چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر بھول کر چھوڑ دے تو ترک شدہ رکن کے بعد جو ہوگا لغو ہوگا تو اگر اس کے مثل تک پہنچنے سے قبل یاد آجائے تو اس کو ادا کر لے ورنہ اس کی رکعت پوری ہو جائے گی اور اپنی نماز کے باقی حصہ کی تلافی کرے گا۔

اگر ترک کردہ کوئی امر ابغاض میں سے سنت ہو، اور ابغاض سنتیں: قنوت، اس کے لئے قیام، پہلا تشهد، اس کے لئے بیٹھنا، پہلے تشهد میں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا، پہلے اور دوسرے تشهد میں آل نبی ﷺ پر درود بھیجنا ہے، تو اگر بھول کر چھوڑ دیا ہے تو سجدہ سہو ادا کرے گا اگر جان بوجھ کر بھی چھوڑ دیا ہے تو اظہر قول کے مطابق سجدہ

(۱) الخرشنی ۱/۳۳۴، ۳۳۵۔

واجب ہوگا جس کو نجاست کے ساتھ ادا کرنے کا یقین ہو، اگر نماز کے بعد اس کے ہونے کا احتمال ہو تو اس پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ ہر حادث (یعنی نئے حال) کو، قریب تر زمانہ میں اس کا وجود فرض کیا جاتا ہے اور اصل یہ ہے کہ اس کے قبل اس کا وجود نہ ہوگا، ”الانوار“ میں ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ لے اور اس کے کپڑے میں مثلاً نجاست ہو اور اس کو اس کا علم نہ ہو اور وہ اسی حالت میں مرجائے، تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا مواخذہ نہیں کرے گا^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ لے اور اس کو معلوم ہو جائے کہ نماز کی حالت میں اس پر نجاست تھی لیکن اس کو علم نہ ہو سکا یا بھول گیا تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی بلکہ اس کو دوبارہ ادا کرے گا یہی راجح مذہب ہے۔

اور دو روایتوں میں سے ایک روایت میں ہے کہ اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، اور اکثر کے نزدیک وہ صحیح ہے^(۲)۔

ط- سجدہ سہو کو بھول جانا:

۱۴- اگر نمازی سجدہ سہو بھول جائے اور سجدہ سہو کے بغیر نماز سے فارغ ہو کر چلا جائے تو لوٹے گا اور اس کو ادا کرے گا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”سجود السہو“ (فقہ ۹/۹)۔

ی- بھولے ہوئے مال کی زکاۃ:

۱۵- مال ضمار کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر اس کے ملنے سے مایوسی ہو جائے اس کے بعد اس کے مالک کو مل جائے تو اس میں زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

(۱) مغنی المحتاج ۱/۱۹۴، روضۃ الطالبین ۱/۲۸۲۔

(۲) الإیضاف ۱/۴۸۶، کشف القناع ۱/۲۹۲۔

کرنا واجب ہے اگر یاد ہو اور دور کرنے کی قدرت بھی ہو، لہذا جو شخص اس کے ساتھ نماز پڑھ لے تو اگر اس کو یاد ہو اور دور کرنے پر قادر بھی ہو تو بہر حال نماز کو دہرائے گا اور اگر بھول گیا ہو یا اس کو دور کرنے سے عاجز ہو اور نماز سے فارغ ہو جائے تو وقت کے اندر نماز کو دہرائے گا (۱)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص اتنی نجاست کے ساتھ نماز ادا کر لے جو معاف نہیں ہے، شروع نماز میں اس کو معلوم نہ ہو سکا، پھر نماز کے دوران اس کے ہونے کا علم ہوا تو جدید قول کے مطابق قضاء واجب ہوگی، اس لئے کہ جو ادا کر چکا ہے اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ اس کی شرط موجود نہیں ہے، اور قدیم قول کے مطابق اس پر قضا واجب نہ ہوگی اس لئے کہ بھول جانے اور لاعلمی کی وجہ سے وہ معذور ہوگا، اور اس لئے کہ نماز کے اندر جو اتارنے والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إن جبریل أمرني فأخبرني أن فيهما قدرًا“^(۲) (جبریل میرے پاس آئے اور بتایا کہ جو توں میں نجاست ہے)، اللہ کے رسول ﷺ نے نماز نہیں لوٹائی، المجموع میں اس کو مختار کہا ہے، اگر نجاست کا علم تو اس کو ہوا مگر بھول گیا اور نماز پڑھ لی پھر وقت کے اندر ہی یا اس سے پہلے اس کو یاد آ گیا تو نماز دہرائے گا اور اگر وقت گزر جانے کے بعد یاد آیا تو راجح مذہب کے مطابق قضا واجب ہوگی اس لئے کہ علم کے بعد طہارت کے ترک میں اس نے کوتاہی کی ہے۔

اور جب ہم نے اعادہ کو واجب کہا ہے تو ہر اس نماز کا اعادہ

(۱) حاشیۃ الدسوقی مع الدرر ۱/۶۵، ۶۷، ۶۸۔

(۲) حدیث: ”إن جبریل أمرني فأخبرني أن فيهما قدرًا“ کی روایت ابوداؤد (۴۲۶/۱ طبع جمص) نے اور حاکم نے المستدرک (۲۶۰/۱ طبع إدارة المعارف العثمانیہ) میں ابوسعید خدریؓ سے کی ہے، الفاظ ابوداؤد کے ہیں، حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

نسیان ۱۶-۱۷

حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی رمضان کی قضا کو مؤخر کر دے اور دوسرا رمضان آجائے تو اس پر کوئی فدیہ نہ ہوگا، اس لئے کہ صحیح قول کے مطابق قضاء علی التراخی واجب ہوتی ہے، اور تراخی کا مطلب یہ ہے کہ مطلقاً کسی غیر معین وقت میں واجب ہوتی ہے، لہذا جو اوقات مستثنیٰ ہیں ان کے علاوہ تمام اوقات میں قضا جائز ہوگی اور ادا کے برخلاف قضا، رات ہی سے نیت کی تعیین کے بغیر جائز نہ ہوگی، فدیہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ قضا سے ایسا عاجز ہو کہ پوری عمر میں قضا پر قادر ہونے کی توقع نہ ہو^(۱)۔

مالکیہ میں سے البرزلی نے کہا ہے کہ بظاہر المدونہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی رمضان کی قضا بھول جائے اور دوسرا رمضان شروع ہو جائے تو ہر دن کی طرف سے ایک مسکین کو کھانا کھلانا اس پر واجب ہوگا اور وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا، البتہ دوسرے رمضان کے آنے تک کے زمانہ میں جو وقت متعین تھا اس میں روزہ رکھنے پر اگر قادر نہیں رہا تو معذور ہوگا^(۲)۔

ل۔ جس روزہ میں تسلسل واجب ہو اس کے تسلسل کے ختم ہونے میں نسیان کا اثر:
اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: بھول کر کھانا، پینا یا جماع کر لینا:

۱۔ حنفیہ و شافعیہ کی رائے، مالکیہ کا مشہور مذہب، اور حنابلہ کا صحیح

= الطالب الربانی ۳/۳۳۳، المغنی لابن قدامہ ۳/۱۴۴، ۱۴۵، الإیضاف ۳/۳۳۳، ۳۳۳۔

(۱) بدائع الصنائع ۲/۱۰۴، ۱۰۵۔

(۲) مواہب الجلیل ۲/۴۵۰، الشرح الصغیر ۱/۷۲۱، الخرشی ۲/۲۶۳، کفایت

الطالب الربانی ۳/۳۳۳۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی ایسے شخص کے پاس امانت رکھ دی جس کو نہیں پہچانتا ہے اور چند سالوں تک اس کو یاد نہیں آیا پھر اس کو یاد آ گیا، اس کے بارے میں تین اقوال ہیں:

اول: جب اس کے قبضہ میں آئے گا تو گذشتہ سالوں کی زکاۃ بھی اس میں واجب ہوگی۔

دوم: اس میں زکاۃ واجب نہ ہوگی، اس کا مالک قبضہ کے دن سے نیا سال شروع کرے گا۔

سوم: اس کا مالک جب اس پر قبضہ کر لے گا تو ایک سال کی زکاۃ ادا کرے گا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”ضمار“ (فقہہ ۳، ۱۲ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

ک۔ رمضان کی قضا بھول گیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آ گیا:

۱۶۔ اگر کوئی شخص ایک رمضان کی قضا بھول جائے اور دوسرا رمضان آجائے تو اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

شافعیہ اور یہی ان کا راجح مذہب بھی ہے، حنابلہ اور مالکیہ میں سے السیوری کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی رمضان کی قضا کو مؤخر کر دے اور دوسرا رمضان آجائے تو اگر عذر کی وجہ سے ہو تو موجودہ رمضان کے روزے رکھے گا پھر اس کے بعد پہلے رمضان کی قضا کرے گا اور اس پر کوئی فدیہ واجب نہ ہوگا اس لئے کہ وہ معذور ہے۔

نسیان عذر ہے جیسا کہ بعض فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔ خطیب الشربینی نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اس سے صرف گناہ ساقط ہوگا، فدیہ ساقط نہ ہوگا^(۱)۔

(۱) المجموع ۶/۳۶۶، مغنی المحتاج ۱/۴۲۱، روضة الطالبین ۲/۳۸۴، کفایت

نسیان ۱۸-۲۰

ہو جائے گا، اس میں ابن عبدالحکم کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک بھول کر روزہ کی تفریق میں وہ معذور ہوگا^(۱)۔

تیسرا مسئلہ: ظہار کرنے والے کا بھول کر وطی کر لینا:

۱۹- امام ابوحنیفہ، امام محمد، مالکیہ اور راجح مذہب میں حنا بلکہ کی رائے ہے کہ ظہار کرنے والا اگر اس عورت سے جس سے ظہار کیا ہے رات یا دن میں وطی کر لے خواہ بھول کر ہی کیوں نہ ہو تو تسلسل ختم ہو جائے گا، اور از سر نو روزہ رکھے گا^(۲)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ اگر ظہار کرنے والا اپنی اس بیوی سے جس سے ظہار کیا ہے کفارہ ادا کرنے سے قبل رات میں جماع کر لے یا کفارہ کے دو ماہ کے دوران وطی کر لے تو گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ اس نے کفارہ ادا کرنے سے قبل وطی کر لی ہے لیکن تسلسل باطل نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کی وطی کا کوئی اثر روزہ پر نہیں ہوگا، لہذا تسلسل ختم نہ ہوگا، جیسے رات میں کھانے سے تسلسل ختم نہ ہوگا^(۳)، یہی رائے امام ابو یوسف کی بھی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ ظہار کرنے والا اگر اس عورت سے جس سے ظہار کیا ہے دن میں بھول کر یا رات میں جان بوجھ کر یا بھول کر وطی کر لے تو وہ روزہ کا استیناف نہیں کرے گا، اس لئے کہ یہ تسلسل سے مانع نہیں ہے کیونکہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے^(۴)۔

م- متعین دن کے روزہ کی نذر کو بھول جانا:

۲۰- مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے کسی خاص دن کے روزہ کی نذر

- (۱) حاشیۃ الرسوقی ۲/۲۵۲۔
 (۲) فتح القدیر ۳/۲۳۹، ۲۴۰، حاشیۃ الرسوقی ۲/۲۵۲، الإیضاف ۹/۲۲۷،
 کشف القناع ۵/۳۸۴۔
 (۳) المہذب للشیرازی ۲/۱۱۸، مغنی المحتاج ۳/۳۶۶۔
 (۴) العنایہ بہامش فتح القدیر ۳/۲۳۹۔

قول یہ ہے کہ کفارات کے روزے میں جن میں تسلسل واجب ہے، بھول کر کھانے، پینے یا جماع کر لینے سے تسلسل ختم نہ ہوگا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه"^(۱)۔

مشہور کے بالمقابل مالکیہ کا دوسرا قول، جس کے ضعیف ہونے کی صراحت کی گئی ہے، اور حنا بلکہ کی ایک رائے یہ ہے کہ اس کی وجہ سے تسلسل ختم ہو جائے گا^(۲)۔

دوسرا مسئلہ: جس روزہ میں تسلسل واجب ہے اس میں بھول کر نیت ترک کر دینا:

۱۸- حنفیہ، شافعیہ اور حنا بلکہ کی رائے ہے کہ جس روزہ میں تسلسل واجب ہے اس میں بعض راتوں میں بھول کر نیت ترک کر دینے سے تسلسل ختم ہو جائے گا، جیسا کہ جان بوجھ کر چھوڑ دینے سے تسلسل ختم ہو جاتا ہے، مامورات کے ترک میں نسیان کو عذر نہیں سمجھا جائے گا^(۳)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ جس روزہ میں تسلسل شرط ہے اس میں ایک ہی نیت کافی ہے جیسے رمضان، اور وہ کفارات جن کے روزوں میں تسلسل واجب ہے^(۴)، انہوں نے کہا ہے کہ اگر روزہ کو بھول جانے والا افطار کر لے تو مذہب کے مشہور قول کے مطابق تسلسل ختم

(۱) حدیث: "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان " کی تخریج فقرہ ۳ میں گزر چکی ہے۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۵۱۲، حاشیۃ الرسوقی ۲/۲۵۰، الأشیاء للسیوطی ص ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱، مغنی المحتاج ۳/۳۶۵، روضۃ الطالین ۸/۳۰۲، ۳۰۳، الإیضاف ۹/۲۲۶، کشف القناع ۵/۳۸۴۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۹۶، روضۃ الطالین ۸/۳۰۲، مغنی المحتاج ۳/۳۶۵، ۳۶۶، الإیضاف ۳/۲۹۳، المغنی ۳/۹۵، ۹۴۔

(۴) شرح الصغیر ۱/۶۱۷۔

نسیان ۲۱

استحسان کے مطابق اس پر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے مسنون و معروف کا احرام باندھا ہے، اور وہ قرآن ہے، ماقبل والی صورت اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ وہاں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا احرام دو عبادتوں کے لئے تھا^(۱)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر کسی نے متعین طور پر احرام باندھا اور جس عبادت کے لئے احرام باندھا ہے اس کو بھول گیا کہ افراد ہے یا عمرہ یا قرآن ہے تو قرآن سمجھا جائے گا یعنی اسی جیسا عمل کرے اور اس کے لئے ہدی لے جائے گا، اس لئے کہ اگر اس نے پہلے حج یا قرآن کا احرام باندھا ہوگا تو اس کی وجہ سے کوئی حرج نہ ہوگا اور اگر عمرہ کا احرام باندھا ہوگا تو اس نے اس کے بعد حج کو شامل کر دیا تو صرف حج سے بری ہوگا عمرہ سے بری نہ ہوگا تو اس کو بھی ادا کرے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا پہلا احرام افراد کا ہو^(۲)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ اگر احرام باندھنے والا بھول جائے کہ کس چیز کا احرام باندھا ہے تو اپنے کو قارن بنائے گا اور دونوں عبادتوں کے اعمال ادا کرے گا، اس لئے کہ اس نے یقینی طور پر احرام باندھا ہے، تو اس میں جو مشروع ہے اس کو یقینی طور پر ادا کرنے کے بعد ہی حلال ہوگا^(۳)۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص تمتع، افراد یا قرآن کا احرام باندھے یا نذر کا احرام باندھے اور اگر طواف سے قبل بھول جائے کہ کس چیز کا احرام باندھا ہے یا اپنی نذر کو بھول جائے تو مندوب ہے کہ وہ اس کو عمرہ کی طرف پھیر دے اس لئے کہ وہ یقینی ہے، احرام کو عمرہ کے علاوہ دوسری طرف پھیرنا بھی جائز ہے، کیونکہ کوئی مانع موجود نہیں ہے، اور اس پر دم تمتع اپنی شرطوں کے ساتھ لازم ہوگا۔

(۱) فتح القدیر ۲/۳۴۴۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۲/۲۷۷۔

(۳) مغنی المحتاج ۱/۳۷۸۔

مانی اور اس کو بھول گیا تو مختار مذہب کے مطابق کسی بھی جمعہ کو روزہ رکھ لے گا، اور اگر جس دن کے روزہ کی نذر مانی تھی اسی دن روزہ رکھا، پھر بھول کر اس میں افطار کر لیا اور اب اس کو یاد نہیں رہا کہ وہ جمعہ کا دن تھا یا کوئی دوسرا دن تھا تو کوئی دن بھی اس کے لئے کافی ہو جائے گا جس میں وہ اس دن کی نیت کر لے گا، اور اگر اس نے سمجھا کہ یہی متعین کردہ دن ہے، اس لئے اس میں قضا کی نیت کر لیا، پھر ظاہر ہوا کہ وہ دوسرا دن ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ روزہ کافی نہ ہوگا^(۱)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر ہفتہ میں کسی خاص دن کے روزہ کی نذر مانے پھر اس کو بھول جائے تو ہفتہ کے آخری دن یعنی جمعہ کو روزہ رکھے گا، کیونکہ اگر وہ دن نہ ہوگا جس کو متعین کیا ہے تو جمعہ کا روزہ اس کی قضا ہو جائے گا، اور اگر وہی ہوگا تو اس نے جس کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اس کو پورا کر دیا^(۲)۔

ن۔ اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھے اور اس کو بھول جائے:

۲۱۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے احرام میں حج یا عمرہ کو متعین کر لے اور اس کو بھول جائے تو احتیاطاً اس پر حج و عمرہ دونوں واجب ہوں گے تاکہ یقین کے ساتھ ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے، وہ قارن نہ ہوگا، اگر رکاوٹ پیدا ہو جائے تو ایک قربانی کے ذریعہ حلال ہو جائے گا اور حج و عمرہ کی قضا کرے گا، اگر جماع کرے گا تو دونوں کو ادا کرے گا پھر دونوں قضا کرے گا، اس کو اختیار ہوگا کہ ایک ساتھ ادا کرے یا الگ الگ ادا کرے۔

اور اگر دو عبادتوں کے لئے احرام باندھا اور ان کو بھول گیا تو قیاس کا تقاضا ہے کہ اس پر دو حج اور دو عمرے واجب ہوں لیکن

(۱) مواہب الجلیل ۲/۴۵۳۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/۳۶۰۔

نسیان ۲۲-۲۴

ع- ذبح کے وقت بسم اللہ بھول جانا:

۲۳- حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کی رائے اور حنابلہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ جس ذبح کرنے والے کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے اگر ذبح کرتے وقت وہ بسم اللہ کہنا بھول جائے تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا۔

امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ حرام ہو جائے گا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”بسملتہ“ (فقہہ ۸/۸)، ”ذباح“ (فقہہ ۳۱/۳۱)۔

ف- شہادت میں بھولنے کا اثر:

۲۴- حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص گواہی دے اور مجلس قضا سے الگ ہونے کے قبل کہے کہ جس چیز کا یاد رکھنا مجھ پر ضروری تھا اس کو بھول جانے کی وجہ سے مجھ سے غلطی ہوگئی یا ایسی گواہی دے دی جو میرے لئے جائز نہیں ہے تو وہ یہ بات یا تو قاضی کی مجلس میں ہی رہتے ہوئے کہے گا یا مجلس سے نکل جانے کے بعد لوٹ کر آئے گا اور کہے گا، دونوں صورتوں میں یا تو عادل ہوگا یا غیر عادل ہوگا اور جس معاملہ میں تدارک کیا ہے اس میں فریقین میں سے کسی کی طرف سے دھوکہ اور تلبیس کے شبہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اگر عادل نہ ہو تو مطلقاً اس کی شہادت رد کر دی جائے گی، خواہ مجلس قضا میں رہتے ہوئے کہے یا اس کے بعد کہے، خواہ شبہ کی جگہ ہو یا نہیں ہو۔

اور اگر عادل ہوگا تو موضع شبہ کے علاوہ میں اس کی شہادت قبول کی جائے گی، مثلاً لفظ شہادت یا اس کے قائم مقام لفظ کو چھوڑ دے، مثلاً مدعی اور مدعا علیہ کے نام کا ذکر یا ان میں سے کسی کی طرف اشارہ کرنا چھوڑ دے خواہ مجلس قضا میں رہتے ہوئے ہو یا اس کے بعد ہو۔

اور اگر طواف کے بعد بھول جائے کہ کس چیز کا احرام باندھا ہے یا اپنی نذر کو بھول جائے اور اس کے ساتھ ہدی نہ ہو تو احرام کا عمرہ کی طرف پھیر دینا متعین ہے، اس لئے کہ جس کے ساتھ ہدی نہ ہو اس کے لئے عمرہ کے طواف کے بعد اس میں حج کو شامل کر لینا ممکن نہیں ہے۔

اور جس کے ساتھ ہدی ہو وہ طواف کے بعد بھول جائے کہ کس چیز کا احرام باندھا ہے تو اس کے لئے اپنے احرام کوچ کی طرف پھیر دینا واجب ہے اور اس کا حج صرف فرض حج کی طرف سے کافی ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ بہر حال صحیح ہے، اور حج کے مکمل ہونے سے قبل اس کے لئے حلال ہونا جائز نہ ہوگا^(۱)۔

س- کھانے اور پینے کے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے:

۲۲- فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص کھانے یا پینے کے شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے تو جب یاد آجائے اس کو کہہ لے اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَذْكَرْ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكَرْ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلُهُ وَآخِرُهُ“^(۲) (جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بسم اللہ کہہ لیا کرے اور اگر شروع میں بسم اللہ کہنا یاد نہ رہے تو ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“ کہہ لے)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”اَکَل“ (فقہہ ۱۱/۱۱)، ”بسملتہ“ (فقہہ ۱۰/۱۰)۔

(۱) مطالب اولیٰ الثبی ۲/۳۱۸، ۳۲۰۔

(۲) حدیث: ”إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ“ کی تخریج فقہہ ۶/۶ میں گزر چکی ہے۔

نسیان ۲۵

کردے، اس لئے احتیاط کرنا واجب ہے^(۱)۔

دوسری قسم: جس ممنوع فعل میں اتلاف نہ ہو اس کو بھول کر کرنا:

جو ممنوع چیز اتلاف کے باب سے نہ ہو بھول کر اس کو کرنے کی کئی صورتیں ہیں، بعض درج ذیل ہیں:

الف- آدمی کا اپنی حائضہ عورت سے بھول کر وطی کر لینا:
۲۵- حنفیہ کی رائے ہے کہ حائضہ عورت سے وطی کرنا گناہ کبیرہ ہے، اگر جان بوجھ کر، اپنی رضا سے حرمت کے علم کے باوجود ہو، لیکن اگر ناواقف ہو یا زبردستی کی گئی ہو یا بھول گیا ہو تو یہ مستثنیٰ ہے اور اس پر توبہ کرنا لازم ہوگا اور مندوب ہے کہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے اور اس کا مصرف زکاۃ کی طرح ہے، کیا عورت پر بھی صدقہ کرنا ہوگا، الضیاء میں لکھا ہے کہ بظاہر عورت پر صدقہ نہیں ہے^(۲)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ جو شخص حرمت سے واقف ہو اس کا جان بوجھ کر رضامندی سے حائضہ عورت کی شرم گاہ میں وطی کرنا گناہ کبیرہ ہے، اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جائے گا، ناواقف، بھول جانے والا اور جس پر اکراہ کیا جائے اس کا حکم اس کے برخلاف ہے^(۳)، اس لئے کہ حدیث میں ہے: "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه"^(۴) (اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو اور جس پر ان کو مجبور کیا جائے معاف کر دیا ہے)۔

(۱) العنایہ شرح الہدایہ بہامش فتح القدر ۶/۵۰۔

(۲) الدر المختار ۱۹۸/طبع بولاق۔

(۳) مغنی المحتاج ۱۱۰/۱۔

(۴) حدیث: "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان....." کی تخریج فقرہ ۳/۱۱۰ میں گزر چکی ہے۔

لفظ شہادت کے ترک کا تدارک، صرف قضا سے قبل ممکن ہے اس لئے کہ قضا کی ایک شرط یہ ہے کہ گواہ لفظ اُشہد بولے اور شرط کے بغیر مشروط کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔

اور اگر تلبیس کے شبہ کی جگہ میں ہو مثلاً ایک ہزار کی شہادت دے پھر کہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی بلکہ وہ پانچ سو ہے یا اس کے برعکس ہو تو اگر مجلس میں رہتے ہوئے کہے تو بعض مشائخ کے نزدیک پہلے جو کچھ گواہی دے چکا ہے، اس سب کے ساتھ اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اس لئے کہ مشہود لہ اس کی شہادت کی وجہ سے قاضی سے فیصلہ پانے کا مستحق ہو گیا ہے اور قاضی کا فیصلہ کرنا واجب ہو گیا، لہذا اس کے اُوہمت (مجھے وہم ہو گیا) کہنے سے یہ حق ساقط نہ ہوگا، اور دوسرے فقہاء کے نزدیک باقی ماندہ یا اضافہ شدہ گواہی قبول کی جائے گی، اس لئے کہ مجلس قضا میں رہتے ہوئے شہادت کے بعد عادل کی طرف سے کوئی اضافہ ہو تو وہ اصل سے ملا ہوا سمجھا جائے گا، سرخسی کا رجحان اسی طرف ہے۔

یہ تدارک ممکن ہے کہ اس شہادت پر فیصلہ کرنے سے قبل اور اس کے بعد ہو۔

مجلس قضا میں رہتے ہوئے عادل کی طرف سے اس کے قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کبھی کبھی مجلس قضا کے رعب کی وجہ سے شاہد کو ایسے حالات پیش آجاتے ہیں، لہذا عذر واضح ہوگا کیونکہ انسان کی فطرت میں نسیان داخل ہے اور تہمت کے نہ ہونے کے ساتھ اس کی عدالت کی وجہ سے اس سلسلہ میں اس کی بات قبول کرنا واجب ہے۔

اور اگر مجلس سے اٹھ کر چلے جانے کے بعد ایسا ہو تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مدعی نے اس کو دنیا کی لالچ دے دی ہو جس کی وجہ سے اس کے حق میں اضافہ کر دے یا مدعا علیہ نے لالچ دے دی ہو جس کی وجہ سے اس کے حق میں کم

ب- نماز میں بھول کر بات کر لینا:

۲۶- مالکیہ و شافعیہ کی رائے ہے کہ نماز میں بھول کر بات کر لینے سے نماز باطل نہ ہوگی اگر کلام مختصر ہو، البتہ سجدہ سہو کرے گا، اگر کلام طویل ہو تو نماز باطل ہو جائے گی^(۱)۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی کے مثل سہو و تلاوت کے سجدے ہیں اور سجدہ شکر کی مشروعیت کے قول پر سجدہ شکر بھی۔ دو حرف کے بولنے کو تکلم کہتے ہیں، یا ایک حرف ہو اور سجدہ میں آجائے، جیسے ع، ق، امرأ (صیغہ امر ہونے کی صورت میں)، خواہ جان بوجھ کر ہو یا بھول کر ہو، تشہد کے بقدر بیٹھنے سے قبل ہو^(۲)، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس“^(۳) (نماز میں لوگوں کی کسی بات کی گنجائش نہیں ہے)۔

حنابلہ کا راجح مذہب ہے کہ اگر نمازی اپنی نماز میں بھول کر بات کر لے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، خواہ نمازی امام ہو یا کوئی دوسرا، نماز فرض ہو یا نفل ہو^(۴)۔

ایک روایت میں ہے کہ بھول کر بات کرنے سے نماز باطل نہ ہوگی^(۵)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”صلاة“ (فقہہ ۱۰۷/۱)۔

ج- نماز میں بھول کر کھانا پینا:

۲۷- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر کسی کو نماز میں ہونا یاد نہ رہے اور وہ تھوڑا سا کھاپی لے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی^(۱)۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں کچھ کھالے خواہ ایک تل ہو یا اس کے منہ میں بارش کا ایک قطرہ گر جائے اور وہ اس کو نگل جائے، خواہ بھول کر ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، البتہ اگر کھائی ہوئی چیز دانتوں کے درمیان ہو اور چنا کی مقدار سے کم ہو اور اس کو نگل جائے تو اس کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی^(۲)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”صلاة“ (فقہہ ۱۱۳/۱)۔

د- رمضان میں بھول کر کھانا پینا یا جماع کرنا:

۲۸- جو شخص بھول کر کھالے یا پی لے یا جماع کر لے تو اس پر نسیان کا کیا اثر ہوگا، اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ روزہ دار اگر بھول کر کھالے یا پی لے یا جماع کر لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إذا نسي فأكل

وشرب فليتم صومه، فإنما أطعمه الله وسقاه“^(۳) (اگر کوئی شخص بھول جائے اور کھاپی لے تو اپنا روزہ پورا کرے، اس لئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا یا پلایا ہے)، اور جب یہ کھانے پینے میں ثابت ہے تو دلالت النص سے وطنی کے بارے میں بھی ثابت ہوگا، اس

(۱) الفواکہ الدوانی ۲۶۱/۱، الشرح الصغير ۳۴۴/۱، معنی المحتاج ۱۹۵/۱۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۴۱۲/۱، تبیین الحقائق ۱۵۴/۱۔

(۳) حدیث: ”إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس“ کی روایت مسلم (۳۸۲، ۳۸۱/۱، طبع الحلبي) نے معاویہ بن الحکم سے کی ہے۔

(۴) مطالب أولیٰ الیٰ نبی ۵۲۰/۱۔

(۵) المعنی لابن قدامہ ۲۶۲/۱۔

(۱) حاشیہ الدسوقی ۲۸۹/۱، نہایت المحتاج ۴۸/۲، کشاف القناع ۳۹۸/۱۔

(۲) مطالب أولیٰ الیٰ نبی ۵۳۸/۱۔

(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۴۱۸/۱۔

(۴) حدیث: ”إذا نسي فأكل وشرب فليتم صومه“ کی روایت

بخاری (فتح الباری ۱۵۵/۴، طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

نسیان ۲۹

لگوائے، ناک میں دوا چڑھائے یا بدن کے کسی حصہ سے کوئی چیز اندر داخل کرے، بوسہ لے اور منی نکل آئے یا منی نکل آئے یا بار بار دیکھے اور انزال ہو جائے تو ان میں سے کوئی کام بھی بھول کر کرے گا تو اس کا روزہ برقرار رہے گا اس پر قضا واجب نہ ہوگی^(۱)۔

صحیح مذہب کے مطابق انہوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کے دن میں بھول کر شرم گاہ میں جماع کر لے تو اس پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے، شرم گاہ خواہ آگے کی ہو یا پیچھے کی ہو۔ امام احمد سے منقول ہے کہ کفارہ نہیں ادا کرے گا، ابن بطنے اس روایت کو مختار کہا ہے، زکشی نے کہا ہے کہ غالباً یہ اس بنیاد پر ہے کہ کفارہ سے گناہ مٹتا ہے، اور نسیان کی صورت میں کوئی گناہ ہوتا ہی نہیں ہے کہ مٹایا جائے۔

اسی طرح امام احمد سے یہ بھی منقول ہے کہ قضا بھی واجب نہ ہوگا، الأجرى، ابو محمد الجوزی، شیخ تقی الدین بن تیمیہ اور صاحب الفائق نے اس کو مختار کہا ہے^(۲)۔

ھ- اعتکاف میں بھول کر جماع کرنا:

۲۹- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اعتکاف میں بھول کر جماع کر لے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ“^(۳) (اور بیویوں سے اس حال میں صحبت نہ کرو جب تم اعتکاف کئے ہو مسجدوں میں)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ جماع سے اعتکاف اس وقت باطل ہوگا

لئے کہ اس بات میں دونوں ایک دوسرے کی نظیر ہیں کہ روزہ کی حالت میں ان دونوں سے رکنا روزہ کارکن ہے^(۱)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کے دن میں کھالے یا پی لے یا جماع کر لے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور فرض میں مطلقاً اس پر قضا واجب ہوگی خواہ جان بوجھ کر روزہ توڑے یا بھول کر یا غلبہ کی وجہ سے یا اکراہ کی وجہ سے توڑے، فرض بھی اصلی ہو یا نذر ہو، اور امساک مطلقاً واجب رہے گا خواہ جان بوجھ کر روزہ توڑے یا بھول کر، یہی حکم بھول کر جماع کرنے میں ہے، اس پر قضا واجب ہوگی، مشہور قول کے مطابق کفارہ واجب نہ ہوگا۔

نفل روزہ کو اگر بھول کر توڑ دے تو اس پر امساک واجب رہے گا لیکن اس پر قضا واجب نہ ہوگی^(۲)۔

شافعیہ کا اصح قول جس کی صراحت کی گئی ہے اور جمہور شافعیہ نے اس کو قطعی کہا ہے کہ اگر روزہ دار بھول کر کھالے یا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگرچہ کھانا زیادہ ہو، اس کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے۔

بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر کھانا پینا زیادہ ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ زیادہ کھانے کے ساتھ بھولنا نادر ہوتا ہے، اسی وجہ سے تھوڑے کلام سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے، مگر زیادہ کلام سے باطل ہو جاتی ہے، اور جیسا کہ الانوار میں لکھا ہے: تین لقمہ کثیر ہے۔ بھول کر جماع کر لینا بھول کر کھالینے کی طرح ہے، لہذا راجح مذہب کے مطابق اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا^(۳)۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص کھالے، پی لے، پچھنا

(۱) المغنی ۱۰۲/۱۱۶، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۲/۳۱۷، ۳۲۰، الإصناف ۳۰۲/۳۔

(۲) الإصناف ۳۱۱/۳۔

(۳) سورۃ بقرہ ۱۸۷۔

(۱) فتح القدر ۲/۲۵۳، العناویہ بہامش فتح القدر ۲/۲۵۵۔

(۲) الدرستی ۱/۵۲۵، ۵۲۶، کفایۃ الطالب الربانی ۱/۳۲۷، القوانین الفقہیہ ۱/۱۲۱۔

(۳) مغنی المحتاج ۱/۴۳۰، روضۃ الطالبین ۲/۳۶۰۔

نسیان ۳۰-۳۲

کی طلاق واقع نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ غیر مکلف ہے اور غیر مکلف کے کلام کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے^(۱)۔

۳۲- ایک صورت یہ ہے کہ طلاق کو کسی کام پر معلق کرے اور بھول کر اس کام کو کر لے۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ طلاق میں جان بوجھ کر کرنے والا اور بھول جانے والا دونوں برابر ہیں، اس لئے اگر اپنی طلاق کو اپنے کام پر یا کسی دوسرے کام پر معلق کرے، پھر وہ کام جس پر طلاق معلق ہے جان بوجھ کر یا بھول کر ہو جائے تو اس کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ فعل طلاق کے واقع ہونے کی شرط ہے اور فعل حقیقی نسیان کی وجہ سے معدوم نہیں ہو سکتا ہے^(۲)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص طلاق کو کسی کام کے کرنے پر معلق کرے پھر اس کام کو اکراہ کی وجہ سے یا بھول کر یا ناواقفی میں کرے تو طلاق کے واقع ہونے کے بارے میں دو اقوال ہیں، صاحب المہذب اور الرویانی وغیرہ نے کہا ہے کہ ایمان میں اظہر قول یہ ہے کہ بھول جانے والا اور جس پر اکراہ کیا جائے حادثہ نہ ہوگا، مناسب ہے کہ طلاق بھی اسی کے مثل ہو، القفال نے قطعی طور پر کہا ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی، راجح مذہب پہلا ہے، اسی پر جمہور شافعیہ ہیں^(۳)، اس لئے کہ صحیح حدیث میں ہے: "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه"^(۴) (اللہ

جب کہ اس کو حرام ہونے کا علم ہو اور اعتکاف یاد ہو، لہذا جو شخص بھول کر جماع کر لے اس کا اعتکاف باطل نہ ہوگا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح "اعتکاف" (فقہہ ۱/ ۲۷)۔

و- حج میں بھول کر جماع کرنا:

۳۰- فقہاء کی رائے ہے کہ احرام کی حالت میں جماع کرنا ایسا جرم ہے جس میں جزا واجب ہوتی ہے۔

جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اس میں جان بوجھ کر کرنے والا، ناواقف، غافل، بھول جانے والا اور جس پر اکراہ کیا جائے سب برابر ہیں، لیکن حنابلہ نے اس عورت کو فدیہ سے مستثنیٰ کیا ہے جس سے اکراہ کے ساتھ وطی کی جائے۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ بھول جانے والے کی وطی سے احرام فاسد نہیں ہوتا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح "احرام" (فقہہ ۱/ ۱۷۰) اور اس کے بعد کے فقرات، "کفارہ" (فقہہ ۱/ ۴۷)۔

ز- طلاق میں بھول ہو جانا:

طلاق میں نسیان کی چند صورتیں ہیں:

۳۱- ایک صورت یہ ہے کہ طلاق دے دے اور اس کو یاد نہ رہے کہ اس نے شادی کی ہے یا کسی خاص عورت کو طلاق دے اور اس کو یاد نہ رہے کہ یہ اس کی بیوی ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کی رائے اور حنابلہ کا راجح مذہب ہے کہ بھولنے والے کی طلاق واقع ہوگی۔

حنابلہ میں سے طوفی نے کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ بھولنے والے

(۱) الأئمة لابن نجيم رص ۳۰۳، مغني المحتاج ۳/ ۲۸۸، الأئمة للسيوطي رص ۱۹۲،

۱۹۳، نزہة الناظر العاشر شرح روضة الناظر ۱/ ۱۳۰، شرح مختصر الروضة للطوفی

۱۹۰/۱، كشف القناع ۵/ ۳۱۵، نیز دیکھئے: شرح الزرقانی ۳/ ۸۴، الشرح

الکبیر للدرر ۲/ ۳۶۵، جواہر الکلیل ۱/ ۳۳۹۔

(۲) الأئمة لابن نجيم رص ۳۰۳، حاشية ابن عابدین ۳/ ۳۴۲، ۷۰۹۔

(۳) روضة الطالین ۸/ ۱۹۲، ۱۹۳، نہایة المحتاج ۷/ ۳۴۔

(۴) حدیث: "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان " کی تخریج

فقہہ ۳/ ۳ میں گزر چکی ہے۔

نسیان ۳۳

کی وجہ سے حائض ہو جائے گا اگرچہ اس کا قصد نہ کرے جیسے ”اُنت طالق إن قدم الحاج“ کہے، اس لئے کہ طلاق وعتاق سے آدمی کا حق متعلق ہوتا ہے اس لئے نسیان کے باوجود اتلاف کی طرح اس سے حکم متعلق ہوگا۔

کفارہ والی بیعت میں نسیان کے ساتھ حائض نہ ہوگا، اس لئے کہ کفارہ گناہ کو دفع کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے اور بھولنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوتا ہے۔

اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ قسم کھانے والا اگر اس پر قسم کھالے تو اس کی قسم کی وجہ سے وہ شخص رک جائے گا اور قسم کھانے والا اپنی قسم سے اس کو روکنے کا قصد کرے مثلاً بیوی وغیرہ پر قسم کھائے کہ وہ گھر میں داخل نہیں ہوگی اور وہ بھول کر گھر میں داخل ہو جائے تو جیسا کہ گذرا صرف طلاق وعتاق میں حائض ہوگا۔

لیکن اگر ایسے شخص پر قسم کھایا جو نہیں رکے گا، مثلاً سلطان یا اجنبی ہو تو قسم کھانے والا مطلقاً حائض ہو جائے گا خواہ جان بوجھ کر ہو یا غلطی سے ہو، اگر وہ کی وجہ سے ہو یا ناواقفیت میں ہو یا بھول کر ہو، اس لئے کہ یہ تعلیق محض ہے، لہذا معلق علیہ کے پائے جانے کی صورت میں حائض ہو جائے گا^(۱)۔

۳۳- ایک صورت یہ ہے کہ اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے اور اس کو متعین بھی کر دے پھر تعین یا نہ رہے تو مالک نے کہا ہے کہ اگر اپنی بیویوں سے کہا: اِحدا کن طالق (تم میں سے ایک کو طلاق ہے) اور کسی متعین بیوی کا ارادہ نہیں کیا یا اس کو متعین کیا پھر بھول گیا تو سب پر طلاق واقع ہو جائے گی^(۲)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر دو عورتوں میں سے ایک کو متعین طور پر

تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو اور جس پر ان کو مجبور کیا جائے معاف کر دیا ہے۔

اسی طرح اگر بیوی یا اس کے علاوہ کسی دوسرے کے عمل پر معلق کرے جس کو اس کی تعلیق کا پاس و لحاظ ہو، مثلاً رواج اور مروت کا تقاضا ہو کہ اس کی مخالفت نہ کرے اور شرم و حیا، دوستی یا حسن اخلاق کی وجہ سے اس کی قسم کو پوری کر دے، تو یہی حکم ہوگا، التوضیح میں ہے کہ اگر اس کے پاس گاؤں میں کوئی بڑا آدمی آجائے اور یہ شخص قسم کھالے کہ جب تک اس کی ضیافت نہیں کرے گا وہ سفر نہیں کرے گا اور دوسرے کو اس کی تعلیق کا علم ہو جائے یعنی اس کا مقصد اس کو اپنی تعلیق بتادینا ہو تو تعلیق یا معلق بہ کو بھول کر یا اکراہ کی وجہ سے اس کے کرنے سے حائض نہ ہوگا ورنہ اگر قسم کھانے والے کا ارادہ اس کو آمادہ کرنے یا روکنے کا نہ ہوگا، یا وہ شخص اس کی تعلیق کا لحاظ کرنے والا نہ ہوگا جیسے سلطان اور حجت میں غالب آنے والا یا لحاظ کرنے والا تو ہو مگر اس کو علم نہ ہو اور یہ شخص اس کو بتانے پر قادر تھا مگر نہیں بتایا تو یقیناً طلاق واقع ہوگی خواہ اس نے بھول کر کیا ہو اس لئے کہ اس صورت میں حلف سے کوئی غرض، آمادہ کرنا یا منع کرنا متعلق نہ ہوگا، کیونکہ اس کی بنیاد صورت فعل کے وجود پر ہے۔

اور اگر آنے پر معلق کرے اور وہ عاقل ہو پھر مجنون ہو جائے پھر آئے تو الکفایہ میں الطبری سے منقول ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی، مذکورہ مسئلہ میں بیعت کا حکم طلاق کی طرح ہے، ناواقف، بھولنے والے اور جس پر اکراہ کیا جائے، ان کے فعل سے بیعت ختم نہ ہوگی^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر قسم کھایا کہ فلاں کام نہیں کرے گا پھر بھول کر اس کو کر لیا تو طلاق وعتاق میں ان دونوں کی شرط پائے جانے

(۱) کشاف القناع ۳۱۵/۵، مطالب اُولی الثبی ۵/۷، ۴۳۹، ۴۴۰

(۲) الشرح الصغیر ۲/۵۸۹، ۵۹۰

(۱) نہایۃ المحتاج ۷/۳۴، ۳۵، روضۃ الطالبین ۸/۱۹۲، ۱۹۳

نسیان ۳۴، نسل

محتاج ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق قابل احترام ہیں، نیز اس لئے کہ ضمان دراصل تلافی کی چیزوں میں سے ہے، اور تلافی کی چیزیں نسیان سے ساقط نہیں ہوتی ہیں۔

یہی حکم اس وقت بھی ہے اگر کوئی شخص بھول کر کسی کو قتل کر دے یا جان سے کم درجہ کی ایسی جنایت کرے جس میں مال واجب ہوتا ہے تو دیت یا تاوان واجب ہوگا^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ظلماً دوسرے کا مال ضائع کر دے یا اس کے ضائع کرنے کا سبب بنے تو وہ ضامن ہوگا، خواہ جان بوجھ کر کیا ہو یا غلطی سے کیا ہو^(۲)۔

نسل

دیکھئے: ”طرز ار“۔

طلاق دے یعنی طالق کہتے وقت ایک کو مخاطب بنائے ایک کی نیت کرے پھر بھول جانے کی وجہ سے یاد نہ رہے تو جب تک یاد نہ آجائے دونوں سے وطی وغیرہ سے قطعاً پرہیز کرے گا اس لئے کہ ان دونوں میں سے ایک یقینی طور پر اس کے لئے حرام ہو چکی ہے، اور یہاں اجتناب کو کوئی دخل نہیں، اور اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ مطلقہ کو بیان کرے اگر دونوں عورتیں مطلقہ سے ناواقف ہونے میں اس کی تصدیق کریں، اس لئے کہ حق ان دونوں کے لئے ہے، اور اگر دونوں اس کی تکذیب کریں اور ایک سبقت کرے اور دعویٰ کرے کہ وہ مطلقہ ہے تو شوہر سے جزم کے ساتھ قسم کا مطالبہ کیا جائے گا کہ اس نے اس کو طلاق نہیں دی ہے، اور اس کا یہ کہنا کہ میں بھول گیا کافی نہ ہوگا، اگرچہ اس کا احتمال ہے اور اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کرے تو عورت سے قسم لی جائے گی اور اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اور اگر دوسری عورت ایسا کہے گی تو یہی حکم ہوگا اور اگر دونوں یا ان میں سے ایک دعویٰ کرے کہ وہ جانتا ہے کہ اس نے طلاق سے کس کو مراد لیا ہے اور اس بارے میں علم کی نفی پر اس سے قسم لینے کا مطالبہ کرے اور یہ نہ کہے کہ وہ مطلقہ کو جانتا ہے تو راجح قول یہ ہے جیسا کہ از رعی نے لکھا ہے کہ اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس پر شوہر سے قسم لی جائے گی^(۱)۔

تیسری قسم: جس ممنوع چیز کے کرنے میں اتلاف ہو اس کو بھول کر کرنا:

۳۴- فقہاء کی رائے ہے کہ ضائع شدہ سامان کے تاوان پر نسیان کا کوئی اثر نہ ہوگا، اس لئے اگر کوئی شخص بھول کر دوسرے کا مال ضائع کر دے تو اس پر اس کا ضمان واجب ہوگا، اس لئے کہ بندوں کے

(۱) كشف الأسرار ۳/۱۳۵، المغرور فی القواعد ۳/۲۵۷، الشاہ للسیوطی رص ۱۸۸، ۱۹۲، قواعد الأحكام للعلی بن عبدالسلام ۲/۲، شرح مختصر الروضة للطوفی ۱/۱۹۹، ۱۹۰، نزہۃ الخاطر شرح روضة الناظر ۱/۱۳۹، ۱۴۰۔

(۲) القوانین الفقہیہ رص ۲۱۸۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۶/۳۶۲، ۳۶۳، روضة الطالین ۸/۱۰۲۔

نشوز ۱-۲

خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا،^(۱) (اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے التفاتی کا اندیشہ ہو)۔

نشوز کا اصطلاحی معنی:

حنفیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: عورت کا ناحق اپنے شوہر کے گھر سے نکل جانا^(۲)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: بیوی کا شوہر کی واجب اطاعت سے نکل جانا^(۳)۔

بعض فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اصطلاحی معنی میں نشوز صرف بیوی کی طرف سے ہوتا ہے، شوہر کی طرف سے نہیں ہوتا ہے، جب کہ دوسرے فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ نشوز جس طرح عورت کی طرف سے ہوتا ہے اسی طرح شوہر کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔

شرقاوی نے کہا ہے کہ نشوز بیوی و شوہر دونوں کی طرف سے ہوتا ہے، اگرچہ شوہر کے بارے میں نشوز کا استعمال کرنا مشہور نہیں ہے، البہوتی نے کہا ہے کہ کہا جاتا ہے: نشزت المرأة علی زوجها یعنی بیوی نے اپنے شوہر کی نافرمانی کی، اس کی صفت ناشزہ اور ناشز آتی ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے: نشزت علیہا زوجها یعنی شوہر نے بیوی پر ظلم کیا اور اس کو ضرر پہنچایا^(۴)۔

متعلقہ الفاظ:

الف - طاعة:

۲- لغت میں طاعت کا معنی فرمانبرداری کرنا اور موافقت کرنا ہے،

(۱) سورة نساء / ۱۲۸۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار ۲/۶۳۶، قواعد الفقہ للبرکتی۔

(۳) الشرح الکبیر بہامش حاشیۃ الدسوقی ۲/۳۴۳، الشرح الصغیر ۲/۵۱۱، حاشیۃ القلیوبی ۳/۲۹۹، المغنی ۷/۴۶۔

(۴) مواہب الجلیل ۳/۱۵، حاشیۃ القلیوبی ۳/۲۹۹، حاشیۃ الشرقاوی علی شرح التخریر ۲/۲۸۰، کشاف القناع ۵/۲۰۹۔

نشوز

تعریف:

۱- لغت میں نشوز ”نشز“ سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے بلند جگہ، جیسے النشاز، النشز (بلند جگہ) ہے، کہا جاتا ہے: نشز الشیء نشزاً و نشوزاً بلند ہونا، نشزت المرأة تنشز: بیوی کا شوہر کی نافرمانی کرنا اور اس سے باز رہنا۔

نشز کا صلہ باء، من اور علی تینوں آتے ہیں، کہا جاتا ہے: نشزت بہ، منه، علیہ، مذکر کی صفت ”ناشز“ اور مؤنث کی صفت ”ناشزت“ و ناشزۃ“ ہے، جمع نواشز ہے۔

ابو اسحاق نے کہا ہے کہ نشوز زوجین کے مابین ہوتا ہے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کو ناپسند کرنا، اور یہ نشز سے مشتق ہے جس کا معنی بلند جگہ ہے، کہا جاتا ہے: نشزت المرأة بزوجها، علی زوجها یعنی اپنے کو بڑا سمجھا، اس سے نفرت کیا اور اس کی اطاعت سے نکل گئی اور اس سے بغض کیا، ارشاد ربانی ہے: ”وَاللَّائِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ“^(۱) (اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو)، نشوز المرأة: یعنی عورت کا شوہر کی نافرمانی کرنا ہے، اور شوہر کا نشوز بھی اسی طرح ہے یعنی اس کا بیوی کو مارنا، اس پر ظلم کرنا اور اس کو ضرر پہنچانا ہے^(۲)، قرآن کریم میں ہے: ”وَإِنَّ امْرَأَةً

(۱) سورة نساء / ۳۴۔

(۲) القاموس، المحیط، المعجم الوسیط، المصباح الممیر، لسان العرب۔

نشوز ۳-۵

نشوز اور اعراض میں تعلق یہ ہے کہ اعراض نشوز کی ایک علامت ہے۔

ج۔ بغض:

۴۔ بغض کا معنی ناپسند کرنا اور نفرت کرنا ہے، کہا جاتا ہے: بغض الشیء بغضاً، اس کو ناپسند کیا، اس سے نفرت کی، أبغضه کا معنی بھی یہی ہے: بغض الشیء بغضاً، بغض الشیء بغاضاً وبغضاً، ناپسند ہوا، اور باغضہ: ایک دوسرے کے ساتھ بغض کیا۔

البغضاء: سخت بغض رکھنا، برکتی نے کہا ہے کہ بغض دل میں ہوتا ہے۔

راغب نے کہا ہے کہ جو چیز پسند نہ ہو اس سے نفرت کرنا بغض ہے، یہ حب کی ضد ہے^(۱)۔
نشوز اور بغض میں تعلق یہ ہے کہ بغض نشوز کا ایک سبب اور اس کی ایک علامت ہے۔

نشوز کا شرعی حکم:

۵۔ فقہاء کی رائے ہے کہ عورت کا اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا حرام ہے اس لئے کہ بیوی پر شوہر کے حق کی تعظیم کے واجب اور شوہر کی اطاعت کے واجب ہونے میں احادیث مروی ہیں^(۲)، نبی کریم ﷺ نے ایک عورت سے فرمایا: ”أ ذات زوج أنت؟ قالت: نعم، قال: انظري أين أنت منه فإنه جنتك ونارك“^(۳)

(۱) المعجم الوسيط، المصباح المنیر، قواعد الفقه، المفردات فی غریب القرآن۔
(۲) بدائع الصنائع ۲/۳۳۳، الشرح الکبیر وحاشیہ الدسوقی ۲/۳۳۳، الشرح الصغیر ۲/۵۱۱، شرح التحریر وحاشیہ الشرقاوی ۲/۲۸۵، المغنی ۱/۱۸۷، ۱/۲۶، کشف القناع ۵/۲۰۹، تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر ۱/۴۹۱، ۴۹۲، الجامع لأحكام القرآن ۵/۱۷۱۔

(۳) حدیث: ”أ ذات زوج أنت؟.....“ کی روایت احمد (۴۱۹/۶) طبع المبینہ

البتذیب میں ہے: طاع له یعنی اس کی فرمانبرداری کی، اگر اس کے حکم کو بجالائے تو کہتے ہیں: أطاعه (اس نے اس کی اطاعت کی)، اور اگر موافقت کرے تو کہتے ہیں: طاعه، اور طاعت المرأة زوجها طواعیة^(۱) (عورت نے اپنے شوہر کی فرمانبرداری کی)۔

اصطلاح میں خوشی کے ساتھ حکم کی موافقت کرنے کو طاعت کہتے ہیں، راغب نے کہا ہے کہ اکثر حکم کی فرمانبرداری اور ہدایت کی بجا آوری کو طاعت کہتے ہیں^(۲)۔

نشوز اور طاعت میں تعلق تضاد کا ہے۔

ب۔ اعراض:

۳۔ لغت میں اعراض کا ایک معنی روگردانی کرنا ہے، کہا جاتا ہے: أعرض عن الشیء، روگردانی کرنا اور دور ہونا، قرآن کریم میں ہے: وإذا أنعمنا علی الإنسان أعرض وناجانبه^(۳) (اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے) کہا جاتا ہے: أعرضت عنه، اس سے اعراض کیا اور دور ہوا۔

راغب نے کہا ہے کہ عرض پہلو کے ساتھ خاص ہے، عرض الشیء، پہلو ظاہر کیا، أعرض یعنی اپنا پہلو ظاہر کیا، اگر کہا جائے: أعرض عني تو اس کا معنی ہے کہ اپنا پہلو ظاہر کرتے ہوئے پشت پھیرا۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۴)۔

(۱) المعجم الوسيط، لسان العرب۔
(۲) قواعد الفقه، المفردات فی غریب القرآن۔
(۳) سورة اسراء ۸۳۔
(۴) المعجم الوسيط، المصباح المنیر، المفردات فی غریب القرآن، نیز دیکھئے: تفسیر القرطبی ۵/۴۰۳۔

نشوزہ

(کیا تم شوہر والی ہو؟ اس نے عرض کیا، ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھ لو اس کے ساتھ تمہارا کیا برتاؤ ہے اس لئے کہ وہ تیری جنت بھی ہے اور جہنم بھی)، نیز حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إذا صلت المرأة خمسها، وصامت شهرها، وحفظت فرجها، وأطاعت زوجها، قيل لها: ادخلي الجنة من أي أبواب الجنة شئت“^(۱) (اگر عورت پانچ وقت کی نماز ادا کرے، رمضان کا روزہ رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اس کو کہا جائے گا کہ جنت میں اس کے جس دروازہ سے چاہو داخل ہو جاؤ)، نیز ارشاد نبوی ہے: ”لو كنت امرأةً أحداً أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها“^(۲) (اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ نیک عورتیں وہ ہیں جو اپنے شوہر کی فرمانبردار ہوں، ارشاد ربانی ہے: ”فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ، حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ“^(۲) (سو نیک بیویاں اطاعت کرنے والی اور پیٹھے پیچھے اللہ کی حفاظت سے حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں)، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے یہی کہا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ حافظات للغیب ہیں یعنی شوہروں کی عدم موجودگی میں اپنی ذات اور شوہروں کے اموال کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے کرتی ہیں^(۳)۔

قرطبی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ خَيْرٌ“ اور مقصد، شوہر کی عدم موجودگی میں اپنی ذات اور اس کے مال کے بارے میں اس کے حق کی حفاظت اور اس کی اطاعت کا حکم دینا ہے^(۴)، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خير النساء امرأة إذا نظرت إليها سرتك، وإذا أمرتها أطاعتك، وإذا غبت عنها“

(۱) حدیث: ”إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه“ کی روایت بخاری (الفتح ۲۹۴/۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۰۶۰/۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے، الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم میں ”فبات غضبان علیها“ کا اضافہ ہے۔

(۲) سورة نساء/ ۳۴۔

(۳) تفسیر القرآن العظیم ۴۹۱/۱، الجامع لأحكام القرآن ۱۷۰/۵۔

(۴) الجامع لأحكام القرآن ۱۷۰/۵۔

اسی طرح فقہاء نے عورت کے لئے شوہر کی نافرمانی کے حرام ہونے پر ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، جن میں شوہر کی نافرمانی کرنے والی عورت کے لئے سخت وعید وارد ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إذا باتت المرأة هاجرة فراش زوجها لعنتها الملائكة حتى تصبح“^(۳) (اگر کوئی عورت شوہر کا بستر = نے حصین بن محسن سے کی ہے، منذری نے الترغیب والترہیب (۶۷۲/۲ طبع دار ابن کثیر) میں اس کی اسناد کو اچھا کہا ہے۔

(۱) حدیث: ”إذا صلت المرأة خمسها“ کی روایت احمد (۱۹۱/۱ طبع البیہمی) نے کی ہے، منذری نے الترغیب والترہیب (۶۷۱/۲) میں کہا ہے: اس کی روایت طبرانی نے بھی کی ہے، احمد کے تمام راوی ابن ابی لہیعہ کے علاوہ صحیح کے راوی ہیں، اور ابن ابی لہیعہ کی حدیث متابعات میں حسن ہے۔

(۲) حدیث: ”لو كنت امرأةً أحداً أن يسجد“ کی روایت ترمذی (۴۶۵/۳ طبع الحلی) نے ابو ہریرہؓ سے کی ہے، اور کہا: حسن غریب ہے۔

(۳) حدیث: ”إذا باتت المرأة هاجرة“ کی روایت بخاری (الفتح ۲۹۴/۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۰۵۹/۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے ابو ہریرہؓ سے کی ہے، الفاظ مسلم کے ہیں۔

نشوز ۶

ہو اور اپنے کوروک لے تو اس کو نفقہ ملے گا اس لئے کہ وہ شوہر کے حق کی وجہ سے محبوس ہے اور بظاہر اکثر حالات میں شوہر اس سے فائدہ اٹھائے گا، لہذا سپردگی کی حقیقت موجود ہوگی۔

ردالمحتار میں ہے: شوہر کے گھر سے نکلنے کی وجہ سے جو نشوز ہوگا اس میں حکماً نکلنا بھی داخل ہوگا مثلاً مکان عورت کا ہو اور وہ اس کو اپنے پاس آنے سے منع کر دے تو وہ شوہر کے گھر سے نکل جانے والی عورت کے حکم میں ہوگی، جب تک شوہر سے رخصت کرا کر لے جانے کا مطالبہ نہ کرے، اس طرح کہ اس کو کہے کہ مجھ کو اپنے گھر لے چلو یا میرے لئے کسی کرایہ کا مکان حاصل کرو، کیونکہ مجھ کو اپنے اس گھر کی ضرورت ہے تاکہ اس کا کرایہ حاصل کروں، تو ایسی صورت میں اس کو نفقہ ملے گا۔

اور اگر گھر میں شبہ ہو۔ مثلاً سلطان کا گھر ہو۔ اور عورت اس گھر میں رہنے سے انکار کر دے تو وہ ناشزہ ہوگی، اس لئے کہ ہمارے زمانہ میں شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، البتہ اگر غصب کردہ مکان سے نکل جائے تو ناشزہ نہ ہوگی، اس لئے کہ مغبوب میں رہائش اختیار کرنا حرام ہے، اور حرام سے بچنا واجب ہے، لیکن شبہ سے گریز اختیار کرنا مندوب ہے، لہذا شوہر کا حق جو کہ واجب ہے اس پر مقدم ہوگا۔ اور اگر اپنے کورات میں سپرد کرے دن میں نہیں یا اس کے برعکس ہو تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا، اس لئے کہ سپردگی ناقص ہے، اچھی میں ہے: اس سے ہمارے زمانہ میں پیش آنے والے واقعات کا جواب معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ملازمت پیشہ عورت سے نکاح کرے جو دن میں اپنے کام میں مشغول رہے اور رات میں شوہر کے پاس رہے تو اس کو نفقہ نہ ملے گا، انہر میں ہے کہ یہ مسئلہ قابل غور ہے، اس کی وجہ۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے کہا ہے۔ یہ ہے کہ وہ اپنی مصالح میں مشغول ہونے کی وجہ سے معذور ہے، بخلاف اس

حفظتک فی نفسہا و مالک“ (سب سے بہتر عورت وہ ہے کہ اگر تم اس کو دیکھو تو تجھ کو خوش کر دے، اگر اس کو حکم دو تو تیری اطاعت کرے اگر اس کو چھوڑ کر کہیں جاؤ تو تیرے مال اور اپنی ذات کے بارے میں تیرے حق کی حفاظت کرے)، پھر رسول اللہ ﷺ نے پڑھا: ”الرجال قوامون علی النساء“^(۱)۔

ابن حجر لہیتمی نے کہا ہے کہ نشوز کو گناہ کبیرہ شمار کیا گیا ہے، بہت سے فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اور شیخین نے اپنے اس قول سے کہ: بلا کسی سبب کے عورت کا اپنے شوہر سے باز رہنا گناہ کبیرہ ہے، صرف یہی صورت مراد نہیں لی ہے بلکہ انہوں نے نشوز کی تمام صورتوں پر تشبیہ کی ہے^(۲)۔

کس عمل سے زوجہ ناشزہ ہو جائے گی:

۶۔ کس عمل کی وجہ سے عورت شوہر کی ناشزہ ہو جائے گی، اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، اور اس بارے میں ان کے مطابق کچھ تفصیلات ہیں۔

چنانچہ حنفیہ نے کہا ہے کہ ناشزہ کو نفقہ نہیں ملے گا، اس لئے کہ اس کی طرف سے سپردگی نہیں رہی، اور یہی نشوز ہے اور نشوز کبھی نکاح میں ہوتا ہے اور کبھی عدت میں ہوتا ہے۔

نکاح میں نشوز یہ ہے کہ ناحق شوہر کے گھر سے نکل کر اپنے کو اس سے روک لے، اس طرح کہ اس کی اجازت کے بغیر نکل جائے اور غائب ہو جائے یا سفر کر کے چلی جائے، لیکن اگر اس کے گھر میں

(۱) حدیث: ”خیر النساء امرأة إذا نظرت إليها سرتک.....“ کی روایت طبری نے اپنی تفسیر (۳۹/۵ طبع المعرفہ بیروت) میں اور حاکم (۱۶۱/۲، ۱۶۲ طبع دائرة المعارف) نے کی ہے، الفاظ طبری کے ہیں، حاکم نے کہا ہے کہ مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(۲) الزواجر عن اقتراف الكبائر ۲/۴۷۔

نشوز ۶

نہیں دے گا یا وہاں اس کا جانا پسند نہیں کرے گا اور شوہر ابتدا میں اس کو روکنے پھر اس کو طاعت کی جگہ واپس لانے سے عاجز ہو تو یہ بھی نشوز ہے، اور اگر ابتدا میں اس کو روکنے پر یا صلح کے ذریعہ یا قاضی کے ذریعہ اس کو واپس لانے پر قادر ہو تو وہ ناشزہ نہ ہوگی، اسی طرح اگر حقوق اللہ کو ترک کر دے غسل کرنا، نماز پڑھنا اور رمضان کا روزہ رکھنا چھوڑ دے یا شوہر کو چھوڑ کر اپنا دروازہ بند کر لے یا اپنی ذات یا شوہر کے مال میں خیانت کرے تو نشوز ہوگا (۱)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے نکل جائے تو یہ نشوز ہوگا، اگر قاضی کے پاس اس سے حق طلب کرنے کے لئے جائے، اگر شوہر اس کے نفقہ میں تنگی کرے تو نفقہ حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے، اگر اس کا شوہر فقہ سے واقف نہ ہو اور اس کے لئے فتویٰ طلب نہ کرے تو عورت مسئلہ پوچھنے کے لئے جائے، آٹا، روٹی یا دیگر ضروریات کی خریداری کے لئے نکلے، گھر کے منہدم ہو جانے کے اندیشہ سے نکلے، شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے پڑوسی وطن چھوڑ دیں، اس لئے عورت نکل جائے، گھر کے اجارہ کی مدت پوری ہو جائے، عاریت پر دینے والا مکان کو واپس لے لے، یا شوہر کی اجازت سے شہر میں اپنی ضرورت کے لئے نکلے مثلاً یہ کہ وہ حمام کی خادمہ ہو یا عورتوں کی آراستگی کا کام کرتی ہو، یا دائی ہو جو عورتوں کی ولادت کی خدمت انجام دیتی ہو تو وہ ان صورتوں میں ناشزہ نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر شوہر کے سامنے دروازہ بند کر دے اور دروازہ نہ کھولے کہ شوہر داخل ہو سکے، اور تالا عورت کی طرف سے لگا گیا ہو اور شوہر کو دروازہ کھولنے سے منع کر دے، شوہر کو قید کر دے، طلاق کا

مسئلہ کے جس کو اس پر قیاس کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی عذر نہیں ہے، اس لئے اس میں سپردگی کا نقص عورت کی طرف منسوب ہوگا، اور اگر شوہر اس کو اس سے منع کر دے اور وہ نافرمانی کرے اور بلا اجازت نکل جائے تو جب تک باہر رہے گی ناشزہ رہے گی اور اگر شوہر اس کو منع نہ کرے تو ناشزہ نہ ہوگی (۱)۔

عدت میں نشوز یہ ہے کہ شوہر کی مرضی کے خلاف عدت کے گھر سے نکل جائے، یا عورت کی طرف سے کسی عمل کی وجہ سے اس کو نکال دیا جائے۔

مروی ہے کہ فاطمہ بنت قیس اپنی سسرال والوں سے بدزبانی کرتی تھیں، ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے ان کو بتایا کہ وہ ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں، انہوں نے ان کو تین طلاق دے دی، ان کا بیان ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور اپنے گھر سے اپنے نکلنے کے بارے میں آپ ﷺ سے فتویٰ پوچھا تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ابن ام مکتوم ناپینا کے گھر میں منتقل ہو جائیں، مروان نے مطلقہ کو اپنے گھر سے نکلنے کے بارے میں ان کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا، اور عروہ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ نے اس بارے میں فاطمہ بنت قیس پر نکیر کی ہے (۲)، نیز اس لئے کہ یہاں ان کو نکالنا ایسے عمل کی وجہ سے تھا جو ان کی طرف سے پایا جا رہا تھا، اس لئے یہ ایسا ہوگا کہ وہ اپنے شوہر کی مرضی کے بغیر خود نکل گئیں۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر عورت شوہر کو وطی یا استمتاع سے منع کر دے تو مشہور قول کے مطابق نشوز ہے، اور عورت کا اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ایسی جگہ جانا کہ عورت جانتی ہو کہ شوہر اس کی اجازت

(۱) بدائع الصنائع ۲/۲۲، الاختیار ۵/۴، الدر المختار ۲/۲۴۷۔

(۲) حدیث: "ان فاطمہ بنت قیس....." کی روایت مسلم (۱۱۶/۲) طبع عیسیٰ الحلیمی نے کی ہے۔

(۱) الشرح الصغیر ۵/۱۱۲، شرح الزرقانی ۶۰/۳، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳۴۳/۲۔

نشوز ۶

بغیر سفر کرے، تو اگر شوہر اس کو منع نہیں کرے گا تو وہ ناشزہ نہ ہوگی اور اگر منع کرے گا تو ناشزہ ہوگی خواہ اس کو واپس کرنے پر قادر ہو یا نہ ہو، ہاں اگر اس سے استمتاع کرے گا تو استمتاع کے بعد ناشزہ نہیں رہے گی اس لئے کہ اس سے استمتاع کرنا اس کو اپنے ساتھ رکھنے پر رضامندی ہے۔

اگر شہر ویران ہو جائے، اہل شہر سفر کر جائیں اس لئے عورت بھی بقدر ضرورت سفر میں چلی جائے تو ناشزہ نہیں سمجھی جائے گی۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر زوج پہلے نرم زبان میں بات کرتی تھی اور اب سخت زبان میں بات کرنے لگے تو یہ قول کے اعتبار سے نشوز کی علامت ہے، البتہ اگر سخت کلامی اس کی عادت ہو تو جب تک اس میں اضافہ نہ ہو نشوز نہیں ہوگا۔

اگر عورت کی طرف سے اعراض اور ترش روئی پائی جائے تو یہ عمل کے اعتبار سے نشوز کی علامت ہے، اس لئے کہ یہ صورت کراہت کی وجہ سے ہی ہوتی ہے، اور یہ گالی گلوچ سے الگ چیز ہے، اس لئے یہ بد خلقی کی وجہ سے ہوتی ہے، البتہ شوہر کو زوج کی تادیب کا حق ہے اگر چہ قاضی کے حکم کے بغیر ہو^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر شوہر زوج کو استمتاع کے لئے بلائے تو وہ دیر کرے، ٹال مٹول کرے، ناپسندیدگی اور غصہ کے بغیر اس کے پاس نہ جائے یا زچ ہو کر غصہ کے ساتھ اس کے پاس جائے اور شوہر کے حق میں بے ادب ہو تو یہ سب نشوز کی علامتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زوج پر شوہر کی جو اطاعت فرض کی ہے اس میں وہ اپنے شوہر کی نافرمانی کرے اور اس کے فراموش (بستر) پر جانے سے گریز کرے یا اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نکل جائے

(۱) شرح المنہاج وحاشیۃ القلیوبی ۳/۵۰۵، ۳/۸۷، شرح التحریر وحاشیۃ الشرفاوی ۲/۲۸۳، ۲۸۵۔

دعویٰ کرے، مثلاً وطی بالشہبہ میں دوسرے کی معتدہ ہونے کا دعویٰ کرے تو ان تمام صورتوں میں عورت ناشزہ ہوگی۔

اگر شوہر کو بلا عذر اپنے سے استمتاع سے روک دے تو ناشزہ ہوگی، البتہ اگر ناز و خزع کرتے ہوئے منع کرے تو ناشزہ نہ ہوگی، جس استمتاع سے منع کرنے کی وجہ سے وہ ناشزہ ہو جاتی ہے اس میں بوسہ سے منع کرنا داخل ہے۔ اگرچہ جماع کا موقع دیدے جبکہ اس سے باز رہنے میں اس کو کوئی عذر نہ ہو، لہذا اگر عذر ہو مثلاً شوہر کو سخت گندہ بغلی ہو اور اس کی وجہ سے ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہو تو ناشزہ نہیں ہوگی، اگر اس کے جھوٹ پر کوئی قوی قرینہ نہ ہو تو اس سلسلہ میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔

انہوں نے کہا ہے کہ عورت کا اپنے شوہر کو گالی گلوچ کرنا اور زبان وغیرہ سے اس کو ایذا پہنچانا نشوز نہ ہوگا بلکہ اس کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوگی اور اس پر تادیب کی مستحق ہوگی۔

اگر شوہر اپنی بیویوں کو اس گھر میں بلائے جس کو ان سے وطی کے لئے مقرر کر رکھا ہے اور ان میں سے کوئی گریز کرے تو یہ نشوز ہوگا، البتہ اگر کسی کو اس کے سوکن کے گھر میں بلائے تو گریز کرنا نشوز نہ ہوگا، اگر شوہر زوج کو اپنے گھر میں بلائے تو اس کا گریز اختیار کرنا نشوز ہوگا، جب وہ شریف نہ ہو ورنہ نشوز نہ ہوگا جبکہ شوہر کی رہائش دوسرے کمرہ میں ہو، اور اگر اسی کمرہ میں ہو جس میں اس کی رہائش ہے تو یہ نشوز ہوگا۔

اگر زوج شوہر سے الگ اس کی اجازت کے بغیر سفر کرے گی یا اس کی اجازت سے شوہر کی ضرورت کے بغیر مثلاً اپنی ضرورت کے لئے یا کسی اجنبی کی ضرورت کے لئے یا دونوں کی ضرورت کے لئے یا بلا ضرورت مثلاً تفریح کے لئے سفر کرے گی تو ناشزہ سمجھی جائے گی۔

اگر زوج شوہر کے ساتھ سفر کرے گی خواہ اس کی اجازت کے

نشوز

تو یہ نشوز ہے^(۱)۔

قرض صحیح قول کے مطابق ساقط نہ ہوگا یعنی اگر شوہر پر عورت کے لئے چند ماہ کا نفقہ مقرر کر دیا گیا ہو، پھر وہ ناشزہ ہو جائے تو ان گذشتہ مہینوں کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، لیکن اگر اس کو قرض لینے کا حکم دیا تھا اور اس نے قرض لے لیا ہے تو یہ ساقط نہ ہوگا، ابن عابدین نے کہا ہے کہ الجامح میں مقررہ نفقہ کے ساقط ہونے کی صراحت ہے، قرض لئے ہوئے کے بارے میں الذخیرہ میں ہے کہ موت کی وجہ سے اس کے ساقط ہونے میں جو دو روایتیں ہیں وہ یہاں بھی ہوں گی، ان دونوں میں صحیح قول یہ ہے کہ ساقط نہ ہوگا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر شوہر کے گھر لوٹ آئے تو جو ساقط ہو گیا ہے وہ نہیں لوٹے گا، لیکن کیا مقرر کرنا باطل ہو جائے گا؟ اور شوہر کے گھر لوٹ آنے کے بعد دوبارہ مقرر کرنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ ظاہر یہ ہے کہ یہ باطل نہ ہوگا، اس لئے کہ فقہاء نے مقرر کئے ہوئے نفقہ کے ساقط ہونے میں گفتگو کی ہے مقرر کرنے کو ساقط نہیں کہا ہے^(۱)۔

اس پر فقہاء مالکیہ کا اتفاق ہے کہ ناشزہ اگر حاملہ ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس وقت اس کا نفقہ حمل کی وجہ سے ہوگا، اسی طرح اگر زوجہ مطلقہ رجعیہ ہو اور بلا اجازت گھر سے نکل جائے تو نفقہ ساقط نہ ہوگا، اس لئے کہ شوہر کو حق نہیں ہے کہ اس کو نکلنے سے منع کر دے۔

ان دو حالات کے علاوہ میں ناشزہ کا نفقہ ساقط ہوگا یا نہیں، اس میں فقہاء مالکیہ کا اختلاف ہے۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے اور یہی مشہور روایت ہے کہ اگر عورت بلا عذر شوہر کو وطی یا استمتاع سے روک دے تو جس دن اس نے اس کو اس سے روکا ہے اس دن کا نفقہ شوہر سے ساقط ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر عورت بلا اجازت ظلم کرتے

نفقہ پر نشوز کا اثر:

۷۔ زوجہ کے نشوز کی وجہ سے اس کے نفقہ کے ساقط ہو جانے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ کا مشہور مذہب، شافعیہ، حنابلہ، شیعہ، حماد اوزاعی اور ابو ثور کی رائے ہے کہ ناشزہ نفقہ اور سکنی کی مستحق نہ ہوگی، اس لئے کہ نفقہ عورت کا اپنے شوہر کو اپنے اوپر قدرت دینے کے مقابلہ میں واجب ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک عورت اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ نہ کرے نفقہ واجب نہیں ہوتا ہے اور اگر شوہر اس سے نفقہ روک لے تو اس کو حق ہوتا ہے کہ شوہر کو قدرت نہ دے، لہذا اگر عورت شوہر کو قدرت نہ دے تو شوہر کو اس سے نفقہ روک لینے کا حق ہوگا، جیسا کہ دخول سے پہلے ہوگا۔

بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ نشوز کی وجہ سے نفقہ ساقط نہ ہوگا، اس کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ نشوز سے اس کا مہر ساقط نہیں ہوتا ہے تو اسی طرح اس کا نفقہ بھی ساقط نہ ہوگا^(۲)۔

جو فقہاء نشوز کی وجہ سے نفقہ کے ساقط ہو جانے کے قائل ہیں، ان کے یہاں کچھ تفصیلات ہیں:

حنفیہ نے کہا ہے کہ زوجہ کے نشوز کی وجہ سے سپردگی ختم ہوگی اس لئے ناشزہ کو نفقہ نہیں ملے گا، ان کے یہاں نشوز کی دو قسمیں ہیں: نکاح میں نشوز، عدت میں نشوز، جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

نشوز کی وجہ سے مقررہ نفقہ ساقط ہو جائے گا، نفقہ میں لیا ہوا

(۱) المغنی ۴/۶۷، کشف القناع ۲۰۹/۵۔

(۲) البدائع ۲۲/۴، الاختیار ۵/۴، الدر المختار و رد المحتار ۲/۶۳، الزرقانی ۲۵۰/۴، ۲۵۱، المحطاب ۱۸۸/۴، ۱۸۸، مغنی المحتاج ۳۳۶/۳، المغنی

۶۱۱/۷، ۶۱۲، القرطبی ۵/۱۷۴، الإجماع لابن المنذر ۹۷۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۲/۶۳۔

نشوز ۸

دن کے بعض حصہ میں نشوز کی وجہ سے پورے دن کے نفقہ کے ساقط ہونے کے بارے میں الانصاری نے کہا ہے کہ نفقہ اس لئے ساقط ہو جاتا ہے کہ اس میں تجزی نہیں ہو سکتی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ پورے دن کے لئے ایک ہی بار دے دیا جاتا ہے، صبح و شام نہیں دیا جاتا ہے^(۱)۔

حنا بلہ نے کہا ہے کہ ناشزہ کو نہ نفقہ ملے گا نہ سکنی، اس لئے کہ نفقہ اس کے قدرت دینے کے مقابلہ میں واجب ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک زوج اپنے کوشوہر کے حوالہ نہ کر دے نفقہ واجب نہیں ہوتا ہے، اس لئے اگر شوہر نفقہ روک دے تو زوج کو حق ہے کہ شوہر کو قدرت دینے سے روک دے اور اگر عورت قدرت دینے سے روک دے تو شوہر کو حق ہے کہ اس سے نفقہ کو روک دے جیسا کہ دخول سے قبل ہوتا ہے، اگر شوہر کو زوج کے بطن سے اولاد ہو تو شوہر پر اس کی اولاد کا نفقہ واجب ہوگا، اس لئے کہ یہ نفقہ اولاد کے لئے واجب ہوتا ہے، لہذا عورت کی نافرمانی سے اولاد کا نفقہ ساقط نہ ہوگا، اس لئے اگر زوجہ ہی اس کی پرورش کرنے والی اور اس کو دودھ پلانے والی ہے تو شوہر پر لازم ہے کہ نفقہ زوجہ کے حوالہ کرے، اسی طرح شوہر پر لازم ہوگا کہ دودھ پلانے کی اجرت اس کے حوالہ کرے، اس لئے کہ یہ اجرت ہے جو دودھ پلانے کی وجہ سے اس کے لئے شوہر پر واجب ہے، استمتاع کے مقابلہ میں نہیں ہے کہ اس کے نہ ہونے سے واجب نہ ہو^(۲)۔

نشوز سے باز آ جانے کی وجہ سے نفقہ کا لوٹ آنا:

۸- جو نفقہ نشوز کی وجہ سے ساقط ہونے کے قائل ہیں ان

(۱) شرح المنہاج و حاشیہ القلیوبی و عمیرہ ۵۴/۲، ۷۸، ۷۹، مغنی المحتاج

۴۰۲/۴، ۴۰۳/۳، ۴۳۳-

(۲) المغنی ۷/۶۱۱، ۶۱۲-

ہوئے اس کے گھر سے یا اس کے محل طاعت سے نکل جائے اور شوہر خود یا بیغامبر کے ذریعہ یا انصاف کرنے والے حاکم کے ذریعہ اس کو واپس لانے پر قادر نہ ہو اور وہ نکل کر کسی معلوم جگہ پر چلی جائے اور وہ ابتدا میں اس کو روکنے پر قادر نہ ہو تو بھی اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، لہذا اگر اس کو روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے تو اس کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔

بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ قدرت دینے کے بعد نشوز کی وجہ سے نفقہ ساقط نہ ہوگا، ان کا قول پہلے گزر چکا ہے^(۱)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ نشوز یعنی شوہر کی اطاعت سے نکل جانے کی وجہ سے نفقہ ساقط ہو جائے گا اگرچہ زوجہ اس کے گھر سے باہر نہ جائے، یا شوہر اس پر قبضہ کرنے پر قادر ہو، اور خواہ چھونے سے منع کرے یا دیکھنے سے روک دے، اس طرح کہ بلا عذر ناز و نخرہ کے بغیر اپنے چہرہ کو ڈھک لے، اور بلا عذر پورے دن میں اسی طرح اصح قول کے مطابق دن کے بعض حصہ میں نشوز کی وجہ سے پورے دن کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، قلیوبی نے کہا ہے کہ یہی معتمد قول ہے، موسم کا کپڑا ایک دن کے نفقہ کے حکم میں ہے، دن رات یا موسم کے باقی حصہ میں اگر وہ اطاعت اختیار کرے تو جب تک شوہر استمتاع نہیں کرے گا معتمد قول کے مطابق اس کا نفقہ نہیں لوٹے گا۔

مجنونہ اور مرہقہ کا نشوز عاقلہ بالغہ کی طرح ہے، اگرچہ ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

اگر شوہر کو زوجہ کے نشوز کا علم نہ ہو اور وہ اخراجات اس کو دے دے اس کے بعد اس کو نشوز کا علم ہو تو وہ اخراجات واپس لے سکتا ہے، اگر عورت اس میں تصرف کرے گی تو صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا مالک شوہر ہے۔

(۱) عقد الجواہر المشیمہ ۳۰۹/۲، شرح الزرقانی ۲۵۰/۲، ۲۵۱، الدسوقی

۵۱۳/۲، الشرح الصغير ۵۱۱/۲، ۷۳۰، الخطاب مع التاج والإکلیل

۱۸۸، ۱۸۷/۲-

نشوز ۹-۱۰

اس کا فرض روزہ، اور فرض اعتکاف، اس کا احرام، نفاس، اس کا غائب ہونا، اس کا نشوز اور اس کا جنون وغیرہ مثلاً اس پر بے ہوشی کا طاری ہو جانا، تو مدت ایلاء کی ابتدا اس عذر کے دور ہونے کے بعد سے ہوگی، اس لئے کہ اس وقت سے مدت کا شمار ہوتا ہے جب شوہر اس کی وطی سے گریز اختیار کرے، اور یہاں رکاوٹ خود عورت کی طرف سے ہے، اور اگر مدت ایلاء کے دوران عذر طاری ہو جائے تو اس عذر کے ختم ہونے پر ازسرنو چار ماہ شمار کرے گی، گذشتہ پر بناء نہیں کرے گی اس لئے کہ ارشاد باری ہے: ”تَرِيْضُ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ“^(۱)

(ان کے لئے مہلت چار ماہ تک ہے)، بظاہر اس کا تقاضا ہے کہ چار ماہ مسلسل ہوں، لہذا اگر درمیان میں انقطاع ہو جائے تو اس کا استیناف واجب ہوگا، جیسے کہ کفارہ کے روزہ میں دو ماہ کی مدت ہے، اگر اس مدت میں سے جس میں اس سے وطی نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، چار ماہ سے زیادہ باقی ہو، اور اگر اس میں سے چار ماہ سے زیادہ باقی نہ ہو بلکہ صرف چار ماہ یا اس سے کم باقی ہو تو ایلاء کا حکم ساقط ہو جائے گا، جیسے کہ اگر ابتداءً اس پر قسم کھائی تو ایلاء نہ ہوگا اور گذرے ہوئے پر بنا نہیں کرے گی، جب مذکورہ بالا اعذار میں سے کوئی پیش آجائے جیسا کہ کفارہ کے روزہ میں دو ماہ کی مدت ہے کہ اگر تسلسل ختم ہو جائے تو دونوں ماہ کا استیناف کیا جائے گا^(۲)۔

زوجہ کے لئے باری میں نشوز کا اثر:

۱۰- فقہاء کی رائے ہے کہ زوجہ کے نشوز کی وجہ سے دوسری بیویوں کے ساتھ اس کی باری میں اس کا حق ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ اپنے نشوز کی وجہ سے باری میں اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے،

انہوں نے کہا ہے کہ نشوز میں نفقہ شوہر کے قبضہ سے عورت کے نکل جانے کی وجہ سے یا عورت پر قدرت دینے کا جو حق واجب ہے اس سے روک دینے کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے، اور یہ چیز اس وقت دور ہوگی جب عورت اس کے گھر میں لوٹ آئے اور شوہر کو اپنے اوپر قدرت دے دے اور یہ چیز شوہر کے غائبانہ میں حاصل نہیں ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بیوی سے شوہر کے وطی کرنے سے قبل اگر زوجہ شوہر کے غائبانہ میں اپنے آپ کو سپرد کرے تو محض سپردگی سے نفقہ کی مستحق نہ ہوگی تو یہاں بھی ایسا ہی ہوگا^(۱)۔

مدت ایلاء میں نشوز کا اثر:

۹- شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ جس عورت سے ایلاء کیا گیا ہے اگر اس میں وطی سے مانع کوئی چیز موجود ہو اور وہ حسی ہو جیسے کم عمری اور مرض اور یہ دونوں وطی سے مانع ہوں تو ایلاء کی مدت کے شروع ہونے سے مانع ہوں گے، جب یہ مانع دور ہو جائے تو مدت ازسرنو شروع ہوگی اور اگر ایلاء کی مدت کے دوران وطی سے مانع کوئی امر پیش آجائے۔ مثلاً مدت ایلاء میں زوجہ کا نشوز۔ تو مدت کا شمار نہ ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں وطی ممکن نہیں ہے، جب یہ مانع دور ہو جائے گا تو مدت ازسرنو شروع ہوگی، اس لئے کہ مطالبہ مسلسل چار ماہ اصرار کے ساتھ مشروط ہے اور وہ موجود نہیں ہے ایک قول یہ ہے کہ گذشتہ ایام پر بنا کی جائے گی، غزالی اور امام نے اس کو راجح کہا ہے^(۲)۔

حنا بلہ نے کہا ہے کہ اگر زوجہ کی وطی سے روکنے والا عذر خود اس کی طرف سے ہو مثلاً اس کا کم عمر ہونا، اس کا مرض، اس کا قید میں ہونا،

(۱) سورہ بقرہ/۲۲۶۔

(۲) کشاف القناع ۵/۳۶۳۔

(۱) المغنی ۷/۶۱۱، ۶۱۲۔

(۲) مغنی المحتاج ۳/۳۴۹، القلیوبی وغیرہ ۴/۱۲۔

نشوز ۱۱-۱۲

قَاتِنَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي تَحَافُونَ
 نُشُوزُهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ
 فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيماً
 كَبِيراً“^(۱) (مرد عورتوں کے سردھرے ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان
 میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے اور اس لئے کہ مردوں نے
 اپنا مال خرچ کیا ہے، سو نیک بیویاں اطاعت کرنے والی اور پیٹھ پیچھے
 اللہ کی حفاظت سے حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں، اور جو عورتیں ایسی
 ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو تو انہیں نصیحت کرو اور انہیں خواب
 گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور انہیں مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت
 کرنے لگیں تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو، بے شک اللہ بڑا
 رفعت والا ہے بڑا عظمت والا ہے)، یہ آیت سعد بن الربیع کے
 بارے میں نازل ہوئی ہے جب ان کی بیوی نے ان کی نافرمانی کی تو
 انہوں نے ان کو طمانچہ مارا تو ان کے والد ان کو لے کر نبی کریم ﷺ
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنی لخت جگر کو
 اس کا فراش بنایا تو اس نے اس کو تھپڑ مارا، تو نبی کریم ﷺ نے ان
 سے فرمایا: تم اس سے قصاص لے سکتی ہو، تو خاتون اپنے والد کے
 ساتھ ان سے قصاص لینے کے لئے واپس گئیں، پھر رسول اللہ ﷺ
 نے فرمایا: ”ارجعوا، هذا جبریل أتاني وأنزل الله تعالى
 هذه الآية، فقال ﷺ: أردنا أمراً وأراد الله أمراً والذي
 أراد الله خيراً، ورفع القصاص“^(۲) (ان لوگوں کو واپس بلاؤ،

(۱) سورۃ نساء/۳۳۔

(۲) سعد بن الربیع کے بارے میں آیت ”الرجال قوامون على النساء“ کے
 نازل ہونے کی حدیث کا ذکر واحدی نے اسباب النزول (ص ۱۵۱) طبع
 مؤسسۃ الریان) میں مقال سے اسناد کے بغیر کیا ہے، اور اس کی روایت
 ابن جریر نے اپنی تفسیر (۲۹۱/۸) طبع دائرۃ المعارف) میں حسن بصری سے
 مرسلہ ان الفاظ میں کی ہے: ”إن رجلاً لطم امرأة“۔

پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگے تو شوہر اپنی باقی بیویوں کے ساتھ اس
 کے لئے ازسرنو باری مقرر کرے گا اور اس کی سوکن کے ساتھ زوج
 نے جو شب باشی کی ہے اس کا بدل اس کو نہ دے گا کیونکہ اس وقت
 اس کا حق ساقط ہو گیا تھا^(۱)۔

ناشزہ کو زکاۃ کے مال سے دینا:

۱۱- شافعیہ نے اصح قول میں صراحت کی ہے کہ جو عورت اپنے
 شوہر کی ناشزہ ہو اس کو زکاۃ نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ وہ فقیرہ
 نہیں ہے کیونکہ وہ فی الحال نشوز ترک کر کے اطاعت پر قادر ہے، اس
 وقت شوہر کا نفقہ اس کے لئے کفایت کرے گا، لہذا اس کو فقیرہ نہیں
 کہا جاسکے گا، اس لئے کہ شوہر کی جانب سے نفقہ اس کے لئے کافی
 ہونے کی وجہ سے وہ محتاج نہ ہوگی جیسا کہ روزانہ ضرورت کے مطابق
 کمانے والے کا حال ہے۔

ان کے نزدیک اصح کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو
 زکاۃ میں سے دینا جائز ہے، اس لئے کہ نہ اس کے پاس مال ہے نہ
 کمائی ہے، اور اس کو کمانے والے کے مشابہ قرار دینا ممکن نہیں
 ہے^(۲)۔

ناشزہ کی تادیب کا مشروع ہونا اور اس کی تادیب کا حق:

۱۲- ناشزہ بیوی کی تادیب مشروع ہے^(۳)، اس لئے کہ ارشاد
 ربانی ہے: ”الرَّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ
 بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ

(۱) رد المحتار ۲/۴۰۰، حاشیۃ الدسوقی ۲/۳۳۲، نہایۃ المحتاج ۶/۳۳۷، ۳/کشف
 القناع ۵/۲۰۴۔

(۲) شرح اُحلی وحاشیۃ القلیوبی وعمیرہ ۳/۱۹۶، مغنی المحتاج ۳/۱۰۸۔

(۳) تفسیر القرطبی ۵/۱۶۸، ۱۶۹، الزواجر عن اقتراف الکبائر ۲/۴۲۔

نشوز ۱۳

اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو، زکشی نے اس کو اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ دونوں کے درمیان عداوت نہ ہو، اگر دونوں میں عداوت ہوگی تو قاضی کے پاس معاملہ کو لے جانا واجب ہوگا^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ جس شوہر کو اپنی بیوی کی تادیب کا حق ہے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے بیوی کے حق کو روک رکھا ہے تو اس کو بیوی کی تادیب سے روک دیا جائے گا کہ جب تک اس کا حق ادا نہ کر دے اور اس کے ساتھ حسن معاشرت کا برتاؤ نہ کرے اس کی تادیب نہیں کر سکتا ہے، اس لئے کہ اس کا حق روک کر اپنے حق کا مطالبہ کرنے میں وہ ظالم قرار پائے گا^(۲)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”تادیب“ (فقہ ر ۳، ۴، ۷، ۸) اور ”زوج“ (فقہ ر ۷)۔

نشوز میں تادیب کیسے ہوگی؟

۱۳- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی کے نشوز کی وجہ سے اس کی تادیب کا حق ہے، اور یہ تادیب وعظ و نصیحت، خوابگاہ میں علیحدگی اور مار پیٹ کے ذریعہ ہوگی، اس لئے کہ ارشاد بانی ہے: ”وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاصْرَبُوهُنَّ“^(۳) (اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو تو انہیں نصیحت کرو اور انہیں خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور انہیں مارو)۔

اس اجمال کے بعد وعظ و نصیحت، خوابگاہ میں علیحدگی اور

ابھی ابھی جبریل میرے پاس آئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم نے کچھ چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور ہی چاہا، اور اللہ نے جو چاہا وہی بہتر ہے، اور قصاص کو ختم کر دیا)۔

زوجہ اگر ناشزہ ہو تو اس کی تادیب کا حق فی الجملہ فقہاء کے نزدیک شوہر کو ہے، اس سلسلہ میں ان کے بیانات درج ذیل ہیں: حنفیہ نے کہا ہے کہ جن چیزوں میں شوہر کی اطاعت واجب ہے اگر بیوی اس کی اطاعت نہ کرے تو شوہر کو تادیب کا حق ہوگا، مثلاً اگر ناشزہ ہو جائے تو شوہر اس کی تادیب کر سکتا ہے^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر معلوم ہو کہ نشوز زوجہ کی جانب سے ہے تو اس کو تنبیہ کرنے کا ذمہ دار شوہر ہوگا، اگر اس کے نشوز کی اطلاع امام تک نہ پہنچی ہو، یا پہنچی ہو مگر اس کو امید ہو کہ شوہر کے ہاتھ سے اس کی اصلاح ہو جائے گی ورنہ امام اس کو تنبیہ کرنے کا ذمہ دار ہوگا^(۲)۔

قرطبی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ائمہ کے بجائے شوہروں کو ذمہ دار بنایا اور قضاة کے بجائے ان کو ذمہ داری دی ہے کہ شہادت اور بینہ کے بغیر تنبیہ کریں، اس لئے کہ عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو شوہروں پر اطمینان ہے^(۳)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ ناشزہ کو مارنا شوہر کے لئے جائز ہے، قاضی کے پاس معاملہ کو لے جانا واجب نہیں ہے، کیونکہ اس میں دشواری ہے، نیز اس لئے کہ مقصد اس کو اطاعت کی طرف لوٹانا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے، ارشاد بانی ہے: ”فَإِنْ أَطَعْتُمْ بَدَأَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْهُ فَاتَّبِعُوا مَقَامَ اللَّهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ“^(۴) (پھر اگر وہ تمہاری

(۱) بدائع الصنائع ۲/۳۳۴۔

(۲) مواہب الجلیل ۲/۱۵، حاشیہ الدسوقی ۲/۳۴۳۔

(۳) تفسیر القرطبی ۳/۱۷۵۔

(۴) سورۃ نساء ۳۴۔

(۱) حاشیہ الجمل علی شرح الخیر ۲/۲۸۹۔

(۲) کشاف الفتاویٰ ۵/۲۱۰۔

(۳) سورۃ نساء ۳۴۔

نشوز ۱۴

کہ اللہ تعالیٰ نے میرا جو حق تم پر واجب کیا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس پر واضح کر دے گا کہ نشوز سے اس کی باری ساقط ہو جائے گی، ہو سکتا ہے کہ معذرت ظاہر کرے یا بلا عذر اس سے جو غلطی ہوگئی ہے، اس سے توبہ کر لے، مناسب ہے کہ اس کو نبی کریم ﷺ کا ارشاد یاد دلائے: ”إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ هَاجِرَةً فَرَأَتْ زَوْجَهَا لَعْنَتَهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تَصْبِحَ“^(۱) (اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے بستر سے الگ ہو کر رات گزارے گی تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کریں گے)، نیز آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی یاد دلائے: ”لَوْ كُنْتَ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لِأَمْرَتِ الْمَرْأَةِ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا“^(۲) (اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے)، اسی طرح اس کو حضرت ابن عباسؓ کی بات یاد دلائے گا کہ جو عورت اپنے شوہر کے سامنے ترش روئی ظاہر کرے گی وہ اپنی قبر سے اس حالت میں اٹھائی جائے گی کہ اس کا چہرہ سیاہ ہوگا اور وہ جنت کی طرف نہ دیکھ سکے گی۔

اور مستحب ہے کہ اس کے ساتھ بھلائی کرے اور کچھ دے کر اس کا دل اپنی طرف مائل کرے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”الْمَرْأَةُ كَالضَّلْعِ، إِنْ أَقْمَتَهَا كَسَرْتَهَا، وَإِنْ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عَوْجٌ“^(۳) (عورت پیلی کی طرح ہے، اگر اس کو سیدھی کرو گے تو

(۱) حدیث: ”إِذَا بَاتَتِ امْرَأَةٌ هَاجِرَةً.....“ کی تخریج فقہرہ ۵/۷ میں گزری ہے۔

(۲) حدیث: ”لَوْ كُنْتَ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ.....“ کی تخریج فقہرہ ۵/۷ میں گزری ہے۔

(۳) حدیث: ”الْمَرْأَةُ كَالضَّلْعِ.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۲۵۲/۹) طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۰۹۰/۲) طبع عیسیٰ الحلی نے کی ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔

مارپیٹ میں سے ہر ایک میں فقہاء کے نزدیک تفصیل ہے، جو درج ذیل ہے:

الف- وعظ:

۱۴- وعظ یہ ہے کہ اطاعت کی صورت میں جو ثواب ملے گا اور مخالفت کی صورت میں جو سزا ہوگی اس کو اس انداز سے ذکر کیا جائے کہ اطاعت کو قبول کرنے اور برائی سے پرہیز کرنے کے لئے دل نرم پڑ جائے۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی کی بیوی ناشزہ ہو یا اس کے نشوز کی علامات ظاہر ہوں تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو وعظ و نصیحت کرے، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَاللَّائِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ“ (اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو تو انہیں نصیحت کرو)۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ جن حالات میں وعظ مشروع ہے ان میں وعظ و نصیحت کرنا مندوب ہے، حنفیہ و مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر عورت عملی طور پر ناشزہ ہو تو اس کا شوہر وعظ و نصیحت کرے گا، شافعیہ و حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر زوجہ کے نشوز کی علامات ظاہر ہوں تو شوہر اس کو نصیحت کرے گا۔

فقہاء نے کہا ہے کہ اس کو نرمی و مہربانی سے سمجھائے گا، مثلاً اس سے کہے گا: نیک، صالح اور دیانت دار عورت بنو، ایسی ویسی مت بنو، اس کو کتاب اللہ کے ذریعہ نصیحت کرے گا، اللہ تعالیٰ نے عورت پر شوہر کے ساتھ حسن صحبت اور حسن معاشرت کو واجب قرار دیا ہے اس کو یاد دلائے گا، اس مقام کو یاد دلائے گا جو شوہر کا بیوی پر ہوتا ہے اور اس کو مار پیٹ اور نفاقہ کے ساقط ہونے کی صورت میں دنیا کی سزا سے اور عذاب کے ذریعہ آخرت کی سزا سے ڈرائے گا، اور اس سے کہے گا

نشوز ۱۵

کہ اس سے وطی نہیں کرے گا اور اپنے بستر پر اس کے ساتھ نہیں سوئے گا، ایک قول یہ ہے کہ اس سے اس طرح قطع تعلق کرے گا کہ اس کے ساتھ اپنے سونے کی حالت میں اس سے بات نہیں کرے گا، اس سے وطی کرنا اور اس کے ساتھ سونا ترک نہیں کرے گا، اس لئے کہ یہ ان دونوں کے درمیان مشترک حق ہے تو اس صورت میں جو ضرر زوجہ کو ہوگا وہ اس کو بھی ہو جائے گا، لہذا اس کی تادیب اس طرح نہیں کرے گا کہ اپنے کو نقصان پہنچائے اور اپنا حق بھی باطل ہو جائے، ایک قول یہ ہے کہ خواب گاہ میں اس کو الگ کر دے گا اور اس کی باری اور اس کے حق میں دوسری بیوی کو ساتھ سلائے گا، اس لئے کہ باری میں شوہر پر بیوی کا حق، حدود اللہ کی حفاظت اور موافقت کی حالت میں ہے، ضائع کر دینے کی حالت میں نہیں ہے، ایک قول ہے کہ اس طرح قطع تعلق کرے گا کہ جس وقت زوجہ پر شہوت کا غلبہ ہو اور اس کو ساتھ لیٹنے اور جماع کی ضرورت ہو اس وقت اس کے ساتھ نہ لیٹے اور اس سے وطی نہ کرے، جس وقت خود شوہر کو ضرورت ہو اس وقت قطع تعلق نہ کرے، اس لئے کہ یہ زجر اور تادیب کے لئے ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کی تادیب کرے نہ کہ اپنی ضرورت کے وقت اس کے ساتھ لیٹنے کو ترک کر کے خود اپنے کو سزا دے (۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ قطع تعلق یہ ہے کہ اس کے خواب گاہ کو چھوڑ دے یعنی خواب گاہ میں اس سے الگ رہے، ایک بستر پر اس کے ساتھ نہ سوئے، ہو سکتا ہے کہ جس مخالفت پر وہ اتر آئی ہے، اس سے لوٹ جائے، اس کو ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے، ابن العربی نے اس کو مختار کہا ہے اور قرطبی نے اس کی تحسین کی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک پسندیدہ قطع تعلق کی حد ایک ماہ ہے، چار ماہ تک قطع تعلق نہیں کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے ایلاء کرنے والے کے

اس کو توڑ دو گے، اور اگر اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اس میں کجی کے رہتے ہوئے فائدہ اٹھا لو۔

فقہاء نے کہا ہے کہ اگر وعظ و نصیحت سے اطاعت اور ادب کرنے لگے تو خواب گاہ میں علیحدگی اور مار پیٹ کرنا حرام ہوگا (۱)۔

ب- ہجر (خواب گاہ میں علیحدگی):

۱۵- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی کی بیوی ناشزہ ہو تو خواب گاہ میں اس سے الگ ہو کر اس کی تادیب کر سکتا ہے، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَ اَهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ“ (۲) (اور انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو)۔

مشروع قطع تعلق کیسے ہوگا اور اس کی آخری حد کیا ہوگی اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو وعظ و نصیحت کرے تو اگر نصیحت اس میں اثر کر جائے اور وہ نشوز کو ترک کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے قطع تعلق کر لے گا ایک قول یہ ہے کہ پہلے اس کو تعلق توڑ لینے اور اس سے الگ ہو جانے اور وطی اور ساتھ سونے کو ترک کرنے کی دھمکی دے گا، پھر اگر وہ نشوز ترک کر دے تو بہتر ہے ورنہ اس سے قطع تعلق کرے گا، ہو سکتا ہے کہ وہ قطع تعلق اور خواب گاہ میں علیحدگی انگیز نہ کر سکے۔

پھر قطع تعلق کی کیفیت کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے اس طرح قطع تعلق کرے گا

(۱) بدائع الصنائع ۳/۲۳۳، حاشیۃ الدسوقی علی شرح الدرریر ۳/۳۳۳، تفسیر القرطبی ۱۷/۱۷۱، الأم ۱۱۲/۵، مغنی المحتاج ۳/۲۵۹، حاشیۃ القلیوبی ۳/۳۰۵، حاشیۃ الشرقاوی علی شرح التحریر ۲/۲۸۵، کشف القناع ۲۰۹/۵

(۲) سورۃ نساء ۳۴

(۱) بدائع الصنائع ۳/۳۳۳

نشوز ۱۶

لئے وقت مقرر کیا ہے (۱)۔

”فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا“ (۱) (پھر اگر وہ تمہاری

اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو)۔

حنا بلہ نے کہا ہے کہ اگر عورت نشوز ظاہر کرے تو اس کا شوہر

جب چاہے خواب گاہ میں اس سے قطع تعلق کر لے اس لئے کہ ارشاد

ربانی ہے: ”وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ“، حضرت ابن عباسؓ

نے کہا ہے کہ تو اس کو اپنے بستر پر نہیں سلائے گا، نبی کریم ﷺ نے

اپنی ازواج مطہرات سے قطع تعلق کر لیا تھا تو ایک ماہ تک ان کے

پاس نہیں گئے (۲)، اور بات کرنے میں ان سے تین دنوں تک قطع

تعلق رکھا اس سے زیادہ نہیں (۳)، اس کی وجہ حضرت ابو ہریرہؓ کی

سابقہ حدیث ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”ہجر“۔

ج- ضرب (مارنا):

۱۶- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ زوجہ کے نشوز پر اس کا شوہر جن

چیزوں کے ذریعہ اس کی تادیب کرے گا ان میں سے ایک

مار پیٹ کرنا بھی ہے (۴)، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَاللَّاتِي

تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ

وَاصْرُبُوهُنَّ“ (۵) (اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم

رکھتے ہو تو انہیں نصیحت کرو اور انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور

انہیں مارو)۔

(۱) سورۃ نساء/۳۴۔

(۲) حدیث: ”ہجر رسول اللہ ﷺ نساء ہ.....“ کی روایت بخاری (فتح

۲۷۹/۲) اور مسلم (۱۱۱۳/۲) نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے کی ہے۔

(۳) کشاف القناع/۵/۲۰۹۔

(۴) بدائع الصنائع/۲/۳۳۴، الشرح الکبیر/۲/۳۳۳، نہایۃ الحاجج/۶/۳۸۳،

کشاف القناع/۵/۲۰۹۔

(۵) سورۃ نساء/۳۴۔

شافی نے کہا ہے کہ اگر بیوی نشوز اختیار کرے تو اس کا شوہر

اس کو وعظ و نصیحت کرے پھر خواب گاہ میں اس سے قطع تعلق کر لے

اس لئے کہ عورتوں کی تادیب میں یہ بہت موثر ہے، لیکن بات کرنے

میں قطع تعلق تین دنوں سے زیادہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث

میں ہے: ”لا يحل للمؤمن أن يهجر أخاه فوق ثلاثة

أيام“ (۲) (کسی مؤمن کے لئے جائز نہیں ہے کہ تین دنوں سے زیادہ

اپنے بھائی سے قطع تعلق رکھے)، البتہ اگر اس کو واپس لانے اور اس

کے دین کی اصلاح مقصود ہو تو جائز ہے، اس لئے کہ قطع تعلق۔ اگر

داغی ہو اور زوجین کے علاوہ کے درمیان ہو۔ کسی شرعی غرض کی وجہ

سے جائز ہے، مثلاً فسق، بدعت، ایذاء رسانی، زجر اور اصلاح کی وجہ

سے جائز ہے۔

قطع تعلق سے مراد یہ ہے کہ اس کا بستر چھوڑ دے گا، اس میں

اس کے ساتھ نہیں سوئے گا، ایک قول یہ ہے کہ وطی ترک کر دے گا،

ایک قول یہ ہے کہ اس کے ساتھ سخت کلامی کرے گا۔

ابن حجر اہلبیت نے کہا ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک اس کی کوئی

حد مقرر نہیں ہے، اس لئے کہ یہ زوجہ کی اصلاح حال کے لئے ہے تو

جب تک اس کی اصلاح نہ ہوگی اس سے قطع تعلق برقرار رہے گا

اگرچہ چند سال گذر جائیں، اور جب اس کی اصلاح ہو جائے گی تو

قطع تعلق باقی نہیں رہ جائے گا (۳)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) مواہب الجلیل/۱۵/۴، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدرستی/۲/۳۳۳، تفسیر القرطبی

۱۷۱/۵، ۱۷۲، الشرح الصغیر/۲/۵۱۱۔

(۲) حدیث: ”لا يحل للمؤمن.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری

۱۰/۴۹۲) اور مسلم (۱۹۸۴/۴) طبع عیسیٰ الحلبی نے ابو ایوبؓ سے کی ہے،

الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۳) مغنی الحاجج/۳/۲۵۹، القلیوبی/۳/۳۰۶، الزواجر/۲/۴۳۔

نشوز ۱۶

دہ یا خوفناک مار پیٹ کے بغیر باز نہ آئے اور نشوز ترک نہ کرے تو سخت تکلیف دہ مار پیٹ وغیرہ کے ذریعہ اس کی تادیب کرنا شوہر کے لئے جائز نہ ہوگا، در دیر نے کہا ہے کہ سخت تکلیف دہ مار پیٹ کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ یہ علم ہو کہ اس کے بغیر وہ نشوز سے باز نہیں آئے گی، اگر وہ شوہر ایسا کرے تو عورت کو اس سے طلاق اور قصاص لینے کا حق ہوگا^(۱)۔

شافعیہ اور حنابلہ نے مارنے کی کیفیت میں تفصیل کی صراحت کی ہے۔

چنانچہ شافعیہ نے کہا ہے کہ شوہر اپنی اس بیوی کو جس کا نشوز ثابت ہو جائے اس کے چہرے اور نازک مقامات پر نہیں مارے گا، ابن حجر^{لہتمی} نے کہا ہے کہ حدیث میں چہرہ پر مارنے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ معاویہ القشیری[ؓ] سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ما حق زوجة أحدنا عليه؟ قال: أن تطعمها إذا طعمت، وتكسوها إذا اكتسبت أو اكتسبت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر إلا في البيت“^(۲) (اے اللہ کے رسول! ہماری بیوی کا حق ہم پر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو اس کو کھلاؤ اور جب تم کپڑا پہنویا فرمایا کہ جب تم کماؤ تو اس کو کپڑا پہناؤ، چہرہ پر نہ مارو، اس کو برا نہ کہو اور صرف گھر میں قطع تعلق کرو)، اور پتمی نے کہا ہے کہ صرف گھر میں

(۱) بدائع الصنائع ۲/۳۳۳، تفسیر القرطبی ۵/۱۷۲، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۲/۳۳۳، مواہب الجلیل ۲/۱۵، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۳، مغنی المحتاج ۳/۲۶۰، حاشیۃ الشرقاوی علی شرح التخریر ۲/۲۸۶، الزواجر عن اقتراف الکبائر ۲/۴۳، کشف القناع ۵/۲۰۹۔

(۲) حدیث معاویہ القشیری: ”ما حق زوجة أحدنا“ کی روایت ابوداؤد (۲/۶۰۶ طبع حمص)، احمد (۵/۳ طبع البیہمیہ) اور حاکم (۲/۱۸۸) نے کی ہے، الفاظ ابوداؤد کے ہیں، حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

فقہاء کے نزدیک مارنے کی کیفیت اور اس کو عمل میں لانے کے لئے کن شرائط کا ہونا ضروری ہے اس کے بارے میں تفصیل ہے۔

اگر عورت ناشزہ ہو تو مشروع تادیب کی مار میں فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ مار پیٹ خون نکالنے والی نہ ہو، (مبرج) نہ سخت تکلیف دہ ہو، نہ عیب پیدا کرنے والی ہو، نہ خوفناک ہو، یعنی نہ ہڈی توڑے نہ زخمی کرے جیسے مکا مارنا وغیرہ، اس لئے کہ مقصد صرف اصلاح کرنا ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ ضرب مبرج یہ ہے کہ عرف میں اس کو زیادہ تکلیف دہ سمجھا جائے یا جس سے جان یا عضو کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو یا بہت زیادہ عیب پیدا کر دے یا بہت سخت ہو یا اس کا اثر بہت زیادہ ہو، بعض فقہاء نے کہا ہے کہ غالباً وہ ”برح الخفاء“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ظاہر ہونا ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اتقوا الله في النساء فإنكم أخذتموهن بأمان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولكم عليهن أن لا يوطئن فرشكم أحدا تكرهونه فإن فعلن فاضربوهن ضربا غير مبرح“^(۱) (عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کے امان کے ساتھ لیا ہے، اور تم نے اللہ کے کلمہ کے ذریعہ اس کی شرم گاہ حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے آدمی کو ہرگز نہ بٹھائیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مارو جو سخت تکلیف دہ (مبرج) نہ ہو)۔

مالکیہ اور شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ ناشزہ اگر سخت تکلیف

(۱) حدیث: ”اتقوا الله في النساء.....“ کی روایت مسلم (۲/۸۸۹، ۸۹۰، طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے کی ہے۔

نشوز ۱

بیوی کے نشوز کی وجہ سے اس کی تادیب کے لئے مارنا جائز ہو تو بھی اس کے لئے بہتر ہے کہ معاف کر دے اس لئے کہ حق اس کا ہے اور اس کی مصلحت کے لئے ہے، شافیعیہ نے کہا ہے کہ مارنے کو بالکل چھوڑ دینا ہی افضل ہے، حنابلہ نے کہا ہے کہ محبت کو باقی رکھنے کے لئے اس کو نہ مارنا ہی بہتر ہے^(۱)۔

نشوز کی وجہ سے عورت کو مارنے کے بارے میں مالکیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مارنے کا حکم صراحت کے ساتھ صرف یہاں دیا ہے۔ یعنی نشوز کی وجہ سے تادیب کے لئے مارنا۔ اور بڑے حدود میں دیا ہے، گویا شوہر کے حق میں ان کے نشوز کو کبیرہ گناہوں کے برابر قرار دیا ہے۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ یہاں اور اس غلام کے علاوہ جو اپنے آقا کا حق ادا کرنے سے گریز کرے کہیں بھی حق ادا نہ کرنے والے کو مارنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے^(۲)۔

کیا ضرب کے مشروع ہونے کے لئے نشوز کی تکرار شرط ہے؟
۱۔ عورت کو مارنے کے لئے نشوز کی تکرار کے شرط ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ ناشزہ بیوی کے نشوز کے ثابت ہوجانے پر اس کی تادیب کے لئے مارنا مشروع ہے خواہ نشوز تکرار کے بغیر پہلی بار ہو، ارشاد ربانی سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے:
”وَاللَّائِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي

مارے گا (باہر نہیں مارے گا)، اس کے بدن پر الگ الگ مارے گا، ایک ہی جگہ مسلسل نہیں مارے گا تاکہ ضرر زیادہ نہ ہو جائے، انہوں نے کہا ہے کہ آزاد عورت کی مارچالیس کوڑے سے کم اور باندی کی مارچالیس کوڑے سے کم ہوگی^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ چہرہ پر اس کے اکرام کی وجہ سے نہیں مارے گا، پیٹ اور نازک مقامات پر قتل کے اندیشہ سے نہیں مارے گا اور زینت کے مواقع پر نہیں مارے گا تاکہ بدنمائی نہ ہو، دس کوڑا یا اس سے کم مارے گا^(۲)۔

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا يجلد أحد فوق عشرة أسواط إلا في حد من حدود الله“^(۳) (حدود اللہ میں سے کسی حد کے علاوہ میں کوئی آدمی دس کوڑا سے زیادہ نہ مارے)۔

شافعیہ نے کہا ہے جو ان کے نزدیک معتد قول ہے اور حنابلہ کا راجح مذہب ہے کہ اگر کسی کی بیوی ناشزہ ہو تو اس کو حق ہے کہ کوڑا یا چھڑی سے مار کر اس کی تادیب کرے مگر مارا جیسی ہو جو سخت تکلیف دہ، خون نکالنے والی اور عیب پیدا کرنے والی نہ ہو۔

مالکیہ، بعض شافیعیہ اور حنابلہ نے کہا ہے کہ اس کو مسواک وغیرہ یا لپیٹے ہوئے رومال یا ہاتھ سے مار کر اس کی تادیب کرے گا، کوڑا، لاٹھی یا لکڑی سے نہیں مارے گا اس لئے کہ مقصود تادیب ہے^(۴)۔

شافعیہ اور حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اگر شوہر کے لئے اپنی

(۱) روضة الطالبین ۷/۳۶۸، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۳، مغنی المحتاج ۳/۲۶۰، الزواجر عن اقتراف الکبائر ۲/۴۳۔

(۲) کشف القناع ۵/۲۱۰، ۲۰۹۔

(۳) حدیث: ”لا يجلد أحد فوق عشرة أسواط“ کی روایت مسلم (۲/۱۳۳۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے ابو بردہ انصاریؓ سے کی ہے۔

(۴) تفسیر القرطبی ۵/۱۷۳، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۳، کشف القناع ۵/۲۱۰، ۲۰۹۔

(۱) روضة الطالبین ۷/۳۶۸، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۳، حاشیۃ الشرقاوی علی شرح التقریر ۲/۲۸۶، الزواجر عن اقتراف الکبائر ۲/۴۳، کشف القناع ۵/۲۱۰۔

(۲) تفسیر القرطبی ۵/۱۷۳، حاشیۃ الشرقاوی علی شرح التقریر ۲/۲۸۶، مغنی المحتاج ۳/۲۶۰۔

نشوز ۱۸

اس کی تادیب میں اور اس کو نشوز سے باز رکھنے میں مارنا مفید ہوگا، لہذا اگر اس کو غالب گمان ہو کہ مارنا مفید نہ ہوگا تو ایسی صورت میں اس کے لئے اس کو مارنا جائز نہ ہوگا، بلکہ حرام ہوگا اس لئے کہ یہ بلا ضرورت سزا دینا ہے^(۱)۔

زرکشی نے یہ قید لگائی ہے کہ شوہر اپنی ناشزہ بیوی کو نشوز سے اس کو روکنے کے لئے اور اس کی تادیب کے لئے اس وقت مار سکتا ہے جب کہ دونوں کے درمیان عداوت نہ ہو ورنہ اس کی تادیب کے لئے معاملہ کو قاضی کے ہاں پیش کرنا متعین ہے^(۲)۔

تادیب کی مار میں ضمان:

۱۸- جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ کسی آدمی کا اپنی بیوی کے نشوز کی وجہ سے اس کو مارنا- ان قیود کے ساتھ جن کی صراحت ان کے نزدیک ہے- محض تادیب کے لئے مارنا ہے جس کا مقصد صرف اصلاح ہے کچھ اور نہیں ہے، اگر اس کے نتیجہ میں کچھ ضائع ہو جائے یا ہلاک ہو جائے تو تاوان و ضمان واجب ہوگا، کیونکہ یہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ ضائع کرنے والی مارتھی، اصلاح کی مار نہیں تھی، مارنے کی وجہ سے جان یا عضو یا منفعت جو بھی ضائع ہو شوہر اس کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ تادیب کی مار میں انجام کی سلامتی کی شرط ہے۔

حنا بلہ کی رائے ہے کہ اگر ناشزہ عورت، اس کے نشوز پر تادیب کے لئے شوہر کی مشروع مار کی وجہ سے تلف ہو جائے تو شوہر پر ضمان نہیں ہوگا اس لئے کہ شوہر کو شرعاً اس مار کی اجازت ہے^(۳)۔

الْمَصَاجِعِ وَاصْبِرْ يُوْهُنَ“^(۱) (اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو تو انہیں نصیحت کرو اور انہیں خوابگا ہوں میں تنہا چھوڑ دو اور انہیں مارو)، اس کی تقدیر یہ ہے کہ جن عورتوں کے نشوز کا تم کو علم ہو جائے ان کو وعظ و نصیحت کرو، پھر اگر نافرمانی کریں تو سونے میں ان سے قطع تعلق کرو اور ان کو مارو، یہاں خوف علم کے معنی میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ”فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا“^(۲) (البتہ جس کسی کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بد عنوانی یا گناہ کا علم ہو جائے)، اس کو اس کے ظاہر پر باقی رکھنا زیادہ بہتر ہے، نیز اس لئے کہ گناہوں کی سزائیں تکرار اور عدم تکرار کی وجہ سے الگ الگ نہیں ہوتی ہیں، جیسا کہ حدود میں ہے۔

رافعی، ابو حامد اور محاملی وغیرہ فقہاء شافعیہ نے اس بات کو راجح کہا ہے، اور یہی حنا بلہ میں سے خرقی کے کلام کا ظاہر ہے کہ اگر زوج کا نشوز ثابت ہو جائے، مگر اس میں تکرار نہ ہو اور اس پر اس کا اصرار کرنا بھی ظاہر نہ ہو تو اس کو مارنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ جنایت تکرار کے ذریعہ مؤکد نہیں ہوتی ہے، نیز اس لئے کہ مقصد مستقبل میں اس کو معصیت سے روکنا ہے، اس طرح کے معاملہ میں آسان سزا سے ابتدا کی جاتی ہے^(۳)۔

مالکیہ اور شافعیہ نے ناشزہ کو مارنے کے مشروع ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ شوہر کو یقین ہو یا غالب گمان ہو یا گمان ہو کہ

(۱) سورہ نساء/ ۳۴۔

(۲) سورہ بقرہ/ ۱۸۲۔

(۳) بدائع الصنائع ۲/ ۳۳۳، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۲/ ۳۳۳، روضۃ الطالین ۷/ ۳۶۹، مغنی المحتاج ۲/ ۲۵۹، ۲۶۰، شرح المنہاج مع القلیوبی ۳۰۵، شرح المنہاج مع الجمل ۲/ ۲۸۹، شرح التخریر مع الشرفاوی ۲/ ۲۸۵، المغنی ۷/ ۳۶۷۔

(۱) مواہب الجلیل ۱۵/ ۴، نہایۃ المحتاج ۶/ ۳۸۳، مغنی المحتاج ۳/ ۲۶۰۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۶/ ۳۸۳، مغنی المحتاج ۳/ ۲۶۰۔

(۳) تمییز الحقائق ۲/ ۲۱۱، فتح القدر ۲/ ۲۱۸، البحر الرائق ۵/ ۵۳، تفسیر القرطبی ۵/ ۱۷۲، مواہب الجلیل ۱۵/ ۴، روضۃ الطالین ۷/ ۳۶۸، حاشیۃ الشرفاوی علی شرح التخریر ۲/ ۲۸۶، کشف القناع ۵/ ۲۱۰۔

مرا داس سے ترتیب کے ساتھ جمع ہونا ہے اور واؤ میں اس کی گنجائش ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ اس کا طریقہ تمام لوگوں کے حق میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طریقہ کی طرح ہے کہ حکم دینے والی بات میں سختی کے بغیر پہلے نرمی و مہربانی سے نصیحت کرے گا، اگر قبول کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ بات میں سختی کرے گا، اگر قبول کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سلسلہ میں اپنا ہاتھ کھولے گا^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ شوہر ناشزہ بیوی کو نصیحت کرے گا پھر اگر وعظ مفید نہ ہو تو خواب گاہ میں قطع تعلق کر لے گا پھر اگر قطع تعلق بھی مفید نہ ہو تو اس کے لئے اس کو مارنا جائز ہو جائے گا، دوسری حالت کی طرف اس وقت تک منتقل نہ ہوگا جب تک کہ یہ گمان نہ ہو جائے کہ پہلی حالت سے فائدہ نہیں ہوا ہے، مار کے علاوہ والی صورت اختیار کر سکتا ہے اگر چہ اس سے فائدہ ہونے کا گمان نہ ہو۔ یعنی اس کو شک ہو کہ ہو سکتا ہے کہ مفید ہو۔ اگر فائدہ نہ ہونے کا یقین ہو تو وہ صورت اختیار نہ کرے گا، مارنا صرف اس وقت جائز ہوگا جب کہ اس کے مفید ہونے کا گمان ہو، اس لئے کہ مارنا سخت عمل ہے، دسوتی نے کہا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ اگر نصیحت کے مفید ہونے کا یقین یا گمان یا شک ہو تو شوہر اپنی بیوی کو نصیحت کرے گا، اگر اس کو یقین یا گمان ہو کہ وعظ و نصیحت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تو اگر یقین ہو یا گمان ہو یا شک ہو کہ قطع تعلق مفید ہوگا تو قطع تعلق کرے گا، اگر اس کو یقین یا گمان ہو کہ قطع تعلق مفید نہ ہوگا تو اگر یقین یا گمان ہو کہ مار سے فائدہ ہوگا تو اس کو مارے گا، اگر مار کے مفید ہونے میں شک ہو تو نہیں مارے گا^(۲)۔

تادیب میں ترتیب:

۱۹- آیت کریمہ کے مطابق زوجہ کی تادیب میں شوہر پر ترتیب کے لازم ہونے میں فقہاء حنفیہ و مالکیہ کی رائے اور یہی حنبلیہ کے نزدیک راجح مذہب ہے اور یہی شافعیہ کے یہاں بھی ایک رائے ہے کہ عورت کے نشوز کی وجہ سے اس کی تادیب اس ترتیب کے مطابق ہوگی جو آیت میں مذکور ہے، پہلے وعظ و نصیحت کرے گا پھر قطع تعلق کرے گا پھر اس کے بعد مار پیٹ کرے گا اس بارے میں ان کے یہاں کچھ تفصیل ہے۔

چنانچہ حنفیہ نے کہا ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی کے نشوز کی وجہ سے اس کی تادیب کا حق ہے، مگر ترتیب کے مطابق ہی تادیب کر سکتا ہے، پہلے اس کو مہربانی اور نرمی کے ساتھ نصیحت کرے گا، اگر اس میں نصیحت اثر کر جائے تو بہتر ہے ورنہ اس سے قطع تعلق کرے گا، ایک قول ہے کہ پہلے اس کو قطع تعلق کر لینے، اس سے الگ ہو جانے اور جماع اور ساتھ سونے کو چھوڑ دینے کی دھمکی دے گا، اگر نشوز چھوڑ دے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے قطع تعلق کر لے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ قطع تعلق کو برداشت نہ کرے، اس پر اگر وہ نشوز کو چھوڑ دے تو ٹھیک ورنہ اس کو مارے گا، اگر مارنے سے فائدہ ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرے گا۔

اصل اس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَاللَّائِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاصْبِرْ لِهِنَّ“^(۱) (اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو تو انہیں نصیحت کرو اور انہیں خواب گاہوں میں تہا چھوڑ دو اور انہیں مارو)، آیت کا ظاہر اگرچہ واؤ کے ساتھ ہے جو جمع کے لئے وضع کیا گیا ہے لیکن

(۱) بدائع الصنائع ۲/۳۳۴۔

(۲) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوتی ۲/۳۳۴۔

(۱) سورہ نساء/۳۴۔

نشوز ۲۰

نووی نے کہا ہے کہ رافعی نے ”المحرز“ میں عدم جواز کو راجح کہا ہے، مگر قرآن کے ظاہر کے موافق جواز ہے اور یہی مختار ہے۔
سوم: نشوز کی تکرار ہو اور زوجہ اس پر اصرار کرے تو شوہر کو قطع تعلق کرنے اور مارنے کا حق ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تینوں مراتب میں یہی معتمد طریقہ ہے، ابن کج نے ایک قول نقل کیا ہے کہ ظاہر آیت کی وجہ سے نشوز کے علم کے وقت قطع تعلق کرنا اور مارنا جائز ہے، الحناطی نے نشوز کے ظاہر ہونے کی حالت میں تین اقوال نقل کیا ہے، اول: شوہر کو نصیحت کرنے، قطع تعلق کرنے اور مارنے کا حق ہے، دوم: ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرے گا ان کو جمع نہیں کرے گا، سوم: اس کو نصیحت کرے گا، اگر وہ نصیحت قبول نہ کرے تو قطع تعلق کرے گا اس پر بھی بازنہ آئے تو مارے گا^(۱)۔

نشوز کے بارے میں زوجین کا اختلاف:

۲۰- اگر نشوز کے واقع ہونے میں زوجین کے درمیان اختلاف ہو تو ان دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے۔

چنانچہ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر شوہر اور بیوی کے درمیان نشوز کے وقوع اور عدم وقوع میں اختلاف ہو جائے، شوہر نشوز کا دعویٰ کرے، زوجہ اس کا انکار کرے، اور شوہر کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو اور زوجہ اس کے گھر میں ہو تو عدم نشوز کے بارے میں عورت کی قسم کے ساتھ اس کی بات تسلیم کی جائے گی، ابن عابدین نے لکھا ہے کہ اگر فی الحال نشوز کے بارے میں اختلاف ہو تو یہ ظاہر ہے، لیکن اگر مثلاً گذشتہ ماہ میں اس کے نشوز کی وجہ سے اس ماہ کے مقرر کردہ نفقہ کے ساقط ہونے کا دعویٰ کرے تو بھی بظاہر زوجہ کا قول ہی معتبر

حنا بلہ نے کہا ہے اور یہی راجح مذہب ہے کہ اگر زوجہ کی طرف سے نشوز کی علامات ظاہر ہوں تو شوہر اس کو نصیحت کرے گا، اگر وہ اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لوٹ آئے تو قطع تعلق کرنا اور مارنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ جس وجہ سے قطع تعلق کرنا اور مارنا جائز ہوتا ہے وہ وجہ باقی نہیں رہی، اگر وہ نشوز پر مصر رہے تو خواب گاہ میں جب تک چاہے اس سے قطع تعلق کرے گا، البتہ بات کرنے میں تین دنوں سے زیادہ قطع تعلق نہیں کرے گا اگر قطع تعلق کے بعد بھی بازنہ آئے اور نشوز پر برقرار رہے تو شوہر کو حق ہے کہ فراش میں قطع تعلق کے بعد اور تین دنوں تک بات چیت بند رکھنے کے بعد اس کو مار پیٹ کرے^(۱)۔

شافعیہ کی رائے اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ شوہر آیت میں مذکور تادیب کے طریقوں میں سے جس طریقہ سے چاہے بیوی کی تادیب کر سکتا ہے، ترتیب کی رعایت ضروری نہیں ہے۔

نووی نے کہا ہے کہ زوجہ کی تادیب کے تین درجات ہیں:
اول: زوجہ کی طرف سے قول یا فعل میں نشوز کی علامات پائی جائیں مثلاً پہلے نرمی سے بات کرتی تھی اب سخت کلامی پر اتر آئے یا پہلے بشارت اور نرم خوئی سے بات کرتی تھی اور اب اعراض اور ترش روئی سے بات کرنے لگے تو اس مرتبہ میں اس کو نصیحت کرے گا، نہ مارے گا نہ قطع تعلق کرے گا۔

دوم: اس کا نشوز ثابت و متحقق ہو جائے، مگر مکرر نہ ہو اور نشوز پر اس کا اصرار بھی ظاہر نہ ہو تو اس کو نصیحت کرے اور اس سے قطع تعلق بھی کرے گا، لیکن اس مرتبہ میں اس کو مارنا جائز ہے یا نہیں، دو اقوال ہیں: شیخ ابو حامد اور محاملی نے عدم جواز کو راجح کہا ہے اور صاحب المہذب اور صاحب الشامل نے جواز کو ترجیح دی ہے۔

(۱) روضة الطالین ۷/۳۶۸، ۳۶۹، المغنی ۷/۳۶۶، الإناصاف ۸/۳۷۷۔

(۱) کشاف القناع ۵/۲۰۹۔

نشوز ۲۱

ہے کہ شوہر کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ اس بارے میں شریعت نے اس کو ذمہ دار بنایا ہے اور اس طرح کے مسائل میں ذمہ دار کا قول معتبر ہوتا ہے، البتہ عورت کے کسی حق کے ساقط کرنے کے سلسلہ میں شوہر کا قول معتبر نہ ہوگا، یہ اس صورت میں ہے کہ شوہر کا ظلم و ستم معروف نہ ہو، ورنہ اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، بلکہ زوجہ کی تصدیق کی جائے گی، الشرحاوی نے شوہر کی تصدیق میں اس کی قسم کی قید لگائی ہے^(۱)۔

حنا بلہ نے صراحت کی ہے کہ زوجہ کی رخصتی کے اعتراف کے بعد اس کے نشوز میں زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو زوجہ کا قول معتبر ہوگا، اس لئے کہ اصل نشوز کا نہ ہونا ہے^(۲)۔

شوہر کا نشوز یا اس کا اعراض کرنا:

۲۱- زوجہ کی طرف سے شوہر کی بے رغبتی کی وجہ سے اگر زوجہ کو اپنے شوہر سے نشوز یا اعراض کا اندیشہ ہو، خواہ یہ بے رغبتی عورت کے کسی مرض کی وجہ سے ہو یا بڑھاپا یا بد صورتی کی وجہ سے ہو یا کسی دوسری وجہ سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ زوجہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ کر شوہر کی رضامندی حاصل کرے، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وان امرأة خافت من بعلها نشوزا أو اعراضا فلا جناح عليهما أن يصلحا بينهما صلحا“^(۳) (اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے التفاتی کا اندیشہ ہو تو اس میں ان کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں ایک خاص طریق پر صلح کر لیں)، نیز اس لئے کہ اس آیت کے بارے میں

ہوگا، اس لئے کہ وہ اپنے اوپر رجوع کے حق کا انکار کر رہی ہے، اور اگر زوجہ دعویٰ کرے کہ وہ شوہر کی اجازت سے اس کے گھر سے نکل کر اپنے میکہ گئی ہے اور شوہر اس کا انکار کرے یا زوجہ کا نشوز ثابت ہو جائے پھر وہ دعویٰ کرے کہ مثلاً اس کے ایک ماہ کے بعد اس نے اس کو وہاں ٹھہرے رہنے کی اجازت دے دی تو کیا عورت کا قول معتبر ہوگا یا نہیں؟ مجھے یہ مسئلہ کہیں نظر نہیں آیا، بظاہر اس کا قول معتبر نہ ہوگا اس لئے کہ نفقہ کو ساقط کرنے والا سبب ثابت ہے^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر زوجہ عذر کی وجہ سے وطی یا استمتاع سے منع کرنے کا دعویٰ کرے اور شوہر اس کی تکذیب کرے تو زوجہ دو عورتوں کی شہادت سے اس کو ثابت کرے گی، یہ اس عذر کے بارے میں ہے جس کی اطلاع مردوں کو نہ ہو سکے، جس عذر کی اطلاع مردوں کو ہو سکتی ہے اس میں دو مردوں کی شہادت ضروری ہوگی جیسے بلا اجازت زوجہ کا گھر سے نکل جانا، اگر شوہر کہے کہ اس نے مجھ کو وطی کرنے سے روک دیا اور عورت کہے کہ میں نے منع نہیں کیا ہے، بلکہ رکاوٹ اسی کی طرف سے ہے تو شوہر کا قول معتبر نہ ہوگا، اس لئے کہ نفقہ کے بارے میں عورت کا حق ساقط کرنے میں وہ متہم ہوگا۔

انہوں نے کہا ہے کہ اگر شوہر زوجہ کو مارے، زوجہ ظلم کا دعویٰ کرے اور شوہر تادیب کا دعویٰ کرے تو عورت کا قول معتبر ہوگا، اور اس وقت قاضی اس ظلم پر شوہر کی تعزیر کرے گا، بشرطیکہ شوہر نیکی میں معروف نہ ہو، ورنہ شوہر کا قول معتبر ہوگا^(۲)۔

شافعیہ میں سے صاحب مغنی المحتاج نے کہا ہے کہ اگر شوہر زوجہ کو مارے اور دعویٰ کرے کہ نشوز کے سبب مارا ہے، اور زوجہ عدم نشوز کا دعویٰ کرے تو اس میں دو احتمال ہیں، میرے خیال میں قوی یہ

(۱) مغنی المحتاج ۳/۲۶۰، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۳، الشرحاوی ۲/۲۸۶، تحفۃ المحتاج ۷/۴۵۵۔

(۲) کشف القناع ۵/۴۷۵۔

(۳) سورۃ نساء ۱۲۸۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۲/۶۳۶، ۶۳۷۔

(۲) شرح الزرقانی ۴/۲۵۱، حاشیۃ الدرستی ۲/۳۴۳، مواہب الجلیل ۴/۱۵۔

نشوز ۲۱

رہتے ہوئے یہ ساقط نہیں ہو سکتا ہے اور وہ سبب عقد نکاح ہے (۱)۔
مالکیہ میں سے قرطبی نے کہا ہے کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ
اس معاملہ میں صلح کی تمام اقسام جائز ہیں، اس طرح کہ عورت کے
صبر کرنے پر شوہر اس کو کچھ دے، یا عورت اس کو کچھ دے اس لئے کہ
شوہر اس کو اختیار کرے (اور نکاح میں رکھے) یا اس لئے کہ شوہر اس
کو رکھے اور اس کی عصمت کی حفاظت کرے یا کچھ دے بغیر صبر
کرنے اور رشتہ باقی رکھنے پر صلح ہو جائے، یہ سب جائز ہے (۲)۔
شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی پر ظلم نہ کرے، صرف اس
کے بڑھاپے یا مرض وغیرہ کی وجہ سے اس سے صحبت کو ناپسند کرے
اور اس سے اعراض کرے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، عورت کے لئے
بہتر ہوگا کہ شوہر کی پسند کے مطابق اس کی توجہ اپنی طرف کرے مثلاً
اپنے بعض حقوق چھوڑ کر اس کو راضی کرے، جیسا کہ حضرت سودہؓ کو
جب اندیشہ ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کو طلاق دے دیں گے تو
انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کے حق میں چھوڑ دی (۳)، اسی
طرح اگر مذکورہ بالا اعذار کی وجہ سے زوجہ شوہر کی صحبت کو ناپسند کرے
تو شوہر کے لئے مناسب ہوگا کہ زوجہ کی پسند کے مطابق نفقہ وغیرہ
میں اضافہ کرے اس کی توجہ اپنی طرف کرے (۴)۔

حنا بلہ نے کہا ہے کہ اگر عورت بڑھاپا، مرض یا بد صورتی کی وجہ
سے اپنی طرف سے شوہر کے اعراض یا نشوز کا اندیشہ محسوس کرے اس
لئے اپنے بعض یا کل حقوق سے اس کو بری کر دے، اور اس کے ذریعہ

(۱) أحكام القرآن للجصاص ۲/۲۸۳۔

(۲) القرطبی ۵/۴۰۳، ۴۰۵۔

(۳) حدیث: "أن سورة تروکت نوبتها لعائشة رضی اللہ عنہا....." کی
روایت ترمذی (۲۴۹/۵) نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے اور اس کو حسن
کہا ہے، اسی طرح ابن حجر نے الإصابہ (۷/۲۰۷) میں اس کو حسن
قرار دیا ہے۔

(۴) حاشیہ الشرقاوی علی شرح التحریر ۲/۲۸۶، مغنی المحتاج ۳/۲۶۱۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ کسی آدمی کے پاس کوئی عورت ہوتی،
وہ اس سے رغبت نہیں رکھتا، وہ اس کو الگ کر دینا چاہتا تو عورت کہتی
تھی میں اپنے معاملہ میں تم کو بری کرتی ہوں، تو اس کے بارے میں
یہ آیت نازل ہوئی (۱)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے
پاس چند بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری مقرر کرنا واجب ہے اور
اگر صرف ایک ہی بیوی ہو تو اس کے پاس رہنا واجب ہے، ان کی
دلیل یہ ہے کہ کعب بن سور نے حضرت عمرؓ کی موجودگی میں فیصلہ کیا کہ
زوجہ کو چار دنوں میں ایک دن کا حق ہے تو حضرت عمرؓ نے اس فیصلہ کو
پسند کیا اور ان کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا، اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا
ہے کہ کوئی عورت باری میں اپنا حق چھوڑ دے اور اپنے علاوہ کسی
دوسری بیوی کو دے دے، آیت کے عموم کا تقاضا ہے کہ مہر، نفقہ، باری
اور نکاح کی وجہ سے واجب ہونے والے تمام حقوق کے ترک پر
زوجین کا آپس میں صلح کر لینا جائز ہے، البتہ زوجہ کے لئے صرف
ماضی میں واجب شدہ نفقہ کو ساقط کرنا جائز ہوگا، مستقبل میں اس سے
بری کرنا صحیح نہ ہوگا، اسی طرح اگر وطی سے بری کر دے تو اس کا بری
کرنا صحیح نہ ہوگا، اور شوہر سے اپنے اس حق کے مطالبہ کا حق اس کو ہوگا
یعنی خوش دلی سے نفقہ کے مطالبہ کو اور اپنے پاس رہنے کے مطالبہ کو تو
چھوڑ دینا درست ہے، لیکن اس سے بری کر دینے کی وجہ سے مستقبل
میں اس کا ساقط کرنا جائز نہ ہوگا، اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ باری یا وطی
میں اپنا حق چھوڑنے پر شوہر عورت کو عوض دے، اس لئے کہ یہ باطل
طریقہ پر مال کا کھانا ہے، یا یہ ایسا حق ہے جس کا عوض شوہر سے لینا
جائز نہیں ہے، اس لئے کہ جس سبب سے یہ واجب ہوتا ہے اس کے

(۱) أثر عائشة: "الرجل تكون عنده المرأة....." کی روایت بخاری (فتح
الباری ۸/۲۶۵ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

نشوز ۲۲

حکم دے گا کہ زوجہ کو نیک پڑوسیوں کے درمیان رکھے، اور اگر وہ لوگ عورت کی بات کی تائید نہ کریں تو قاضی اس کو وہیں برقرار رکھے گا، دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم نہیں دے گا^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر شوہر کسی شرعی سبب کے بغیر مار پیٹ یا گالی گلوچ وغیرہ کے ذریعہ بیوی پر ظلم کرے اور بینہ یا اقرار سے ثابت ہو جائے تو حاکم پہلے نصیحت پھر دھمکی کے ذریعہ شوہر کی تنبیہ کرے گا، اگر نصیحت کرنے پر باز نہ آئے تو اگر مارنے سے فائدہ کی امید ہو تو اس کو مارے گا ورنہ نہیں مارے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ عورت اس کے ساتھ رہنا چاہے، اور اگر ظلم ثابت نہ ہو تو صرف نصیحت کرے گا مارے گا نہیں^(۲)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر شوہر عورت کے کسی حق کو روک لے مثلاً باری اور نفقہ کو اور عورت اس سے اپنا حق وصول نہ کر سکے اور قاضی سے مطالبہ کرے تو قاضی شوہر پر اس کی ادائیگی کو لازم قرار دے گا، عورت کے نشوز کا حکم اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ شوہر اس کو اپنے حق کے ادا کرنے کے لئے مجبور کر سکتا ہے، کیونکہ وہ اس پر قادر ہے، اگر شوہر مکلف نہ ہو یا مجبور علیہ (شرعی پابندی کے تحت) ہو تو اس کے ولی پر اس کی ادائیگی کو لازم قرار دے گا۔

اگر زوجہ کے ساتھ بدخلقی سے پیش آئے اور بلاوجہ مار پیٹ وغیرہ کے ذریعہ اس کو ایذا پہنچائے تو قاضی اس کو اس سے منع کرے گا، سزا نہیں دے گا اور اگر وہ دوبارہ ایسی حرکت کرے اور عورت قاضی سے اس کی تعزیر کا مطالبہ کرے تو عورت پر اس کے ظلم کرنے کی وجہ سے اس کو مناسب سزا دے گا، صرف پہلی مرتبہ میں تعزیر نہیں کرے گا اگرچہ قیاس کا تقاضا ہے کہ عورت کے مطالبہ پر یہ جائز ہو، سبکی نے کہا

(۱) بدائع الصنائع ۲۳/۲۳۔

(۲) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۲/۳۴۳۔

اس کو راضی کرے تو جائز ہے، اس لئے کہ وہ اس کا حق ہے اور وہ اس کو ساقط کرنے پر راضی ہوگئی ہے، اور اگر چاہے تو مستقبل میں رجوع کر سکتی ہے، مگر ماضی میں واجب شدہ حق کو ساقط کرنے کے بعد اس میں رجوع نہیں کر سکتی ہے، اگر دونوں کوئی شرط لگائیں جو نکاح کے منافی نہ ہو تو یہ شرط لازم ہوگی ورنہ لازم نہ ہوگی، لہذا اگر عورت اپنے شوہر سے نفقہ یا باری کے کچھ حصہ یا کل کے چھوڑنے پر صلح کر لے تو جائز ہے پھر اگر رجوع کرے تو اس کا حق بھی اس کو ہے، امام احمد نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسری جگہ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اگر تم اس پر راضی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تم کو اختیار ہے اور عورت کہتی ہے کہ میں راضی ہوں تو یہ جائز ہے، پھر اگر چاہے تو رجوع کر سکتی ہے^(۱)۔

شوہر کا ظلم کرنا:

۲۲- فقہاء کی رائے ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر ظلم کرے تو حاکم یا قاضی اس کو اس سے باز رکھے گا۔

جمہور فقہاء نے صراحت کی ہے کہ قاضی یا حاکم کو حق ہے کہ شوہر کی تعزیر کرے، اس کے بعد ان کے یہاں کچھ تفصیل ہے:

حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر زوجہ شوہر کے گھر میں ہو اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا رہنے والا نہ ہو، پھر عورت قاضی سے شکایت کرے کہ شوہر اس کو مارتا اور ایذا پہنچاتا ہے، تو قاضی اس کے پڑوسیوں سے پوچھے گا، اگر وہ لوگ عورت کی بات کی تائید کریں، اور وہ نیک لوگ ہوں تو قاضی شوہر کی تادیب کرے گا اور اس کو اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دے گا، اور اس کے پڑوسیوں کو حکم دے گا کہ اس کی تفتیش کرتے رہیں، اور اگر پڑوسی نیک لوگ نہ ہوں تو قاضی شوہر کو

(۱) کشف القناع ۲۱۱/۵، المغنی ۷/۴۸۔

زوجین میں سے ہر ایک کا دوسرے پر ظلم کرنا: ۲۳- فقہاء کی رائے ہے کہ اگر زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے خلاف دعویٰ کرے کہ اس نے اس پر ظلم کیا ہے تو ان دونوں کا معاملہ قاضی کے یہاں پیش کیا جائے گا، وہ غور و فکر کرے گا اور ایسا حکم دے گا جس سے ظلم دور ہو جائے اور ظلم کرنے والا باز آجائے ورنہ شقاق میں غور کرنے اور دونوں کے درمیان اصلاح حال کی کوشش کرنے کے لئے دو حکم مقرر کرے گا، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر زوجین میں اختلاف ہو، شوہر نشوز کا دعویٰ کرے اور زوجہ اس کے خلاف اس کے ظلم اور اپنے حقوق میں اس کی کوتاہی کا دعویٰ کرے، اس وقت حاکم شوہر کے خاندان سے ایک حکم اور عورت کے خاندان سے ایک حکم بھیجے گا، یہ دونوں زوجین کے درمیان معاملہ میں غور و فکر کے ذمہ دار ہوں گے، ان کے بارے میں ان کو جو واقفیت ہوگی اس سے حاکم کو باخبر کریں گے، دونوں حکم صرف اس لئے بھیجے جائیں گے کہ وہ زوجین میں سے جو ظالم ہو اس کو نصیحت کریں اور اس کے ظلم پر نکیر کریں، اور یہ بات حاکم کو بتائیں تاکہ وہ خود مواخذہ کرے^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر زوجین میں سے ہر ایک کا دوسرے پر ظلم کرنا حاکم کے نزدیک ثابت ہو جائے تو دونوں کو نصیحت کرے گا پھر اپنے اجتہاد سے دونوں کو مارے گا، اور اگر اس کے نزدیک ثابت نہ ہو تو صرف نصیحت کرے گا، اور اگر وہ نیک لوگوں کے درمیان نہ ہو تو اس کو نیک لوگوں کے درمیان رکھے گا، اور اگر شروع ہی سے نیک لوگوں کے درمیان ہو تو ان لوگوں کو حکم دے گا کہ وہ زوجین کے حالات پر نظر رکھیں تاکہ علم ہو سکے کہ ان میں سے کس نے ظلم کیا ہے اور اگر معاملہ واضح نہ ہو تو حاکم دونوں کے خاندان سے ایک ایک حکم بھیجے گا^(۲)۔

ہے کہ یہ شاید اس لئے ہے کہ زوجین میں اکثر بدخلقی ہوتی رہتی ہے، اگر بدخلقی پر سزا دی جائے تو دونوں کے درمیان نفرت میں اضافہ ہی ہوگا، اس لئے پہلی بار صرف منع کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا، ہو سکتا ہے کہ دونوں کے درمیان حالات اچھے ہو جائیں اگر دوبارہ ظلم کرے گا تو اس کو سزا دے گا، اور اس کو ایسے ثقہ لوگوں کے پڑوس میں رکھے گا جو شوہر کو بیوی پر ظلم کرنے سے باز رکھ سکیں۔

غزالی نے کہا ہے کہ دونوں کو الگ کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ ظلم سے باز آجائے، اور عدل کے بارے میں شوہر کے قول پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا بلکہ عورت کے قول پر اور حالات و قرآن کی شہادت پر بھروسہ کیا جائے گا۔

امام نے تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ اگر حاکم کو اس کے ظلم کا گمان ہو لیکن اس کے نزدیک ثابت نہ ہو سکے تو دونوں کو الگ الگ رکھنا جائز نہ ہوگا، اور اگر اس کو یقین ہو یا اس کے نزدیک ثابت ہو جائے اور شوہر کے جری ہونے کی وجہ سے اندیشہ ہو کہ وہ زوجہ کو بہت تکلیف دہ مار پیٹ کرے گا تو دونوں کو الگ کر دے گا یہاں تک کہ اس کے عادل ہونے کا گمان ہو جائے، اس لئے کہ اگر دونوں کو الگ نہیں کرے گا بلکہ صرف تعزیر پر اکتفاء کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس کو کوئی ایسا ضرر پہنچا دے جس کی تلافی ممکن نہ ہو^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر زوجین میں شقاق واقع ہو تو حاکم غور کرے گا اگر اس کو یہ محسوس ہو کہ یہ زوجہ کی جانب سے ہے تو یہ نشوز ہے اور اگر یہ واضح ہو کہ شوہر کی جانب سے ہے تو دونوں کو کسی ثقہ کے پڑوس میں رکھے گا جو شوہر کو بیوی پر ظلم کرنے اور اس کو ضرر پہنچانے سے روکے گا^(۲)۔

(۱) مغنی المحتاج ۳/۲۶۰، ۲۶۱۔

(۲) المغنی ۷/۴۸، کشاف القناع ۵/۲۱۰۔

(۱) أحكام القرآن للجصاص ۲/۱۹۰، ۱۹۳۔

(۲) الشرح الکبیر للردیروحاہیۃ الدسوقی ۲/۳۴۳، ۳۴۴۔

نشوز ۲۴

کرے گا، اگر دونوں میں سے ہر ایک کی طرف سے ظلم کرنا ظاہر ہو یا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر ظلم کرنے کا دعویٰ کرے تو دونوں کو ایسے شخص کے پڑوس میں رکھے گا جو دونوں کی نگرانی کرے اور دونوں پر انصاف کو لازم کرے، اگر یہ بہ سہولت میسر نہ ہو اور دونوں کے درمیان شرانتہا کو پہنچ جائے اور دونوں کے درمیان شقاق اور نافرمانی کا اندیشہ ہو تو حاکم ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم زوجہ کے خاندان سے بھیجے گا^(۱)۔

زوجین کے درمیان شقاق کی صورت میں حکم بنانا:

۲۴- فقہاء کی رائے ہے کہ اگر زوجین کا اختلاف بہت بڑھ جائے اور ان کے معاملہ میں اشکال ہو اور معلوم نہ ہو سکے کہ ان میں سے کس کا قصور ہے اور ان دونوں کے درمیان اس حد تک شقاق کا اندیشہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ معصیت و ظلم میں مبتلا ہو جائیں گے تو دونوں کے درمیان حکم بنانا مشروع ہے^(۲)، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا“^(۳) (اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش کا علم ہو تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو، اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بڑا علم رکھنے والا ہے، ہر طرح باخبر ہے)، اس آیت میں جو حکم دیا گیا ہے اس کی اتباع میں اس پر عمل کرتے ہوئے فقہاء نے زوجین کے درمیان

(۱) المغنی ۷/۳۸۔

(۲) بدائع الصنائع ۲/۳۳۴، مواہب الجلیل ۱۶/۴، الام ۵/۱۹۴، کشاف القناع ۵/۲۱۱، احکام القرآن للجصاص ۱۹۰/۲، تفسیر القرطبی ۵/۱۷۸۔

(۳) سورۃ نساء ۳۵۔

شافیہ نے کہا ہے کہ اگر زوجین میں سے ہر ایک کہے کہ دوسرے نے اس پر ظلم کیا ہے اور دونوں کے درمیان معاملہ واضح نہ ہو تو قاضی دونوں کے درمیان پیش آنے والے حالات کسی ثقہ کے ذریعہ معلوم کرے گا جو ان دونوں کی حقیقت حال سے واقف اور ان دونوں کا پڑوسی بھی ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو دونوں کو کسی ثقہ کے پڑوس میں رکھے گا جو ان کے حالات پر نگاہ رکھے گا، اور جو کچھ اس کو معلوم ہوگا قاضی تک پہنچائے گا، اور جب قاضی کو ان کا حال معلوم ہو جائے گا تو ان میں سے ظالم کو دوبارہ ظلم کرنے سے روکے گا، شوہر کے بارے میں اس کا طریقہ وہی ہوگا جو ”تعدی الزوج“ (شوہر کا ظلم کرنا) کے عنوان میں ابھی گزرا ہے اور زوجہ کے بارے میں دوسری عورتوں کی طرح زجر و تادیب کرے گا۔

یہاں ایک ثقہ پر اس لئے اکتفاء کیا گیا ہے کہ اس کو روایت کے درجہ میں رکھا گیا ہے اس لئے کہ اس پر بینہ قائم کرنا دشوار ہے، الشربینی انخطیب نے کہا ہے بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثقہ کے لئے شہادت والا عادل ہونا شرط نہیں ہے بلکہ روایت والا عادل کافی ہے، اسی وجہ سے زرکشی نے کہا ہے کہ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس شخص کی خبر پر ضمیر مطمئن ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ اس کا تعلق شہادت سے نہیں ہے بلکہ خبر سے ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ اگر دونوں کے درمیان شقاق سخت ہو جائے کہ اختلاف اور عداوت برابر جاری رہے، آپس میں گالی گلوں اور مار پیٹ ہمیشہ ہوتی رہے اور یہ بہت زیادہ ہو جائے تو قاضی ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے بھیجے گا^(۱)۔

حنا بلہ نے کہا ہے کہ اگر زوجین میں شقاق ہو جائے تو حاکم غور

(۱) مغنی الصحیح ۳/۶۱۳۔

نشوز ۲۵-۲۷

فریقین کے درمیان غور و فکر کریں گے، اور ظلم و تعدی سے باز رکھ سکیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ خطاب اولیاء کو ہے اور ایک قول یہ ہے کہ خطاب زوجین کو ہے، لہذا اولیاء اور زوجین کو شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے حکمین بنانے کا اختیار ہوگا، اور ان دونوں کا فیصلہ ان دو حکم کے فیصلہ کی طرح ہوگا جن کو اس کام کے لئے قاضی نے مقرر کیا ہو^(۱)۔

جمہور فقہاء مالکیہ و شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ حکمین کو بھیجنا قاضی یا حاکم پر واجب ہے اس لئے کہ حکمین کو بھیجنے کی آیت محکم غیر منسوخ ہے، لہذا اس پر عمل کرنا واجب ہوگا، نیز اس لئے کہ اس کا تعلق دفع ظلم سے ہے اور یہ قاضی کے عام فرائض میں داخل ہیں، شریبنی خطیب نے کہا ہے کہ ”زیادة الروضة“ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، ماوردی نے اس کو یقینی کہا ہے، اذری نے کہا ہے کہ ”الأم“ کی صراحت سے بظاہر وجوب معلوم ہوتا ہے۔

الأم کی عبارت یہ ہے کہ امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر زوجین اپنے خوف ناک شقاق کو حاکم کے سامنے پیش کریں تو اس پر واجب ہوگا کہ ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے بھیجے^(۲)۔

ج- حکمین کا زوجین کے خاندان سے ہونا:

۲- شافعیہ و حنابلہ نے کہا ہے کہ حکمین کا زوجین کے خاندان سے ہونا مستحب ہے واجب نہیں ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ حکمین دونوں

(۱) احکام القرآن للجصاص ۱۹۰/۲، تفسیر القرطبی ۱۷۵/۵، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳۴۲/۲، مغنی المحتاج ۲۶۱/۳، المغنی ۳۸/۷۔

(۲) جواہر الإکلیل ۳۲۸/۱، نہایۃ المحتاج ۳۸۵/۶، مغنی المحتاج ۲۶۱/۳، الأم ۱۹۳/۵۔

شقاق کی صورت میں حکم بنانے کو مشروع قرار دیا ہے۔

فقہاء نے چند مسائل میں زوجین کے درمیان حکم بنانے کے احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

الف- وہ حالات جن میں حکمین بھیجے جائیں گے:

۲۵- فقہاء کی رائے ہے کہ زوجہ اگر ناشزہ ہو اور اس کو نشوز سے روکنے اور اس کی تادیب میں مار پیٹ یا روکنے اور تادیب کے جن وسائل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان میں کوئی مفید ثابت نہ ہو تو شوہر معاملہ قاضی کے یہاں پیش کرے گا تاکہ وہ دونوں کے پاس دو حکم بھیجے۔

اسی طرح اگر معاملہ مشکل ہو، معلوم نہ ہو سکے کہ قصور کس کا ہے، نیک لوگوں کے درمیان رکھنے کے بعد بھی اشکال باقی رہے، یا شروع ہی سے نیک لوگوں کے درمیان ہو یا نیک لوگوں کے درمیان رکھنا ممکن نہ ہو یا اختلاف، شقاق اور عداوت دونوں کے درمیان بہت بڑھ جائے، اور ہمیشہ ایک دوسرے کو گالی گلوں اور مار پیٹ کریں یہ بہت زیادہ ہو جائے اور ان کے درمیان شرانہاء کو پہنچ جائے اور اندیشہ ہو کہ دونوں معصیت میں مبتلا ہو جائیں گے تو قاضی حکمین کو بھیجے گا^(۱)۔

ب- حکمین کے بھیجنے کا مخاطب اور اس کا حکم:

۲۶- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا“^(۲) میں خطاب حکام اور امراء سے ہے، اس لئے کہ وہ لوگ

(۱) بدائع الصنائع ۳۳۴/۲، احکام القرآن للجصاص ۱۹۰/۲، تفسیر القرطبی ۱۷۵/۵، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۲۴۲/۲، مغنی المحتاج ۲۶۱/۳، المغنی ۳۸/۷، کشاف القناع ۲۱۱/۵۔

(۲) سورۃ نساء ۳۵۔

طرف نہ ہو۔

خاندان سے بھیجنے کی صورت میں اگر ممکن ہو تو دونوں کا پڑوسی ہونا زیادہ بہتر ہے، اگر ممکن نہ ہو تو دونوں اجنبی ہوں گے۔
قرطبی نے کہا ہے کہ اگر ان دونوں کے خاندان میں اس کام کی صلاحیت رکھنے والے نہ ہوں، تو دونوں کے خاندان کے باہر سے بھیجے گا^(۱)۔

جصاص نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کو شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم کو زوجہ کے خاندان سے ہونے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ اجنبی ہونے کی صورت میں کسی ایک کی جانبداری کی بدگمانی نہ ہو تو اگر ایک حکم شوہر کی طرف سے اور ایک حکم زوجہ کی طرف سے ہوگا تو بدگمانی نہیں رہے گی، ان میں سے ہر ایک اس کی طرف سے بات کرے گا جس نے اس کو مقرر کیا ہے^(۲)۔

د- حکمین کی شرطیں:

۲۸- فقہاء کی رائے ہے کہ حکمین میں عدالت اور نشوز کے احکام سے واقفیت شرط ہے، مرد ہونے اور آزاد ہونے کی شرط میں ان کے درمیان اختلاف ہے، یہ فی الجملہ ہے، فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے:

مالکیہ نے کہا ہے کہ حکمین کے لئے مرد ہونا، رشید (سوجھ بوجھ والا) ہونا، عادل ہونا اور جس چیز میں حکم بنائے گئے ہیں اس سے واقف ہونا شرط ہے، غیر عادل یعنی فاسق، بچا اور مجنون نکاح کے باقی رہنے کا یا بغیر مال کے طلاق کا یا خلع بالمال کا فیصلہ کریں گے تو ان کا فیصلہ باطل ہوگا، اور سفیہ۔ یعنی خواہشات میں فضول خرچی کرنے والا

کے خاندان سے ہوں، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا“ (تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو)، نیز اس لئے کہ یہ دونوں ان کے ہمدرد بھی ہوں گے اور حالات سے زیادہ باخبر بھی ہوں گے، لیکن جائز ہے کہ دونوں کے خاندان سے باہر کے ہوں اس لئے کہ حاکم یا وکیل میں رشتہ داری شرط نہیں ہے، لہذا اس کا حکم بطور استتباب و رہنمائی کے ہوگا^(۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر ممکن ہو تو حکمین زوجین کے خاندان سے ہوں گے ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم زوجہ کے خاندان سے ہوگا، اس لئے کہ رشتہ دار اندرونی امور سے زیادہ واقف و باخبر ہوتے ہیں اور زوجین کے حالات سے خوب واقف ہوں گے، اصلاح کے زیادہ خواہش مند ہوں گے، اور زوجین کے دل ان سے زیادہ مطمئن ہوں گے، لہذا ان زوجین کے دلوں میں جو کچھ پوشیدہ ہوگا، محبت یا بغض، علیحدہ ہو جانے یا ساتھ رہنے کا ارادہ حکمین کے سامنے ظاہر کر دیں گے، جہاں خاندان میں سے حکم بھیجنا ممکن ہو وہاں دو اجنبیوں کو بھیج دینا جائز نہ ہوگا، اگر ممکن ہونے کے باوجود اجنبیوں کو بھیج دے گا تو بظاہر ان کا فیصلہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ آیت کا ظاہر یہ ہے کہ خاندان سے ہونا اگر ممکن ہو تو واجب اور شرط ہے۔

اگر دونوں ایک ساتھ دونوں کے خاندان میں سے نہ ہوں، بلکہ صرف ایک ان میں سے ایک کے خاندان سے ہو اور دوسرا اجنبی ہو تو لختی نے کہا ہے کہ ان میں سے خاندان والے شخص کے ساتھ ایک اجنبی کو شامل کر دیا جائے گا، ابن الحاجب نے کہا ہے کہ دونوں کا اجنبی رہنا ضروری ہے، ان میں سے ایک کے رشتہ دار کو نہیں لیا جائے گا، دسوتی نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ رشتہ دار کا میلان رشتہ دار کی

(۱) تفسیر القرطبی ۱۷۵/۱، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۲/۳۴۴۔

(۲) احکام القرآن للجصاص ۱/۱۹۰۔

(۱) مفتی الحجّاج ۲۶۱/۳، المغنی ۷/۵۰، کشف القناع ۲۱۱/۵۔

ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے کہ اگر دونوں وکیل ہوں گے تو آزاد ہونا ضروری نہ ہوگا، اس لئے کہ غلام کو وکیل بنانا جائز ہے، اور اگر دونوں حاکم ہوں گے تو آزاد ہونا ضروری ہوگا اس لئے کہ حاکم کے لئے غلام ہونا جائز نہیں ہے، اور یہ ضروری ہے کہ نکاح کو برقرار رکھنے اور دونوں کے درمیان تفریق کرنے کے مسائل سے واقف ہوں، اس لئے کہ یہ دونوں اس میں تصرف کرتے ہیں، اس لئے دونوں کا اس سے واقف ہونا ضروری ہوگا^(۱)۔

۵۔ حکمین کی صفت اور ان دونوں کی صلاحیت:

۲۹- حنفیہ کی رائے اور یہی شافعیہ کے نزدیک اظہر قول ہے اور حنابلہ کے نزدیک صحیح مذہب ہے کہ حکمین زوجین کے وکیل ہیں، وہ دونوں زوجین کی رضامندی اور ان کے وکیل بنانے پر ہی بھیجے جاسکتے ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر تفریق نہیں کر سکیں گے^(۲)۔

مالکیہ نے کہا ہے اور یہی شافعیہ کے نزدیک اظہر قول کے بالمقابل ہے اور امام احمد سے دوسری روایت ہے کہ وہ دونوں حاکم ہیں، جو مصلحت سمجھیں گے کریں گے، زوجین ان کو وکیل بنائیں یا نہ بنائیں^(۳)۔

یہ فی الجملہ ہے، پھر ان میں سے ہر ایک کے نزدیک کچھ تفصیل ہے:

۳۰- حنفیہ نے کہا ہے کہ حکمین زوجین کے وکیل ہیں، ان میں ایک زوجہ کا وکیل ہے، دوسرا شوہر کا وکیل ہے، اسی طرح حضرت علیؑ سے

خواہ مذہب کے اعتبار سے مباح ہو۔ کا فیصلہ، عورت کا فیصلہ اور نشوز کے احکام سے ناواقف کا فیصلہ جب تک کہ جس چیز میں حکم بنایا گیا ہے علماء سے مشورہ نہ کر لے باطل ہے، اگر علماء کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کرے گا تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا^(۱)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ حکمین میں مکلف ہونا، مسلمان ہونا، آزاد ہونا، عادل ہونا اور جس کام کے لئے بھیجے گئے ہیں، اس کے مقصد تک رسائی شرط ہے، اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں: مذہب میں اظہر قول یہ ہے کہ وہ دونوں وکیل ہیں، اس کے بالمقابل دوسرا قول ہے کہ وہ دونوں حاکم ہیں، ان دونوں میں یہ تمام شرطیں اس وقت ہوں گی جب کہ ان کے وکیل ہونے کا قول اختیار کیا جائے، اس لئے کہ ان کی وکالت کا تعلق حاکم کے فیصلہ سے ہے جیسا کہ حاکم کے امین میں ان چیزوں کا ہونا شرط ہے، مذہب میں اظہر قول کے مطابق ان دونوں کا مرد ہونا شرط نہیں ہے، قلیوبی نے کہا ہے: دوسرے قول کے مطابق مندوب اور شرط ہوگی^(۲)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ حکمین صرف عاقل، بالغ، عادل، مسلمان ہی ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ یہ سب عدالت کی شرطیں ہیں، خواہ ہم کہیں کہ دونوں حاکم ہیں، یا کہیں کہ دونوں وکیل ہیں، اس لئے کہ وکیل اگر حاکم کے فیصلہ سے متعلق ہو تو اس کا عادل ہونا ضروری ہے، جیسا کہ اگر قاضی کسی بچے یا مفلس کے لئے وکیل مقرر کرے تو اس کا عادل ہونا ضروری ہے اور دونوں حکم مرد ہوں گے، اس لئے کہ اس میں رائے مشورہ کی ضرورت ہوگی، قاضی نے کہا ہے کہ دونوں کا آزاد ہونا شرط ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک غلام کی شہادت قابل قبول نہیں ہے، لہذا آزادی، عدالت کی ایک شرط ہوگی، ابن قدامہ نے کہا

(۱) المغنی ۷/۴۹، ۵۰۔

(۲) احکام القرآن للجصاص ۲/۱۹۰، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۵، الإصناف ۳۸۰/۸۔

(۳) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۲/۳۲۲، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۵، الإصناف ۳۸۱/۸۔

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۲/۳۲۲۔

(۲) مغنی المحتاج ۳/۲۶۱، حاشیۃ القلیوبی ۳/۳۰۷۔

ہوں گے، حالانکہ وہ دونوں خلع اور تفریق میں محض ان دونوں کے وکیل ہیں۔

انہوں نے کہا ہے کہ حکمین توکیل کے ذریعہ زوجین کی رضامندی کے بغیر تفریق کرنے کے مالک نہیں ہیں اور اس کے بغیر وہ حکمین بھی نہیں ہوں گے، پھر اس کے بعد وہ جو فیصلہ کریں گے جائز ہوگا، حکمین کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کریں اور عورت کی ملکیت سے مال کو نکال دیں حالانکہ ارشاد ربانی ہے: ”لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ“^(۱) (اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو مال تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو، ہاں بجز اس صورت کے کہ جب اندیشہ ہو کہ اللہ کے ضابطوں کو دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے، سو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ

رکھ سکو گے تو دونوں پر اس مال کے باب میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو عورت معاوضہ میں دے دے، نیز ارشاد ربانی ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ“^(۲) (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو)، ہر شخص کو دوسرے کا مال اس کی رضامندی کے بغیر کھانے سے منع کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ“^(۳) (اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ اسے حکام تک پہنچاؤ)، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حاکم وغیر حاکم سب اس میں

(۱) سورۃ بقرہ/۲۲۹۔

(۲) سورۃ نساء/۲۹۔

(۳) سورۃ بقرہ/۱۸۸۔

مروی ہے، چنانچہ ایک مرد اور اس کی بیوی جن دونوں کے درمیان شقاق (سخت اختلاف) تھا، حضرت علیؑ کے پاس آئے، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی تو حضرت علیؑ نے کہا کہ شوہر کے خاندان سے ایک حکم اور عورت کے خاندان سے ایک حکم بھیج دو، پھر حکمین سے کہا: جانتے ہو تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اگر دونوں کو ساتھ رکھنا مناسب سمجھو تو دونوں کو ساتھ رکھو اور اگر دونوں کو الگ رکھنا مناسب سمجھو تو دونوں کو الگ کر دو، عورت نے کہا: کتاب اللہ کے ذریعہ مجھ پر جو ذمہ داری آئے گی میں اس پر راضی ہوں، مرد نے کہا: کہ جدائی مجھے منظور نہیں ہے، تو حضرت علیؑ نے کہا: خدا کی قسم تو نے جھوٹ کہا ہے، عورت نے جس طرح اقرار کیا ہے اسی طرح جب تک اقرار نہیں کرو گے اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے، تو حضرت علیؑ نے بتایا کہ حکمین کا قول زوجین کی رضامندی سے ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ حکمین زوجین کی رضامندی کے بغیر ان کے درمیان تفریق نہیں کر سکتے، یہ اس لئے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر شوہر زوجہ کے ساتھ بدسلوکی کرنے کا اقرار کر لے تو دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی اور حکمین کی حکیم سے قبل حاکم اس کو زوجہ کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، اسی طرح اگر عورت نشوز کا اقرار کر لے تو حاکم اس کو خلع پر یا مہر کے لوٹانے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، اور جب ان دونوں کا حکم حکمین کے بھیجنے سے قبل ایسا ہے تو اسی طرح ان دونوں کے بعد دونوں کی طرف سے شوہر کی رضا اور اس کی توکیل کے بغیر طلاق واقع کرنا اور زوجہ کی رضامندی کے بغیر اس کی ملکیت سے مہر کو نکالنا جائز نہ ہوگا، اسی وجہ سے زوجین کی رضامندی کے بغیر دونوں کا خلع جائز نہیں ہے، نیز اس لئے کہ حاکم تفریق کا مالک نہیں ہے، تو حکمین کیسے اس کے مالک

نشوز ۳۱

گذر چکا۔ کہ حضرت علیؓ نے حکمین سے کہا: کیا جانتے ہو تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اگر تم دونوں الگ کرنا مناسب سمجھو تو الگ کر دو، تو اگر دونوں وکیل یا گواہ ہوتے تو ان سے یہ نہ کہتے کہ تم جانتے ہو تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ بلکہ کہتے کہ تم جانتے ہو کہ تم کو کس چیز کا وکیل بنایا گیا ہے؟

حکم جو طلاق واقع کریں گے وہ ایک سے زیادہ واقع نہ ہوگی اور ابتدا میں ان کے لئے ایک سے زیادہ طلاق واقع کرنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ ان کو جس اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے اس سے یہ الگ چیز ہے، لہذا شوہر کو حق ہوگا کہ زائد کر دے، الابی نے کہا ہے کہ المدونہ میں ہے کہ وہ دونوں ایک سے زائد طلاق کے ذریعہ تفریق نہیں کریں گے، اور وہ بائہ ہوگی اگر ایک سے زائد طلاق کا فیصلہ کریں گے تو وہ ساقط ہوگی۔

اگر ایک حکم ایک طلاق دے اور دوسرا حکم دو یا تین طلاق دے تو ایک طلاق لازم ہوگی، اس لئے کہ دونوں حکم ایک طلاق پر متفق ہیں۔

اگر دونوں حکم طلاق دے دیں اور ان کے درمیان اختلاف ہو کہ زوجہ کی طرف سے شوہر کے لئے مال کے ساتھ طلاق ہے یا مال کے بغیر طلاق ہے، اس طرح کہ ان میں سے ایک کہے کہ میں نے اس کو مال کے بدلہ میں طلاق دی ہے اور دوسرا کہے کہ میں نے اس کو بلا مال کے طلاق دی ہے، یا ان میں سے ایک کہے کہ ہم دونوں نے ایک ساتھ مال کے بدلہ میں طلاق دی ہے اور دوسرا کہے بلا مال کے طلاق دی ہے تو اگر زوجہ اپنے اوپر مال کو لازم نہ کرے گی تو شوہر پر بھی طلاق واجب نہ ہوگی، اور وہی حالت لوٹ آئے گی جو پہلے تھی اور اگر وہ اپنے اوپر مال کو لازم کرے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور وہ اس سے جدا ہو جائے گی۔

برابر ہیں کہ وہ کسی کا مال نہیں لے سکتے اور نہ دوسرے کو دے سکتے ہیں، لہذا اس سے ثابت ہوا کہ حاکم عورت کا مال لے کر اسے شوہر کو دینے کا مالک نہیں ہے اور شوہر کی رضا مندی اور توکیل کے بغیر اس کی طرف سے طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں ہے (۱)۔

۳۱۔ مالکیہ نے کہا ہے کہ حکمین کو زوجین کے درمیان تفریق کرنے کا حق ہے اور زوجین کے خلاف ان کا تفریق کر دینا جائز ہے، زوجین نے ان کو وکیل اس کا بنایا ہو یا نہ بنایا ہو، اور طلاق بائن ہوگی اگر چہ خلع نہ ہو، اس طرح کہ طلاق بلا عوض ہو اور نافذ ہوگی خواہ طلاق واقع کرنے کے بعد زوجین اس پر راضی نہ ہوں لیکن اس سے قبل زوجین کو جنہوں نے حاکم کے پاس معاملہ کو پیش کئے بغیر حکم بنایا ہے رجوع کا حق ہے، اور حکمین کا فیصلہ نافذ ہوگا اگر چہ حاکم اس پر راضی نہ ہو یا قاضی شہر کے فیصلہ کے خلاف ہو اور خواہ وہ دونوں حاکم کی طرف سے مقرر کردہ ہوں یا زوجین کی طرف سے مقرر کئے گئے ہوں، اس لئے کہ ان کا کام فیصلہ کرنا ہے، شہادت یا وکالت نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ”فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا“ (۲) (تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو)، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صراحت ہے کہ وہ دونوں قاضی ہیں وکیل اور گواہ نہیں ہیں، شریعت میں وکیل کے لئے الگ ایک نام اور اس کی ایک حقیقت ہے، اسی طرح شریعت میں حکم کے لئے الگ ایک نام اور اس کی حقیقت ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو واضح کر دیا ہے تو مناسب نہیں ہے کہ ایک کا معنی دوسرے کو پہنایا جائے، عبیدہ کے واسطے سے ابن سیرین کی حدیث میں مروی ہے۔ جس کا ذکر حنفیہ کے استدلال میں

(۱) احکام القرآن للجصاص ۲/۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲۔

(۲) سورۃ نساء ۳۵۔

شوہر کا حق ہے اور مال زوجہ کا حق ہے اور وہ دونوں سمجھدار ہیں، لہذا ان کے حق میں ان پر کسی دوسرے کو ولایت حاصل نہیں ہو سکتی اور اس لئے بھی کہ طلاق ولایت میں داخل نہیں ہوتی ہے، لہذا یہ کہ کسی کو ذمہ داری دی جائے، اور یہ قیاس سے باہر کی چیز ہے اسی وجہ سے حکمین کو بھیجنے میں زوجین کی رضامندی شرط ہے، لہذا اگر شوہر چاہے تو اپنے حکم کو طلاق کا اور خلع کا عوض قبول کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے، اور زوجہ اگر چاہے تو اپنے حکم کو خلع کے لئے عوض خرچ کرنے کا اور اس کے بدلہ طلاق قبول کرنے کا وکیل بنا سکتی ہے اور اگر حکمین دونوں کے درمیان تفریق کو مناسب سمجھیں تو دونوں کے درمیان تفریق کر سکتے ہیں۔

طلاق کے وکیل کے لئے خلع کا معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اگر اس میں مال کا فائدہ حاصل ہوگا تو رجعت کا حق ختم ہو جائے گا اسی طرح خلع کے وکیل کے لئے بلا عوض طلاق دینا جائز نہ ہوگا۔

اگر حکمین کی رائے میں اختلاف ہو جائے تو قاضی ان کی جگہ پر دوسرے دو آدمیوں کو بھیجے گا جو کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں گے اور اگر یہ دونوں بھی عاجز ہو جائیں تو قاضی زوجین میں سے ظالم کی تادیب کرے گا اور اس سے دوسرے کا حق وصول کرے گا۔

شافعیہ کے نزدیک اظہر کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ حکمین حاکم کی طرف سے مقرر کردہ حاکم ہیں، خطیب نے کہا ہے کہ ایک جماعت نے اس کو مختار کہا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں ان کو حکمین کہا ہے اور وکیل کو بس اجازت ہوتی ہے مگر حکم نہیں ہوتا ہے، اس قول کی بنیاد پر ان دونوں کو بھیجنے میں زوجین کی رضامندی شرط نہ ہوگی اور نکاح باقی رکھنے اور تفریق کر دینے میں جس میں یہ دونوں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کریں گے اگر شوہر کا حکم طلاق کو مناسب سمجھے اور زوجہ کا حکم اس سے متفق ہو تو دونوں خلع کریں گے

اور حکمین پر واجب ہے۔ جیسا کہ دسوقی نے کہا ہے۔ کہ جس حاکم نے ان کو بھیجا ہے اس کے پاس آئیں اور جو کچھ دونوں نے کہا ہے اس کی اطلاع اس کو دیں تاکہ وہ فیصلہ کرنے میں محتاط رہے، اور دونوں جب اس کو اطلاع کر دیں گے تو بغیر کسی رد و کد کے اس کو نافذ کرنا اس پر واجب ہوگا اگرچہ اس کے مذہب کے خلاف ہو یعنی کہے گا جو تم نے فیصلہ کیا ہے، میں وہی فیصلہ کرتا ہوں۔

اور اگر زوجین حاکم کے پاس معاملہ کو پیش کئے بغیر حکم مقرر کریں تو زوجین کے لئے تحکیم سے رجوع کر لینا جائز ہے تو اگر انہوں نے زوجین کے حالات کی پوری تحقیق نہ کی ہو اور طلاق کا حکم دینے کا عزم نہ کر لیا ہو تو دونوں معزول ہو جائیں گے لیکن اگر انہوں نے پوری تحقیق کر لی ہو اور فیصلہ کا عزم کر لیا ہو تو تحکیم سے ان میں سے کسی کے رجوع کرنے کا اعتبار نہ ہوگا اور دونوں جو فیصلہ کریں گے زوجین پر لازم ہوگا، خواہ دونوں میں سے ایک نے رجوع کیا ہو یا دونوں نے ایک ساتھ رجوع کر لیا ہو، اس کا ظاہر یہ ہے کہ خواہ دونوں زوجیت پر باقی رہنے پر راضی ہوں، یہی موازیہ کا ظاہر ہے، ابن یونس نے کہا ہے کہ اگر دونوں نکاح کے باقی رہنے پر راضی ہوں تو ان کے درمیان تفریق کرنا مناسب نہ ہوگا۔

در دیر نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حکمین حاکم کی طرف سے مقرر کئے گئے ہوں تو زوجین کو حق نہ ہوگا کہ ان کو تحکیم سے علیحدہ کر دیں اگرچہ حکمین نے زوجین کے حالات کی پوری تحقیق نہ کی ہو (۱)۔

۳۲۔ شافعیہ نے کہا ہے کہ اظہر قول کے مطابق حکمین زوجین کے وکیل ہیں، اس لئے کہ حالات کے نتیجے میں جدائی ہو سکتی ہے، بضع

(۱) تفسیر القرطبی ۱۷۶۵، ۱۷۷۷، جواہر الإطلیل ۳۲۹/۱، ۳۳۰، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدر سوتی ۳۲۴/۲، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷۔

کا وکیل نہیں بنایا گیا ہے، البتہ صرف عورت کے وکیل کو خصوصیت سے خلع کے بارے میں حق ہے، لہذا عورت کی طرف سے اس کا بری کر دینا صحیح ہوگا، اس لئے کہ خلع عوض کے بغیر صحیح نہیں ہوتا ہے، عورت کا خلع میں وکیل بنانا معاوضہ میں اجازت دینا ہے اور اس میں سے ابراء بھی ہے۔

اور اگر ہم کہیں کہ وہ دونوں حاکم ہیں تو وہ دونوں طلاق اور خلع میں سے جو مناسب سمجھیں گے کریں گے اور ان کا فیصلہ زوجین پر نافذ ہوگا، خواہ دونوں اس فیصلہ سے راضی ہوں یا انکار کریں^(۱)۔

و- ایک حکم کی تقرری:

۳۴- شقاق (سخت اختلاف) کی حالت میں زوجین کے درمیان ایک حکم کو مقرر کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے: مالکیہ نے کہا ہے کہ زوجین کو حق ہے کہ حاکم کے پاس معاملہ کو پیش کئے بغیر ایک آدمی کو حکم مقرر کریں جو عادل، رشید (سوجھ بوجھ والا)، مرد اور جس کام کے لئے بھیجا گیا ہے اس سے واقف ہو، اصلاح یا مال کے بدلہ یا بغیر مال کے طلاق دینے کا کام جس طرح دو حکم کریں گے ایسے ہی یہ ایک حکم بھی کرے گا۔

اگر مجوز زوجین (پابند تصرفات زوجین) پر ان کے اولیاء ایک حکم مقرر کریں جو عادل، رشید، مرد اور واقف کار ہو اور دونوں کے اعتبار سے اجنبی ہو تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، لُحی نے کہا ہے کہ یہ جائز ہوگا، باجی نے کہا ہے جائز نہ ہوگا، اظہر- جیسا کہ دسوقی نے کہا ہے۔ جواز کا قول ہے، ایک حکم بنانے کے عدم جواز کے قول کے مطابق بھی اگر بنا دیا جائے اور وہ کوئی فیصلہ کر دے تو اس کا فیصلہ نہیں توڑا جائے گا^(۲)۔

اگر چیز زوجین اس پر راضی نہ ہوں^(۱)۔

۳۳- حنا بلہ کے نزدیک حکمین کے بارے میں امام احمد سے روایت مختلف ہے۔

ان سے ایک روایت میں ہے کہ وہ دونوں زوجین کے وکیل ہیں، ان کی رضامندی اور توکیل کے بغیر ان کو نہیں بھیجا جائے گا اور ان دونوں کی اجازت کے بغیر وہ تفریق کے مالک نہ ہوں گے اس لئے کہ بضع شوہر کا حق ہے، اور مال زوجہ کا حق ہے اور وہ دونوں سمجھدار ہیں اس لئے ان کے علاوہ کسی کو ان پر ولایت یا ان کی طرف سے وکالت کے بغیر اس میں تصرف کا حق نہ ہوگا، یہی روایت صحیح مذہب ہے جیسا کہ مرداوی نے کہا ہے۔

دوسری روایت ہے کہ وہ دونوں حاکم ہیں اور ان کو حق ہے کہ نکاح کو باقی رکھنے بعوض تفریق کرنے اور بلا عوض تفریق کرنے میں جو مناسب سمجھیں کریں، وہ زوجین کی رضامندی اور ان کی توکیل کے محتاج نہیں ہیں، اس لئے کہ ارشادِ بانی ہے: "فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا" (تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو)، چنانچہ ان دونوں کو حکم کہا ہے اور زوجین کی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا ہے پھر کہا ہے: "ان یریدا اصلاحا" اس کے ذریعہ حکمین سے خطاب کیا ہے۔

حنا بلہ نے کہا ہے کہ اگر ہم کہیں کہ دونوں وکیل ہیں تو جب تک شوہر اپنے وکیل کو طلاق یا صلح میں سے جو مناسب سمجھے اس کی اجازت نہ دے دے اور زوجہ خلع اور صلح میں جس کو مناسب سمجھے اس کی اجازت نہ دے دے وہ دونوں وکیل کچھ نہیں کر سکتے ہیں اور حکمین کی طرف سے بری کر دینے کا عمل صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ ان دونوں کو اس

(۱) الإلصاف ۸/۳۸۰، ۳۸۱، المغنی ۷/۵۰، ۴۹، کشاف القناع ۵/۲۱۱۔

(۲) الشرح الکبیر والدسوقی ۲/۳۲۶، مواہب الجلیل ۴/۱۸۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/۲۶۱، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۵، شرح المحلی وحاشیۃ القلیوبی

نشوز ۳۵

کو دوسرے سے کیا شکایت ہے اور اس سے کہے کہ اگر تم اس کے ساتھ رہنا چاہو اور اس کو پسند کرو تو ہم اس کو تمہارے ساتھ کر دیں گے۔

اگر اصلاح ممکن نہ ہو تو حکمین غور و فکر کریں گے، اگر واضح ہو جائے کہ قصور شوہر کا ہے، تو خلع کے بغیر دونوں طلاق دے دیں گے یعنی شوہر کے لئے زوجہ سے مال نہیں لیں گے اس لئے کہ ظلم اسی کی طرف سے ہے۔

اور اگر قصور زوجہ کا ہو تو دونوں شوہر کو زوجہ کا امین بنائیں گے اور اس کو اس کے نکاح میں برقرار رکھیں گے، اگر دونوں اس کو مناسب سمجھیں گے اور شوہر کو صبر کرنے اور حسن معاشرت کا حکم دیں گے یا اگر شوہر علیحدگی کو پسند کرنے یا دونوں کو یقین ہو کہ زوجہ اس کے ساتھ اچھی طرح نہیں رہے گی تو مناسب مال کی مقدار پر خلع کر دیں گے اگر چہ مال کی مقدار مہر سے زیادہ ہو۔

اور اگر دونوں کا قصور ہو اور اصلاح حال ناممکن ہو اور زوجہ شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو تو کیا حکمین پر خلع کے بغیر طلاق دے دینا واجب ہے، یا ان کو حق ہے کہ زوجہ کی طرف سے شوہر کو کچھ دلا کر خلع کر دیں؟ خلیل نے کہا ہے اور یہی اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ خلع کر دیں گے، المدونہ کے اکثر شارحین کی رائے بھی یہی ہے، الشہر ختی نے کہا ہے کہ بلا خلع کے طلاق دیں گے یہی اکثر فقہاء کی رائے ہے۔

الآبی نے ابن عرفہ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ علیحدگی کے طریقہ کے بارے میں عبارتیں مختلف ہیں، باجی نے کہا ہے کہ اگر قصور زوجین کا ہو تو حکمین مہر کے بعض حصہ پر تفریق کریں گے شوہر کو پورا مہر نہیں دلوائیں گے، بعض اہل علم کی یہی رائے ہے، محمد نے اشہب سے یہی نقل کیا ہے، محمد کہتے ہیں کہ ارشاد بانی: ”فَلَا جُنَاحَ

شافیہ کے نزدیک مٹی نے کہا ہے کہ ایک حکم کافی نہ ہوگا بلکہ دو کا ہونا ضروری ہے، ہر فریق کا حکم تنہائی میں اس سے ملے گا اور اس کی تمام شکایات سننے کا پھر دونوں حکم زوجین کے معاملہ میں غور کریں گے۔

خطیب نے کہا ہے کہ مصنف - نووی - کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ ایک حکم پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا، اور یہی اصح ہے، اس لئے کہ آیت کا ظاہر یہی ہے، نیز اس لئے کہ زوجین میں سے ہر ایک اس کو تمہ سمجھے گا اور اپنا راز اس سے ظاہر نہیں کرے گا^(۱)۔

ز۔ حکمین کو کیا کرنا چاہئے:

۳۵- فقہاء کی رائے ہے کہ حکمین کو زوجین کے درمیان صلح کرانے کی اپنی طاقت بھر کوشش کرنی چاہئے، اگر وہ صلح کرانے سے عاجز رہیں تو معاملہ حاکم کے سامنے پیش کریں یا زوجین کے درمیان تفریق کر دیں، یہ فی الجملہ ہے، اس میں فقہاء کے نزدیک تفصیل ہے:

حنفیہ نے کہا ہے کہ حکمین کو زوجین کے درمیان صلح کرانے کے لئے ان کے پاس بھیجا جائے گا، اگر وہ صلح کرانے سے عاجز رہ جائیں تو ان میں جو ظالم ہو اس کو نصیحت کریں، اس کے ظلم کی وجہ سے اس پر نکیر کریں اور دونوں اس کی اطلاع حاکم کو دیں تاکہ وہ خود ظالم کا مواخذہ کرے^(۲)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ شروع میں حکمین پر واجب ہے کہ زوجین کے درمیان الفت و محبت اور حسن معاشرت کے لئے ہر ممکن طریقہ سے صلح کرانے کی بھرپور کوشش کریں اور یہ اس طرح کہ حکمین میں سے ہر ایک اپنے رشتہ دار کو تنہائی میں بلائے اور اس سے پوچھے کہ اس

(۱) مغنی المحتاج ۲/۱۳، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۵۔

(۲) احکام القرآن للجصاص ۲/۱۹۳۔

بھی وکیل بنانے کا حکم ہوگا، مثلاً وہ کہے: اس سے میرا مال لے لو پھر خلع کرادو^(۱)۔

حنابلہ نے کہا ہے کہ حکمین کے لئے مناسب ہے کہ اصلاح کی نیت رکھیں، اس لئے کہ ارشادِ بانی ہے: ”إِنْ تُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا“^(۲) (اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا)، دونوں نرم بات کریں، انصاف کریں، ترغیب دلائیں اور ڈرائیں، دوسرے کے بغیر کوئی ایک حکم کام نہ کرے تاکہ دونوں میں موافقت کی امید زیادہ ہو^(۳)۔

ح- زوجین میں سے کسی کا غائب یا مجنون ہونا:

۳۶- شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک تکلیف کے بعد غائب ہو جائے تو حکمین کی کارروائی جاری رہے گی اور اگر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک مجنون ہو جائے تو کارروائی بند ہو جائے گی، یہ فی الجملہ ہے، اس میں ان کے یہاں تفصیل ہے:

شافعیہ نے کہا ہے کہ اظہر قول کے مطابق حکمین وکیل ہیں، اگر زوجین میں سے کوئی بے ہوش ہو جائے یا مجنون ہو جائے تو اگرچہ حکمین نے اس کی رائے معلوم کر لی ہو ان کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا، اس لئے کہ وکیل بے ہوشی اور جنون کی وجہ سے معزول ہو جاتا ہے اور اگر حکمین کو بھیجنے سے قبل ان میں سے کوئی بے ہوش یا مجنون ہو جائے تو حکمین کو بھیجنا جائز نہ ہوگا، اور اگر حکمین کو بھیجنے کے بعد ان میں سے کوئی غائب ہو جائے تو حکمین کا فیصلہ نافذ ہوگا جیسا کہ دوسرے تمام وکلاء میں ہوتا ہے^(۴)۔

عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ“^(۱) کا یہی مطلب ہے اور ابنِ فتحون نے کہا ہے کہ اگر حکمین صلح پر قادر نہ ہوں تو زوجہ سے شوہر کے لئے کچھ لے کر یا شوہر سے اس کو ساقط کر کے دونوں کو الگ کر دیں گے یا کچھ لئے اور ساقط کئے بغیر الگ کر دیں گے، لیکن زوجہ کے لئے شوہر سے کچھ لینا مناسب نہ ہوگا، الممتنع نے ان کی موافقت کی ہے۔

حکمین پر واجب ہے کہ حاکم کے پاس جا کر اس کو اپنے فیصلہ کی اطلاع کریں^(۲)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ شوہر کا حکم اس کے ساتھ اور زوجہ کا حکم اس کے ساتھ تنہائی میں ملیں گے اور اس سلسلہ میں ان کی تمام شکایات سنیں گے پھر دونوں کے معاملہ میں حکمین غور کریں گے اور جب دونوں حکم جمع ہوں گے تو کوئی دوسرے سے کچھ نہیں چھپائے گا، پھر دونوں کے درمیان اصلاح کریں گے اور اگر اصلاح ممکن نہ ہو تو ایک طلاق کے ذریعہ دونوں کو الگ کر دیں گے، ہر حکم پر احتیاط کرنا لازم ہے، لہذا اگر شوہر اپنے وکیل سے کہے: اس سے میرا مال لے لو اور اس کو طلاق دے دو، یا کہے اس کو اس شرط پر طلاق دو کہ تم اس سے میرا مال لے لو تو ضروری ہے کہ وکیل طلاق پر مال لینے کو مقدم کرے، یہی حکم ہے، اگر کہے میرا مال اس سے لے لو اور اس کو طلاق دے دو- جیسا کہ الروضہ میں بغوی کی تصحیح سے نقل کیا ہے اور اس کو برقرار رکھا ہے- اس لئے کہ وکیل پر احتیاط کرنا لازم ہے، لہذا اس پر یہ لازم ہوگا اگرچہ ”واؤ“ ترتیب کے لئے نہیں ہوتا ہے، اگر کہے اس کو طلاق دے دو پھر اس سے میرا مال لے لو تو جائز ہے کہ مال کے لینے کو مقدم کرے، اس لئے کہ یہ زیادہ بہتر ہے، اذریعی نے کہا ہے: مذکورہ بالا امر میں شوہر کی جانب سے تو وکیل کی طرح عورت کی جانب سے

(۱) مغنی المحتاج ۳/۲۶۲، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۵، حاشیۃ القلیوبی ۳/۱۰۷۔

(۲) سورۃ نساء/۳۵۔

(۳) کشاف القناع ۵/۲۱۱۔

(۴) مغنی المحتاج ۳/۲۶۲، نہایۃ المحتاج ۶/۳۸۵۔

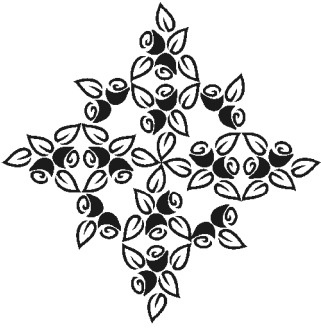
(۱) سورۃ بقرہ/۲۲۹۔

(۲) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۲/۳۳۵، ۳/۳۶، جواہر الإطلیل ۱/۳۲۹۔

نشوز ۳

ہو جائے گا، اس لئے کہ مؤکل کے مجنون ہو جانے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے، اور اگر حاکم ہوگا تو اس کے لئے فیصلہ کرنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کی ایک شرط یہ ہے کہ شقاق باقی رہے اور فریقین حاضر ہوں، اور یہ جنون کے ساتھ نہیں ہو سکتا ہے^(۱)۔

ط- حکمین کو وکیل بنانے سے زوجین کا گریز اختیار کرنا:
۳-۳- اظہر قول میں شافیہ کی رائے اور صحیح مذہب میں حنا بلہ کی رائے ہے کہ حکمین زوجین کے وکیل ہیں، لہذا زوجین کی رضامندی اور توکیل کے بغیر حکمین نہیں بھیجے جائیں گے، اگر زوجین حکمین کے بھیجنے پر راضی نہ ہوں یا ان کو وکیل بنانے سے گریز اختیار کریں تو ان کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، لیکن حاکم اس کی تحقیق کرتا رہے گا تا کہ معلوم ہو جائے کہ زوجین میں سے ظالم کون ہے اور اس کو ظلم سے باز رکھے گا اور اس سے مظلوم کا حق وصول کرے گا تا کہ عدل وانصاف قائم ہو^(۲)۔



حنا بلہ نے کہا ہے کہ اگر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک غائب ہو جائے تو پہلی روایت کے مطابق - کہ حکمین وکیل ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے جیسا کہ گذرا - حکمین کی کارروائی بند نہیں ہوگی اور دوسری روایت کے مطابق جس میں دونوں کو حاکم قرار دیا گیا ہے، کارروائی بند ہو جائے گی، ایک قول یہ ہے کہ دوسری روایت کے مطابق جس میں ان دونوں کو حاکم قرار دیا گیا ہے، کارروائی بند نہیں ہوگی۔

اگر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک مجنون ہو جائے تو پہلی روایت کے مطابق حکمین کی کارروائی بند ہو جائے گی اور دوسری روایت کے مطابق بند نہیں ہوگی، اس لئے کہ حاکم مجنون کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے، مرداوی نے کہا ہے کہ یہی صحیح مذہب ہے، یہی جمہور اصحاب کی رائے ہے، انہوں نے مزید اضافہ کیا ہے کہ المغنی میں مصنف نے کہا ہے کہ دوسری روایت کے مطابق بھی کارروائی بند ہو جائے گی اس لئے کہ جنون کے ساتھ شقاق باقی نہیں رہ جائے گا۔

ابن قدامہ نے کہا ہے: اگر حکمین کے بھیجنے کے بعد زوجین یا ان میں سے کوئی ایک غائب ہو جائے تو حکمین کے لئے جائز ہے کہ اپنی رائے نافذ کریں اگر ہم کہیں کہ وہ وکیل ہیں، اس لئے کہ غائب ہونے سے وکالت باطل نہیں ہوتی ہے اور اگر ہم کہیں کہ وہ حاکم ہیں تو ان کے لئے فیصلہ کو نافذ کرنا جائز نہ ہوگا، اس لئے زوجین میں سے ہر ایک محکوم لہ و محکوم علیہ (ایسا ہوگا کہ ہر ایک کے لئے بھی فیصلہ ہوگا اور اس کے خلاف بھی) ہوگا اور قضاء للغائب جائز نہیں ہے، البتہ اگر دونوں نے ان دونوں کو وکیل بنا دیا ہوگا تو وکیل کی حیثیت سے ایسا کر سکتے ہیں حکم کی حیثیت سے نہیں کر سکتے اور اگر زوجین میں سے کسی ایک نے وکیل بنایا ہو تو اس کے غائبانہ میں جس کام کے لئے وکیل بنایا ہے وہ کام اپنے مؤکل کے لئے کر سکتا ہے۔

اگر ان میں سے کوئی مجنون ہو جائے تو اس کے وکیل کا حکم باطل

(۱) الإلصاف ۸/۳۸۱، المغنی ۷/۵۰۔

(۲) مغنی المحتاج ۳/۲۶۱، کشف القناع ۵/۲۱۱، الإلصاف ۸/۳۸۰۔

نصاب ۱-۵

الف- نماز جمعہ میں نصاب:

۳- فقہاء نے نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط لگائی ہے کہ جماعت سے ادا کی جائے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو جماعت کے بغیر کبھی ادا نہیں کیا ہے، اور اس پر اجماع ہے۔ اس نصاب میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کے ذریعہ جمعہ کی نماز منعقد ہوتی ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”صلوٰۃ الجمعہ“ (فقہہ ر ۲۰، ۲۱)۔

ب- زکاۃ میں نصاب:

۴- مال میں زکاۃ کے واجب ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ مال نصاب کے برابر ہو، یہ وہ مقدار ہے جس سے کم میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

زکاۃ کے اموال کے اعتبار سے نصاب الگ الگ ہوتا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”زکوٰۃ“ (فقہہ ر ۳۱، ۳۲ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

ج- چوری کی حد میں نصاب:

۵- مختلف شرائط کے ضمن میں فقہاء نے حد سرقہ میں ہاتھ کاٹنے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ چوری کردہ مال نصاب کے برابر ہو، جمہور فقہاء کے نزدیک اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لیکن اس نصاب کی مقدار متعین کرنے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”سرقہ“ (فقہہ ر ۳۲ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

نصاب

تعریف:

۱- لغت میں نصاب کا ایک معنی ”اصل“ ہے، نصاب الزکاۃ: مال کی وہ مقدار جو وجوب زکاۃ کے لئے مقرر ہے^(۱)۔

اصطلاحی معنی کے بارے میں برکتی نے کہا ہے: شریعت میں نصاب وہ مقدار ہے جس سے کم میں مال کی زکاۃ واجب نہیں ہوتی ہے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

مقدار:

۲- لغت میں مقدار مثل کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: مقدار الشیء، یعنی جو عدد، ناپ، وزن یا مساحت میں اس کے مثل ہو۔

اصطلاح میں: مقدار وہ شیء ہے جس کے ذریعہ عددی، کیلی یا وزنی چیز کا علم ہو^(۳)۔

مقدار اور نصاب میں یہ تعلق ہے کہ مقدار نصاب سے عام ہے۔

نصاب سے متعلق احکام:

چند احکام نصاب سے متعلق ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل

ہیں:

(۱) لسان العرب، المصباح المنیر۔

(۲) قواعد الفقہ للمبرکتی۔

(۳) المعجم الوسیط، قواعد الفقہ للمبرکتی۔

نصاری

دیکھئے: ”اہل الکتاب“۔

نصیب

تعریف:

۱- لغت میں نصیب کا معنی ہر چیز کا حصہ ہے، اس کی جمع انصباء، أنصبۃ اور نُصْب ہے، نَصْب ایک لغت میں نصیب کے معنی میں ہے، أنصبہ یعنی اس کے لئے حصہ مقرر کیا، ہم یتناصبونہ یعنی انہوں نے باہم تقسیم کیا^(۱)۔

اور اصطلاح میں نصیب کے معنی، لغوی معنی سے مختلف نہیں ہے، اس کا اطلاق ہر چیز کے حصے پر بھی ہوتا ہے اور تقسیم کردہ شی کے جز اور حصے پر بھی ہوتا ہے۔

نصرۃ

دیکھئے: ”عاقلہ“۔

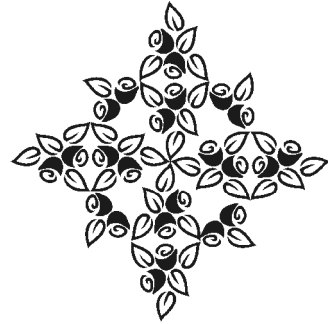
متعلقہ الفاظ:

فرض:

۲- لغت میں فرض کے چند معانی ہیں: کاٹنا، مقرر کرنا، واجب کرنا^(۲)۔

اصطلاح میں میراث کے باب میں وارث کے لئے شریعت میں مقرر کردہ حصہ فرض ہے^(۳)۔

نصیب اور فرض کے درمیان تعلق یہ ہے کہ ہر نصیب فرض ہے، ہر فرض نصیب نہیں ہے۔



(۱) لسان العرب، المصباح المنیر۔

(۲) المصباح المنیر، لسان العرب۔

(۳) مغنی المحتاج ۲/۳۔

نصیب ۳

بارے میں حکم دیتا ہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے، اور اگر دو سے زائد عورتیں ہی ہوں تو ان کے لئے دو تہائی حصہ اس مال کا ہے جو مورث چھوڑ گیا ہے، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف حصہ ہے، اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک کے لئے اس مال کا چھٹا حصہ ہے جو وہ چھوڑ گیا ہے بشرطیکہ مورث کے کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر مورث کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے، لیکن اگر مورث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے ایک چھٹا حصہ ہے، وصیت کے نکالنے کے بعد کہ مورث اس کی وصیت کر جائے یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں کہ تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے ہو کہ ان میں سے نفع پہنچانے میں تم سے قریب تر کون ہے، یہ سب اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بے شک اللہ ہی علم والا ہے حکمت والا ہے، اور تمہارے لئے اس مال کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کے کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کے اولاد نہ ہو تو تمہارے لئے بیویوں کے ترکہ کی چوتھائی ہے وصیت نکالنے کے بعد جس کی وہ وصیت کر جائیں یا ادائے قرض کے بعد، اور ان بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ کی چوتھائی ہے بشرطیکہ تمہارے کوئی اولاد نہ ہو، لیکن اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو تو ان بیویوں کو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا بعد وصیت نکالنے کے، جس کی تم وصیت کر جاؤ یا ادائے قرض کے بعد، اور اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک چھٹا حصہ ہے، اور اگر یہ لوگ اس سے زائد ہوں تو وہ ایک تہائی میں شریک ہوں گے بعد وصیت نکالنے کے، جس کی وصیت کر دی جائے یا ادائے قرض کے بعد بغیر کسی کے نقصان پہنچائے، یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا بردبار

نصیب سے متعلق احکام:

نصیب سے متعلق چند احکام ہیں، بعض درج ذیل ہیں:

اول- میراث میں نصیب:

۳- شارع حکیم نے ہر وارث کے لئے مقررہ حصہ کی تعیین کی ہے، اور وہ ان چھ سے خارج نہیں ہے: نصف (آدھا)، ربع (چوتھائی)، ثمن (آٹھواں)، ثلثان (دو تہائی)، ثلث (تہائی) اور سدس (چھٹا)۔ یہ چھ حصے سورہ نساء کی ان تین آیات میں مذکور ہیں:

”يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ فَإِنَّ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ، فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ، آبَاءُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا، فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا، وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلِكُمُ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ“^(۱) (اللہ تمہیں تمہاری اولاد کی میراث کے

(۱) سورہ نساء، ۱۱، ۱۲۔

نصیب ۴-۷

بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، چند اقوال ہیں، ان کی تفصیل اصطلاح ”شرکت“ (فقہہ ۴، ۷) میں ہے۔

شریک کے حصہ کا ضمان:

۵- اس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ شریک کا قبضہ قبضہ امانت ہے، لہذا وہ زیادتی یا کوتاہی کے بغیر ضامن نہیں ہوگا، اگر زیادتی کرے گا تو ضامن ہوگا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاحات: ”شرکتہ العقد“ (فقہہ ۸۵)، ”تجہیل“ (فقہہ ۲ اور اس کے بعد کے فقرات)، ”ضمان“ (فقہہ ۷، ۱۱)، ”تعدی“ (فقہہ ۱۱)۔

سوم- تقسیم میں حصہ:

تقسیم میں حصہ کے چند احکام ہیں، بعض درج ذیل ہیں:

تقسیم کرنے والوں کے حصہ کی مقدار کے مطابق تقسیم کرنے کی اجرت کو بانٹنا:

۶- تقسیم کرنے کی اجرت کو بانٹنے کی کیفیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ فریق کی تعداد کے اعتبار سے بانٹی جائے گی، یا ہر حصہ دار کے حصہ کی مقدار کے مطابق بانٹی جائے گی۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”قسمتہ“ (فقہہ ۳۵، ۳۶)۔

اراضی کی تقسیم میں حصہ:

۷- اراضی جو تقسیم ہونے والی ہے، یا تو ایک جگہ ہوگی یا چند جگہوں میں ہوگی، اور اگر ایک جگہ ہوگی تو اس کے اجزاء یا تو کسی معمولی فرق کے بغیر یکساں ہوں گے یا نہیں؟

ہے)، اور ارشاد باری ہے: ”يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ امْرَأً هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِيثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضَلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ“ (۱) (لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں میراث کلامہ کے باب میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو تو اسے اس ترکہ کا نصف ملے گا، اور وہ مرد وارث ہوگا اس بہن کے کل ترکہ کا اگر اس بہن کے اولاد نہ ہو، اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا، اور اگر وارث چند بھائی بہن مرد و عورت ہوں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا، اللہ تمہارے لئے یہ احکام کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہی میں نہ پڑو، اور اللہ ہر شئی کا پورا علم رکھتا ہے)۔

ان حصہ داروں کے بیان اور ان کی توریث کی شرطوں میں تفصیل ہے، ملاحظہ ہو: ”ارث“ (فقہہ ۲۵، ۲۴)۔

دوم- شرکت میں نصیب:

شرکت میں نصیب کے چند احکام ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

شریک کے حصہ میں تصرف کرنا:

۲- کوئی شریک شرکت والے اپنے حصہ میں کوئی تصرف کرے مثلاً اپنے شریک یا غیر شریک سے بیع، اجارہ یا اعارہ کرے تو اس کے

(۱) سورہ نساء، ۱۷۶۔

نصیب ۸-۱۲

تینوں صورتوں میں اراضی کے محل کے اعتبار سے ہر تقسیم کرنے والے کا حصہ الگ الگ ہوگا۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”قسمتہ“ (فقہہ ۴۲/۱)۔

چہارم: شفعہ میں نصیب (حصہ):
شفعہ میں نصیب کے کچھ احکام ہیں، جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

تقسیم کرنے میں حصہ کی تعیین:
۸- جب تقسیم کرنے والا ہر ایک کا حصہ متعین کر دے گا تو تقسیم مکمل ہو جائے گی، اور ہر ایک کے لئے وہ حصہ لازم ہو جائے گا جو اس کے لئے مقرر ہوگا۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”قسمتہ“ (فقہہ ۵۱/۱)۔

دائر کردہ حق شفعہ کے حصہ میں شفع کی ملکیت:
۱۱- شفع مطالبہ کے بعد جس حصہ میں شفعہ کا مطالبہ کیا گیا ہے اس کا مالک کب بنے گا، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، کیا وہ مشتری کی طرف سے سپردگی پر مالک ہو جائے گا؟ یا قاضی کے فیصلہ سے یا مشتری کو ثمن دینے سے یا مہلت دینے پر اپنی رضامندی سے یا لینے پر گواہ بنانے سے مالک ہوگا۔

تقسیم میں حصہ کی ملکیت اور اس میں تصرف کرنا:
۹- فقہاء کی رائے ہے کہ تقسیم کرنے والا تقسیم کے مکمل ہو جانے کے بعد اپنے حصہ کا مالک ہونے اور اس میں تصرف کرنے میں خود مختار ہوگا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”قسمتہ“ (فقہہ ۵۲/۱) اور اس کے بعد کے فقرات)۔

جس حصہ میں حق شفعہ کا دعویٰ کیا گیا ہے اس میں مشتری کا تعمیر کرنا:
۱۲- اگر مشتری اس زمین میں جس میں حق شفعہ کا دعویٰ کیا گیا ہے، مکان بنا لے، درخت لگا لے یا کھیتی کر لے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

باری میں اپنے ساتھی کے حصہ سے شریک کا فائدہ اٹھانا:
۱۰- جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک کے لئے درست ہے کہ اپنے ساتھی کے حصہ سے فائدہ اس بات کے عوض اٹھائے کہ اس کا ساتھی اس کے حصہ سے فائدہ اٹھائے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”قسمتہ“ (فقہہ ۵۸/۱، ۵۹) اور ”مہایاۃ“۔

۱۲- اگر مشتری اس زمین میں جس میں حق شفعہ کا دعویٰ کیا گیا ہے، مکان بنا لے، درخت لگا لے یا کھیتی کر لے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

یا شفع بلا معاوضہ مشتری کے بنائے ہوئے مکان، لگائے ہوئے درخت اور کی ہوئی کھیتی کو اکھاڑ دے گا۔

نصیب ۱۳-۱۵

کردے تو آزاد کرنے والے کے خوش حال اور تنگ دست ہونے کے اعتبار سے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

اگر وہ خوش حال ہو تو مالکیہ و شافعیہ کی رائے اور حنابلہ کا ظاہر مذہب ہے کہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس پر اپنے شریک کے لئے باقی حصہ کی قیمت واجب ہوگی۔

اور اگر تنگ دست ہو تو صرف اس کا حصہ آزاد ہوگا۔

امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اگر آزاد کرنے والا خوش حال ہو تو اس کے شریک کو اختیار ہے، اگر چاہے تو آزاد کر دے اور اگر چاہے تو اپنے حصہ کی قیمت کا تاوان آزاد کرنے والے سے وصول کرے اگر اس کی اجازت کے بغیر آزاد کیا ہو۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”تبعیض“ (فقہہ ۱۶۰)۔



تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”شفعہ“ (فقہہ ۲۸)۔

جس حصہ میں حق شفیعہ دائر ہے اس میں دوسرے کا حق نکل آئے:

۱۳- اگر شفیع اس حصہ کو لے لے جس میں حق شفیعہ کا دعویٰ کیا ہے پھر اس کے بعد ظاہر ہو کہ وہ دوسرے کا حق ہے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ مشتری سے ثمن وصول کرے گا اور مشتری اس کے بائع سے ثمن وصول کرے گا۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر اس نے مشتری کو ثمن دیا ہے تو مشتری پر اس کا ضمان ہوگا خواہ اس کو اس کے سپرد کرنے سے قبل استحقاق نکل آئے یا اس کے بعد نکلے، اور اگر بائع کو ادا کیا ہے اور اس کے قبضہ میں رہتے ہوئے بیع کا استحقاق نکل آئے تو اس پر شفیع کے لئے ثمن کا ضمان ہوگا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”شفعہ“ (فقہہ ۲۹)۔

جس حصہ میں حق شفیعہ کا دعویٰ ہے اس کے ہلاک ہونے کا تاوان:

۱۴- جس حصہ میں حق شفیعہ کا دعویٰ ہے وہ مکمل یا اس کا کچھ حصہ مشتری کی وجہ سے یا کسی دوسرے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو اس کے تاوان کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”شفعہ“ (فقہہ ۵۰)۔

پنجم: مشترک غلام میں حصہ کا آزاد کرنا:

۱۵- اگر کوئی شخص دوسرے کے ساتھ مشترک غلام میں اپنا حصہ آزاد

نصیحت ۱-۲

کبھی دوبارہ گناہ نہ کرے۔)

نصیحت کا اصطلاحی معنی جس کو نصیحت کی جائے اس کے کینہ کے بغیر خالص رائے دینا، یا خیر و صلاح کی طرف بلانا اور شر و فساد سے روکنا ہے^(۱)۔

علامہ نووی نے الخطابی سے ان کا قول نقل کیا ہے، نصیحت ایک ایسا جامع کلمہ ہے جس میں اس شخص کے تمام خیر و صلاح داخل ہیں، جس کو نصیحت کی جا رہی ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ ہلکا اسم اور مختصر کلام ہے، کلام عرب میں کوئی مفرد کلمہ ایسا نہیں ہے جس کے ذریعہ اس کلمہ کے معنی کی تعبیر کی جاسکے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- خدیعة (دھوکہ، فریب):

۲- خدیعة لغت میں خدع کا اسم ہے، کہا جاتا ہے: خدعه خدعاً: دھوکا دینا اور اس طرح نقصان پہنچانا کہ اس کو علم نہ ہو سکے، اختدعه فانخدع: اس کو دھوکا دیا تو وہ دھوکا کھا گیا، الحرب خدعة: خاکوزبر، زیر اور پیش تینوں حرکتیں ہو سکتی ہیں، اور همزة کے وزن پر بھی ہو سکتی ہے یعنی جنگ دھوکہ سے جیتی جاتی ہے، الخدعة کا معنی بہت دھوکا دینے والا بھی ہے، الخدعة: وہ شخص جو لوگوں کو بہت دھوکا دیتا ہو^(۳)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۴)۔

نصیحت اور خدیعة میں تضاد کا تعلق ہے۔

= نے شعب الایمان (۵/۳۸۷ طبع دارالکتب العلمیہ) میں کی ہے۔

(۱) قواعد الفقہ للمرکتی، التعریقات۔

(۲) شرح صحیح مسلم للنووی ۳۹۶/۱ طبع دارالقلم۔

(۳) القاموس المحیط۔

(۴) المفردات فی غریب القرآن۔

نصیحت

تعریف:

۱- لغت میں نصیحت کا معنی خیر و صلاح کی طرف بلانا اور شر و فساد سے روکنا ہے، اس کی جمع نصح ہے، یہ نصح فعل کا اسم مصدر ہے، کہا جاتا ہے: نصح الشیء نصحاً ونصحاً ونصحاً ونصاحة: خالص ہونا۔

نصحت تو بہتہ: دوبارہ کرنے کے ارادہ کا شائبہ بھی نہ ہو یعنی پختہ توبہ کرنا، نصح قلبہ: کینہ سے پاک ہونا، نصح الشیء: صاف کرنا، کہا جاتا ہے: نصح فلانا وله (لام کے ساتھ اس کا استعمال کرنا زیادہ فصیح ہے): ایسی چیز کی طرف رہنمائی کرنا جس میں اس کے لئے خیر و صلاح ہو۔

ناصر فلانا: ایک دوسرے کو نصیحت کرنا، ناصر فلان نفسه فی التوبة: پختہ توبہ کرنا۔

انتصح فلان: نصیحت قبول کرنا، انتصح فلانا: خیر خواہ سمجھنا۔

النصح والنصح: مشورہ میں مخلص ہونا، نصح: مبالغہ ہے^(۱) (بہت نصیحت کرنے والا)، حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: "التوبة النصوح أن يتوب العبد من الذنب ثم لا يعود إليه أبداً"^(۲) (توبۃ النصوح یہ ہے کہ بندہ گناہ سے توبہ کرے پھر

(۱) المعجم الوسيط، القاموس المحیط، لسان العرب۔

(۲) اثر ابن مسعود: "التوبة النصوح أن يتوب العبد " کی روایت یہی

نصیحت ۳-۵

ب- غش: لئے اس کی تاکید کی گئی ہے، راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نصیحت کے معاملہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”الدين النصيحة“^(۱) (دین سراپا نصیحت و خیر خواہی ہے)، نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ تمام لوگوں کے لئے نصیحت و خیر خواہی واجب ہے یعنی ان کے تمام امور میں ان کی مصالح کا لحاظ کرے^(۲)۔

مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر نصیحت کے مفید ہونے کا گمان ہو تو فرض عین ہے خواہ اس کا مطالبہ ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ یہ امر بالمعروف کے باب سے ہے۔

علامہ نووی نے ابن بطلال سے نقل کیا ہے کہ نصیحت و خیر خواہی فرض کفایہ ہے، اگر کچھ لوگ ادا کر دیں گے تو کافی ہو جائے گا اور باقی لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا^(۳)۔

اگر نصیحت کرنے والے کو یقین ہو کہ اس کی نصیحت قبول کی جائے گی اور اس کی بات مانی جائے گی اور اس کو کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو نصیحت بقدر ضرورت یا بقدر طاقت لازم ہوگی اور اگر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے نصیحت نہ کرنے کی گنجائش ہوگی، دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ حدیث ”الدين النصيحة“ کا ظاہر یہ ہے کہ نصیحت کرنا واجب ہے، خواہ یقین ہو کہ جس کو نصیحت کی جائے گی اس کے لئے مفید نہیں ہے^(۴)۔

(۱) حدیث: ”الدين النصيحة“ کی روایت مسلم (۷۴۱/۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے تیم داری سے کی ہے۔

(۲) الشرح الصغیر علی أقرب المسائل إلی مذهب الإمام مالک وحاشیة الصاوی ۷۴۱/۴ طبع دار المعارف، الذریعۃ إلی مکارم الشریعہ ص ۲۹۵ طبع دار الصحوہ ودار الوفاء، الزواجر عن اقتراف الکبائر ۲۲۱/۱ طبع مصطفیٰ البانی الحلی۔

(۳) شرح صحیح مسلم للنووی ۳۹۹/۱، دلیل الفالحین ۴۵۹/۱۔

(۴) الشرح الصغیر ۴۱۷/۴، شرح صحیح مسلم للنووی ۳۹۹/۱، دلیل الفالحین ۴۶۰/۱، فیض القدر شرح الجامع الصغیر للمناوی ۵۵۶/۳ طبع مصطفیٰ محمد۔

۳- العِش (غین کے زیر کے ساتھ) العِش (غین کے زبر کے ساتھ) کا اسم ہے، کہا جاتا ہے: غشہ غشاً: خیر خواہی نہ کرنا اور خلاف مصلحت کو مزین کرنا یا خالص خیر خواہی نہ کرنا، یا خلاف ضمیر ظاہر کرنا، یا یہ کینہ اور دھوکا ہے^(۱)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

نصیحت اور غش کے درمیان تضاد کا تعلق ہے۔

ج- توبیح:

۴- التوبیح، وبتیح کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: وبتیختہ توبیحاً: جھڑکنا، ملامت کرنا، دھمکانا، سرزنش کرنا، فارابی نے کہا ہے: عار دلانا^(۲)۔

توبیح کا اصطلاحی معنی: عار دلانا، ملامت کرنا و برا بھلا کہنا ہے^(۳)۔

نصیحت اور توبیح میں فرق چھپانے اور اعلان کرنے کا ہے^(۴)، یعنی نصیحت کی شان یہ ہے کہ پوشیدہ ہو اور توبیح کا معاملہ یہ ہے کہ اعلانیہ ہو۔

شرعی حکم:

۵- فقہاء کی رائے ہے کہ مسلمانوں کے لئے نصیحت و خیر خواہی واجب ہے، ابن حجر ہیتمی نے کہا ہے کہ خاص اور عام مسلمانوں کے

(۱) القاموس المحیط، المصباح المنیر۔

(۲) القاموس المحیط، المصباح المنیر۔

(۳) قواعد الفقہ للبرکتی۔

(۴) مختصر منہاج القاصدین ص ۹۹ طبع المکتب الاسلامی، إحياء علوم الدين ۱۸۲/۲ طبع دار المعرفہ بیروت۔

نصیحت ۶-۷

دوسرے فقہاء مثلاً ابن رجب نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ دین نصیحت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت میں اسلام، ایمان اور احسان کے اعمال جن کا ذکر حدیث جبریل میں ہے، داخل ہیں، اور ان سب کو دین کہا جاتا ہے، اس لئے اس لئے اللہ کا تقاضا ہے کہ اس کے واجبات کو مکمل طریقہ پر ادا کیا جائے اور یہی مقام احسان ہے، اس لئے اللہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہو سکے گا، اور یہ محبت واجبہ و مستحبہ کے کمال کے بغیر ادا نہ ہوگا^(۱)۔

ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہو، اس لئے کہ جس عمل میں عامل مخلص نہ ہو وہ دین نہیں ہے^(۲)۔

نصیحت کس کے لئے واجب ہوگی اور کیسے ہوگی؟

۷- حدیث میں ہے جس کی روایت تیمم داری نے کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”الدين النصيحة، قلنا: لمن يا رسول الله، قال: لله، ولكتابه، ولرسوله، ولأئمة المسلمين، وعامتهم“^(۳) (دین سراپا نصیحت ہے، ہم نے عرض کیا: کس کے لئے؟ تو ارشاد فرمایا: اللہ کے لئے، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے لئے، ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کے لئے)۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ خطابی وغیرہ علماء نے بڑی عمدہ گفتگو کی ہے، میں ان سب کا خلاصہ نقل کرتا ہوں، انہوں نے کہا ہے:

اللہ کے لئے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے، اس سے شرک کی نفی کرے، اس کی صفات میں الحاد سے پرہیز کرے اور تمام صفات کمالیہ و جلالیہ سے اس کو متصف کرے، تمام نقائص سے

مسلمان جب تک صحیح العقل ہو نصیحت کی ذمہ داری اس سے ساقط نہ ہوگی، ابن رجب نے کہا ہے کہ بعض حالات میں بندہ سے تمام اعمال ساقط ہو جاتے ہیں لیکن اس لئے اللہ اس سے کبھی ساقط نہیں ہوتا، لہذا اگر وہ مرض کی وجہ سے اس حال کو پہنچ جائے کہ اس کے لئے اپنے کسی عضو زبان وغیرہ سے کوئی عمل کرنا ممکن نہ ہو، البتہ اس کی عقل صحیح و سالم ہو تو دل کے ذریعہ اس لئے اللہ اس سے ساقط نہ ہوگا، اس لئے اللہ یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو اور نیت رکھے کہ اگر تندرست ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جو کچھ فرض کیا ہے اس کو بجالائے گا اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے باز رہے گا، ورنہ وہ دل سے ناصح اللہ نہیں ہوگا^(۱)۔

دین میں نصیحت کا درجہ:

۶- تیمم بن اوس الداری سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”الدين النصيحة“^(۲)، دین کو نصیحت میں منحصر کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ حصر مجازی ہے یا حقیقی ہے؟

بعض فقہاء مثلاً مناوی اور ابن علان نے کہا ہے کہ حدیث ”الدين النصيحة“ کا معنی ہے کہ وہ دین کی بنیاد ہے، اور اس سے دین قائم رہتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”الحج عرفة“^(۳)، تو یہ حصر مجازی ہے حقیقی نہیں ہے، یعنی نصیحت کی تعریف میں مبالغہ مراد ہے یہاں تک کہ اس کو پورا دین کہہ دیا گیا، اگرچہ دین میں اس کے علاوہ دوسرے بہت سے اعمال داخل ہیں^(۴)۔

(۱) جامع العلوم والحکم ۲۲۰/۲۲۱۔

(۲) حدیث: ”الدين النصيحة“ کی تخریج فقرہ ۵/۵ میں گزر چکی۔

(۳) حدیث: ”الحج عرفة“ کی روایت ترمذی (۲۲۸/۳) طبع الحلبي اور حاکم (۲۷۸/۲) طبع دائرة المعارف نے عبدالرحمن بن یحییٰ سے کی ہے، اور کہا: حدیث صحیح ہے۔

(۴) فیض القدر ۳/۵۵۵، دلیل الفالحین ۱/۴۵۹۔

(۱) جامع العلوم والحکم ۲۱۸/۱۔

(۲) فتح الباری ۱/۱۳۸۔

(۳) حدیث: ”الدين النصيحة“ کی تخریج فقرہ ۵/۵ میں گزر چکی۔

نصیحت ۷

رسول اللہ ﷺ کے لئے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ ان کے رسول ہونے کی تصدیق کرے، وہ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب پر ایمان لائے، امر و نہی میں ان کی اطاعت کرے، ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد ان کی نصرت کرے، ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھے، ان کے دوستوں سے محبت رکھے، ان کے حق کی تعظیم و توقیر کرے، ان کے طریقہ اور ان کی سنت کو زندہ کرے، ان کی دعوت کو عام کرے، ان کی شریعت کی نشر و اشاعت کرے، شریعت سے تہمت کو دور کرے، اس کے علوم کو پھیلانے، اس کے معانی میں غور و فکر کرے، اس کی طرف لوگوں کو بلائے، اس کی تعظیم و تعلم میں نرمی کرے، اس کی عظمت و بڑائی کرے، اس کے پڑھنے کے وقت باادب رہے، بغیر علم کے اس میں گفتگو کرنے سے پرہیز کرے، اہل شریعت کی تعظیم کرے اس لئے کہ ان کو شریعت سے نسبت ہے، آپ کے اخلاق و آداب کو اختیار کرے، آپ کے اہل بیت اور حضرات صحابہ سے محبت رکھے، آپ کی سنت میں بدعت ایجاد کرنے والوں سے اور آپ کے کسی صحابی کی توہین کرنے والوں سے الگ رہے، وغیرہ (۱)۔

ائمہ مسلمین کے لئے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ حق پران کے ساتھ تعاون کرے، اور اس میں ان کی اطاعت کرے، ان کو حق بتائے، نرمی اور مہربانی سے ان کو یاد دہانی کرائے، مسلمان کے حقوق سے غافل ہوں تو ان کو بتائے، ان کے خلاف بغاوت نہ کرے، ان کی اطاعت کی طرف لوگوں کے قلوب کو مائل کرے، خطابی نے کہا ہے کہ ان کے لئے نصیحت کا ایک جز یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھے، ان کے ساتھ جہاد کرے، ان کو صدقات ادا کرے، اگر ان کی طرف سے ظلم یا بدخلفی ہو تو ان کے خلاف ہتھیار کے ساتھ بغاوت نہ کرے، ان

(۱) سابقہ مراجع۔

اس کی پاکی بیان کرے، اس کے واجبات کو ادا کرے اس کی نافرمانی سے بچے، اس کے لئے محبت کرے اسی کے لئے بغض رکھے، اس کے فرمانبرداروں سے دوستی رکھے، اس کے نافرمانوں سے دشمنی رکھے، اس کا کفر کرنے والوں سے جہاد کرے، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے، ان پر اس کا شکر ادا کرے، تمام امور میں مخلص رہے، تمام اوصاف مذکورہ کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور ان پر آمادہ کرے، لوگوں کے ساتھ نرمی کرے، جہاں تک ممکن ہو ان اوصاف کی تعظیم دے، اس نسبت کی حقیقت دراصل خود بندہ کی طرف ہے، ورنہ تو اللہ تعالیٰ نصیحت کرنے والوں کی نصیحت سے بے نیاز ہے (۱)۔

کتاب اللہ کے لئے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ اس پر ایمان رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی نازل کردہ ہے، مخلوق کا کوئی کلام اس کے مشابہ نہیں ہے، مخلوقات میں سے کوئی اس جیسا کلام لانے پر قادر نہیں ہے، پھر اس کی تعظیم کرے، اس کی تلاوت کا حق ادا کرے، اچھی طرح تلاوت کرے، تلاوت کے وقت خشوع ہو، تلاوت کے وقت اس کے حروف صحیح ادا کرے، تحریف کرنے والوں کی تاویل اور سرکشوں کے تعرض سے اس کو دور رکھے، اس میں جو کچھ ہے اس کی تصدیق کرے، اس کے احکام سے واقف ہو، اس کے علوم و امثال کو سمجھے، اس کی نصائح سے عبرت حاصل کرے، اس کے عجائب میں غور و فکر کرے، اس کے محکم پر عمل کرے، اس کے متشابہ کو تسلیم کرے، اس کے عام، خاص، ناسخ اور منسوخ کی تلاش جاری رکھے، اس کے علوم کو پھیلانے، اس کی طرف اور اس کی جو نصیحتیں ذکر کی گئیں ان کی طرف لوگوں کو بلائے (۲)۔

(۱) شرح صحیح مسلم للعووی ۱/ ۳۹۷، دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ۱/ ۵۹۲، فتح الباری ۱/ ۱۳۸، الشرح الصغیر ۲/ ۴۲۲، النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر لابن الاثیر، طبع دار الفکر بیروت۔

(۲) سابقہ مراجع۔

نصیحت ۸

نصیحت کی ضرورت:

۸- مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی نصیحت کا محتاج ہوتا ہے، امام غزالی نے کہا ہے اس لئے کہ وہ دوسرے کا عیب محسوس کر لیتا ہے، اپنا عیب اس کو محسوس نہیں ہوتا ہے، لہذا اپنے عیوب سے واقف ہونے میں اپنے بھائی سے فائدہ اٹھاتا ہے، اگر تہا ہے تو فائدہ نہیں اٹھا سکے گا، جیسا کہ آئینہ سے اپنی ظاہری صورت کے عیوب سے واقف ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”المؤمن مرآة المؤمن“^(۱) (مومن مومن کا آئینہ ہے)، ایک دوسری روایت میں ہے: ”إن أحدکم مرآة أخیه فإن رأى به أذى فليمطه عنه“^(۲) (تم میں سے ہر آدمی اپنے بھائی کا آئینہ ہے، اگر اس میں کوئی بری بات دیکھے تو اس کو اس سے دور کر دے)۔

حضرت عمرؓ اپنے بھائیوں سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اور کہتے تھے: اللہ اس آدمی پر رحم کرے جو اپنے بھائی کو اس کے عیوب بتائے، اور حضرت سلمانؓ جب ان کے پاس آئے تو ان سے کہا: آپ کو میری کوئی بری بات معلوم ہے؟ تو انہوں نے معافی طلب کی، پھر حضرت عمرؓ نے اس پر اصرار کیا تو انہوں نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے دو جوڑے ہیں، ایک دن کو پہنتے ہیں، دوسرے دن کو پہنتے ہیں، اور مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کے دسترخوان پر دو قسم کا سالن ہوتا ہے تو حضرت عمرؓ نے کہا: ان دونوں باتوں کا تو میں نے انتظام

کی جھوٹی تعریف کر کے ان کو دھوکہ میں نہ ڈالے، ان کے لئے صلاح کی دعا کرتا رہے، ان سب میں ائمہ سے مراد خلفاء وغیرہ حکام ہیں جو مسلمانوں کے امور کو انجام دیتے ہیں، یہی مشہور ہے، خطابی نے بھی اس کو نقل کیا ہے، پھر کہا ہے کہ کبھی اس سے مراد وہ ائمہ بھی ہوتے ہیں جو دین کے علماء ہیں، ان کے لئے نصیحت یہ بھی ہے کہ وہ جو روایت کریں اس کو قبول کیا جائے، احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے^(۱)۔

عام مسلمان - جو حکام کے علاوہ ہیں - ان کے لئے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ ان کی دنیا و آخرت میں ان کی مصالح کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے، ان کی تکالیف دور کی جائیں، دین کے جن مسائل سے ناواقف ہوں ان کو بتایا جائے، قول و عمل کے ذریعہ اس پر ان کی مدد کی جائے، ان کی پردہ پوشی کی جائے، ان کی ضروریات پوری کی جائیں، ان سے ضرر کو دور کیا جائے، ان کے لئے منافع حاصل کئے جائیں، ان کو معروف کا حکم دیا جائے، منکر سے روکا جائے، اس میں نرمی اور اخلاص سے کام لیا جائے، ان پر شفقت کی جائے، ان کے بڑوں کی تعظیم کی جائے ان کے چھوٹوں پر رحم کیا جائے اور ان کا موعظہ حسنہ سے خیال رکھا جائے، ان سے حسد و کینہ نہ رکھا جائے، جو خیر اپنے لئے پسند ہو ان کے لئے پسند کیا جائے اور جو برائی اپنے لئے ناپسند ہو ان کے لئے بھی ناپسند کی جائے ان کے اموال اور عزت کی حفاظت کی جائے، قول و فعل کے ذریعہ ان کے حالات کی اصلاح کی جائے، نصیحت کی جن اقسام کو ہم نے ذکر کیا ان سب سے آراستہ ہونے پر ان کو آمادہ کیا جائے، طاعات پر ان کی ہمت افزائی کی جائے^(۲)۔

(۱) حدیث: ”المؤمن مرآة المؤمن“ کی روایت ابوداؤد (۲۱۷/۵) طبع حمص نے اور بیہقی نے الکبریٰ (۱۶۷/۸) طبع دائرة المعارف میں ابو ہریرہؓ سے کی ہے، المناوی نے فیض القدر (۲۵۲/۶) طبع التجاریہ الکبریٰ میں کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔

(۲) حدیث: ”إن أحدکم مرآة أخیه.....“ کی روایت ترمذی (۳۲۶/۳) طبع الحلیمی نے کی ہے، پھر لکھا ہے کہ شعبہ نے ایک راوی کو ضعیف کہا ہے۔

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) سابقہ مراجع۔

نصیحت ۹-۱۰

نامہ اعمال مہربند ان فرشتوں کے حوالہ کرے گا جو اس کو جنت کی طرف لے جائیں گے، جب وہ جنت کے دروازہ سے قریب ہوں گے تو اس کو نامہ اعمال مہربند دیں گے تاکہ اس کو پڑھ لے، اور بغض والوں کو تمام لوگوں کے سامنے پکارا جائے گا، ان کے اعضاء ان کی برائیاں بتائیں گے اس کی وجہ سے ان کی ذلت و رسوائی میں مزید اضافہ ہوگا۔

ابن رجب نے کہا ہے کہ ہمارے اسلاف جب کسی کو نصیحت کرنا چاہتے تو اس کو تنہائی میں سمجھاتے تھے، بلکہ بعض اسلاف کو جب اپنے بھائی کی بری بات کا علم ہوتا تو پہلے اس کی عزت کی حفاظت کرتے، پھر تنہائی میں اس کو نصیحت کرتے، ابن الحاج نے نقل کیا ہے کہ بعض لوگوں نے فضیل سے کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے بادشاہ کا انعام قبول کیا ہے تو فضیل نے کہا: انہوں نے ان سے اپنے حق سے کم ہی لیا ہے، پھر ان سے تنہائی میں ملے اور نہایت نرمی سے بات کرتے ہوئے ان سے کہا: اے ابوعلی! اگر ہم لوگ نیک نہیں ہیں تو کم از کم نیک لوگوں سے محبت تو کریں^(۱)۔

بلکہ وہ لوگ پردہ پوشی اور نصیحت کو مومن کی صفت سمجھتے تھے، فضیل نے کہا ہے کہ مومن پردہ پوشی کرتا ہے اور نصیحت کرتا ہے، اور فاجر پردہ دری کرتا ہے اور عار دلاتا ہے^(۲)۔

نصیحت کرنے میں اخلاص:

۱۰- راعب اصفہانی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب تک آدمی اپنے سے رائے لینے والے کے لئے خیر خواہی کرتا

(۱) جامع العلوم والحکم ۱/۲۲۵، مختصر منہاج القاصدین ص ۹۹، حیات علوم الدین ۱۸۲/۲، اتحاف السادة المتقين بشرح حیات علوم الدین ۶/۲۲۳ طبع دار الفکر، المدخل لابن الحاج ۱۹۸ طبع الحلبي۔

(۲) جامع العلوم والحکم ۱/۲۲۵۔

کر لیا ہے، تو کیا ان کے علاوہ بھی آپ کو کچھ معلوم ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں^(۱)۔

المناوی نے کہا ہے کہ جو شخص نصیحت قبول کرتا ہے رسوائی سے محفوظ رہتا ہے اور جو نصیحت کا انکار کرے اس کو چاہئے کہ اپنے علاوہ کسی کو ملامت نہ کرے۔

امام غزالی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹے لوگوں کی صفت بیان کی ہے کہ وہ نصیحت کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں^(۲)، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النَّاصِحِيْنَ“^(۳) (لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے)۔

پوشیدہ طور پر نصیحت کرنا:

۹- علماء نے کہا ہے کہ نصیحت تنہائی میں ہونی چاہئے جس کا علم کسی دوسرے کو نہ ہو، اس طرح کہ نصیحت کرنے والا اس وقت نصیحت کرے کہ جس کو نصیحت کر رہا ہے اس کے علاوہ وہاں کوئی نہ ہو اور کسی کو اس کا عیب نہ بتائے، اس لئے کہ مسلمانوں کی نصح تنہائی میں ہوتی ہیں، جو لوگوں کے سامنے ہو وہ تو بخ اور رسوا کرنا ہے اور جو تنہائی میں ہو وہ شفقت اور خیر خواہی ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ جو اپنے بھائی کو تنہائی میں نصیحت کرے گا وہ اس کو نصیحت کرے گا اور اس کو سنوارے گا اور جو اس کو علانیہ نصیحت کرے گا وہ اس کو رسوا کرے گا اور عیب پیدا کرے گا۔

امام غزالی نے کہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں اپنی پردہ پوشی کے سایہ میں مومن کو ناز سے مخاطب کرے گا اور تنہائی میں اس کو اس کے عیوب سے واقف کرائے گا، اور اس کا

(۱) حیات علوم الدین للغزالی ۲/۱۸۲، ۱۸۳۔

(۲) فیض القدير ۳/۵۵۶، حیات علوم الدین ۲/۱۸۳۔

(۳) سورۃ اعراف ۷۹۔

نصیحت ۱۱-۱۲

نصیحت کرنے والے کی اہلیت:

۱۱- المناوی نے نقل کیا ہے کہ نصیحت کرنے والے کو بڑے کثیر علم کی ضرورت ہے، سب سے پہلے اس کو ضرورت ہے کہ اس کو شریعت کا علم ہو، یہ ایک عام علم ہے، جس میں لوگوں کے حالات کا علم داخل ہے، اسی طرح اس کو زمانہ کا علم ہو، علاقہ سے واقف ہو، اور اگر مختلف قسم کے امور ہوں تو ترجیح دینے کے طریقہ سے واقف ہوتا کہ اس کے نزدیک جو راجح ہو اس کے مطابق عمل کر سکے، اسی کو علم سیاست کہا جاتا ہے، اس کے ذریعہ اپنے مصالح کے راستہ سے بدکنے والے سرکش نفوس کو سدھایا جاتا ہے، اسی وجہ سے انہوں نے کہا ہے کہ نصیحت کرنے والے کو علم، عقل، فکر صحیح، اچھی رائے، مزاج کا اعتدال، اور اچھی طرح غور و فکر کی ضرورت ہے، اگر یہ تمام صفات جمع نہ ہوں تو اس کے صحیح سے زیادہ اس کی غلطی ہوگی، لہذا وہ نصیحت نہیں کرے گا^(۱)۔

نصیحت مکارم اخلاق میں سے ہے:

۱۲- المناوی نے کہا ہے کہ نصیحت سے آپس میں محبت و الفت پیدا ہوتی ہے، اس کی ضد سے آپس میں بغض و اختلاف پیدا ہوتا ہے، آپس میں محبت کا اعلیٰ و بنیادی سبب یہ ہے کہ آدمی جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے، پھر انہوں نے علماء کا قول نقل کیا ہے کہ مکارم اخلاق میں نصیحت سے بڑی، دقیق اور مخفی کوئی چیز نہیں ہے^(۲)۔

ابن علیہ نے ابو بکر مزنی کے اس قول کے بارے میں کہ حضرت ابو بکرؓ کو صحابہ کرام میں نماز روزے کی وجہ سے فوقیت حاصل نہیں تھی،

(۱) فیض القدر ۶/۲۶۸۔

(۲) فیض القدر ۶/۲۶۸۔

ہے اللہ تعالیٰ اس کی رائے کی درستگی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں، اور جب خیانت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی رائے نصیحت کو چھین لیتا ہے اس شخص کی بات کی طرف ہرگز دھیان نہیں دینا چاہئے جو یہ کہتا ہے کہ اگر تم کسی کو نصیحت کرو اور وہ تمہاری نصیحت قبول نہ کرے تو تم اس کی خیانت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو، اس لئے کہ یہ ایسی بات ہے کہ شیطان نے اس کی زبان سے کہلوا یا ہے، البتہ اگر غش سے مراد خاموشی اختیار کرنا ہو تو ٹھیک ہے، چنانچہ ایک قول ہے کہ کثرت نصیحت سے بدظنی پیدا ہوتی ہے۔

راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ سب سے پہلی نصیحت یہ ہے کہ انسان خود کو نصیحت کرے، اس لئے کہ جو اپنے کو دھوکہ دے گا وہ دوسرے کو کم ہی نصیحت کر سکتا ہے^(۱)۔

عون المعبود میں ہے کہ جس سے نصیحت کی درخواست کی جائے اس کو اخلاص کے ساتھ نصیحت کرنا چاہئے، اس لئے کہ اس سے مشورہ لیا جا رہا ہے، لہذا جس میں مشورہ لینے کی بھلائی و بہتری ہو اس کی طرف اس کو رہنمائی کرنا چاہئے، اگر غلط کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا تو اپنے مشورہ میں اس کے ساتھ خیانت کرے گا، حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”المستشار مؤتمن“^(۲) (جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے)، طیبی نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جن امور میں اس سے پوچھا جا رہا ہے ان میں وہ امانت دار ہے، لہذا اس کو مشورہ لینے والے کی مصلحت چھپا کر اس کے ساتھ خیانت نہیں کرنا چاہئے^(۳)۔

(۱) الذریعۃ الی مکارم الشریعہ ص ۲۹۵۔

(۲) حدیث: ”المستشار مؤتمن“ کی روایت ابوداؤد (۵/۳۴۵ طبع حصص) اور ترمذی (۵/۱۲۵ طبع کلتی) نے ابو ہریرہؓ سے کی ہے، اور کہا حدیث حسن ہے۔

(۳) عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ۱۳/۳۶ طبع دار الفکر، فیض القدر ۶/۲۶۸۔

نصیحت ۱۳-۱۴

خیر خواہی کرے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب ہو، ابن رجب نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اس کے غائبانہ میں اس کو برا کہا جائے تو اس کی مدد کرے اور اس کی طرف سے دفاع کرے اور اگر محسوس کرے کہ کوئی اس کے غائبانہ میں اس کو ایذا پہنچانا چاہتا ہے تو اس کو اس سے روک دے، اس لئے کہ غائبانہ میں خیر خواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خیر خواہی میں سچا ہے^(۱)۔

ذمی اور کافر کے لئے نصیحت:

۱۴- حنا بلہ کی رائے ہے کہ کافر یا ذمی کو نصیحت کرنا مسلمان پر واجب نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”الدين النصيحة، قلنا: لمن يا رسول الله، قال: لله، ولكتابه، ولرسوله، ولأئمة المسلمين، وعامتهم“^(۲) (دین سراپا نصیحت ہے، ہم نے کہا: کس کے لئے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کے لئے)، غیر مسلم کو مسلمان کے ساتھ لاحق کرنا اس وقت صحیح ہے جب کہ وہ اس کے مثل ہو، ذمی مسلمان کی طرح نہیں ہے، نہ اس کا احترام مسلمان کے احترام کی طرح ہے^(۳)۔

ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ حضرت جریرؓ کی حدیث میں مسلم کی قید لگانا اور یہ ذکر کرنا کہ ”فشرط عليّ والنصح لكل مسلم“^(۴) (ہر مسلمان کے لئے نصیحت کی شرط مجھ پر لگائی)، اکثر

بلکہ ان کے دل میں ایک چیز تھی اس کی وجہ سے فوقیت تھی، کہا ہے جو چیز ان کے دل میں تھی وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی مخلوق کے حق میں نصیحت تھی۔

فضیل بن عیاض نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا، انہوں نے نماز روزے کی کثرت سے نہیں حاصل کیا بلکہ نفس کی فیاضی، کینہ سے دل کی سلامتی اور امت کے لئے نصیحت و خیر خواہی سے حاصل کیا ہے^(۱)۔

حسن نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعض صحابہ نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا سکتا ہوں کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ لوگ ہیں جو اللہ کو اس کے بندوں کا محبوب اور اللہ کے بندوں کو اللہ کا محبوب بناتے ہیں اور دنیا میں نصیحت کی سعی کرتے ہیں^(۲)۔

غائب کے لئے نصیحت:

۱۳- نصیحت کے باب میں مسلمان کا حق اس کے حاضر ہونے تک محدود نہیں رہتا ہے، بلکہ نصیحت کے سلسلہ میں اپنے مسلمان بھائی پر اس کا حق اس کے موجود نہ رہنے میں بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”للمؤمن على المؤمن ست خصال وذكر منها: ينصح له اذا غاب أو شهد“^(۳) (مومن پر مومن کے چھ حقوق ہیں ان میں سے یہ بھی ذکر کیا گیا کہ اس کے لئے

(۱) جامع العلوم والحکم ۱/۲۲۴۔

(۲) حدیث: ”الدين النصيحة“ کی تخریج فقہ ۵/۵ میں گذر چکی۔

(۳) جامع العلوم والحکم ۱/۲۲۵، مطالب اولیٰ النہی ۵/۲۴۔

(۴) حدیث جریر: ”فشرط عليّ والنصح لكل مسلم“ کی روایت بخاری (الفتح ۱۳۹/۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۵/۱۵۱ طبع عیسیٰ الخلی) نے کی ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۱) جامع العلوم والحکم ۱/۲۲۵۔

(۲) جامع العلوم والحکم ۱/۲۲۴۔

(۳) حدیث: ”للمؤمن على المؤمن ست خصال“ کی روایت ترمذی (۸۱، ۸۰، ۸۱، ۸۰ طبع الخلی) اور نسائی (۵۳/۴ طبع البخاری) نے کی ہے، اور ترمذی نے کہا حسن صحیح ہے۔

نصیحت ۱۵

”رحمہ اللہ، نصح للہ ولرسولہ حیاً ومیتاً“^(۱) (اللہ ان پر رحم کرے کہ انہوں نے زندگی میں اور مرنے کے وقت اللہ اور اس کے رسول کے لئے خیر خواہی کی)۔

کے اعتبار سے ہے ورنہ کافر کے لئے بھی نصیحت معتبر ہے یعنی اس طرح کہ اس کو اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر مشورہ طلب کرے تو اس کو صحیح مشورہ دیا جائے^(۱)۔

مسلمان زندگی میں اور مرنے کے وقت بھی نصیحت کرے گا:
 ۱۵- مسلمان کی شان یہ ہے کہ نصیحت و خیر خواہی کی جو ذمہ داری اس پر واجب ہے اس کو ہر جگہ ہر حال میں ادا کرے، یہاں تک کہ اس وقت بھی جب وہ موت کا استقبال کر رہا ہو، اس لئے کہ جن لوگوں نے ایسا کیا نبی کریم ﷺ نے ان کی تعریف کی، اور ان کے لئے رحمت کی دعا کی^(۲)، چنانچہ مروی ہے کہ سعد بن الربیع غزوہ احد میں شہید ہوئے، جب ان کو شہداء میں تلاش کیا گیا تو وہ زندہ حالت میں ملے تو انہوں نے ابی بن کعبؓ سے جو ان کو تلاش کر رہے تھے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے کہ ان کو تمہارے بارے میں بتاؤں؟ انہوں نے کہا کہ جا کر ان کو میری طرف سے سلام کہنا اور اپنی قوم کو بتادینا کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ قتل کر دئے گئے اور ان میں سے کوئی زندہ رہ گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے پاس کوئی عذر نہیں رہ جائے گا، اپنی قوم سے کہنا کہ سعد بن الربیع تم سے کہتا ہے کہ اللہ کو اور لیلیۃ العقبہ میں اللہ کے رسول ﷺ سے تم نے جو معاہدہ کیا ہے اس کو یاد رکھنا، اگر دشمن تمہارے نبی کے پاس پہنچ گئے، اور تم میں سے کوئی زندہ رہ گیا تو خدا کی قسم اللہ کے پاس تمہارے لئے کوئی عذر نہیں رہ جائے گا، ابی کہتے ہیں کہ ابھی میں وہاں سے جدا بھی نہیں ہوا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا، پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو بتایا تو آپ نے ارشاد فرمایا:



(۱) حدیث: ”رحمہ اللہ، نصح للہ ولرسولہ حیاً ومیتاً“ کی روایت ابن الاثیر نے أسد الغابہ (۲/۱۹۶، ۱۹۷ طبع دار الفکر) میں صحیح بن سعید سے مرسل کی ہے۔

(۱) فتح الباری ۱/۱۳۹، ۱۴۰۔

(۲) الفتوحات الربانیة علی الأذکار النوویہ لابن علان الصدیقی الشافعی ۶/۲۶۲ طبع المکتبۃ الاسلامیہ۔

قرانی نے کہا ہے کہ نضح کا معنی اونٹ سے سیراب کرنا ہے، جس اونٹ پر پانی لایا جائے اس کو ناضح کہتے ہیں^(۱)۔

نضح سے متعلق احکام:

استنجاء کے بعد شرم گاہ اور پانچامہ پر پانی چھڑکنا:

۲- حنفیہ، شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ وسوسہ کو دور کرنے کے لئے وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ ایک چلو پانی لے کر اپنی شرم گاہ اور اپنے پانچامہ اور لنگی کے اندرونی حصہ پر چھڑک لے، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جاء نبی جبریل فقال: یا محمد إذا توضأت فانتضح“^(۲) (میرے پاس جبریل آئے اور کہا کہ اے محمد! جب آپ وضو کریں تو پانی چھڑک لیا کریں)۔

حنبل نے کہا ہے کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ میں استنجاء کر کے وضو کرتا ہوں پھر میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے بعد پیشاب نکل آیا، انہوں نے کہا کہ جب وضو کرنا ہو تو استنجاء کر لو، پھر ایک چلو پانی لے کر اپنی شرم گاہ پر چھڑک لو اور وسوسہ کی فکر نہ کرو وہ انشاء اللہ دور ہو جائے گا^(۳)۔

نضح کے ذریعہ بچہ کے پیشاب کو پاک کرنا:

۳- بچہ اور بچی کے پیشاب کے پاک کرنے کے طریقہ کے بارے

(۱) الذخیرہ ۸۳/۳۔

(۲) حدیث: ”جاء نبی جبریل فقال: یا محمد إذا توضأت فانتضح“ کی روایت ترمذی (۱/۱۷۱ طبع اعلیٰ) نے کی ہے، اور کہا: حدیث غریب ہے، پھر انہوں نے لکھا ہے کہ اس کے ایک راوی کو امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۴۹، البحر الرائق ۱/۲۵۳، المجموع ۲/۱۱۲، المغنی ۱/۱۵۵، ۱۵۶۔

نضح

تعریف:

۱- لغت میں نضح کا ایک معنی پانی سے تر کرنا، اور پھوار بھی ہے، کہا جاتا ہے: نضح الماء، نضح البیت بالماء (پانی کا چھڑکاؤ کرنا)، اسی طرح اس پانی کو کہتے ہیں جس سے کھیتی کی سینچائی کی جاتی ہے یعنی اونٹ کے ذریعہ سیراب کیا جاتا ہے^(۱)۔

اصطلاحی معنی کے بارے میں المرادوی نے کہا: نضح المشیء: اس کو پانی سے تر کر دینا اگرچہ اس میں سے کچھ نہ ٹپکے^(۲)۔ امام الحرمین وغیرہ نے کہا ہے کہ نضح یہ ہے کہ پانی بہت زیادہ ڈالاجائے لیکن اس حد تک نہ ہو کہ پانی بہ جائے یا ٹپکنے لگے، دوسری چیزوں میں بہت زیادہ ڈالنے میں یہ شرط ہے کہ کچھ پانی بہ جائے اور ٹپکنے لگے اگرچہ اس کا نچوڑنا شرط نہیں ہے^(۳)۔

اسی طرح فقہاء نے نضح کی تفسیر اس اونٹ سے کی ہے جس پر پانی لاکر سیراب کیا جاتا ہے^(۴)۔

یعنی نے کہا ہے کہ نواضح وہ اونٹ ہیں جن پر پانی لاکر سیراب کیا جاتا ہے، اس کا واحد ناضح اور مونث ناضحہ ہے^(۵)۔

(۱) المصباح المیز، المغرب۔

(۲) الإیضاف ۱/۳۲۳۔

(۳) صحیح مسلم بشرح النووی ۱۹۵/۳، طبع المطبعة المصریہ ازہر۔

(۴) فتح الباری ۳/۳۴۹، طبع السلفیہ، عمدۃ القاری ۲/۷۲۔

(۵) عمدۃ القاری ۲/۷۲، کشف القناع ۲/۲۰۹۔

نصف ۴

نصف العشر“ (۵) (جو کھیتی یا چشمہ سے سیراب ہو یا عوشی (ندی نالے وغیرہ کے کنارے لگے پودے) ہو اس میں عشر ہوگا، اور جس کی سینچائی اونٹ کے ذریعہ ہو اس میں نصف عشر ہوگا)۔
القرانی نے حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اخراجات زیادہ ہوتے ہیں تو بندوں کی سہولت کے لئے زکاۃ میں کمی کر دی جاتی ہے، اور جب اخراجات کم ہوتے ہیں تو زکاۃ میں اضافہ ہو جاتا ہے تاکہ نعمت کی زیادتی پر شکر بھی زیادہ ہو اس کی نظیر معدن میں زکاۃ اور رکاز میں خمس کا واجب ہونا ہے (۱)۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ”زکاۃ“ (فقہ ر ۱۱۵ اور اس کے بعد کے فقرات)۔



میں فقہاء کا اختلاف ہے:
چنانچہ حنفیہ، مالکیہ کی رائے اور شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ بچے اور بچی کے پیشاب کا دھونا واجب ہے، اگر چہ وہ ابھی کھانا نہ کھا رہے ہوں، ان دونوں میں پانی چھڑکنا کافی نہ ہوگا (۱)۔

حنابلہ کی رائے اور شافعیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جو لڑکا ابھی کھانا کھا رہا ہو اس کے پیشاب میں پانی چھڑک دینا کافی ہے (۲)۔
شافعیہ نے نصف میں یہ شرط لگائی ہے کہ پانی پیشاب کی کل جگہ میں لگے اور اس کو مغلوب کر لے، اور یہ شرط نہیں ہے کہ نیچے جائے (۳)۔

نخعی کی رائے، اوزاعی سے ایک روایت اور شافعیہ کا ایک ضعیف قول یہ ہے کہ لڑکا لڑکی دونوں کے پیشاب میں پانی چھڑک دینا کافی ہے (۴)۔

جو لڑکا ابھی کھانا نہ کھا رہا ہو، طہارت و نجاست میں اس کے پیشاب کا حکم جاننے کے لئے ملاحظہ ہو: ”نجاست“۔

اونٹ کے ذریعہ سیراب کردہ پیداوار کی زکاۃ:

۴- جس کھیتی کی سینچائی میں خرچ ہو مثلاً رہٹ اور اونٹ کے ذریعہ سیراب کی جائے اس میں نصف عشر واجب ہوگا، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریاً العشر، وما سقی بالنضح“

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲۱۲/۱، الاختیار ۳۲/۱، التاج والاکلیل ۱۰۸/۱، المجموع

۵۸۹/۲، صحیح مسلم بشرح النووی ۱۹۵/۳ طبع المطبعة المصریہ ازہر۔

(۲) المجموع ۵۸۹/۲، صحیح مسلم بشرح النووی ۱۹۵/۳، الإیضاف ۳۲۳۔

(۳) المجموع ۵۸۹/۲۔

(۴) المجموع ۵۸۹/۲، صحیح مسلم بشرح النووی ۱۹۵/۳۔

(۵) حدیث: ”فیما سقت السماء والعیون“ کی روایت بخاری (الفتح

۳۷۷/۳ طبع السلفیہ) نے ابن عمر سے کی ہے۔

(۱) الذخیرہ ۸۲/۳، المغنی ۶۹۸/۲، نہایت المحتاج ۷۶/۳، الاختیار ۱۱۳۔

نطفہ ۱-۳

بہت زیادہ سرخ ہو، اسی معنی میں ارشاد ربانی ہے: ”خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ“^(۱) (جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا)۔
 علقہ کا اصطلاحی معنی اس کے لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔
 نطفہ اور علقہ میں تعلق یہ ہے کہ دونوں جنین کے حالات ہیں^(۲)۔

نطفہ

تعریف:

ب- مضغہ:
 ۳- لغت میں مضغہ کا معنی گوشت کا اتنا بڑا ٹکڑا جو چبایا جاسکے اور ابھی پکانہ ہو، اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”أَلَا وَإِنْ فِي الْجَسَدِ مَضْغَةٌ إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ“^(۳) (دیکھو! بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست رہے تو پورا بدن درست رہے گا اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو پورا بدن فاسد ہو جائے گا، دیکھو! وہ دل ہے)۔

۱- لغت میں نطفہ کا معنی مرد و عورت کی منی ہے، ارشاد ربانی ہے: ”إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ“^(۱) (بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ سے)، اس میں پانی کے کم ہونے کی وجہ سے اس کو نطفہ کہا جاتا ہے، اس لئے کہ نطفہ کم پانی کو کہتے ہیں اور کبھی زیادہ پانی کو بھی کہتے ہیں، اس کی جمع نطف و نطاف ہے۔
 نطفہ کا اصطلاحی معنی اس کے لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

علقہ کی حالت کے بعد جنین جس حالت کو پہنچتا ہے اس کا نام مضغہ رکھا گیا ہے، اسی معنی میں ارشاد ربانی ہے: ”فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا“^(۳) (پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا، پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا)، منی اپنی حالت سے منتقل ہو کر بستہ گاڑھا خون بنتی ہے، پھر دوبارہ اس کی حالت بدلتی ہے تو گوشت تیار ہوتا ہے، وہی مضغہ ہے۔

الف- علقہ:

۲- لغت میں علقہ کا معنی یہ ہے کہ منی اپنی حالت سے منتقل ہو کر جما ہوا گاڑھا خون ہو جاتی ہے، اور یہی وہ ٹکڑا ہے جس سے بچہ تیار ہوتا ہے، اور علقہ جنین کی ایک حالت ہے، اگر عورت حاملہ ہو جائے تو کہا جاتا ہے: علقت المرأة، اسی معنی میں ارشاد ربانی ہے: ”ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ“^(۳) (پھر خون کے لوتھڑے سے)۔

(۱) سورہ علق ۲/۲

(۲) المصباح المنیر، المفردات فی غریب القرآن، المعجم الوسیط، تفسیر القرطبی ۷، ۶/۱۲۔

(۳) حدیث: ”أَلَا وَإِنْ فِي الْجَسَدِ مَضْغَةٌ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۲۶/۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۲۰ طبع عیسیٰ الخلیلی) نے نعمان بن بشیر سے کی ہے۔

(۴) سورہ مؤمنون ۱۳/۱۳۔

(۱) سورہ دہر ۲/۲۔

(۲) المصباح المنیر، المفردات فی غریب القرآن، الجامع لأحكام القرآن للقرطبی ۷، ۶/۱۲، فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۱/۳۷۹۔

(۳) سورہ غافر ۶۷/۶۷۔

نطفہ ۴-۷

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔
 دونوں میں تعلق یہ ہے کہ دونوں جنین کے حالات ہیں (۱)۔
 نہیں؟ تو اس سے اس کی مدت پوری نہ ہوگی، اس لئے کہ یہ ثابت
 نہیں ہے کہ وہ بچہ ہے، نہ مشاہدہ سے نہ بینہ سے، نیز اس لئے کہ اس کو
 حمل نہیں کہا جاتا ہے، لہذا اس سے رحم کی براءت معلوم نہ ہوگی۔

ج- جنین:

قرطبی نے کہا ہے کہ نطفہ یقینی طور پر کچھ بھی نہیں ہے اور اس
 سے کوئی حکم متعلق نہیں ہوتا ہے، اگر عورت اس کو ساقط کر دے جب
 تک رحم میں جمع نہ ہو وہ ایسا ہوگا گویا بھی مرد کے صلب میں ہے (۱)۔
 تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”عدۃ“ (فقہہ ۲۲)۔

۴- بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں رہے لغت میں اسکو جنین کہتے
 ہیں، اس کی جمع أجنة ہے، اسی معنی میں ارشاد ربانی ہے: ”وَإِذْ أَنْتُمْ
 أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ“ (۲) (اور جب تم ماؤں کے پیٹ میں
 بطور جنین کے تھے)، جنین کا نام اس کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے
 جنین ہے، جب پیدا ہو جائے گا تو اس کا نام منفوس ہے (نو پیدا شدہ
 بچہ)۔

ب- نطفہ کو ساقط کرنا:
 ۶- روح کے پھونکنے جانے اور پیدائش سے قبل نطفہ کو ساقط کرنے
 میں فقہاء کا اختلاف ہے، البتہ اس پر اتفاق ہے کہ جنین میں روح
 پھونکنے کے بعد اس کو ساقط کرنا حرام ہے۔

جنین کا اصطلاحی معنی اس کے لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔
 نطفہ اور جنین میں یہ تعلق ہے کہ نطفہ جنین کا اول مرحلہ
 ہے (۳)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”إجهاض“ (فقہہ ر
 ۸، ۳)۔

نطفہ سے متعلق احکام:

کچھ احکام نطفہ سے متعلق ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل
 ہیں:

ج- نطفہ پر جنائیت:
 ۷- فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی عورت پر زیادتی کی جائے
 اور اس کی وجہ سے وہ نطفہ ساقط کر دے تو زیادتی کرنے والے پر کچھ
 واجب نہ ہوگا، یعنی اس پر دیت واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ مشاہدہ یا
 بینہ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ساقط ہونے والا بچہ ہے، اور اس لئے بھی
 کہ اصل ذمہ کا بری ہونا ہے (۲)۔

الف- نطفہ سے عدت کا پورا ہونا:

۵- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اگر عورت- شوہر سے جدائی کے
 بعد- نطفہ ساقط کر دے، یہ معلوم نہ ہو کہ اس سے آدمی پیدا ہوگا یا

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲۰۰/۱، ۲۰۳/۲، ۶۰۳/۲، تفسیر القرطبی ۸/۱۲، فتح الباری
 ۳۸۹/۱۱، مغنی المحتاج ۳/۳۸۹، المغنی لابن قدامہ ۷/۴۷۵۔
 (۲) حاشیہ ابن عابدین ۳۷۹/۵، تفسیر القرطبی ۲۰/۱۲، مغنی المحتاج ۴/۱۰۳،
 المغنی لابن قدامہ ۷/۴۷۵، ۸۰۲۔

(۱) المصباح المنیر، المفردات فی غریب القرآن، المعجم الوسیط، تفسیر القرطبی
 ۷/۶۱۲۔
 (۲) سورہ نجم/۳۲۔
 (۳) المصباح المنیر، المفردات فی غریب القرآن، المعجم الوسیط، تفسیر القرطبی
 ۷/۶۱۲، مغنی المحتاج ۴/۱۰۳۔

نطق ۱-۴

نطق اور عبارت میں تعلق یہ ہے کہ نطق عبارت سے عام ہے۔

نطق سے متعلق احکام:

۳- نطق انسان کی ایک اہم خصوصیت ہے اور اس کی دینی زندگی اور دنیا میں اس کے تصرفات میں اثر انداز ہونے میں سب سے بڑی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے زمین کی تمام مخلوقات میں انسان کو یہ وصف عطا فرمایا اور اسی کے ساتھ خاص کیا تا کہ زمین میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے تیار ہو سکے، شریعت میں انسان کے دین و دنیا کے بہت سے امور کی بنیاد نطق پر ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

الف- اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا:

۴- سب سے پہلی چیز جو انسان پر واجب ہوتی ہے وہ ایمان باللہ یعنی تصدیق قلبی ہے، جو شخص شہادتین کے بولنے پر قادر ہو اس کا ایمان اس کے بغیر معتبر نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ تصدیق قلبی ایک باطنی چیز ہے، ہم کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے شریعت نے دنیا میں اس پر مسلمانوں کے احکام جاری کرنے کے لئے کم از کم شہادتین کے بولنے پر بنیاد رکھی ہے جیسے وراثت کا جاری ہونا، اس پر نماز جنازہ پڑھنا، مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن کرنا اور شادی بیاہ کرنا وغیرہ۔

جو شخص اپنے دل سے تصدیق کرے اور زبان سے ادا کرنے پر قدرت کے باوجود زبان سے ادا نہ کرے تو اس پر مسلمان کے احکام جاری نہ ہوں گے، اس پر علماء کا اجماع ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجات پانے والا مومن ہوگا یا نہیں، اس

کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

بعض فقہاء کی رائے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے،

نطق

تعریف:

۱- لغت میں نطق کا معنی کلام ہے، وہ فعل نطق کے مصدر کا اسم ہے، کہا جاتا ہے: نطق الرجل نطقاً و نطقاً: اس نے گفتگو کی، اسی طرح نطق لسانہ بھی کہا جاتا ہے، منطق بھی کلام کو کہتے ہیں، ہر شی کا کلام اس کی گفتگو ہے^(۱)، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سلیمان علیہ السلام کی طرف سے نقل کیا ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ“^(۲) (اور انہوں نے کہا اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی کی تعلیم دی گئی ہے) یعنی اس کا کلام۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۳)۔

متعلقہ الفاظ:

عبارۃ:

۲- عبارت، فعل عبر کا اسم مصدر ہے، کہا جاتا ہے: عبر عما فی نفسہ: دل کی بات ظاہر کرنا، عبر عن فلان: دوسرے کی طرف سے بولنا، عبارت اس کلام کو کہتے ہیں، جو دل میں موجود معانی کو بیان کرے، کہا جاتا ہے: هو حسن العبارة^(۴) (وہ اچھا بیان کرنے والا ہے)۔

(۱) المصباح المنیر، لسان العرب۔

(۲) سورۃ نمل، ۱۶۔

(۳) قواعد الفقہ للمبرکتی۔

(۴) المصباح المنیر، آجم الوسیط، قواعد الفقہ للمبرکتی۔

نطق ۵-۶

جنت میں داخل ہوگا۔ فقہاء کے یہاں اختلاف اور تفصیل ہے، ملاحظہ ہو: اصطلاح

”دیات“ (نفرہ ۵۷)۔

دوسرے فقہاء کی رائے ہے کہ وہ کافر ہے۔

لیکن جو دل سے تصدیق کرے اور شہادتین کے بولنے پر قادر ہونے سے قبل ہی موت آجائے تو وہ مومن ہے جنت میں داخل ہوگا اس پر علماء کا اجماع ہے^(۱)۔

ب- دنیوی تصرفات:

۵- فی الجملہ عقد کے صحیح ہونے کے لئے نطق شرط ہے، جیسے نکاح، بیع اور رہن وغیرہ عقد، اسی طرح عقد کو ختم کرنے کے لئے بھی نطق شرط ہے جیسے طلاق، فسخ وغیرہ، اسی طرح اقرار اور دعویٰ میں بھی شرط ہے، لہذا اگر بولنے والا عقد کے کرنے یا اس کے ختم کرنے کا اشارہ کرے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اگرچہ اشارہ میں بھی بیان ہوتا ہے مگر شارع نے نطق پر قادر لوگوں کو عبارت کا پابند بنایا ہے، اگر عبارت سے عاجز ہو تو شارع نے فی الجملہ اس کی عبارت کی جگہ اس کے اشارہ کو قائم کیا ہے^(۲)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”اشارہ“ (نفرہ ۱۴ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

ج- نطق کا ختم ہو جانا:

۶- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی زبان یا اس کے سر پر جنایت کرے اور اس کی وجہ سے اس کی گویائی پوری طرح ختم ہو جائے تو اس پر پوری دیت واجب ہوگی۔

اور اگر گویائی پر جزوی اثر پڑے، مثلاً بعض حروف کے ادا کرنے پر قادر ہو اور بعض کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کے بارے میں

(۱) غایۃ البیان شرح الزبدی علی شرح الرطبی ص ۵۔

(۲) المسئور للورکشی ۱/۱۶۴۔



نطیجہ ۱-۶

جال وغیرہ سے ذبح کے بغیر اس کا گلا گھنٹ جائے۔
اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۱)۔
نطیجہ اور متخفہ دونوں مردار ہیں، موت کے اسباب کے فرق
کے باوجود دونوں حرام ہیں۔

نطیجہ

ج- موقوفہ:

۴- موقوفہ وہ جانور ہے جس کو لاشی پتھر وغیرہ سے مارا جائے
یہاں تک کہ وہ ذبح کے بغیر مرجائے۔
اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔
نطیجہ اور موقوفہ میں تعلق یہ ہے کہ موت کے اسباب کے مختلف
ہونے کے باوجود دونوں مردار ہیں^(۲)۔

د- متردیہ:

۵- متردیہ، وہ جانور ہے جو اوپر سے نیچے گر کر یا کنویں میں گر کر
مر جائے۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۳)۔

اجمالی حکم:

۶- نطیجہ کا حکم یہ ہے کہ وہ مردار اور نجس ہے اس کا کھانا حرام ہے،
اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ
وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ
وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا

(۱) تفسیر القرطبی ۴/۸۶، لسان العرب، حاشیہ الشیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی
-۹۲/۲

(۲) سابقہ مراجع۔

(۳) سابقہ مراجع۔

تعریف:

۱- نطیحة نطحہ سے ماخوذ ہے، جو فتح اور ضرب سے آتا ہے یعنی
سینگوں سے مارنا۔

انتطحت الكباشي: مینڈھوں کا ایک دوسرے کو سینگ
مارنا، النطیحة: سینگ مارنے سے مرا ہوا جانور، مذکر کے لئے نطیح
ہے، اور کہا جاتا ہے: نعة نطیح و نطیحة۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- مییة:

۲- لغت میں مییة وہ جانور ہے جو طبعی موت مر جائے۔

اصطلاح میں وہ جانور ہے جو طبعی موت مر جائے یا غیر مشروع
طریقہ پر قتل کیا جائے^(۲)۔

نطیجہ اور مییة میں تعلق عموم خصوص کا ہے، چنانچہ ہر نطیجہ مییة
ہے، ہر مییة نطیجہ نہیں ہے۔

ب- متخفہ:

۳- لغت میں متخفہ وہ جانور ہے جس کا گلا گھنٹ دیا جائے، یارسی،

(۱) لسان العرب، القاموس، حاشیہ الشیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ۹۲/۲۔

(۲) المصباح المنیر، قواعد الفقہ للمرکتی۔

نظارة، نظرا

نظر

تعريف:

۱- النظر لغت میں نظر کا مصدر ہے، اس کا معنی دیکھنا یا غور سے دیکھنا، یا کسی چیز کو دیکھنے کے لئے آنکھ کی تپلی کو اس کی طرف گھمانا ہے۔

اس کا ایک معنی حفاظت و نگرانی کرنا ہے، کہا جاتا ہے: ”نظر الشيء“ یعنی اس کی حفاظت و نگہبانی کرنا، اس کا ایک معنی کسی شے کے ادراک کے لئے بصیرت کا استعمال کرنا بھی ہے، کبھی اس سے مراد غور و فکر کے بعد حاصل ہونے والی معرفت ہوتی ہے، ارشاد بانی ہے: ”انظروا ماذا في السموات“^(۱) (تم دیکھو تو کیا کیا چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں) اس کا معنی ہے غور و فکر کرو۔

لفظ نظر کا استعمال عام لوگوں کے نزدیک بصر (دیکھنا) کے معنی میں ہوتا ہے، اور خاص لوگوں کے نزدیک اکثر بصیرت کے معنی میں ہوتا ہے، اگر اس کا صلہ ”الی“ استعمال کیا جائے اور کہا جائے: ”نظرت إلیه“ تو اس کا معنی صرف آنکھ سے دیکھنا ہے، اور اگر اس کا صلہ ”فی“ استعمال کیا جائے اور کہا جائے: نظرت فی الأمر تو اس میں دل سے غور و فکر کے معنی کا احتمال ہوتا ہے^(۲)۔
اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۳)۔

ذَكِّيْتُمْ“^(۱) (تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو کسی ضرب سے مرجائے اور جو اونچائی سے گر کر مرجائے اور جو کسی کے سینگ سے مرجائے اور جس کو درندے کھانے لگیں، سوائے اس صورت کے کہ تم اسے ذبح کر ڈالو)۔

نص میں وہ جانور اس سے مستثنیٰ ہے جو زندگی برقرار رہنے کی حالت میں پایا جائے اور اس کو شرعی طور پر ذبح کر لیا جائے، یعنی مذکورہ جانوروں میں جن کو تم زندہ حالت میں پالو اور شرعی طور پر ذبح کرو تو وہ حلال ہیں، شرعی ذبح یہ ہے کہ حلقوم (سانس کی نالی) اور مریء (غذا کی نالی) کو دھاردار چیز سے کاٹ دیا جائے^(۲)۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”میتة“۔

نظارة

دیکھئے: ”وقف“۔

(۱) سورہ یونس/۱۰۱۔

(۲) لسان العرب، معجم مقاییس اللغة، المعجم الوسيط، الکلیات ۲/۳۶۰۔

(۳) القلیوبی وعمیرہ ۳/۲۰۷، ۲۰۹۔

(۱) سورہ مائدہ/۳۔

(۲) تفسیر البیضاوی ۲/۹۲۔

نظر ۲-۴

متعلقہ الفاظ:

ارشاد ہے: ”إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا أدرك ذلك لا محالة: فزنا العين النظر“^(۱) (اللہ تعالیٰ نے آدمی پر زنا سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے وہ لامحالہ اس میں مبتلا ہوگا، آنکھ کا زنا دیکھنا ہے)۔

پھر ستر کی تحدید میں جس کی طرف دیکھنا حرام ہے، فقہاء کے چند مختلف اقوال ہیں:

قول اول:

۴- اگر شہوت نہ ہو اور اس میں پڑنے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو اجنبی عورت کا چہرہ اور اس کی دونوں ہتھیلیاں دیکھنا جائز ہے، اور عذر شرعی کے بغیر ان کے علاوہ دوسرے اعضاء کا دیکھنا حرام ہے، یہ رائے حنفیہ و مالکیہ کی ہے، اور شافعیہ کے نزدیک صحیح کے بالمقابل قول ہے، حنفیہ کے نزدیک ہتھیلی سے مراد اس کا صرف باطنی حصہ ہے، اس کی پشت مقام ستر ہے، ظاہر روایت کے مطابق اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، مالکیہ کے یہاں دونوں ہتھیلیوں کے ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہیں ہے، لہذا اگر لذت کے ارادہ سے نہ ہو اور اس کی وجہ سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو ان دونوں کی طرف دیکھنا حرام نہ ہوگا، اور یہ کہ مرد بھی مسلمان ہو اور عورت بھی مسلمان ہو، کافر کے سامنے مسلمان عورت کے لئے اپنے کسی عضو کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے اور اس کا پورا بدن اس کے بارے میں مقام ستر سمجھا جائے گا^(۲)۔

ان کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا

۲- لغت میں رویت کا معنی کسی چیز کو آنکھ سے دیکھنا ہے، ابن سیدہ نے کہا ہے کہ رویت، آنکھ اور دل دونوں سے دیکھنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاح میں دنیا و آخرت میں آنکھ سے مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں^(۱)۔

نظر رویت سے عام ہے۔

نظر سے متعلق احکام:

نظر سے متعلق کچھ احکام ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

مرد کا عورت کو دیکھنا:

مرد اور عورت کے حالات کے فرق کے اعتبار سے مرد کا عورت کو دیکھنے کے حکم میں اختلاف ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

مرد کا نوجوان اجنبی عورت کو دیکھنا:

۳- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مرد کا نوجوان اجنبی عورت کے مقام ستر کو دیکھنا حرام ہے^(۲)۔

اس سلسلہ میں ان کے بعض دلائل درج ذیل ہیں: ارشاد ربانی ہے: ”قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ“^(۳) (آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں)، نیز نبی کریم ﷺ کا

(۱) حدیث: ”إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا“ کی روایت بخاری (فتح ۲۶/۱۱) اور مسلم (۲۰۳۶/۳) نے ابو ہریرہ سے کی ہے۔
(۲) المبسوط ۱۵۲/۱۰، الہدایہ والعناویہ وکملہ فتح القدیر ۲۸/۱۰، تبیین الحقائق ۱۷/۶، حاشیۃ الدسوقی والشرح الکبیر ۲۱۳/۱، نہایۃ المحتاج ۱۸۷/۶، مغنی المحتاج ۲۰۹/۴۔

(۱) الکلیات، لسان العرب۔
(۲) تبیین الحقائق ۱۸، ۱۷، ۱۶، حاشیۃ الدسوقی ۲۱۳/۱، روضۃ الطالبین ۳۲۶/۵، الإیضاف ۳۰/۸۔
(۳) سورۃ نور ۳۰۔

نظر ۴

أصحابه: زوجنيها يا رسول الله، قال: أ عندك من شيء؟ قال: ما عندي من شيء، قال: ولا خاتم من حديد؟ قال: ولا خاتم، ولكن أشق بردتي هذه فأعطيها النصف وأخذ النصف، قال: لا، هل معك من القرآن شيء؟ قال: نعم، قال: اذهب فقد زوجتكها بما معك من القرآن،^(۱) (ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خاتون حاضر ہوئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے لئے پیش کیا، آپ نے اپنی نظر اٹھائی اور جھکالی، ان کو کوئی جواب نہیں دیا، صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ان کا نکاح مجھ سے کر دیں، آپ نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا: کیا لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: انگوٹھی بھی نہیں ہے، لیکن میں اپنی اس چادر کو پھاڑ کر آدھا ان کو دے دوں گا اور آدھا میں لے لوں گا، آپ نے فرمایا: نہیں، کیا تمہارے پاس قرآن کا کچھ علم ہے، جواب دیا: ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ تمہارے پاس قرآن کا جو علم ہے اس کی وجہ سے اس کا نکاح تم سے کر دیا، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو دیکھا، اس لئے کہ راوی کا قول ہے: ”فحفض فیہا البصر ورفعة“ (آپ نے نظر اٹھائی اور جھکالی)، ایک دوسری روایت میں ہے: ”فصعد النظر فیہا وصوبہ“^(۲) (آپ نے نظر اٹھائی اور غور سے دیکھا)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ کو دیکھنا جائز ہے^(۳)۔

- (۱) حدیث: ”کنا عند النبی ﷺ.....“ کی روایت بخاری (فتح ۱۸۸/۹ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔
 (۲) حدیث: ”فصعد النظر إليها وصوبہ“ کی روایت بخاری (فتح ۷۸/۹) اور مسلم (۱۰۴۱/۲) نے کی ہے۔
 (۳) المبسوط ۱۰/۱۵۲، العنایہ و تکمیل فتح القدر ۱۰/۲۸، ۲۹۔

ظَهَرَ مِنْهَا“^(۱) (اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے)، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ، علیؓ اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ ”ما ظهر من الزينة“ سے مراد چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں^(۲)، قرطبی نے کہا ہے کہ چونکہ اکثر عادت میں بھی اور عبادت میں بھی چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ظاہر رہتی ہیں اور یہ نماز اور حج میں ہوتا ہے، اس لئے استثناء ان دونوں سے متعلق ہوگا^(۳)۔

نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: ”أن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما دخلت على رسول الله ﷺ وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها وقال: يا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض لم تصلح أن يُرى منها إلا هذا وهذا وأشار إلى وجهه وكفيه“^(۴) (اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے بدن پر پتلے کپڑے تھے، تو آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا اور کہا: اے اسماء جب عورت سیانی ہو جائے تو اس کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہئے، سوائے اس کے اور اس کے اور آپ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا)، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی عورت کا چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں مقام ستر نہیں ہیں، اور مردان دونوں کو دیکھ سکتا ہے^(۵)۔

سہل بن سعد سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ”کنا عند النبي ﷺ جلوسا، فجاءته امرأة تعرض نفسها عليه، فحفض فيهما البصر ورفعه، فلم يردھا، فقال رجل من

- (۱) سورہ نور ۳۱۔
 (۲) نیل الأوطار للشوکانی ۲۴۳/۸۔
 (۳) تفسیر القرطبی ۲۲۹/۱۲۔
 (۴) حدیث: ”یا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض.....“ کی روایت ابوداؤد (۳۸۵/۴ طبع حصص) نے کی ہے، اور کہا ہے: یہ مرسل ہے، خالد بن دُرَیک کی حضرت عائشہؓ سے ملاقات نہیں ہے۔
 (۵) عون المعبود ۱۱/۱۲۲۔

نظر ۵

آپ کو ایک خط بڑھایا آپ نے نہیں لیا، آپ نے فرمایا: مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کسی عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا ہے، انہوں نے کہا کہ عورت کا ہاتھ ہے، آپ نے فرمایا: اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخن مہندی سے رنگ لیتی۔

انہوں نے عقلی دلیل بیان کی ہے کہ عورت کا چہرہ اور اس کی دونوں ہتھیلیاں مقام ستر نہیں ہیں، اس لئے مرد کے چہرہ کی طرح ان کی طرف دیکھنا حرام نہیں ہوگا، نیز چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کو ظاہر کرنے میں مجبوری ہے، اس لئے کہ عورت کو مردوں کے ساتھ لین دین، خرید و فروخت کا معاملہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور عادتاً یہ چہرہ اور ہتھیلی کو کھولے بغیر نہیں ہو سکتا ہے، لہذا اس کے لئے یہ حلال ہوگا (۱)۔

قول دوم:

۵- اجنبی آزاد عورت کے دوسرے تمام اعضاء کی طرح اس کا چہرہ اور اس کی دونوں ہتھیلیاں بھی شرعی عذر کے بغیر مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے، خواہ دیکھنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو یا نہ ہو، اس پر شافعیہ کا اتفاق ہے، یہی ان کا صحیح قول ہے، اور یہی حنا بلکہ رانج مذہب ہے، اور امام احمد کے کلام کا ظاہر بھی یہی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا: مرد اپنی مطلقہ عورت کے ساتھ نہیں کھائے گا، اس لئے کہ وہ اجنبی ہو چکا ہے، اس کے لئے جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، کیسے اس کے ساتھ کھائے گا جبکہ وہ اس کی ہتھیلی کو دیکھے گا، اور یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے (۲)۔

ان کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا

(۱) بدائع الصنائع ۱۲/۵، المبسوط ۱۰/۱۵۳، المغنی ۷/۳۶۰۔

(۲) مغنی المحتاج ۲۰۹/۳، الحاوی الکبیر ۳/۵۹، روضۃ الطالبین ۷/۲۱،

الإلصاف ۲۹/۸، مطالب اولى النبی ۱۸/۵، المغنی ۷/۳۶۰۔

سرخسی نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں کہا کہ عورتوں کا مہر بہت زیادہ نہ مقرر کیا کرو تو ایک عورت نے جس کے دونوں رخساروں پر پھنسیاں تھیں کہا کہ یہ آپ اپنی رائے سے کہہ رہے ہیں یا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ اس لئے کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم اس کے خلاف کتاب اللہ میں پاتے ہیں، ارشاد ربانی ہے: ”وَأْتَيْتُمُ إِحْدَاهُنَّ فِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا“ (۱) (اور تم اس بیوی کو مال کا انبار دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو)، تو حضرت عمرؓ بہت رہ گئے اور کہا: ”کل الناس أفقہ من عمر حتی النساء فی البیوت“ (۲) (تمام لوگ حتی کہ گھر میں رہنے والی عورتیں بھی عمر سے زیادہ مسئلہ جانتی ہیں)، راوی نے ذکر کیا ہے کہ ان کے دونوں رخساروں پر پھنسیاں تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا چہرہ کھلا ہوا تھا، نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: ”إن امرأة مدت یدھا إلى النبی ﷺ بکتاب فقبض یدہ، فقالت: یا رسول اللہ مددت یدی إلیک بکتاب فلم تأخذہ، فقال: إني لم أدرا ید امرأة هي أو رجل؟ قالت: بل ید امرأة، قال: لو كنت امرأة لغيرت أظفارک بالحناء“ (۳) (ایک خاتون نے اپنے ہاتھ سے ایک خط نبی کریم ﷺ کی طرف بڑھایا، آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے ہاتھ سے

(۱) سورۃ نساء ۲۰۔

(۲) قول عمرؓ: ”کل أحد أفقه من عمر حتی النساء.....“ کی روایت سعید بن منصور (۳/۱۵۳) طبع علمی پریس نے اور بیہقی نے الکبریٰ (۷/۲۳۳) طبع دائرة المعارف میں کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ منقطع ہے۔

(۳) حدیث: ”إن امرأة مدت یدھا إلى النبی ﷺ بکتاب فقبض یدہ، فقالت: یا رسول اللہ مددت یدی إلیک بکتاب فلم تأخذہ، فقال: إني لم أدرا ید امرأة هي أو رجل؟ قالت: بل ید امرأة، قال: لو كنت امرأة لغيرت أظفارک بالحناء“ (۳) (ایک خاتون نے اپنے ہاتھ سے ایک خط نبی کریم ﷺ کی طرف بڑھایا، آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے ہاتھ سے

نظر ۵

اور دونوں ہتھیلیوں کو ظاہر کرنا جائز تھا اور ان کو دیکھنا بھی جائز تھا، اس لئے کہ عورت کے لئے اس کا ظاہر کرنا جائز تھا، پھر جب آیت حجاب نازل ہوگئی کہ: ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزَوِّجَكِ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ“ تو عورتوں نے مردوں سے پردہ کرنا شروع کر دیا^(۱)۔

ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن میں جان بوجھ کر دیکھنے اور اچانک پہلی نظر کے بعد دیکھتے رہنے سے منع کیا گیا ہے، وہ احادیث عام ہیں، ان میں عورت کا پورا بدن داخل ہے، اس کے بعد آنے والی وہ تمام احادیث جن سے بدن کے اعضاء میں سے کسی عضو کا دیکھنا جائز معلوم ہوتا ہے اس سے مراد محض ضرورت و حاجت کی حالت ہے^(۲)۔

انہوں نے دو طریقہ سے عقلی استدلال کیا ہے:

اول: اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر شہوت ہو یا اس کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو عورت کے پورے بدن کو دیکھنا حرام ہے اس کا تقاضا ہے کہ تمام حالات میں ضرورت یا حاجت کے بغیر اس کا چہرہ، ہتھیلی اور تمام اعضاء کو دیکھنا حرام ہو، اس لئے کہ عورت کو دیکھنے میں فتنہ کا اندیشہ ہمیشہ موجود رہتا ہے، خاص طور پر چہرہ دیکھنے میں ہوتا ہے، اس لئے کہ وہی مجمع المحاسن ہے، دوسرے اعضاء کے مقابلہ میں چہرہ کی طرف دیکھنے سے فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے۔

دوم: اگر کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینا چاہے، اس کے لئے اس عورت کے دیکھنے کا جائز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر نکاح کا پیغام نہ دینا ہو تو جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اگر مطلقاً مباح ہوتا تو پھر تخصیص کی کیا وجہ ہو سکتی ہے^(۳)۔

فَسْتَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ“^(۱) (اور جب تم ان رسول کی ازواج سے کوئی چیز مانگو تو ان سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو)، اگر چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا مباح ہوتا تو اللہ تعالیٰ مردوں کو یہ حکم نہ دیتا کہ وہ عورتوں سے پردہ کے پیچھے سے سوال کریں، بلکہ ان کے لئے مباح قرار دیتا کہ آمنے سامنے ان سے سوال کریں، قرطبی نے کہا ہے کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ اگر کوئی ضرورت پیش آجائے یا ان سے کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے پردہ کے پیچھے سے ان سے سوال کرنے کی اجازت دی ہے، اور معنی کے اعتبار سے تمام عورتیں اس میں داخل ہیں، نیز شریعت کا اصول ہے کہ مکمل عورت پردہ کی چیز ہے، اس کا بدن بھی اس کی آواز بھی، لہذا بلا ضرورت اس کا کھولنا جائز نہ ہوگا، مثلاً اس کے خلاف گواہی دینی ہو، یا اس کے بدن میں کوئی بیماری ہو یا کسی ضرورت کے بارے میں اس سے سوال کرنا ہو اور اس کا جواب اس کے پاس ہونا متعین ہو^(۲)، نیز ارشاد ربانی ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزَوِّجَكِ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا“^(۳) (اے نبی آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور عام ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی، اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لئے انہیں ستایا نہ جائے گا، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے)، اس آیت سے اور سابقہ آیت سے استدلال کا طریقہ ابن تیمیہ نے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آیت حجاب کے نازل ہونے سے قبل عورتیں بلا چادر باہر نکلتی تھیں اور مردان کا چہرہ اور ان کے دونوں ہاتھ دیکھتا تھا، اس وقت ان کے لئے چہرہ

(۱) سورہٴ احزاب/۵۳۔

(۲) تفسیر القرطبی ۱۴/۲۲۔

(۳) سورہٴ احزاب/۵۹۔

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۱۰/۲، ۱۱۱۔

(۲) المغنی ۷/۳۶۰، الحاوی الکیبیر ۹/۳۵۔

(۳) الحاوی الکیبیر ۹/۳۵، نہایت المحتاج ۶/۱۸۷، المغنی ۷/۳۶۰۔

نظر ۶-۷

قول سوم:

استدلال کیا ہے، اس لئے کہ جس طرح عورت مردوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں چہرہ کھولنے پر مجبور ہوتی ہے اور لین دین میں دونوں ہتھیلیاں ظاہر کرنے پر مجبور ہوتی ہے اسی طرح دونوں قدم بھی ظاہر کرنے پر مجبور ہوتی ہے، اور ہمیشہ ہر وقت اس کے پاس خف (موزہ) نہیں ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف سے جو مروی ہے کہ بازو کا دیکھنا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر بعض کاموں میں جن میں عورت بازو استعمال کرتی ہے، جیسے دھونا اور پکانا، ان میں یہ اعضاء ظاہر ہو جاتے ہیں، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف بازو تک دیکھنا جائز ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا“ کی تفسیر میں ابن عباسؓ، قتادہ اور مسور بن مخرمہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: ظاہر زینت سے مراد سرمہ، کنگن، نصف ذراع تک خضاب، بالی، چھلا اور اس جیسی چیزیں ہیں، طبری نے حضرت قتادہؓ سے نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں چہرہ اور دونوں ہاتھ نصف بازو تک دیکھنے کو حرمت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، قتادہ نے کہا ہے کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَمَّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَخْرُجَ يَدَهَا إِلَىٰ هَيْئَتِهَا وَقَبْضِ نِصْفِ الذَّرَاعِ“ (۱) (کسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں ہے کہ وہ اپنا ہاتھ یہاں سے زیادہ ظاہر کرے اور آپ نے نصف ذراع کو پکڑا)، حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”إِذَا عَرَّكَتِ الْمَرْأَةُ لَمْ يَحِلَّ لَهَا أَنْ تَظْهَرَ إِلَّا وَجْهَهَا، وَإِلَّا مَا دُونَ هَذَا وَقَبْضِ عَلَيَّ ذِرَاعِ نَفْسِهِ“ (۱) حدیث: ”لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَمَّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَخْرُجَ يَدَهَا

(۱) کی روایت طبری نے اپنی تفسیر (۱۸/۹۳ طبع دار المعرفہ) میں قتادہ سے مرسل کی ہے۔

۶- عذریا حاجت کے بغیر چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے علاوہ اجنبی عورت کا بدن دیکھنا حرام ہے، اور ان دونوں کو دیکھنا مکروہ ہے اور ان دونوں سے بھی آنکھ بند رکھنا مندوب ہے، اگرچہ شہوت کے بغیر ہو، حنفیہ میں سے بعض متاخرین اور اصحاب فتاویٰ نے اس کی صراحت کی ہے، ابن عابدین کی عبارت یہ ہے کہ احتیاطاً مطلقاً نہ دیکھنا ہے، یہی امام احمد سے ایک روایت اور حنابلہ میں سے قاضی کا قول ہے (۱)۔

قول چہارم:

۷- اجنبی عورت کا چہرہ، دونوں ہتھیلیاں، اور دونوں قدم، شہوت کے بغیر دیکھنا جائز ہے، اس قول کو حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے، اور طحاوی نے اس کو ذکر کیا ہے اور یہی بعض فقہاء مالکیہ کا قول ہے۔

امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ دھونے اور پکانے کے وقت دونوں بازو دیکھنا بھی جائز ہے۔ ایک قول ہے کہ اگر دیکھنا شہوت کے ساتھ نہ ہو تو دونوں پنڈلیوں کو دیکھنا جائز ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ دونوں قدم دیکھنا جائز ہے، ان کی دلیل اثر اور قیاس ہے، رہا اثر تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا“ کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد کنگن اور فتحہ (چھلا) ہے، اور فتحہ: پیر کی انگلی کی انگوٹھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قدم کو دیکھنا جائز ہے۔

انہوں نے دونوں قدم کو چہرہ اور ہتھیلیوں پر قیاس کر کے

(۱) المغنی ۴/۶۰، الإصناف ۲۸/۸، حاشیہ ابن عابدین ۸۰/۲، الفتاویٰ الہندیہ ۳۲۹/۵، مجمع الأنہر ۲/۵۴۰۔

نظر ۸

سے حسن کی روایت میں کہا ہے کہ اس کا چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم دیکھنا جائز ہے، انہوں نے جو ان اور بوڑھی میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، انہوں نے بوڑھی عورت جو قابل شہوت نہ ہو کو چھونے کو جائز کہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دیکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے، اس لئے کہ چھونے کا حکم دیکھنے سے زیادہ سخت ہے۔

اسی طرح مالکیہ نے مطلقاً عورت کا چہرہ اور اس کی دونوں ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے، لہذا اس میں بوڑھی اور جوان دونوں داخل ہوں گی، البتہ بعض نے حکم میں دونوں کے درمیان فرق کیا ہے، اجنبی جوان کے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ دوام و تکرار نہ ہو، لیکن بوڑھی عورت کی طرف دیکھنے میں یہ شرط نہیں ہے^(۱)۔

اسی طرح کی رائے بعض فقہاء شافعیہ مثلاً رویانی اور اذریعی کی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ بوڑھی عورت جو قابل شہوت نہ ہو اس کے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے اور یہ ان کے نزدیک معتد قول کے خلاف قول ہے، ملی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف اور مردود قول ہے^(۲)۔

حنابلہ کے نزدیک بوڑھی عورت جو قابل شہوت نہ ہو اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے، یہی حکم بدشکل اور باہر نکلنے والی عورت کا ہے جو قابل شہوت نہ ہو اور اس مریضہ کا ہے جس کے شفا یاب ہونے کی امید نہ ہو۔

ابن قدامہ نے کہا ہے کہ بوڑھی عورت کے جو اعضاء اکثر ظاہر رہتے ہیں ان کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے^(۳)، اس لئے کہ ارشاد

(۱) المبسوط ۱۰/۱۵۳، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۲۹، مجمع الأنہر ۲/۵۴۰، حاشیۃ العدوی علی شرح الخرشنی ۱/۲۳۸، مواہب الجلیل ۲/۱۸۱، ۱۸۳۔
(۲) معنی المحتاج ۳/۱۲۹، نہایۃ المحتاج ۶/۱۸۸۔
(۳) المغنی ۷/۴۶۱، مطالب اُولی النہی ۵/۱۴۔

فترک بین قبضتہ و بین الکف مثل قبضة أخری“^(۱) (جب عورت بالغہ ہو جائے تو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنے چہرہ اور اس کے علاوہ ظاہر کرے اور آپ نے اپنے بازو پر پکڑا، اپنی مٹھی اور ہتھیلی کے درمیان ایک دوسری مٹھی کے برابر چھوڑ دیا)، ابن عطیہ نے کہا ہے کہ مجھ کو آیت کے الفاظ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بے پردہ نہ ہو اور کوشش کرے کہ زینت کی تمام چیزیں چھپائے اور ضروری کام میں حرکت کی وجہ سے یا اپنی شان کی اصلاح کے لئے یا اس طرح کے ضروری کام کی وجہ سے جو ظاہر ہو جائے وہ مستثنیٰ ہے، اس طریقہ پر مجبوری کی وجہ سے عورتوں کا کوئی عضو ظاہر ہو جائے تو وہ معاف ہے^(۲)۔

مرد کا بوڑھی اجنبی عورت کو دیکھنا:

۸- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ لذت کے ارادہ سے یا لذت کی موجودگی میں بلا عذر بوڑھی عورت کو دیکھنا حرام ہے، لذت اور شہوت کے بغیر اس کی طرف دیکھنے میں اختلاف ہے، دو اقوال ہیں:

قول اول: اگر قابل شہوت نہ ہو اور زینت ظاہر کرنے والی نہ ہو تو اس کے چہرہ اور ہتھیلی کو دیکھنا جائز ہے، یہی جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا قول ہے۔

اس کے باوجود کہ فقہاء حنفیہ نے اپنی کتابوں میں اس کی صراحت نہیں کی ہے لیکن اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے حکم پر بحث کے وقت ان کی عبارتیں مطلق ہیں، چنانچہ انہوں نے امام ابوحنیفہ

(۱) حدیث: "إذا عرکت المرأة لم يحل لها أن تظھر إلا وجهها....." کی روایت طبری نے اپنی تفسیر (۱۸/۹۳ طبع دار المعرفہ) میں ابن جریج سے مرسل کی ہے۔

(۲) تفسیر القرطبی ۱۲/۲۲۹، المبسوط ۱۰/۱۵۳، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۲۹، مجمع الأنہر ۲/۵۴۰، التاج والإکلیل فی ہامش مواہب الجلیل ۲/۱۸۱۔

نظر ۹-۱۰

منضبط کرنے والا کوئی قاعدہ نہیں ہے^(۱)۔

مرد کا نابالغہ بچی کو دیکھنا:

۹- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ شہوت کے ساتھ نابالغہ بچی کو دیکھنا حرام ہے، خواہ اس کی عمر کچھ بھی ہو اور خواہ اس کے کسی بھی عضو کو دیکھا جائے، اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ مرد کے لئے شہوت کے بغیر نابالغہ بچی کے پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے اگر حد شہوت کو نہ پہنچی ہو، البتہ اس کی شرم گاہ کو دیکھنا اس سے مستثنیٰ ہے، جو بچی ابھی حد شہوت کو نہ پہنچی ہو اس کی شرم گاہ کے دیکھنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے، بچی جس عمر میں حد شہوت کو پہنچ جاتی ہے اس کی تعیین کے بارے میں اسی طرح جو بچی حد شہوت کو پہنچ گئی ہو اس کے کس عضو کو دیکھنا حرام ہے، اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”عمورہ“ (فقہ ۱۰/۱۰)۔

مرد کا اپنی محرم عورتوں کو دیکھنا:

۱۰- مرد کی محرم عورتیں وہ تمام عورتیں ہیں جن سے نسب، رضاع یا مصاہرت کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہو۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مرد کا اپنی محرم عورتوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنا حرام ہے۔

اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ مرد کے لئے محرم عورت کو ناف اور گھٹنے کے درمیان دیکھنا حرام ہے، خواہ شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے ہو، اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان کی مواضع زینت کو شہوت کے بغیر دیکھنا مباح ہے، مردوں کے لئے اپنی محرم عورت کے جن مواضع زینت کو دیکھنا مباح ہے ان کی تعیین کے بارے میں فقہاء کا

(۱) مفتی الحدیث ج ۳/۱۲۹، نہایۃ الحدیث ج ۶/۱۸۸، روضۃ الطالبین ۷/۲۴۔

ربانی ہے: ”وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرُجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ“^(۱) (اور بڑی بوڑھیاں جنہیں نکاح کی امید نہ رہی ہو ان کو کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت کو دکھلانے والیاں نہ ہوں اور اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے حق میں اور بہتر ہے اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے)، قواعد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے تصرف چھوڑ چکی ہوں، بچے کی پیدائش اور حیض کا آنا بند ہو گیا ہو، ان کی شہوت ختم ہوگئی ہو، نہ ان کو شہوت ہوتی ہو نہ دوسرے کو ان سے شہوت ہوتی ہو، ان کے لئے مباح ہے کہ چادر اور اوڑھنی اتار دیں، اس لئے کہ نفس ان سے بے رغبت ہوں گے، مردوں کو ان کی طرف توجہ نہ ہوگی، اس لئے ان کے لئے وہ بات جائز ہو سکتی ہے جو دوسروں کے لئے جائز نہ ہوگی، لہذا ان کو دیکھنا اور ان سے مصافحہ کرنا جائز ہے اس لئے کہ فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے، اس میں یہ شرط ہے کہ زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں، اسی طرح آراستہ ہو کر پیش کرنے والی نہ ہوں کہ ان کو دیکھا جائے^(۲)۔

قول دوم: اجنبی نوجوان اور بوڑھی کے درمیان ان کو دیکھنے کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے، سب حرام ہے، بوڑھی عورت کے بدن کے کسی بھی حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے، خواہ قابل شہوت نہ ہو، شافیہ کے نزدیک یہی قول زیادہ راجح اور معتمد ہے، اس لئے کہ اجنبی عورت کو دیکھنے کی ممانعت کے دلائل عام ہیں، نیز اس لئے کہ شہوت کو

(۱) سورہ نور ۶۰۔

(۲) تفسیر القرطبی ۱۲/۳۰۹، المغنی ۷/۴۶۱، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۲۹، المبسوط ۱۰/۱۵۲، الہدایہ وتکملة فتح القدير ۱۰/۲۹، مفتی الحدیث ج ۳/۱۲۹، نہایۃ الحدیث ج ۶/۱۸۸، روضۃ الطالبین ۷/۳۰۵، غداء الألباب ۱/۹۹۔

نظر ۱۱

اختلاف ہے۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”عورة“ (فقہہ ۶)۔

محبوب^(۱)، مخنث^(۲) اور عنین سب مرد ہیں، اجنبی عورتوں کے چہرہ اور ہتھیلی کے علاوہ کسی عضو کو دیکھنا ان پر حرام ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”غیر اولی الاربۃ“ میں ان سب کا یا ان میں سے کسی ایک کا داخل ہونا یقینی نہیں ہے، البتہ محکم نص میں ان کا داخل ہونا یقینی ہے، لہذا ان کے حق میں اس پر عمل کیا جائے گا۔

پھر انہوں نے اپنے اس قول پر ان میں سے ہر ایک کے لئے مخصوص دلائل کا ذکر کیا ہے، چنانچہ خصی کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: خصی ہونا مثلہ ہے، لہذا جو اس سے پہلے حرام تھا وہ مباح نہ ہوگا، نیز اس لئے کہ خصی مرد ہے، اس کو شہوت ہوتی ہے، اور کبھی کبھی وہ جماع بھی کرتا ہے، اور اس کے بچے کا نسب اس سے ثابت ہوتا ہے، گواہی اور وراثت کے احکام میں اس کے ساتھ فعل جیسا معاملہ کیا جاتا ہے اور عورتوں کی طرف اس کے دیکھنے میں فتنہ کا معنی موجود ہے، یہی حال محبوب کا ہے، اس لئے کہ وہ کبھی کبھی عضو کو جسم سے رگڑتا ہے تو اس کو انزال ہوتا ہے، مخنث سے مراد اگر وہ شخص ہے جو لباس اور کلام وغیرہ میں عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ فعل فاسق ہے، اس کو عورتوں سے دور رکھنا ہی مناسب ہے، اور اگر اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے اعضاء میں پیدائشی طور پر نرمی و کمزوری ہو اور اس کو عورتوں کی خواہش نہ ہو تو وہ دوسرے مردوں کی طرح ایک مرد ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغْضُوْنَ مِنْ اَبْصَارِهِمْ“ کا مخاطب ہے، اور وہ مومن مردوں میں سے ایک مرد ہے، اس کو اس نص سے

(۱) محبوب وہ ہے جس کا عضو تناسل اور دونوں خبیے کاٹ دیئے گئے ہوں۔

(۲) مخنث وہ ہے جو عورتوں کا لباس پہنتا ہے اور وہی کا محل بننے میں اور اپنے اختیار سے نرم کلام کرنے میں ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے، یا مخنث وہ ہے کہ اصل خلقت کے اعتبار سے اس کے اعضاء میں نرمی اور کمزوری ہوتی ہے لیکن اس کو عورتوں کی خواہش نہیں ہوتی ہے۔

جن مردوں کو شہوت نہ ہو ان کا عورت کو دیکھنا:
۱۱- جن مردوں کو شہوت نہ ہو، عورتوں کی طرف دیکھنے میں ان کا حکم وہی ہے جو محرم عورتوں کی طرف دیکھنے میں ان کا حکم ہے، یعنی ان کے مواضع زینت کو دیکھنا جائز ہے، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”اَوَّ النَّاسِ عِيْنَ غَيْرِ اُولَى الْاِرْبَةِ مِنَ الرَّجَالِ“^(۱) (اور ان مردوں پر جو طفیلی ہوں اور عورت کی طرف انہیں ذرا توجہ نہ ہو)، لفظ ”اَوَّ“ کے ساتھ عطف کا مطلب یہ ہے کہ حکم میں معطوف معطوف علیہ یکساں ہیں، اربۃ کا معنی مردوں کو عورتوں کی ضرورت ہونا اور ان کی طرف ان کا مائل ہونا ہے۔

اس قسم کے مردوں میں کون لوگ داخل ہیں اور کون لوگ داخل نہیں ہیں، ان کی تعیین کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

جمہور حنفیہ کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: غَيْرِ اُولَى الْاِرْبَةِ“ متشابہت میں سے ہے، کون لوگ اس میں داخل ہوں گے ان کے بارے میں وہ بحث نہیں کرتے ہیں، ان کا رجحان ہے کہ آیت میں جو استثناء ہے اس کا حکم جاری نہ ہوگا، جیسا کہ متشابہت کا حکم ہے، ان کی رائے ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے فقہاء نے جن لوگوں کو غیر اولی الاربۃ کے وصف میں داخل کیا ہے وہ قرآن کریم کی اس محکم نص میں داخل ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغْضُوْنَ مِنْ اَبْصَارِهِمْ“، لہذا مناسب ہے کہ محکم پر عمل کیا جائے اور متشابہ کو چھوڑ دیا جائے۔

اسی وجہ سے انہوں نے صراحت کی ہے کہ خصی^(۲)،

(۱) سورۃ نور ۳۱۔

(۲) خصی وہ ہے جس کے دونوں خبیے نکال دیئے گئے ہوں۔

نظر ۱۱

اس شخص کے بارے میں جس پر غیر اولیٰ الاربتہ کا وصف منطبق ہو، فقہاء شافعیہ کے اقوال مختلف ہیں، دو اقوال میں سے صحیح میں ان کی رائے ہے کہ اس میں مسوح داخل ہے، یعنی جس کا عضو تناسل اور خصیتیں نہ ہوں، اس کے لئے اجنبی عورت کو ناف اور گھٹنے کے درمیان کے علاوہ اعضاء کو دیکھنا جائز ہے، انہوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس میں عورتوں کی طرف میلان بالکل نہ ہو اور یہ کہ وہ مسلمان ہو اگر جس عورت کو دیکھا جا رہا ہے وہ مسلمان ہو اور یہ کہ عادل ہو اور صحیح کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اجنبی عورت کے لئے نفل کی طرح ہے اس لئے کہ اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور وہ محبوب جس کا عضو تناسل نہ ہو اور اس کے دونوں نصیبے باقی ہوں، اور وہ خصی جس کا عضو تناسل باقی ہو اور اس کے دونوں نصیبے نہ ہوں، اور عنین اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والا منخث اور شیخ فانی، ان سب کے لئے اجنبی عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اور یہ سب لوگ اس معاملہ میں نفل کی طرح ہیں، ایسا ہی اکثر لوگوں نے مطلق کہا ہے، بعض شافعیہ کی رائے ہے کہ وہ خصی جو بوڑھا اور شیخ فانی ہو گیا ہو اور اس کی شہوت ختم ہوگئی ہو وہ مستثنیٰ ہے، اسی طرح وہ منخث جو اس حالت کو پہنچ گیا ہو وہ بھی مستثنیٰ ہے، ان میں سے بعض نے خصی اور منخث کے بارے میں مطلقاً دو قول اختیار کیا ہے، ایک یہ کہ وہ دونوں مسوح کی طرح ہیں، دوم یہ کہ دونوں اجنبی نفل کی طرح ہیں، قاضی ابوالطیب نے صراحت کی ہے کہ وہ بوڑھا جس کی شہوت ختم ہوگئی ہو، اس کا شمار غیر اولیٰ الاربتہ میں ہوگا اگرچہ مسوح، خصی، محبوب اور منخث نہ ہو^(۱)

حنا بلہ کی رائے ہے کہ غیر اولیٰ الاربتہ ہر وہ شخص ہے جس کی شہوت اس کے بڑھاپے کی وجہ سے یا عنین ہونے کی وجہ سے یا

متعلق کرنا اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”غَيْبِ أُولَى الْإِرْبَةِ“ میں موجود استثناء سے متعلق کرنے سے زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ پہلی آیت محکم ہے اور دوسری آیت متشابہ ہے، اسی طرح کی بات عنین کے بارے میں بھی کہی گئی ہے۔

لیکن علامہ کا سانی نے اشارہ کیا ہے کہ ایسے دو بڑے بوڑھوں کے درمیان جن میں شہوت کے پیدا ہونے کا احتمال نہ ہو ایک دوسرے کو دیکھنا جائز ہے، اسی طرح بعض فقہاء حنفیہ کی رائے ہے کہ غیر اولیٰ الاربتہ سے مراد وہ منخث ہے جس کے اعضاء میں پیدائشی نرمی و کمزوری ہو اور وہ عورتوں کی خواہش سے محروم ہو تو اس کو عورتوں کے ساتھ چھوڑا جاسکتا ہے، اور عورتوں کے لئے اس کے سامنے اپنے مواضع زینت کو ظاہر کرنا مباح ہوگا اور جس طرح مرد کے لئے اپنی محرم عورتوں کو دیکھنا جائز ہے اسی طرح اس کے لئے عورتوں کو دیکھنا حلال ہوگا۔

اسی طرح بعض فقہاء حنفیہ کی رائے ہے کہ غیر اولیٰ الاربتہ کے معنی میں وہ محبوب بھی داخل ہے جس کے بڑھاپے کی وجہ سے اس کی شہوت ختم ہوگئی ہو اور اس کی منی خشک ہوگئی ہو^(۱)۔

مالکیہ میں سے قرطبی نے کہا ہے کہ غیر اولیٰ الاربتہ کا معنی غیر اولیٰ الحاجتہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”غَيْبِ أُولَى الْإِرْبَةِ“ کے معنی میں اختلاف ہے، اور تمام اختلافات قریب المعنی ہیں، اور مجموعی طور پر یہ معانی اس شخص میں پائے جاتے ہیں جس کو اتنی سمجھ اور قوت نہ ہو جس کے ذریعہ عورتوں کے معاملہ کی طرف اس کی رہنمائی ہو اور گذر چکا ہے کہ اجنبی عورت کی طرف دیکھنے میں غیر اولیٰ الاربتہ کا حکم اپنی محرم عورتوں کی طرف دیکھنے کی طرح ہے^(۲)۔

(۱) المبسوط ۱۰/۱۵۸، الہدایہ وتکملة فتح القدر والعناویہ ۱۰/۲۳ اور اس کے بعد کے صفحات، الدر المختار و رد المحتار ۹/۵۳۶، تبیین الحقائق ۶/۳۰۶۔

(۲) تفسیر القرطبی ۱۲/۲۳۴۔

(۱) روضة الطالبین ۷/۲۲، ۲۳، نہایت المحتاج ۶/۱۹۰، بغنی المحتاج ۳۰/۱۳۰۔

نظر ۱۲

شافیہ کی رائے ہے کہ جو بچہ عورتوں کے پوشیدہ اعضاء سے واقف نہ ہو اس سے پردہ نہیں ہے، لیکن امام نے بچہ کے دیکھنے میں تین درجات کے درمیان فرق کیا ہے، پہلا درجہ یہ ہے کہ اس عمر کو نہیں پہنچا ہے کہ جو کچھ دیکھے اس کو بیان کر سکے، تو ایسے بچہ کا رہنا نہ رہنا دونوں برابر ہے، اس کے سامنے بے پردہ ہونا جائز ہے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس عمر کو پہنچ جائے کہ جو کچھ دیکھے گا اس کو بیان کر سکے گا لیکن اس میں شہوت کا ہیجان اور عورتوں کی طرف میلان نہ ہو تو ایسے بچہ کے سامنے عورت کے لئے ان اعضاء کو ظاہر کرنا جائز ہے جن کا ظاہر کرنا اپنے محرم مردوں کے سامنے جائز ہے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایسی عمر کو پہنچ جائے کہ دیکھی ہوئی چیز کو بیان کر سکے اور اس میں شہوت کا ہیجان اور عورتوں کی طرف میلان ہو تو وہ بالغ کی طرح ہے^(۱)۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ غیر ممیز بچہ سے پردہ کرنا واجب نہیں ہے، رہا ممیز بچہ تو اگر وہ شہوت والا نہ ہو تو اس کے لئے ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے دیکھنا جائز ہے، یہی ان کے نزدیک راجح مذہب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو شہوت نہیں ہے تو وہ طفل کے مشابہ ہے، اس لئے کہ بالغ کے حق میں دیکھنے کو حرام کرنے والی چیز اس کا محل شہوت ہونا ہے اور وہ یہاں موجود نہیں ہے، ایک روایت میں ہے کہ وہ محرم کی طرح ہے وہ اجنبی عورت کا صرف وہی عضو دیکھ سکتا ہے جو اکثر ظاہر ہو جاتا ہے، اس کی وجہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے سمجھ میں آتا ہے: ”أَوِ الْطِفْلِ الَّذِي لَمْ يَظْهَرُوا عَلَيَّ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ“^(۲) (اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں)، اس طرح کہ اس کا عطف ذوی الحرام پر کیا گیا ہے، لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم ذوی الحرام کے

ایسے مرض کی وجہ سے ختم ہو گئی ہو جس سے شفا یاب ہونے کی امید نہ ہو، اور خصی ہے اور وہ منث ہے جس کو شہوت نہ ہو، دیکھنے کے بارے میں ان کا حکم ذوی الارحام کے حکم کی طرح ہے، یہی راجح مذہب ہے، لہذا ان کے لئے عورتوں کے ان اعضاء کا دیکھنا جائز ہے جو اکثر ضرورت کی وجہ سے کھل جاتے ہیں اور وہ اعضاء چہرہ، گردن، ہاتھ، قدم، پنڈلی اور سر ہیں اس قول کو ابن قدامہ نے قطعی کہا ہے، ایک قول یہ ہے کہ ان کے لئے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے علاوہ کسی عضو کو دیکھنا جائز نہیں ہے، ایک قول یہ ہے کہ دوسرے مردوں کی طرح ان کے لئے بھی دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے^(۱)۔

نابالغ لڑکے کا اجنبی عورت کو دیکھنا:

۱۲- اجنبی عورت کو نابالغ لڑکے کے دیکھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے ہے کہ وہ نابالغ بچہ جو عورتوں کے پوشیدہ اعضاء سے واقف نہیں ہے، اور قابل ستر اور ناقابل ستر اعضاء کو نہیں جانتا ہے، اس کے سامنے عورتوں کے لئے اپنے موضع زینت کو ظاہر کرنا جائز ہے^(۲)۔

مالکیہ میں سے قرطبی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس قسم کے بچے کے سامنے عورت کے لئے اپنے بدن کے کسی حصہ کو چھپانا لازم نہیں ہے، اور انہوں نے ایک دوسرا قول بھی نقل کیا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے علاوہ دوسرے اعضاء کا چھپانا اس پر لازم ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ جب عورت اس کے سامنے اپنے پوشیدہ اعضاء کو ظاہر کرے گی تو خود عورت کو شہوت ہو جائے گی^(۳)۔

(۱) المغنی ۷/۴۶۲، ۴۶۳، الإناصاف ۲۱/۸، مطالب اُولی النہی ۱۳/۵۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۲۳، المبسوط ۱۰/۱۵۸، تمییز الحقائق ۶/۳۰، الہدایہ

والغناہ ۱۰/۴۵، ۴۶۔

(۳) تفسیر القرطبی ۱۲/۲۳۔

(۱) روضۃ الطالبین ۷/۲۲، مغنی المحتاج ۳/۱۳۰، زاد المحتاج ۳/۱۷۲، ۱۷۳۔

(۲) سورۃ النور ۳۱۔

نظر ۱۳

حکم کی طرح ہے۔
لیکن اگر وہ شہوت والا ہو تو ان کے نزدیک رائج مذہب یہ ہے
کہ وہ محرم کی طرح ہے۔
امام احمد سے دوسری روایات بھی ہیں^(۱)۔

مراہق (قریب البلوغ بچہ) کا عورت کو دیکھنا:
۱۳- مراہق وہ بچہ ہے جو احتلام کے قریب ہو جائے مگر ابھی تک
اس کو احتلام نہ ہوا ہو، اس طرح کہ اس میں عورتوں کی طرف میلان
ہو اور وطی و جماع پر قادر ہو، بعض فقہاء نے مراہق ہونے کی حد پندرہ
سال کے قریب ہونا بتایا ہے، اجنبی عورت کی طرف اس کے دیکھنے
کے حکم میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

چنانچہ حنفیہ و مالکیہ کی رائے، شافعیہ کا اصح قول اور حنابلہ کی
ایک روایت یہ ہے کہ وہ اس بارے میں اجنبی مرد کی طرح ہے، ان کی
دلیل یہ ہے کہ اس جیسے لڑکے کو بعض اوقات میں اجازت لینے کا حکم
دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَيْسْتَ اذُنْكُمْ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَلْبِسُوا الْحُلْمَ مِنْكُمْ" (تمہارے
مملوکوں کو اور تم میں جو لڑکے حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تم سے
اجازت لینا چاہئے)، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے مواضع زینت
کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں ہے، نیز ارشاد ربانی ہے: "اَوْ
الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَطْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ" (اور ان
لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے
ہیں)، یعنی جو بچے قابل ستر اور ناقابل ستر اعضاء میں تمیز نہیں کرتے

صح کے بالمقابل شافعیہ کی رائے اور حنابلہ کا رائج مذہب یہ
ہے کہ مراہق اجنبی عورت کو دیکھنے میں ذوات المحارم کی طرف بالغ
کے دیکھنے کی طرح ہے، ان کی دلیل ارشاد ربانی ہے: "وَ اِذَا بَلَغَ
الْاَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلْمَ فَلْيَسْتَاذِنُوْا" (۲) (اور جب تم میں سے
لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہئے)، جب وہ
بالغ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اجازت طلب کرنے کا حکم دیا ہے، اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغ اور غیر بالغ میں فرق ہے، اور یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ بچے جب تک بالغ نہ ہوں، ان کے لئے بغیر اجازت لئے
عورتوں کے پاس جانا جائز ہے، تو بالغ کو جن اعضاء کی طرف دیکھنا
جائز ہے اگر اس سے زائد اعضاء کی طرف دیکھنا ان کے لئے جائز نہ
ہو تو دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جائے گا (۳)، اسی طرح ان
کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے: "اَنْ اُمَّ
سَلْمَةَ اسْتَاذِنَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي الْحِجَامَةِ، فَاَمَرَ

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۲۳، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۳۰، تفسیر القرطبی ۱۲/۲۳۷۔

روضۃ الطالبین ۷/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، نہایت المحتاج ۶/۱۹۱۔

الإصناف ۸/۲۳، المبدع ۷/۱۰۔

(۲) سورۃ نور ۵۹۔

(۳) روضۃ الطالبین ۷/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، نہایت المحتاج ۶/۱۹۱۔

زاد المحتاج ۳/۱۷۲، الإصناف ۸/۲۳، المبدع ۷/۱۰، مطالب اولیٰ الہمی

۱۶/۵۔

(۱) المغنی ۷/۴۵۸، الإصناف ۸/۲۳، مطالب اولیٰ الہمی ۱۶/۵، المبدع

۱۰/۷۔

(۲) سورۃ نور ۵۸۔

(۳) سورۃ نور ۳۱۔

نظر ۱۴

کو جدا ہونے کے بعد بھی دیکھنا جائز نہیں ہے، لہذا مرد کے لئے اجنبی عورت کا ہاتھ، بازو، سر کا بال اور پنڈلی کو دیکھنا جائز نہ ہوگا، اگرچہ اس کے یہ اعضاء زندگی میں یا مرنے کے بعد اس سے علیحدہ کر لئے گئے ہوں، بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ اس کے لئے بازو یا پنڈلی کی ہڈی یا پیر کے ناخن کا تراشہ دیکھنا جائز نہیں ہے، ہاتھ کے ناخن کا تراشہ اس سے مستثنیٰ ہے، انہوں نے جدا ہونے والے عضو کو متصل عضو پر قیاس کیا ہے، اس لئے کہ آدمی اور اس کے اجزاء کی حرمت مرنے کے بعد ختم نہیں ہوجاتی ہے، یہ قول حنفیہ کا ہے، الفتاویٰ الہندیہ اور مجمع الأنہر میں اس کو اصح سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح اصح قول میں شافعیہ کی رائے یہی ہے (۱)۔

قول دوم: عورت کے جدا شدہ عضو کو دیکھنا جائز ہے اگر اس سے اس کی زندگی میں جدا کیا گیا ہو اس لئے کہ وہ جسم سے اجنبی ہو گیا، اور اگر موت کے بعد جدا کیا گیا ہو تو اس کو دیکھنا جائز نہ ہوگا یہ مالکیہ کی رائے ہے، انہوں نے کہا ہے کہ موت کے بعد اجنبی عورت کے اجزاء کو دیکھنا حرام ہے، خواہ وہ متصل ہوں یا جدا ہوں، انہوں نے قبروں میں دیکھنے سے اس اندیشہ کی وجہ سے منع فرمایا ہے کہ کہیں ایسے عضو پر نظر پڑ جائے جس کا دیکھنا جائز نہ ہو (۲)۔

قول سوم: مرد کے لئے عورت کے جدا شدہ عضو کو دیکھنا جائز ہے، اس لئے کہ جدا ہونے کی وجہ سے اس کی حرمت ختم ہوگئی، یہ اصح کے بالمقابل شافعیہ کا قول اور حنابلہ کا قول ہے (۳)، لیکن شافعیہ میں سے امام نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ اگر عورت کا جدا شدہ عضو اپنی

النسی ﷺ أبا طيبة أن يحجمها، قال: حسبت أنه قال: كان أحاها من الرضاعة أو غلاماً لم يحتمل، (۱) (حضرت ام سلمہؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے پچھنا لگوانے کی اجازت طلب کی تو نبی کریم ﷺ نے ابوطیبہؓ کو حکم دیا کہ ان کو پچھنا لگائیں، راوی کہتے ہیں کہ مجھے خیال آتا ہے کہ انہوں نے کہا: وہ ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے، یا نابالغ لڑکے تھے)۔

مرد کا عورت کے جدا شدہ عضو کو دیکھنا:

۱۴- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت کے اعضاء میں سے جدا شدہ کسی بھی عضو کو شہوت کے ساتھ مرد کا دیکھنا حرام ہے، خواہ وہ عضو زندگی میں جدا ہوا ہو یا مرنے کے بعد۔

اسی طرح اس پر ان کا اتفاق ہے کہ عورت کے جدا شدہ عضو کو شہوت کے بغیر دیکھنا اس کے لئے جائز ہے اگر وہ عضو ایسا ہو کہ جدا ہونے سے قبل اس کو دیکھنا جائز ہو۔

عورت کے جدا شدہ عضو کو شہوت کے بغیر مرد کے لئے دیکھنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے اگر ان اعضاء میں سے ہو جن کی طرف دیکھنا جدا ہونے سے قبل جائز نہ ہو، اس کے بارے میں تین اقوال ہیں:

قول اول: عورت کے جدا شدہ عضو کو مرد کے لئے دیکھنا جائز نہیں ہے، اگر وہ ان اعضاء میں سے ہو کہ جدا ہونے کے قبل ان کی طرف دیکھنا جائز نہ ہو، اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس کی علیحدگی زندگی میں ہو یا موت کے بعد ہو، اس قول کے قائل فقہاء کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جس عضو کو جدا ہونے سے پہلے دیکھنا جائز نہیں ہے اس

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۵۳۴/۹، الفتاویٰ الہندیہ ۳۲۹/۵، مجمع الأنہر ۵۳۹/۲، مغنی المحتاج ۱۳۰/۳، نہایۃ المحتاج و حاشیۃ الشیخ المسلمی ۲۰۰/۶، روضۃ الطالبین ۲۶/۷۔

(۲) بلغۃ السالک ۱۹۴۔

(۳) روضۃ الطالبین ۲۶/۷، مطالب أولی النہی ۱۹/۵۔

(۱) حدیث: "أن أم سلمة استأذنت رسول الله ﷺ....." کی روایت مسلم (۳۰/۳) طبع عیسیٰ الحلی نے کی ہے۔

نظر ۱۵-۱۷

شافیہ میں سے رٹی نے المنہاج میں علامہ نووی کے قول کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آزاد عورت کے قابل ستر حصہ کو بالغ مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے، اس کے عکس کا حکم اس سے الگ ہے، لہذا آئینہ وغیرہ میں اس کا دیکھنا حرام نہیں ہوگا جیسا کہ بہت سے فقہاء نے فتویٰ دیا ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو نہیں دیکھا ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو^(۱)۔

مرد کا مردہ عورت کو دیکھنا:

۱۶- فقہاء کی رائے ہے کہ عورت کو اس کے مرنے کے بعد مرد کے دیکھنے کا حکم اس کی حیات میں اس کو دیکھنے کے حکم کی طرح ہے، اس لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ اس کی زندگی میں جن اعضاء کا دیکھنا جائز تھا مرنے کے بعد ان کے علاوہ دوسرے اعضاء کو دیکھے، الا یہ کہ ضرورت اس کی متقاضی ہو، اس لئے کہ موت کی وجہ سے حرمت ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ اور متحقق ہو جاتی ہے، نیز اس لئے کہ یہ حرمت حق شرع کی وجہ سے ہوتی ہے، اور آدمی شریعت کی نگاہ میں زندگی میں بھی محترم ہے اور مرنے کے بعد بھی محترم ہے^(۲)۔

ملاحظہ ہو: ”تغییل المیت“ (فقہ ۱۱ اور اس کے بعد کے فقرات)۔

مرد کا مرد کو دیکھنا:

۱۷- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مرد کا مرد کو شہوت یا لذت حاصل

صورت شکل میں مرد کے عضو سے ممتاز نہ ہو مثلاً ناخن کا تراشہ، بال، اور چمڑا تو اس کو دیکھنا حرام نہیں ہے، اور اگر ممتاز ہو تو حرام ہے، اس قول کو علامہ نووی نے ضعیف کہا ہے، اس طرح کہ اس علم کے بعد کہ وہ ایسا جز ہے جس کو دیکھنا حرام ہے، تمیز کا کوئی اثر نہ ہوگا^(۱)۔

مرد کا پانی یا آئینہ کی راہ سے عورت کو دیکھنا:

۱۵- جس اجنبی عورت کی ذات کو دیکھنا حلال نہیں ہے، اس کے عکس کو دیکھنے کا کیا حکم ہوگا، بعض فقہاء نے اس کو ذکر کیا ہے، مثلاً ابن عابدین نے لکھا ہے کہ اگر اجنبی عورت کو آئینہ یا پانی کی راہ سے دیکھے تو اس کا حکم میری نظر سے نہیں گذرا، البتہ حرمت مصاہرت کی بحث میں انہوں نے صراحت کی ہے کہ آئینہ یا پانی کے واسطے سے شرم گاہ کو دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ جو چیز نظر آئی ہے وہ اس کی ذات نہیں بلکہ اس کا عکس ہے، اس کے برخلاف اگر شیشہ یا پانی کے اندر عورت ہو اور شیشہ یا پانی سے دیکھ لے تو حرمت ثابت ہوگی، اس لئے کہ نگاہ شیشہ اور پانی میں پار کر جاتی ہے اور جو چیز اس میں ہوتی ہے وہ نظر آ جاتی ہے، اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آئینہ اور پانی کے واسطے سے اجنبی عورت کو دیکھنا حرام نہیں ہے، الا یہ کہ یہ فرق کیا جائے کہ نظر وغیرہ کے ذریعہ حرمت مصاہرت کی شرطوں میں سختی کی گئی ہے اس لئے کہ اس میں اصل حلال ہونا ہے، نظر کا حکم اس کے برخلاف ہے، کیونکہ فتنہ اور شہوت کے اندیشہ کی وجہ سے نظر سے منع کیا گیا ہے اور وہ یہاں موجود ہے، شافیہ میں سے ابن حجر کے فتاویٰ میں میں نے دیکھا ہے کہ اس میں انہوں نے شافیہ کے درمیان اختلاف کا ذکر کیا اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے حرمت کو ترجیح دی ہے^(۲)۔

(۱) روضۃ الطالبین ۲۶/۷، نہایۃ المحتاج ۶/۲۰۱، ۲۰۰۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۹/۵۳۴۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۶/۱۸۷۔

(۲) المبسوط ۱۰/۱۶۰، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۳۰، بلغۃ السالک ۱/۱۹۳،

نہایۃ المحتاج ۶/۲۰۰، مغنی المحتاج ۳/۱۳۰، المجموع ۵/۱۳۹،

روضۃ الطالبین ۷/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، المغنی ۲/۵۲۵ اور اس

کے بعد کے صفحات۔

نظر ۱۸-۱۹

مرد کا بے ریش نوجوان کا چہرہ دیکھنا:

۱۸- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ بے ریش نوجوان لڑکے کو شہوت سے یا لذت اندوزی کے ارادہ سے اور اس کے مواضع حسن سے تمتع کے ارادہ سے دیکھنا حرام ہے، بے ریش خوبصورت اور غیر خوبصورت میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ حنفیہ و شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ بے ریش نوجوان کو شہوت کے ساتھ دیکھنا گناہ میں عورت کو شہوت کے ساتھ دیکھنے سے زیادہ سخت ہے، اس لئے کہ یہ کسی بھی حال میں جائز نہیں ہو سکتا ہے۔

البتہ اگر بے ریش نوجوان کو دیکھنا شہوت اور لذت اندوزی کے ارادہ کے بغیر ہو تو یا تو دیکھنے سے شہوت کے بھڑکنے کا اندیشہ ہوگا یا اس کے بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہوگا۔

اس میں تفصیل ہے جس کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”أمرؤ“ (فقہہ ۴/۴)۔

عورت کا مرد کو دیکھنا:

عورت کا مرد کو دیکھنے کا حکم مرد کے اجنبی یا ذی رحم محرم ہونے کے اعتبار سے الگ الگ ہے، جو درج ذیل ہے:

عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا:

۱۹- حنفیہ کا صحیح مذہب، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ عورت کا اجنبی مرد کے کسی بھی حصہ کو دیکھنا حرام ہے، اگر اس کا ارادہ لذت اندوزی ہو یا شہوت کے ہو جانے کا یقین یا غالب گمان ہو یا اس میں شک ہو، اس طرح کہ شہوت کے ہو جانے یا نہ ہونے کا احتمال برابر ہو، اس لئے کہ جو نکاح یا ملک یمین کے ذریعہ حلال نہ ہو اس کو شہوت سے دیکھنا ایک قسم کا زنا ہے، اور یہ تمام فقہاء کے نزدیک

کرنے کے ارادہ سے دیکھنا حرام ہے^(۱)، اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ شرعی عذر کے بغیر مرد کا دوسرے مرد کے قابل ستر حصہ کو دیکھنا حرام ہے، خواہ بغیر شہوت کے ہو، اس کے علاوہ دوسرے اعضاء کو دیکھنا حلال ہے، اس لئے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”لا ينظر الرجل إلى عورة المرأة ولا المرأة إلى عورة الرجل ولا يفضي الرجل إلى الرجل في ثوب واحد، ولا تفضي المرأة إلى المرأة في الثوب الواحد“^(۲) (کوئی مرد دوسرے مرد کے قابل ستر حصہ کو اور کوئی عورت دوسری عورت کے قابل ستر حصہ کو نہ دیکھے اور کوئی مرد ایک کپڑے میں دوسرے مرد سے نہ ملے، کوئی عورت ایک کپڑے میں دوسری عورت سے نہ ملے)۔

البتہ مرد کے قابل ستر حصہ کی تعیین میں جس کی طرف دیکھنا حرام ہے، فقہاء کا اختلاف ہے، اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ مرد کا قابل ستر حصہ اس کے ناف اور اس کے گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے، پھر خود ناف اور گھٹنا اس کے قابل ستر حصہ میں داخل ہیں یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، اسی طرح ران کے بارے میں بھی اختلاف ہے^(۳)۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”عورة“ (فقہہ ۸/۸)۔

(۱) معنی المحتاج ۳/۱۳۰، نہایت المحتاج ۶/۱۹۲، الإصناف ۸/۳۰، مجموع الفتاویٰ ۲۱/۲۳۹۔

(۲) حدیث: ”لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل“ کی روایت مسلم (۲۶۶/۱ طبع عیسیٰ الخلیفی) نے کی ہے۔

(۳) البسوط ۱۰/۱۳۶، ۱۳۷، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۲۷، الدر المختار و رد المحتار ۹/۵۲۶، مواہب الجلیل ۸/۱۷۸، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۱/۲۱۳، الحاشیہ ۱/۲۳۶، نہایت المحتاج ۶/۱۹۱، روضۃ الطالبین ۷/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، معنی المحتاج ۳/۱۳۰، مطالب اُولیٰ الہی ۵/۱۵، الإصناف ۸/۲۵، المبدع ۷/۱۰، کشف القناع ۸/۳۰۸۔

نظر ۱۹

حرام ہے۔

پہلا قول: عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ مرد کے قابل ستر
اعضاء کے علاوہ دوسرے اعضاء کو یعنی ناف سے اوپر اور گھٹنا سے نیچے
کے اعضاء کو دیکھ لے، کیونکہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مرد کے یہ
اعضاء قابل ستر نہیں ہیں، البتہ ناف، گھٹنا اور ران کے قابل ستر ہونے
میں فقہاء کا اختلاف ہے، تو جن حضرات نے ان میں سے کسی کو قابل
ستر عضو مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ عورت کا اس کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اور
جن حضرات نے ان کو قابل ستر نہیں مانا ہے وہ کہتے ہیں جائز ہے۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”عورة“ (فقہ ۸/۱)۔

حنفیہ کا اصح قول اور شافعیہ کا بھی اصح قول اور حنابلہ کا راجح
مذہب یہی ہے، ان کی دلیل سنت اور قیاس ہے۔

سنت میں ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت
فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: ”اعتدّی عند ابن أم مکتوم، فإنه
رجل أعمی، تضعین ثیابک“^(۱) (تم ابن ام مکتوم کے پاس
عدت گزارو کہ وہ نابینا آدمی ہیں، تم ان کے پاس کپڑے اتار سکتی
ہو)، نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے، وہ فرماتی ہیں: ”رأیت النبی
ﷺ یسترنی وأنا أنظر إلى الحبشة یلعبون
فی المسجد“^(۲) (میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ وہ مجھ کو
چھپائے تھے اور میں حبشیوں کو مسجد میں کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی)، نیز
حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: ”أن النبی ﷺ لما فرغ من
خطبة العید أتى إلى النساء ومعہ بلال، فوعظهن
وذكرهن وأمرهن بالصدقة، قال ابن عباس: فرأیتهن

(۱) حدیث: ”اعتدّی عند ابن أم مکتوم“ کی روایت مسلم (۲/۱۱۱۶) طبع
عیسیٰ اکلسی نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے۔

(۲) حدیث عائشہؓ: ”رأیت النبی ﷺ یسترنی وأنا أنظر“ کی روایت
بخاری (فتح ۵۵۳/۶ طبع السلفیہ) اور مسلم (۲/۶۰۸) طبع عیسیٰ اکلسی نے
کی ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک صحیح کے بالمقابل دوسرا قول وہ ہے جو امام محمد
بن الحسن کی ”کتاب الاصل“ میں مذکور ہے کہ عورت کے لئے مستحب
ہے کہ مرد کے قابل ستر حصہ کے علاوہ اعضاء سے اپنی نگاہ کو بند کر لے
اگر اس کو شہوت کے ہو جانے کا یقین ہو یا غالب گمان ہو یا اس میں
شک ہو، یعنی اس حالت میں اس کا دیکھنا مکروہ ہوگا حرام نہ ہوگا، مرد کا
حکم اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ عورت کے جن اعضاء کو شہوت
کے بغیر دیکھنا جائز ہے اس کو شہوت کے ساتھ یا شہوت کے ہو جانے کا
غالب گمان ہو یا اس میں شک ہو تو اس کو دیکھنا جائز نہ ہوگا، اور فرق کی
وجہ اس قول کے اعتبار سے یہ ہے کہ عورتوں کے حق میں شہوت اکثر
ہوتی ہے، اور اکثر تحقیق کے حکم میں ہوتا ہے اس صورت میں اگر مرد
عورت کو شہوت کے ساتھ دیکھے گا تو شہوت دونوں جانب پائی
جائے گی، مرد کی جانب تو حقیقت پائی جائے گی اس لئے کہ یہی فرض
کیا گیا ہے اور عورت کی جانب سے اعتباری وجود ہوگا اگرچہ بالفعل
موجود نہ ہو اس لئے کہ غالب کو حقیقت کے قائم مقام کر دیا گیا ہے،
اور اگر عورت مرد کو شہوت کے ساتھ دیکھے تو مرد کی طرف سے حقیقت
شہوت نہیں پائی جائے گی، اس لئے کہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ اس نے
نہیں دیکھا ہے اور عدم غلبہ کی وجہ سے وجود کا اعتبار نہیں کیا جائے گا،
لہذا شہوت صرف عورت کی جانب سے ہوگی، اور ایک جانب سے
شہوت کے ہونے کے مقابلہ میں دونوں جانب سے شہوت کا ہونا
لا محالہ حرام میں مبتلا کرنے کا زیادہ قوی سبب ہوگا۔

لیکن اگر عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا یقینی طور پر شہوت کے بغیر ہو
تو اس کے لئے مرد کے بدن کے کس حصہ کو دیکھنا جائز ہے اور کس حصہ
کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اس کے بارے میں فقہاء کے چار مختلف
اقوال ہیں:

نظر ۱۹

عورت کا مرد کی طرف دیکھنے کا ہے، لہذا مرد کے لئے اپنی محرم عورتوں کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے، عورت کے لئے بھی مرد کے ان اعضاء کی طرف دیکھنا جائز ہے، ان کے علاوہ دوسرے اعضاء کو دیکھنا جائز نہ ہوگا، صحیح کے بالمقابل حنفیہ کا یہ دوسرا قول ہے (یہی امام محمد کی ”الاصول“ کی روایت ہے)، مالکیہ کا قول اور ایک روایت میں حنا بلہ کا قول ہے اور اس قول سے قریب قریب شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ عورت کے لئے مرد کے اس عضو کو دیکھنا جائز ہے جو کام کرتے وقت ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

اس قول کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں اختلاف جنس کے وقت دیکھنے کا حکم اتحاد جنس کے وقت دیکھنے کے حکم سے زیادہ سخت ہے، اس کا تقاضا ہے کہ مرد کا مرد کو دیکھنے کے حکم سے عورت کا مرد کو دیکھنے کا حکم زیادہ سخت ہو، اگرچہ مرد کا قابل ستر حصہ الگ الگ نہیں ہے، یہاں تک کہ عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ مرد کے مرنے کے بعد اس کو غسل دے، اگر عورت کا مرد کی طرف دیکھنے کا حکم مرد کا مرد کی طرف دیکھنے کی طرح ہوتا تو عورت کے لئے مرد کے مرنے کے بعد اس کو غسل دینا جائز ہوتا (۱)۔

تیسرا قول: عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنے کا حکم مرد کا اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے حکم کی طرح ہے، لہذا مرد کے لئے عورت کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے، عورت کے لئے بھی مرد کے ان ہی اعضاء کو دیکھنا جائز ہوگا، اصح کے بالمقابل شافعیہ کا دوسرا قول یہی ہے، اور امام احمد سے ایک روایت یہی ہے، اسی کو الہدایہ، المستوعب، الخلاصہ، الرعاۃ، اور الحاوی الصغیر میں مقدم کہا ہے، ابن البنانے

(۱) المبسوط ۱۰/۱۲۸، الدر المختار و رد المحتار ۹/۵۳۳، الخرشنی ۱/۲۳۸، مواہب الجلیل ۲/۱۸۳، بلیغ السالک ۱/۱۹۳، حاشیۃ الدسوقی ۱/۲۱۵، روضۃ الطالبین ۷/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، الإیضاف ۸/۲۵، المبدع ۷/۱۱۔

یہوین بأیدیہن یقذفنہ فی ثوب بلال، ثم انطلق هو وبلال الی بیتہ“ (۱) (نبی کریم ﷺ جب عید کے خطبہ سے فارغ ہوئے تو عورتوں کے پاس تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے، آپ نے عورتوں کو وعظ و نصیحت کی اور ان کو صدقہ کا حکم دیا، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ بڑھاتی تھیں اور حضرت بلالؓ کے کپڑے میں ڈال دیتی تھیں، پھر آپ بلال کے ساتھ اپنے گھر واپس ہو گئے)۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر مطلقاً عورتوں کو مردوں کی طرف دیکھنے سے منع کر دیا جائے تو جس طرح عورتوں پر حجاب واجب ہے اسی طرح مردوں پر بھی حجاب واجب ہوگا، نیز اس لئے کہ جو عضو قابل ستر نہیں ہے اس کی طرف دیکھنے میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں، جب تک کہ شہوت نہ ہو، جیسے کپڑے اور چوپائے، لہذا عورت کے لئے جائز ہوگا کہ مرد کے اس عضو کو دیکھ سکے جو قابل ستر نہیں ہے، جیسا کہ مرد کے لئے جائز ہے کہ عورت کے اس عضو کو دیکھ لے جو قابل ستر نہیں ہے، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتی تھیں اور لامحالہ ان کی نگاہ مردوں پر پڑتی ہوگی، اگر یہ جائز نہ ہوتا تو ان کو مسجد اور عید گاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی (۲)۔

دوسرا قول: جو حکم مرد کا اپنی محرم عورتوں کے دیکھنے کا ہے وہی حکم

(۱) حدیث ابن عباسؓ: ”أن النبی ﷺ لما فرغ من خطبۃ العید.....“ کی روایت بخاری (الفق ۲/۳۶۵، طبع السلفیہ) اور مسلم (۲/۶۰۲، طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

(۲) المبسوط ۱۰/۱۲۸، الہدایہ مع الشرح ۱۰/۳۳، حاشیہ ابن عابدین ۹/۵۳۳، الفتاویٰ الہندیہ ۷/۳۲، مجمع الأنہر ۲/۵۳۸، ۵۳۹، تبیین الحقائق ۶/۱۸، نہایۃ المحتاج ۶/۱۹۳، ۱۹۵، روضۃ الطالبین ۷/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، مغنی المحتاج ۳/۱۳۰، زاد المحتاج ۳/۱۷۴، ۱۷۵، المبدع ۷/۱۱، مطالب أولی الثبی ۵/۱۶، ۱۵، الإیضاف ۸/۲۵۔

نظر ۲۰

میسونہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں کہ اچانک ابن ام مکتومؓ حاضر خدمت اقدس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں ان سے پردہ کرو، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ ہم کو دیکھ سکتے ہیں نہ ہم کو پہچان سکتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم بھی اندھی ہو، کیا تم دونوں ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟، اگر عورتوں کا مردوں کو دیکھنا مباح ہوتا تو رسول اللہ ﷺ دونوں کو ابن ام مکتومؓ سے پردہ کرنے کا حکم نہیں دیتے، اور ان کی طرف دیکھنے پر ان دونوں کی نکیر نہیں فرماتے۔

ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ عورتیں بھی آدمی کی ایک نوع ہیں، لہذا مردوں پر قیاس کرتے ہوئے ان پر بھی دوسری نوع کی طرف دیکھنا حرام ہوگا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نظر کو حرام کرنے والی چیز فتنہ کا اندیشہ ہے، اور وہ مردوں کی طرف عورت کے دیکھنے میں پایا جاتا ہے بلکہ یہ شہوت میں زیادہ سخت اور فتنہ انگیزی میں زیادہ تیز ہے (۱)۔

چوتھا قول: عورت کے لئے مرد کا چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم دیکھنا مکروہ ہے، حرام نہیں ہے، صرف ان کے علاوہ دوسرے اعضاء کو دیکھنا حرام ہے، یہ شیخ تقی الدین کا مختار قول ہے، انہوں نے اس قول کو امام احمد اور القاضی کے کلام کا ظاہر مانا ہے (۲)۔

عورت کا اپنے محرم مردوں کو دیکھنا:

۲۰- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت کا اپنے محرم مردوں کو دیکھنا اگر شہوت کے ساتھ یا لذت اندوزی کے ارادہ سے ہو تو حلال نہیں

اسی کو قطعی کہا ہے، ابن عقیل نے اس کو مختار بتایا ہے لیکن نووی نے اس کو شافعیہ کا صحیح قول قرار دیا ہے، انہوں نے شافعیہ کی ایک جماعت کی اتباع کی ہے، صاحب المہذب نے اس کو قطعی کہا ہے اور گزر چکا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک صحیح قول جس پر فتویٰ ہے یہ ہے کہ مرد کے لئے نوجوان اجنبی عورت کے بدن کے کسی بھی حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اور اس کے بالمقابل دوسرا قول ہے کہ کراہت کے ساتھ چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے، عورت کی طرف مرد کے دیکھنے کے حکم میں صحیح قول کی بنا پر اس قول کا تقاضا ہے کہ عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہو، لیکن جلال بلقینی نے کہا ہے کہ اصحاب شافعی میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے، تمام اقوال اس پر متفق ہیں کہ فتنہ سے امن کے وقت مرد کے چہرہ اور اس کی دونوں ہتھیلیوں کو عورت کے لئے دیکھنا جائز ہے۔

اس قول کے قائل فقہاء کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغْضُؤْنَ مِنْ اَبْصَارِهِمْ“ (۱) (اور آپ کہہ دیجئے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں)، اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اپنی نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ مردوں کو حکم دیا ہے، نیز ان کی دلیل حضرت ام سلمہؓ کی حدیث ہے: ”انہا كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة، إذ أقبل ابن أم مكتوم، فدخل عليه، فقال رسول الله ﷺ: احتجبا منه، فقلت: يا رسول الله، أليس هذا أعمى لا يبصرنا ولا يعرفنا؟ فقال رسول الله ﷺ: أعمى وان أنتما؟ أستماتا تبصرانه“ (۲) (وہ اور حضرت

(۱) سورہ نور ۳۱۔

(۲) حدیث: ”انہا كانت عند رسول الله ﷺ.....“ کی روایت ابوداؤد (۳۶۱/۳، ۳۶۲/۳ طبع جمص) اور ترمذی (۱۰۲/۵ طبع الکنسی) نے کی ہے، ابن حجر نے الجلیس (۱۳۸/۳) میں اس میں ایک راوی کے جہول ہونے کی وجہ سے اس کو معلول کہا ہے۔

(۱) مفتی المحتاج ۱۲۸/۳ اور اس کے بعد کے صفحات، نہایت المحتاج

۱۹۳/۶، ۱۹۵، روضۃ الطالبین ۲۱/۷ اور اس کے بعد کے صفحات، زاد المحتاج

۱۷۳/۳، ۱۷۵، الإیضاف ۲۶/۸

(۲) الإیضاف ۲۶/۸

نظر ۲۱-۲۲

ایک دوسرے قول میں شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ محرم مرد کی طرف عورت کا دیکھنا محرم عورت کی طرف مرد کے دیکھنے کی طرح ہے^(۱)۔

عورت کا عورت کو دیکھنا:

۲۱- فقہاء کی رائے ہے کہ عورت کا عورت کو دیکھنا خواہ کوئی عورت ہو جائز نہیں ہے اگر یہ دیکھنا شہوت کے ساتھ یا لذت اندوزی کے لئے ہو، لیکن اگر یہ دیکھنا شہوت کے بغیر ہو تو جمہور فقہاء نے مسلمان عورت کا کسی عورت کو دیکھنے میں اور کافر عورت کا مسلمان عورت کو دیکھنے میں فرق کیا ہے، اور مسلمان عورت کے دیکھنے میں بھی فاجرہ اور عقیفہ میں فرق کیا ہے۔

مسلمان عورت کا کسی عورت کو دیکھنا:

۲۲- مسلمان عورت کا کسی عورت کو دیکھنے کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: مسلمان عورت کے لئے دوسری عورت کے ان اعضاء کو دیکھنا جائز ہے، مرد کے جن اعضاء کو دوسرے مرد کے لئے دیکھنا جائز ہے، لہذا اس کے لئے دوسری عورت کے ناف و گھٹنے کے درمیان اعضاء کے علاوہ پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے، یہی قول حنفیہ کا رائج مذہب ہے اور یہی مالکیہ کا مشہور قول ہے، شافعیہ کا معتد قول اور حنابلہ کا قول ہے۔

اس قول کے قائل فقہاء کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی حدیث

ہے: "لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل ولا المرأة إلى عورة المرأة"^(۲) (کوئی مرد دوسرے مرد کے قابل ستر حصہ کو اور

(۱) روضة الطالبین ۲/۷ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) حدیث: "لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل " کی تخریج فقرہ ۱۷

ہے، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو محرم مرد کے کس عضو کو دیکھنا جائز ہے اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

مالکیہ کی رائے اور شافعیہ کا رائج مذہب یہ ہے کہ عورت کے لئے اپنے محرم مرد کے ناف اور گھٹنا کے درمیان کے علاوہ دوسرے اعضاء کا دیکھنا جائز ہے^(۱)۔

حنفیہ کے نزدیک ان کی عبارتوں میں مرد کی طرف عورت کے دیکھنے کے حکم میں محرم اور غیر محرم میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے اور عورت کے لئے مرد کے قابل ستر اعضاء کے علاوہ کی طرف یعنی ناف اور اس سے اوپر اور گھٹنے کے نیچے اعضاء کی طرف دیکھنا جائز ہے، یہ ان کے صحیح مذہب کے مطابق ہے، لیکن الاصل کی روایت کے مطابق مرد کے لئے اپنی محرم عورتوں کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے، عورت کے لئے مرد کے صرف ان ہی اعضاء کو دیکھنا جائز ہوگا، یہاں تک کہ مرد کی پیٹھ اور اس کے پیٹھ کو دیکھنا عورت پر حرام ہے^(۲)۔

حنابلہ میں مرد داوی نے کہا ہے کہ مرد کے لئے اپنی محرم عورت کے ان اعضاء کو دیکھنا جائز ہے جو عام طور پر ظاہر نہیں ہوتے ہیں، اور سر اور پنڈلی کو دیکھنا جائز ہے، یہی رائج مذہب ہے، اسی پر اکثر اصحاب ہیں، دیکھنے کے بارے میں محرم عورت کا حکم خریداری کے لئے بھاؤ کی ہوئی باندی کے حکم کی طرح ہے، صحیح مذہب یہی ہے، اکثر نے اس کو قطعی کہا ہے۔

پھر مرد داوی نے کہا ہے کہ محرم مردوں کی طرف دیکھنے میں عورت کا حکم وہی ہے جو محرم عورتوں کی طرف دیکھنے میں مردوں کا ہے، الفروع وغیرہ میں یہی کہا ہے^(۳)۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۱/۲۱۵، بلغة السالک ۱/۱۹۳، الخرش ۱/۲۳۸، مواہب الجلیل ۲/۱۸۳، روضة الطالبین ۲/۷ اور اس کے بعد کے صفحات، نہایت الجناح ۶/۱۹۵، مغنی الجناح ۴/۲۱۳۔

(۲) الملبوط ۱۰/۱۳۸۔

(۳) الإیضاف ۸/۲۰۔

مروج قول ہے، پہلا قول صحیح ہے (۱)۔

اس قول کے قائل فقہاء کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں عورتوں کو پردے کے لباس کے ساتھ اور اس کے بغیر غسل خانوں میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إنها ستفتح لكم أرض العجم وستجدون فيها بيوتا يقال لها الحمامات فلا يدخلنها الرجال إلا بالأذن وامنعوها النساء إلا مريضة أو نفساء“ (۲) (تمہارے لئے عجم کی زمین فتح ہوگی اور تم کو وہاں ایسے گھر ملیں گے جن کو حمام کہا جاتا ہے، ان میں مرد لنگی کے بغیر داخل نہ ہوں، اور عورتوں کو اس سے منع کرو البتہ مریضہ اور نفساء اس سے مستثنیٰ ہیں)۔

کافرہ عورت کا مسلمان عورت کو دیکھنا:

۲۳۔ مسلمان عورت کافرہ عورت کو اپنی طرف دیکھنے کا موقع دے اس کے حکم میں فقہاء کے چند مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: کافرہ عورت مسلمان عورت کی طرف دیکھنے میں اجنبی مرد کی طرح ہے، لہذا مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے جن اعضاء کو اجنبی مرد کے لئے دیکھنا جائز ہے ان کے علاوہ کسی دوسرے عضو کے دیکھنے کا موقع کافرہ عورت کو دے، یہ حنفیہ کا صحیح قول اور مالکیہ کی رائے ہے، اور شافعیہ کے نزدیک ایک قول ہے جس کو بغوی، ہلقینی، نووی اور القاضی وغیرہ نے صحیح کہا ہے اور حنابلہ

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) حدیث: ”إنها ستفتح لكم أرض العجم.....“ کی روایت ابوداؤد (۳۰۲/۳ طبع محص) اور ابن ماجہ (۲/۱۲۳۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے، اور المنذری نے اس کو الترغیب والترہیب (۱۹۹/۱) میں ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی اسناد میں ایک ضعیف راوی ہے۔

کوئی عورت دوسری عورت کے قابل ستر حصہ کو نہ دیکھے، یہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے مرد کے اعتبار سے مرد کے قابل ستر اعضاء کو بیان کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے حق میں عورت کا قابل ستر حصہ بھی اسی کے مثل ہوگا، کیونکہ جنس ایک ہے اور قابل ستر کے علاوہ اعضاء ممانعت میں داخل نہ ہوں گے، تو ان کی طرف دیکھنا جائز رہے گا۔

اسی طرح ان کی دلیل قیاس بھی ہے، یعنی انہوں نے مرد کا مرد کی طرف دیکھنے پر قیاس کیا ہے، اور دونوں میں مشترک وصف جنس کا متحد ہونا ہے، اور شہوت کا اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہونا ہے، نیز شریعت نے مسلمان عورتوں کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ جو عورت مر جائے اس کو غسل دینے کے لئے اس کے کپڑے اتاریں اور یہ حق مردوں کو نہیں دیا ہے، اگرچہ وہ محرم ہوں، اس میں اس کی دلیل ہے کہ عورت کے حق میں عورت کا قابل ستر حصہ وہی ہے جو مرد کے حق میں مرد کا قابل ستر حصہ ہے، اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ضرورت کا تقاضا ہے کہ عورتیں ایک دوسرے کے سامنے اپنے اعضاء ظاہر کریں (۱)۔

دوسرا قول: مرد کے لئے اپنی محرم کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے، مسلمان عورت دوسری عورت کے ان اعضاء کو دیکھ سکتی ہے، یہاں تک کہ اس کے لئے اس کی پیٹھ اور پیٹ کو دیکھنا حلال نہ ہوگا، ایک روایت میں یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہ

= میں گزر چکی۔

(۱) المبسوط ۱۰/۱۰۷، تبيين الحقائق ۱۸/۶، مجمع الأنهر ۲/۵۳۸، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۲، الہدایہ مع الشروح ۱۰/۳۵۷، حاشیہ ابن عابدین ۹/۵۳۳، مواہب الجلیل ۲/۱۸۰، بلغۃ السالک ۱/۱۹۲، حاشیہ الدسوقی ۱/۲۱۳، مغنی المحتاج ۳/۱۲۸ اور اس کے بعد کے صفحات، نہایت المحتاج ۶/۱۹۴، روضۃ الطالبین ۷/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، الإیضاف ۸/۲۴، المبدع ۷/۱۰، مطالب أولی النہی ۵/۱۵۔

ان کے ساتھ اہل کتاب کی بھی عورتیں ہوتی ہیں، اس کو منع کرو اور اس میں حائل ہو، اور ایک روایت میں ہے: ”فإنه لا يحلّ لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن ينظر إلى عورتها إلا أهل ملتها“^(۱) (جو عورت اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اس کے قابل ستر حصہ کو اس کے اہل مذہب کے علاوہ کوئی دوسرا دیکھ سکے)، قابل ستر سے مراد وہ اعضاء ہیں جو کھل جاتے ہیں اور کپڑے سے خالی رہ جاتے ہیں۔

ان کی دلیل وہ روایت بھی ہے جو سعید سے مجاہد کے واسطے سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ مسلمان عورت کسی مشرک عورت کے سامنے اپنی اوڑھنی نہ اتارے اور نہ اس کو بوسہ دے، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے: ”أَوْ نَسَاءَهُنَّ“ اور وہ مسلمان عورتوں میں سے نہیں ہے، نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ کافرہ عورت کے سامنے مسلمان عورت کے بدن کے کھولنے کا نتیجہ ہوگا کہ وہ اپنے شوہر اور دوسروں کے پاس اس کے اوصاف بیان کرے گی، اس لئے کہ اس کے دین میں یہ ممنوع نہیں ہے، لیکن مسلمان عورت کو علم ہے کہ یہ حرام ہے اس لئے اس سے پرہیز کرے گی^(۲)۔

عبادہ بن نسی سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کو کمرہ کہا ہے کہ کوئی نصرانی عورت مسلمان عورت کو بوسہ دے یا اس کے قابل ستر

(۱) اثر عمر: ”أما بعد فإنه بلغني أن نساء من نساء المؤمنين“ کی روایت بیہقی نے اسنن الکبریٰ (۷/۹۵ دائرۃ طبع المعارف) میں اس کے دونوں روایتوں کے ساتھ کی ہے۔

(۲) الدر المختار ورد المختار ۵۳۴/۹، الفتاویٰ الہندیہ ۳۲۷/۵، مجمع الأنہر ۵۳۹/۲، حاشیۃ الرسوقی و تقریرات الشیخ علیش ۲۱۳/۱، روضۃ الطالبین ۲۲/۷ اور اس کے بعد کے صفحات، ۱۷۴/۳، مغنی المحتاج ۱۲۸/۳ اور اس کے بعد کے صفحات، نہایت المحتاج ۶/۱۹۳، الإیضاف ۲۵/۸، المبدع ۱۰/۷، فتح القدر للشوکانی ۳۲/۳، تفسیر القرطبی ۲۳۳/۱۲، تفسیر ابن کثیر ۶۰۱، ۶۰۰، ۶۰۱، أحكام القرآن للجصاص: تفسیر سورۃ نور (۳۱۸/۳)۔

کے نزدیک ایک روایت ہے۔

اس قول کے قائل اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ مسلمان عورت کے لئے حلال ہے کہ کافرہ عورت کو اپنا چہرہ اور ہتھیلی دیکھنے کا موقع دے، ان کے علاوہ دوسرے اعضاء کو دیکھنے کا موقع دینا اس کے لئے حرام ہے، یہ حنفیہ کا قول، مالکیہ کا معتد قول اور شافعیہ کے نزدیک ایک قول ہے جس کو ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے، شافعیہ کے نزدیک دوسرا قول ہے کہ مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے بدن کے کسی بھی حصہ کو دیکھنے کا موقع کافرہ عورت کو دے، یہی بعض مالکیہ کا ایک قول ہے، یہ قول اس صورت میں ہے کہ کافرہ عورت مسلمان عورت کے لئے غیر محرم ہو (یعنی محرم مرد کے درجہ میں ہو) اور اس کی مملوک نہ ہو، ان دونوں کے لئے اس کی طرف دیکھنا جائز ہوگا۔

اس قول کے قائل فقہاء کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”أَوْ نَسَاءَهُنَّ“^(۱) (اور اپنی ہم مذہب عورتوں پر)، جمہور علماء نے اس کی تفسیر کی ہے کہ وہ آزاد مسلمان عورتیں ہیں، یہ اس بنیاد پر ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے ان کا قول منقول ہے کہ وہ مسلمان عورتیں ہیں جو یہودیہ اور نصرانیہ کے سامنے ظاہر نہ کریں گی، اور اس لئے بھی کہ اگر کافرہ عورت کے لئے مسلمان عورت کی طرف دیکھنا جائز ہوتا تو آیت میں منقول تخصیص کا کوئی اضافی فائدہ باقی نہیں رہ جاتا، لہذا معلوم ہوا کہ مراد عورتوں کی ایک صنف ہے اور وہ مسلمان عورتیں ہیں، ان کی دلیل حضرت عمر بن الخطابؓ سے منقول ان کا اثر بھی ہے کہ انہوں نے ابو عبیدہؓ کو لکھا: ”أما بعد! فإنه بلغني أن نساء من نساء المسلمين يدخلن الحمامات و معهن نساء أهل الكتاب فامنع ذلك و حل دونہ“ (أما بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کی کچھ عورتیں حمام میں داخل ہوتی ہیں اور

(۱) سورۃ نور ۳۱۔

نہیں ہے۔

اس قول کے قائل فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اہل کتاب کی عورتیں ازواج مطہرات کے پاس جاتی تھیں، نہ وہ پردہ کرتی تھیں، نہ ان کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا، ان کی دلیل مسلمان مرد کو کافر مرد کے دیکھنے پر قیاس کرنا بھی ہے، وصف مشترک یہ ہے کہ دونوں میں جنس ایک ہے تو جس طرح دین کے اختلاف کی وجہ سے مردوں کے درمیان دیکھنے کے حکم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا ہے، اسی طرح عورتوں کے درمیان بھی اس کے حکم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا ہے، عورتوں کے سے مردوں کو عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا ہے، عورتوں کے درمیان دیکھنے میں وہ وجہ موجود نہیں ہے، خواہ دین ایک ہو یا الگ الگ ہو، نیز اس لئے کہ یہ قول لوگوں کے حق میں آسان ہے، اس کے ذریعہ ان سے بہت حرج دور کیا جاسکے گا، اس لئے کہ مسلمان عورتوں کا ذمی عورتوں سے پردہ کرنا تقریباً ناممکن ہے^(۱)۔

تیسرا قول: مسلمان عورت کے لئے جائز ہے کہ کافرہ عورت کو اپنے ان اعضاء کی طرف دیکھنے کا موقع دے جن کی طرف دیکھنا اس کے محرم مردوں کے لئے جائز ہے، یہ بعض مالکیہ کا قول ہے، اور شافعیہ کے نزدیک ایک قول ہے، نووی نے اس کو اشبہ کہا ہے، رٹی اور خطیب شربینی نے اس کو معتد کہا ہے، اور حنابلہ کے نزدیک ایک روایت یہی ہے^(۲)۔

(۱) العنایہ علی الہدایہ ۱۰/۷۰، ۴۸، ۴۷، ۱۰، المیسوط ۱۰/۱۶۱، روضۃ الطالین ۷/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، زاد المحتاج ۱۲/۱۳ اور اس کے بعد کے صفحات، مغنی المحتاج ۲/۲۱۲، نہایۃ المحتاج ۶/۱۹۳، الإیضاف ۸/۲۳، المبدع ۷/۱۰، مطالب اولی الثمی ۵/۱۵، المغنی ۶/۵۶۲، ۵۶۳، تفسیر الآلوسی ۱۸/۱۴۳، احکام القرآن لابن العربی ۳/۳۲۶۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی و تقریرات الشیخ علیش ۱۳/۲۱۳، روضۃ الطالین ۷/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، مغنی المحتاج ۳/۱۲۸ اور اس کے بعد کے صفحات، نہایۃ المحتاج ۶/۱۹۳، الإیضاف ۸/۲۳، المبدع ۷/۱۰، ۱۱۔

حصہ کو دیکھے اور اس کی تاویل میں ”أو نسائهن“ پڑھتے تھے^(۱)۔

دوسرا قول: مسلمان عورت کا مسلمان عورت کو دیکھنے کی طرح کافرہ عورت کا مسلمان عورت کو دیکھنا بھی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ اصح کے بالمقابل قول حنفیہ کے نزدیک ہے، صاحب العنایہ نے اس کو قوی قرار دیا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ”نسائهن“ سے مراد وہ آزاد عورتیں ہیں جو ان کے ساتھ رہتی ہیں، خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان ہوں، بعض کے بعض کی طرف دیکھنے کے جائز ہونے میں تمام عورتیں برابر ہیں، سرخسی کے قول سے یہی سمجھ میں آتا ہے، سرخسی کا قول ہے کہ اگر مردوں کے ساتھ کوئی کافرہ عورت ہو تو اس کو غسل کا طریقہ بتائیں گے تاکہ وہ مسلمان میت عورت کو غسل دے، اس لئے کہ ہم جنس کے دیکھنے میں دین میں موافقت و مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے، یہی شافعیہ کے نزدیک ایک قول ہے جس کو امام غزالی نے اصح قرار دیا ہے، اور یہی حنابلہ کے نزدیک صحیح ہے، الوجیز وغیرہ میں اسی کو قطعی کہا ہے، المغنی اور الشرح الکبیر میں اس کو مقدم کیا گیا ہے اور دونوں نے اس کی تائید کی ہے، صاحب الکافی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، علماء میں سے اس قول کو فخر الدین رازی نے راجح قرار دیا ہے، چنانچہ ان سے علامہ آلوسی نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ راجح مذہب یہ ہے کہ وہ مسلمان عورت کی طرح ہے، اور نسائهن سے مراد تمام عورتیں ہیں اور سلف کا قول استحباب پر محمول ہے، اسی طرح مالکیہ میں سے ابن العربی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تمام عورتوں کے لئے جائز ہے، ضمیر اتباع کے لئے لائی گئی ہے، اس لئے کہ یہ ضامراً والی آیات ہیں، اس لئے کہ اس میں پچیس ضمیریں ہیں، قرآن میں اس کی نظیر موجود

(۱) اثر: ”أنه كره أن تقبل النصرانية المسلمة.....“ کی روایت طبری (۹۵/۱۸ طبع دار المعرفہ) نے کی ہے۔

بدکار عورت کا پاک دامن عورت کو دیکھنا:

۲۴- بعض فقہاء حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ نیک عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کو بدکار عورت دیکھے، اس لئے کہ وہ مردوں کے پاس جا کر اس کے حالات بیان کرے گی، لہذا اس کے سامنے اپنی چادر اور اوڑھنی نہیں اتارے گی^(۱)۔

شافعیہ میں سے شیخ عز الدین بن عبدالسلام کی رائے ہے کہ مسلمان عورت کے ساتھ کافرہ عورت کا جو حکم ہے وہی حکم پاک دامن عورت کے ساتھ بدکار عورت کا بھی ہے، یعنی پاک دامن عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ بدکار عورت کو اپنا بدن دیکھنے کا موقع دے، اور دوسرے فقہاء شافعیہ مثلاً زرکشی نے ان کی تائید کی ہے، لیکن بعض فقہاء شافعیہ نے اس حکم کو ایک خاص قسم کی بدکار عورتوں کے ساتھ خاص رکھا ہے اور وہ ہم جنسی کرنے والی ہیں، یا وہ عورت جس کا میلان عورتوں کی طرف رہتا ہو، دوسرے فقہاء نے اس کو عام رکھا ہے، یعنی ہر بدکار عورت مراد ہے خواہ اس کا فسق ہم جنسی کی وجہ سے ہو یا زنا کی وجہ سے ہو یا آزاد پھرنا وغیرہ کے سبب ہو، لیکن اکثر فقہاء شافعیہ نے شیخ عز الدین بن عبدالسلام وغیرہ کی رائے کو رد کر دیا ہے، اس لئے کہ فاسق عورت مومن ہے، فسق کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہو جائے گی۔

حنفیہ و شافعیہ میں سے جو حضرات اس قول کے قائل ہیں، انہوں نے بدکار کو کافرہ عورت پر اس اعتبار سے قیاس کیا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں یہ غالب گمان ہے کہ وہ پاک دامن عورت کے جو محاسن دیکھے گی اپنے شوہر اور دوسرے مردوں کے پاس اس کو بیان کرے گی، لہذا مرد کی طرح اس کا دیکھنا حرام ہے اور اس کو دیکھنے کا موقع دینا بھی حرام ہے^(۲)۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳۲۷/۵۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۳۲۷/۵، حاشیہ ابن عابدین ۵۳۴/۹، مغنی المحتاج

زوجین کا ایک دوسرے کو دیکھنا:

۲۵- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کے پیشاب و پاؤں کی جگہ کے علاوہ پورے بدن کا دیکھنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، خواہ یہ دیکھنا شہوت کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو جب تک کہ دونوں کے درمیان رشتہ نکاح باقی ہو، البتہ ایک دوسرے کے پیشاب و پاؤں کی جگہ کو دیکھنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کی رائے اور حنابلہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ یہ مباح ہے، ان میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ دوسرے کے پورے بدن کو دیکھ سکے، کوئی عضو اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، ان کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ”وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ اِلَّا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ“^(۱) (اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں، ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ اس صورت میں ان پر کوئی الزام نہیں)، اللہ تعالیٰ نے شرمگاہ کی حفاظت کے حکم سے بیویوں اور باندیوں کو مستثنیٰ کیا ہے، اور اس میں استمتاع کی تمام اقسام داخل ہیں، اس استثناء میں چھونے اور وطی کرنے کے داخل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تو اسی طرح دیکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا^(۲)، نیز ان کی دلیل معاویہ بن حیدرہ سے مروی حدیث ہے، انہوں نے کہا: ”قلت: یا رسول اللہ، عوراتنا ما نأتي منها وما نذر؟ قال: احفظ عورتک اِلَّا

= ۱۲۸/۳ اور اس کے بعد کے صفحات، حاشیہ السیوطی علی الروضہ (منقحی الہندیہ) ۳۱۷/۵، نہایۃ المحتاج وحاشیۃ الشبر الملسی ۱۹۵/۶۔

(۱) سورۃ مؤمنون ۶، ۵۔

(۲) الہدایۃ وتکملۃ الفتح ۱۰/۳۸، حاشیہ ابن عابدین ۵۲۶/۹، المبسوط

۱۰/۱۲۸، الفتاویٰ الہندیہ ۳۲۷/۵، مجمع الأنہر ۵۳۹/۲، تبیین

المحقق ۱۸/۱۹، کشاف القناع ۳۰۸/۳، الإیضاف ۳۲/۸، المبدع

۱۲/۷، مطالب اولیٰ الہدیٰ ۱۷/۵۔

نظر ۲۵

مالکیہ کی رائے وہی ہے جو حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے، یعنی بلا کراہت حلال ہے، البتہ پالانہ کے مقام کو دیکھنے کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ فقہ سی نے کہا ہے کہ اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے تمتع حرام ہے تو اس کی طرف دیکھنا بھی حرام ہوگا^(۱)۔

اصح قول میں شافعیہ کی رائے، بعض مالکیہ کی رائے، اور ایک روایت میں حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھنا مکروہ ہے اور اگر یہ دیکھنا شرم گاہ کے اندرونی حصہ کی طرف ہو تو کراہت بڑھ جائے گی^(۲)، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ”ما نظرت أو ما رأیت فرج رسول اللہ ﷺ قط“ (میں نے رسول اللہ ﷺ کی شرم گاہ کو کبھی نہیں دیکھا)۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے زوجین کا ایک دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھنے کے حلال ہونے سے ظہار کرنے والے کی شرم گاہ کے دیکھنے کو مستثنیٰ کیا ہے، چنانچہ ان دونوں نے کہا ہے کہ اس شخص کے لئے بیوی کے بال، پیٹھ اور سینہ دیکھنا جائز ہے، صاحب درمختار نے حائضہ سے وطی کے حرام ہونے کے یقین کے باوجود اس کی شرم گاہ دیکھنے کے حلال ہونے میں تردید ظاہر کیا ہے، حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ حیض کی حالت میں شرم گاہ کو دیکھنا مکروہ ہے^(۳)۔

زوجین کا ایک دوسرے کی پیشاب گاہ کو دیکھنے کے بارے میں

من زوجتک أو ما ملکک یمینک“^(۱) (میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے قابل ستر حصہ کو کہاں چھپائیں اور کہاں نہ چھپائیں، آپ نے فرمایا کہ اپنے قابل ستر عضو کو بیوی اور باندی کے علاوہ ہر جگہ پوشیدہ رکھو)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ کے قابل ستر حصہ کو دیکھنا جائز ہے۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ زوجین کے لئے بہتر یہ ہے کہ ان میں سے کوئی دوسرے کی شرم گاہ کو نہ دیکھے، ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے کہا: ”ما نظرت أو ما رأیت فرج رسول اللہ ﷺ قط“^(۲) (میں نے رسول اللہ ﷺ کی شرم گاہ کو کبھی نہیں دیکھا)۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے زوجین کا ایک دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھنے کے حلال ہونے سے ظہار کرنے والے کی شرم گاہ کے دیکھنے کو مستثنیٰ کیا ہے، چنانچہ ان دونوں نے کہا ہے کہ اس شخص کے لئے بیوی کے بال، پیٹھ اور سینہ دیکھنا جائز ہے، صاحب درمختار نے حائضہ سے وطی کے حرام ہونے کے یقین کے باوجود اس کی شرم گاہ دیکھنے کے حلال ہونے میں تردید ظاہر کیا ہے، حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ حیض کی حالت میں شرم گاہ کو دیکھنا مکروہ ہے^(۳)۔

زوجین کا ایک دوسرے کی پیشاب گاہ کو دیکھنے کے بارے میں

(۱) حدیث: ”احفظ عورتک إلا من زوجتک“ کی روایت ابو داؤد (۳۰۴/۳ طبع حص) اور ترمذی (۹۸،۹۷/۵ طبع لکھی) نے کی ہے، اور ترمذی نے کہا: حدیث حسن ہے۔

(۲) حدیث عائشہؓ: ”ما نظرت أو ما رأیت“ کی روایت ابن ماجہ (۲۱۷/۱) نے کی ہے، البیہقی نے مصباح الزجاجة (۱۴۴/۱ طبع دارالایمان) میں حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والے راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے اس کی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳۲۶/۹، ۳۲۷، الإناصاف ۳۳/۸، مطالب اولی النہی ۱۷/۵۔

(۱) مواہب الجلیل ۴۰۵/۳، بلغۃ السالک ۲۱۷/۲، ۲۱۸، حاشیہ الدسوقی ۲۱۵/۲، البیان والتحصیل ۷۹/۵، ۸۰۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ۲۱۵/۲، زاد المحتج ۱۷۶/۳، نہایۃ المحتاج ۱۹۹/۶، ۲۰۰، روضۃ الطالبین مع منقح البیہقی للسیوطی ۳/۵، ۳، مطالب اولی النہی ۱۷/۵، المبدع ۱۲/۷، ۱۳۔

نظر ۲۶-۲۹

قریب البلوغ لڑکی تصور کیا جائے گا، یہ حنفیہ کی رائے، شافعیہ کا اصح قول اور حنا بلکہ کی رائے ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اباحت اور حرمت کے اسباب جمع ہو جائیں تو احوط پر عمل کرنا واجب ہے، اور یہ دونوں چیزیں ”خنثی مشکل“ میں موجود ہیں کیونکہ اس کے مرد ہونے کا اور اس کے عورت ہونے کا احتمال برابر ہے۔

اصح کے بالمقابل شافعیہ کا ایک دوسرا قول ہے کہ اس کے بارے میں بچپن کا حکم برقرار رہے گا، یعنی بچپن میں اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا تھا وہی معاملہ کیا جائے گا، خنثی کے حکم میں حنا بلکہ کے یہاں دو اقوال دوسرے بھی ہیں:

اول: وہ مرد کی طرح ہے۔

دوم: اگر وہ مرد کی مشابہت اختیار کرے گا تو اس کے ساتھ مرد جیسا معاملہ کیا جائے گا اور اگر عورت کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا تو اس کے ساتھ عورت جیسا معاملہ کیا جائے گا^(۱)۔

جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے اس کی طرف دیکھنے میں رخصت:

۲۸- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے اس کی طرف دیکھنا اصل میں دو جگہ مباح ہے:

اول: اگر اچانک نگاہ پڑ جائے۔

دوم: کوئی ضرورت یا حاجت اس کی داعی ہو، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

اچانک نگاہ پڑ جانا:

۲۹- الفجاءة: فا کے پیش اور مد کے ساتھ ہے، اسی طرح تمرۃ کے (۱) مجمع الأنهر ۲/۲۹، ۳۰، معنی الحجج ۳/۱۳۲، روضة الطالین ۳/۴۵، ۳۵، نہایۃ الحجج ۶/۱۹۵، کشاف القناع ۱/۳۰۹، الإلصاف

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر شوہر اپنی شرم گاہ کو دیکھنے سے زوجہ کو منع کر دے تو اس کے لئے دیکھنا جائز نہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر زوجہ منع کر دے تو شوہر کے لئے دیکھنا جائز رہے گا، اس لئے کہ شوہر اس سے تمتع کا مالک ہے، وہ مالک نہیں ہے، شربینی خطیب نے اس کو زکشی سے نقل کیا ہے اور اس کو اظہر قرار دیا ہے اور بعض متأخرین سے اس میں توقف نقل کیا ہے^(۱)۔

انسان کا خود اپنی شرم گاہ کو دیکھنا:

۲۶- شافعیہ و حنا بلکہ نے صراحت کی ہے کہ بلا ضرورت آدمی کا اپنی شرم گاہ کو دیکھنا مکروہ ہے، شافعیہ نے کہا ہے اس کے اندرونی حصہ کو دیکھنے میں کراہت زیادہ ہے^(۲)، ان کی دلیل معاویہ بن حیدرہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”احفظ عورتک إلی من زوجتک أو ما ملکک یمینک“^(۳) (اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ سے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھو)۔

خنثی کا دیکھنا:

۲۷- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ خنثی کے حق میں دوسرے کی طرف اس کے دیکھنے میں اور اس کی طرف دوسرے کے دیکھنے میں احتیاط پر عمل کیا جائے گا، لہذا عورتوں کے معاملہ میں اس کو مرد یا قریب البلوغ لڑکا سمجھا جائے گا اور مردوں کے معاملہ میں اس کو عورت یا

(۱) حافیۃ الدسوقی ۲/۲۱۵، زاد الحجج ۳/۱۷۶، نہایۃ الحجج ۶/۱۹۹، ۲۰۰، روضة الطالین مع منغنی البیوع للسیوطی ۵/۳۷۲، ۳، معنی الحجج ۳/۱۲۸ اور اس کے بعد کے صفحات، الإلصاف ۳/۳۲۸، المبدع ۱۳/۱۲، مطالب اولی النہی ۵/۱۷۵۔

(۲) الروضہ ۲/۳۷۲، معنی الحجج ۳/۱۳۵۔

(۳) حدیث: ”احفظ عورتک إلی من زوجتک أو ما ملکک یمینک“ کی تخریج فقرہ ۲۵ میں گزر چکی۔

نظر ۳۰-۳۲

ہے، اس کو دیکھنے کی ضرورت و حاجت متحقق ہو جائے تو اس کی طرف دیکھنا جائز ہے، البتہ ان حاجات کی تعیین میں جن کی وجہ سے دیکھنا جائز ہوتا ہے، اور ان مواضع کی تعیین میں جن کو دیکھنا مباح ہوتا ہے اور اباحت کی شرطوں میں فقہاء کا اختلاف ہے، دیکھنے کو جائز قرار دینے والی حاجات میں فقہاء نے پیغام نکاح، علاج، قضاء، شہادت، معاملہ اور تعلیم وغیرہ کو ذکر کیا ہے۔

اول- پیغام نکاح کے لئے دیکھنا:

۳۱- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ نکاح کا پیغام دینے والے کے لئے اس عورت کو دیکھنا جائز ہے جس کو نکاح کا پیغام دینا ہے، پھر اس دیکھنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور بعض حنابلہ کی رائے ہے کہ یہ دیکھنا مندوب ہے، اس لئے کہ صحیح حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کی وجہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس سے ان دونوں کے درمیان ہمیشہ تعلق باقی رہنے کی زیادہ امید ہے۔

حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینا چاہے اور اس کو غالب گمان ہو کہ اس کا پیغام قبول کر لیا جائے گا تو اس کے لئے مباح ہے کہ اس کو دیکھ لے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”خطبہ“ (فقہہ ۲۶، ۳۲)۔

دوم- علاج اور اس کے متعلقات کے لئے دیکھنا:

۳۲- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ علاج وغیرہ کے لئے دیکھنا جائز ہے، خواہ دیکھنے والا اور جس کو دیکھا جائے وہ کوئی بھی ہو، مرد ہو یا عورت ہو، دیکھنے کی جگہ بھی کوئی ہو خواہ قابل ستر عضو ہو یا دوسرا عضو ہو،

وزن پر فحشاء بھی ہے، یعنی بلا کسی سبب کے اچانک ہو جانا^(۱)، اور اچانک نگاہ سے مراد دیکھنے والے کے ارادہ کے بغیر نگاہ پڑ جانا ہے۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ نگاہ معاف ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: ”سألت رسول الله ﷺ عن نظر الفجاءة فأمرني أن أصرف بصري“^(۲) (میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نگاہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لوں)، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ اچانک نگاہ کے بعد نگاہ کو برقرار رکھنے میں ہے، پہلی غیر مقصود نگاہ میں کوئی گناہ نہیں ہے، نیز بریدہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ”يا علي لا تتبع النظرة النظرة فإن لك الأولى وليست لك الآخرة“^(۳) (اے علی! ایک نگاہ کے بعد دوبارہ نگاہ نہ ڈالو، اس لئے کہ پہلی نگاہ معاف ہے، دوسری معاف نہیں ہے)، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی نگاہ میں اگر وہ بلا ارادہ ہو تو کوئی گناہ نہیں ہے^(۴)۔

ضرورت کی نگاہ:

۳۰- فی الجملہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس کی طرف دیکھنا حرام

= ۲۷/۸، مطالب اولیٰ النہی ۱۷/۵۔

(۱) المصباح، العجم الوسيط۔

(۲) حدیث: سألت رسول الله ﷺ عن نظر الفجاءة..... کی روایت مسلم (۱۶۹۹/۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”يا علي لا تتبع النظرة النظرة فإن لك الأولى.....“ کی روایت ابوداؤد (۶۱۰/۲ طبع محض) اور ترمذی (۱۰۱/۵ طبع الحلی) نے کی ہے، اور ترمذی نے کہا: یہ حسن غریب ہے۔

(۴) تفسیر القرطبی ۱۲/۲۲۳ طبع دار الکتب المصریہ، المرقاة ۶/۲۹۹، ۳/۲۸۲، البیان والتحصیل ۴/۳۰۵، مطالب اولیٰ النہی ۱۸/۵، الإیضاح ۲۷/۸، فتح القدیر للشوکانی ۳/۳۱۔

نظر ۳۲

البتہ اس میں چند شرطیں ہیں:

ہونے کی پہچان کی ضرورت بھی داخل ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنو قریظہ کے بارے میں حضرت سعد کو حکم بنایا اور ان میں بالغ مردوں کے پہچاننے کی ضرورت پڑی تو ان کے ازار کو کھولنے کا حکم دیا، عطیہ قرظی کہتے ہیں: ”عرضنا علی النبی ﷺ یوم قریظہ فکان من أنبت قتل، ومن لم ینبت خلی سبیلہ وکنت ممن لم ینبت فخلی سبیلی“^(۱) (قریظہ کے دن ہم لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو جس کے زیر ناف بال تھے اس کو قتل کر دیا گیا اور جس کے زیر ناف بال نہیں تھے اس کو چھوڑ دیا گیا، اور میں ان لوگوں میں تھا جن کے زیر ناف بال نہیں آئے تھے، اس لئے مجھ کو چھوڑ دیا گیا)، اسی طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے: ”أنه أتني بغلام سرق، فقال: انظروا إلی مؤترده، فلم یجدوه أنبت الشعر فلم یقطعه“^(۲) (ان کے پاس ایک لڑکا لایا گیا جس نے چوری کی تھی تو انہوں نے حکم دیا کہ اس کے زیر ناف دیکھو تو ابھی اس کے موئے زیر ناف نہیں نکلا تھا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا)، اسی میں سے انسان کو ڈوبنے، جلنے اور گرنے وغیرہ سے بچانے کی ضرورت بھی ہے، بچانے والے کے لئے ضرورت کی حد میں مجبور کو دیکھنا جائز ہے^(۳)۔

الف۔ علاج وغیرہ کی ضرورت موجود ہو، مثلاً مرض، تکلیف یا ایسی زبردست لاغری ہو جو مرض کے وجود کی علامت سمجھی جاتی ہو، اسی کے ساتھ فقہاء نے دوسری حاجات کو بھی شامل کیا ہے، یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے ختنہ کرانا، اس لئے کہ وہ مردوں کے حق میں سنت اور عورتوں کے حق میں عمدگی کی بات ہے، اسی طرح فصد کھولنا اور پچھنا لگوانا ہے، مروی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پچھنا لگوانے کی اجازت طلب کی ”فأمر علیه الصلاة والسلام أبا طيبة أن یحجمها“^(۱) (تو آپ نے ابو طیبہ کو حکم دیا کہ ان کو پچھنا لگائیں)، اسی میں ولادت بھی ہے، اس وقت قابلہ (دائی) کے لئے عورت کی شرم گاہ وغیرہ کو دیکھنا جائز ہے، اس لئے کہ بچہ کو سنبھالنے کے لئے یہ ضروری ہے، اس کے بغیر بچہ کو نقصان کا اندیشہ ہوگا، اس میں علاج کے لئے حقنہ لگانا بھی ہے، اس لئے کہ یہ بھی علاج کی ایک قسم ہے، لہذا حقنہ کی جگہ کو دیکھنا جائز ہوگا، لیکن حنفیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ حقنہ کسی مرض کے علاج کے لئے ہو، محض اس سے ظاہری نفع کا ہونا کافی نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے صراحت کی ہے کہ اگر مقصود صرف جماع پر قوت حاصل کرنا ہو تو حقنہ کی جگہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اس میں شافیہ کا اختلاف ہے۔

اس باب کے ساتھ لاحق ہونے والی حاجات میں مریض اور جو مریض کے حکم میں ہو اس کی خدمت کی ذمہ داری بھی داخل ہے، مثلاً کسی کے دونوں ہاتھ کٹ گئے ہوں تو اس کی ذاتی ضرورتوں کو پورا کرنے میں اس کی مدد کرنے کے لئے دیکھنا مباح ہے، جیسے وضو، استنجاء، موئے زیر ناف کو صاف کرنا۔

اس میں عورت کے باکرہ یا شیبہ ہونے کی پہچان اور مرد کے بالغ

(۱) حدیث: ”أمر أبا طيبة أن یحجم أم سلمة“ کی تخریج فقرہ ۱۳ میں گذریچکی۔

(۱) حدیث عطیہ قرظی: ”عرضنا علی النبی ﷺ.....“ کی روایت ترمذی ۱۳۵/۲ نے کی ہے، اور کہا ہے: حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) اثر عثمانؓ: ”أنه أتني بغلام سرق.....“ کی روایت عبد الرزاق نے المصنف (۳۳۸/۷، ۱۰، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲

نظر ۳۲

تو خلوت حرام نہ ہوگی (۱)۔

د۔ علاج اور اس کے متعلقات کی غرض سے مرد و عورت کے درمیان دیکھنے کے جائز ہونے کے لئے فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ ہم جنس کے پاس لے جا کر ضرورت کو پوری کرنا ممکن نہ ہو، اس لئے اگر کوئی عورت موجود ہو جو مرد کی طرح حاجت پوری کرنے کی ذمہ داری لے سکتی ہو تو مرد کسی عورت کا علاج نہیں کرے گا، اسی طرح اگر کوئی مرد مطلوبہ علاج کی ذمہ داری کے لائق موجود ہو تو عورت مرد کا علاج نہیں کرے گی، یہ اس لئے ہے کہ آدمی کا اپنے ہم جنس کی طرف دیکھنا غیر جنس کی طرف دیکھنے سے آسان ہے، لہذا اگر ہم جنس معالج موجود نہ ہو یا موجود تو ہو مگر اچھی طرح علاج نہ کر سکتا ہو تو مرد کا عورت کو اور عورت کا مرد کو دیکھنا جائز ہوگا۔

بعض فقہاء شافعیہ نے یہ شرط نہیں لگائی ہے، حنفیہ نے علاج وغیرہ کی غرض سے دیکھنے میں یہ شرط لگائی ہے کہ جس شخص کو دیکھنا ہے اس کے ہم جنس کو مطلوبہ علاج وغیرہ بتانا ممکن نہ ہو، اگر یہ ممکن ہو تو دیکھنا جائز نہ ہوگا، بعض فقہاء نے کہا ہے کہ یہ شرط صرف علاج کی غرض سے شرم گاہ کو دیکھنے کی حالت میں ہے، لہذا اگر یہ ممکن نہ ہو تو مرض کی جگہ کے علاوہ تمام اعضاء کو چھپا دینا واجب ہوگا، پھر دیکھے گا اور جہاں تک ممکن ہو دوسری جگہ دیکھنے سے پرہیز کرے گا (۲)۔

ھ۔ علاج وغیرہ کی غرض سے دیکھنے کے حلال ہونے کے لئے شافعیہ و حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ علاج کرنے والا ذمی نہ ہو اگر

ب۔ دیکھنا ضرورت یا حاجت کے بقدر ہو، لہذا دفع حاجت کے لئے جتنا دیکھنا ضروری ہو وہی جائز ہوگا اور قدر ضرورت سے جو زائد ہوگا وہ اصل حرمت پر باقی رہے گا، اسی وجہ سے انہوں نے شرط لگائی ہے کہ ڈاکٹر مرض کی جگہ اور مرض کو جاننے کے لئے جس جگہ کو دیکھنا ضروری ہے اس کے علاوہ کی جگہ کو نہیں دیکھے گا، حتنہ کرنے والا صرف حتنہ کی جگہ کو دیکھے گا، حتنہ لگانے والا صرف حتنہ کی جگہ کو دیکھے گا، فصد کھولنے اور پچھنا لگانے میں صرف ان کی جگہوں کو دیکھنا مباح ہوگا، اسی طرح بکارت، شیوہت اور بلوغ کو جاننے کے لئے جن جگہوں کا دیکھنا ضروری ہوگا، ان کے علاوہ دوسری جگہ کو دیکھنا جائز نہ ہوگا۔

نظر کو مباح کرنے والی ضرورت میں فقہاء شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ شرمگاہ کے غلیظ یا خفیف ہونے کے پیش نظر حاجت بھی قوی اور مؤکد ہونے میں اس کے مناسب ہو، لہذا اگر چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کو دیکھنا ہو تو اصل حاجت یا معمولی حاجت کافی ہے، پیشاب پاؤں کی جگہ کے علاوہ دوسرے اعضاء میں حاجت کا مؤکد ہونا ضروری ہے، اور پیشاب پاؤں کی جگہوں کو دیکھنے کے لئے انتہائی سخت حاجت کا ہونا ضروری ہے (۱)۔

ج۔ جنس کے اختلاف کے وقت علاج کی غرض سے نظر کے مباح ہونے کے لئے شرط ہے کہ مرد و عورت کے درمیان خلوت نہ ہو، اس لئے کہ حاجت کی وجہ سے دیکھنا جائز ہوگا، خلوت جائز نہ ہوگی، وہ حرام برقرار رہے گی، البتہ اگر خلوت سے مانع مثلاً محرم یا شوہر کا موجود ہونا دشوار ہو یا اس کے آنے سے قبل ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہو

(۱) مغنی المحتاج ۳/۱۳۳، نہایۃ المحتاج ۶/۱۹، ۱۵۵/۳، روضۃ الطالبین ۵/۳۷۵، مطالب اولی النہی ۵/۱۵۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۳۰، مجمع الأنہر ۲/۵۳۸، الہدایۃ مع تکمیلۃ الفتح ۱۰/۳۱۰، البیہود ۱۰/۱۵۶، مغنی المحتاج ۳/۱۳۳، نہایۃ المحتاج ۶/۱۹، روضۃ الطالبین ۵/۳۷۵۔

(۱) البدائع ۵/۱۲۴، مجمع الأنہر ۲/۵۳۲، الہدایۃ مع تکمیلۃ الفتح ۱۰/۳۱۰، نہایۃ المحتاج ۶/۱۹، مغنی المحتاج ۳/۱۳۳، الحاوی ۹/۳۵، المبدع ۷/۹، مطالب اولی النہی ۵/۱۵۔

نظر ۳۳

کوئی کافر، مسلمان مرد و عورت کے مقابلہ میں بیماری اور دوا سے زیادہ واقف ہو تو وہ مقدم ہوگا^(۱)۔

و۔ شافیعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ معالج امانت دار ہو، اخلاق اور دیانت میں متہم نہ ہو، اگر امین کا پایا جانا ممکن نہ ہو تو بقدر ضرورت غیر امین کی طرف رجوع کرنا جائز ہوگا، بعض فقہاء نے مرد کے لئے عورت کا علاج کرنے میں اور اس کی طرف دیکھنے کے جائز ہونے میں یہ شرط لگائی ہے کہ اس کے ساتھ فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، اگر علاج کے لئے یہ متعین نہ ہو، اور اگر علاج کے لئے یہی متعین ہے تو مناسب ہے کہ اس کا علاج تو کرے مگر ممکن حد تک اپنے آپ کو روک رکھے^(۲)۔

سوم۔ قضاء و شہادت کے لئے دیکھنا:

۳۳۔ حنفیہ کی رائے ہے کہ قضاء کی غرض سے اجنبی عورت کے چہرہ کو دیکھنا قاضی کے لئے جائز ہے اگرچہ شہوت کے ہو جانے کا یقین یا غالب گمان ہو، بشرطیکہ دیکھنے کے وقت شہوت کا ارادہ نہ ہو، لیکن ہتھیلیوں کو دیکھنا حرام ہوگا، اگر لذت مقصود ہو یا شہوت کے ہو جانے کا غالب گمان ہو، اگر لذت مقصود نہ ہو اور شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے۔

اداء شہادت کے وقت دیکھنے میں گواہ کا حکم قاضی کی طرح ہے، البتہ تخیل شہادت کے لئے دیکھنے کے جواز میں فقہاء حنفیہ کے دو مختلف اقوال ہیں:

قول اول:- یہی صحیح ہے۔ اگر شہوت کا غالب گمان ہو تو حرام ہے، اس لئے کہ تخیل کے وقت اس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا

کوئی مسلمان معالج اس کے قائم مقام موجود ہو^(۱)، البتہ شافیعیہ کی رائے ہے کہ علاج کی غرض سے دیکھنے میں مریض کو اس کے ہم جنس کے پاس لے جانا اگرچہ کافر ہو غیر جنس کے پاس لے جانے سے مقدم ہوگا، اگرچہ وہ مسلمان ہو، لہذا اگر عورت کے علاج کے لئے صرف کافر عورت اور مسلمان مرد ہو، تو کافر عورت مقدم ہوگی، اس لئے کہ اس کا دیکھنا اور چھونا مرد کے مقابلہ میں ہلکا ہوگا، بلقیانی نے اس کی ترتیب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر مریضہ مسلمان عورت ہو تو مسلمان عورت کو دکھایا جائے گا، اگر دشوار ہو تو نابالغ مسلمان بچہ کو دکھایا جائے گا، اگر ناممکن ہو تو نابالغ کافر بچہ کو دکھایا جائے گا، یہ بھی ممکن نہ ہو تو کافر عورت کو دکھایا جائے گا، اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے مسلمان محرم کو دکھایا جائے گا، اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے کافر محرم کو دکھایا جائے گا، اگر یہ ممکن نہ ہو تو اجنبی مسلمان کو اور نہ اجنبی کافر کو دکھایا جائے گا، لیکن رملی اور خطیب شربینی کی رائے ہے کہ محرم کی دونوں قسموں سے کافر عورت کو مؤخر کیا جائے گا، اسی طرح رملی نے علاج میں مراہق اور عورت پر مسوح کے مقدم کرنے کو راجح کہا ہے اگرچہ جنس اور دین میں اختلاف ہو، اگر کوئی شخص اجرت مثل سے زائد لئے بغیر علاج کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اس کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی کافر موجود ہو جو اجرت مثل سے کم پر راضی ہو اور مسلمان اس سے کم پر راضی نہ ہو تو مسلمان کا عدم سمجھا جائے گا، یہ فقہاء کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ اگر بچہ کی ماں اجرت مثل کا مطالبہ کرے اور باپ کو ایسی عورت مل جائے جو اجرت مثل سے کم پر راضی ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے، بعض فقہاء نے زیادہ ماہر کو مقدم کیا ہے، اگرچہ جنس و دین میں مختلف ہو، لہذا اگر

(۱) نہایۃ المحتاج مع حاشیۃ الشرح الملسی ۱۹۷۶، معنی المحتاج ۱۳۳۳۔

(۲) نہایۃ المحتاج مع حاشیۃ الشرح الملسی ۱۹۷۶، معنی المحتاج ۱۳۳۳، الحاوی الکیبر ۳۵/۹۔

(۱) معنی المحتاج ۱۳۳۳، نہایۃ المحتاج ۱۹۷۶، المبدع ۹/۷، مطالب اولیٰ انہی ۱۵/۵۔

نظر ۳۳

دیکھ سکتی ہے، فیصلہ اور شہادت کے لئے جس قدر دیکھنے کی ضرورت ہو اس کے علاوہ دیکھنا حلال نہ ہوگا، اور مقصد پورا ہو جانے کے بعد دیکھتے رہنا جائز نہ ہوگا، لہذا اگر ایک نگاہ کافی ہو تو دوبارہ دیکھنا جائز نہ ہوگا، الا یہ کہ ضرورت ہو، بلکہ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اگر چہرہ کا بعض حصہ دیکھنے سے مقصد پورا ہو جائے تو پورے چہرہ کا دیکھنا جائز نہ ہوگا، اگر نقاب کے اوپر دیکھنے سے ضرورت پوری ہو جائے تو نقاب کے نیچے دیکھنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ جو چیز ضرورت کی وجہ سے جائز ہوتی ہے وہ ضرورت کے بقدر ہی جائز رہتی ہے، اور جو زائد ہوگا وہ اصل حرمت پر باقی رہے گا۔

اسی طرح شافیہ نے - مذہب میں صحیح قول کے مطابق - تخل شہادت کے وقت گواہ کے لئے جس کے حق میں یا جس کے خلاف وہ گواہ بن رہا ہے اس کی طرف بقدر ضرورت دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے، انہوں نے حقوق کی حفاظت کی خاطر شہادت کی طرف توجہ دینے کے لئے اس میں توسع سے کام لیا ہے، چنانچہ انہوں نے صراحت کی ہے کہ شہادت زنا کے تخل کی خاطر صرف مردوں کے لئے زنا کرنے والوں کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز ہے اور مردوں اور عورتوں کے لئے ولادت یا عاقلہ (عضو تناسل کا بڑا ہونا) یا عورت کے دونوں مقامات کے مل جانے پر تخل شہادت کی غرض سے شرم گاہ کو دیکھنا جائز ہے اور رضاع کی شہادت کے تخل کے لئے پستان کو دیکھنا جائز ہے اور ان حضرات نے تخل شہادت کی غرض سے دیکھنے کے جواز میں ہم جنس یا محرم کے نہ ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے، جیسا کہ علاج کے لئے دیکھنے میں شرط لگائی ہے، البتہ انہوں نے گواہ کے متعین نہ ہونے کی صورت میں یہ شرط لگائی ہے کہ فتنہ اور شہوت کا اندیشہ نہ ہو، لہذا اگر فتنہ یا شہوت کا اندیشہ ہوگا تو دیکھنا جائز نہ ہوگا، الا یہ کہ گواہ اس کے لئے متعین ہو، بسکی نے کہا ہے کہ اس کے باوجود شہوت کی وجہ سے وہ گنہگار

ہے کہ ایسا آدمی موجود ہو جو تخل شہادت کرے اور اس کو شہوت نہ ہو، ادا کی حالت اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ تخل کی وجہ سے اس نے اس امانت کا التزام کیا ہے، اور اس کو ادا کرنے کے لئے یہ متعین ہے۔

قول دوم: اس کے لئے دیکھنا جائز ہے، اگر چہ شہوت کا اندیشہ ہو، لیکن یہ شرط ہے کہ تخل شہادت کا ارادہ کرے، شہوت پوری کرنے کا ارادہ نہ ہو، جب یہ شرط پائی جائے گی تو بقدر ضرورت اس کے لئے دیکھنا جائز ہوگا، لہذا مثلاً زنا کے گواہوں کے لئے جائز ہوگا کہ تخل شہادت کے ارادہ سے شرم گاہ کی جگہ کو دیکھیں اور اگر شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو تخل شہادت کے بقدر ضرورت دیکھنے کے جواز میں ان کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے، گویا ان کے نزدیک اختلاف تخل شہادت کے وقت گواہ کے دیکھنے کے حکم میں شہوت کے اندیشہ کے وقت ہے، اگر شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کوئی اختلاف نہیں ہے^(۱)۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ اداء شہادت کے ارادہ سے چہرہ کو دیکھنا جائز ہے، اور تخل شہادت کے ارادہ سے چہرہ اور دوسرے اعضاء کو دیکھنا جائز ہے، اس کے لئے انہوں نے شرط لگائی ہے کہ دیکھنے کے وقت لذت اندوزی کا ارادہ نہ ہو^(۲)۔

شافیہ کی رائے ہے کہ فیصلہ کی ضرورت کے تقاضا کے مطابق اجنبی عورت کے بدن کو دیکھنا قاضی کے لئے جائز ہے، اسی طرح گواہ کے لئے جائز ہے کہ اداء شہادت کے وقت جس عورت کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے رہا ہے بقدر ضرورت اس کو دیکھے، اسی طرح اگر کوئی عورت گواہی کے لئے طلب ہو تو وہ بھی بقدر ضرورت

(۱) المبسوط ۱۵۳/۱۰، مجمع الأنهر ۵۳۰/۲، الہدایہ و تکملة الفتح ۳۳۰/۱۰، البدائع ۱۲۲/۵، تمییز الحقائق ۱۷۶/۱، الفتاویٰ الہندیہ ۳۳۰/۳۲۹/۵۔

(۲) الفواکہ الدوانی ۳۶۶/۲، البیان والتحصیل ۳۰۵/۳، الذخیرہ ۹۱/۴۔

تقی الدین سے نقل کیا ہے (۱)۔

چہارم۔ معاملہ کرنے کے لئے دیکھنا:

۳۴۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ معاملہ کرنے کے لئے دیکھنا حرام ہے، اگر لذت اندوزی مقصود ہو یا شہوت کے ہو جانے کا غالب گمان ہو، اگر لذت اندوزی کا ارادہ نہ ہو اور فتنہ یا شہوت کا اندیشہ بھی نہ ہو تو حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک قابل ستر حصہ کے علاوہ کو دیکھنا جائز ہے، یہ اس لئے کہ دیکھنے کے بارے میں حکم اصلی میں ان کا مذہب یہی ہے، یعنی اگر شہوت کے بغیر ہو اور قابل ستر حصہ کے علاوہ دیکھا جائے تو جائز ہے، اجنبی عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کو مرد کے لئے دیکھنے کے جائز ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان تعامل کی حاجت ہے، اور یہ حاجت قابل ستر حصہ کے علاوہ دوسرے اعضاء کے دیکھنے کو مستلزم نہیں ہے۔

یہ گذر چکا ہے کہ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک راجح مذہب یہ ہے کہ اجنبی عورت کے کسی بھی عضو کو خواہ چہرہ اور ہتھیلی ہو مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے، اس کے باوجود انہوں نے بیع و شراء وغیرہ کی غرض سے مرد کے لئے عورت کا چہرہ دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے، تاکہ ذمہ داری میں عہدہ برآ ہو سکے، اور ثمن کا مطالبہ کر سکے وغیرہ، چہرہ کے علاوہ کچھ دیکھنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ معاملہ کی وجہ سے جو ضرورت درپیش ہے اس کے لئے چہرہ دیکھ لینا کافی ہے، اسی طرح عورت کے لئے بھی معاملہ کی غرض سے مرد کے چہرہ کو دیکھنا جائز ہے، اس لئے کہ مرد کی طرح اس کو بھی ضرورت ہے، امام احمد سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر عورت مرد کے ساتھ معاملہ کرے تو اس کے چہرہ اور ہتھیلی کو مرد کے لئے دیکھنا جائز ہے، حنابلہ میں سے ابن رزین نے

ہوگا، اگر چہ تخیل کی وجہ سے اس کو ثواب بھی ملے گا، اس لئے کہ یہ کام ذہنتین ہے، اور دوسرے لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے اور شہوت کے ساتھ اور بغیر شہوت کے گواہی کے لئے دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ شہوت طبعی چیز ہے وہ دیکھنے سے الگ نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے گواہ کو اس سے دور رکھنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا اور اس پر اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ اگر شوہر کا دل بعض بیویوں کی طرف مائل ہو تو اس سے اس پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا، رملی کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس صورت میں گناہ گار ہوگا، جب اپنے اختیار سے شہوت بھڑکائے اور اگر بلا اختیار شہوت ہو تو گناہ نہیں ہوگا، صحیح کے بالمقابل اصطرخی کی رائے ہے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں تخیل شہادت کی غرض سے دیکھنا جائز نہیں ہے، ایک قول یہ ہے کہ زنا میں جائز ہے دوسرے میں جائز نہیں ہے، اور ایک قول اس کے برعکس ہے (۱)۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ گواہ کے لئے شہادت کے مطالبہ پر تخیل شہادت اور اداء شہادت کے وقت اس عورت کے چہرہ کو دیکھنا جائز ہے جس کے حق میں شہادت دینی ہے، تاکہ شہادت عین اس ذات پر ہو جس کے حق میں شہادت دینی ہے، امام احمد نے کہا ہے کہ جب تک عورت کو اس کی ذات سے نہ پہچان لے اس کے خلاف گواہی نہ دے گا، ان میں سے بعض نے شہادت کے لئے دونوں ہتھیلیوں کے دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے، ابن رزین نے کہا ہے کہ گواہ ان اعضاء کو دیکھ سکتا ہے جو اکثر ظاہر رہتے ہیں، مطالبہ اولیٰ انہی میں لکھا ہے کہ مختار یہ ہے کہ گواہ کے لئے چہرہ کے علاوہ دیکھنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ہتھیلیوں میں شہادت کو کوئی دخل نہیں ہے، اس کو انہوں نے شیخ

(۱) نہایۃ المحتاج وحاشیۃ الشرح الملسی ۱۹۸۶، روضۃ الطالبین ۳۷۶/۵، مغنی المحتاج ۱۳۸۳۔

(۱) مطالبہ اولیٰ انہی ۱۳/۵، ۱۵، الإلصاف ۲۲/۸، المبدع ۹۷۔

نظر ۳۵، نَعَسَ ۱-۲

لکھا ہے کہ خرید و فروخت کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ جو عورت اس کے ساتھ خرید و فروخت کر رہی ہے اس کے ان اعضاء کو دیکھے جو اکثر ظاہر ہوتے ہیں^(۱)۔

نَعَسَ

پنجم۔ تعلیم کے لئے دیکھنا:

۳۵- شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ عورت کی تعلیم ان حاجات میں سے ہے جن کے لئے بقدر ضرورت دیکھنا جائز ہے، اور ان کے اس قول سے کہ اصل حاجت یا ادنیٰ حاجت چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھنے کے جواز کے لئے کافی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کے لئے دیکھنا جائز ہے، ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ جس کا سیکھنا، سکھانا واجب ہے مثلاً فاتحہ اور جس صنعت و ہنر کی اس کو ضرورت ہے اور اس کا سکھانا اس پر متعین ہے صرف اس میں دیکھنا جائز ہوگا، بشرطیکہ پردہ کے پیچھے سے سکھانا دشوار ہو، اور ہم جنس موجود نہ ہو اور خلوت بھی نہ ہو، اس جواز سے شوہر کا اپنی مطلقہ کو سکھانا مستثنیٰ ہے، اس لئے کہ زوجین میں سے ہر ایک کی امیدیں دوسرے سے وابستہ ہیں، لہذا ان میں سے ہر ایک کو دوسرے میں کچھ امید و لالچ ہوگی اس لئے اس سے منع کیا جائے گا^(۲)۔

تعریف:

۱- لغت میں نَعَسَ کا معنی ابتدائی نیند یا معمولی نیند (اونگھ) ہے، کہا جاتا ہے: نَعَسَ نَعَسًا وَ نَعَسًا وَ نَعَسًا، حواس کا سست پڑ جانا اور نیند سے قریب ہو جانا، صفت ناعس ہے، نَعَسَانٌ بہت کم آتی ہے، اسی معنی میں ارشادِ ربانی ہے: ”اِذْ يُغَشِّيْكُمْ النُّعَاسَ اَمْنَةً مِّنْهُ“^(۱) (اور وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ نے اپنی طرف سے چین دینے کو تم پر غنودگی کو طاری کر دیا تھا)۔

الازہری نے کہا ہے کہ نَعَسَ کی حقیقت بغیر نیند کے سونا ہے، اور نَعَسَ کی ایک علامت حاضرین کا کلام سننا ہے، اگرچہ اس کو نہ سمجھ سکے^(۲)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے^(۳)۔

متعلقہ الفاظ:

الف۔ نوم:

۲- نوم: معروف ہے، یہ بیداری کی ضد ہے، بدن اور عقل کو راحت پہنچانے کے لئے ایک وقفہ ہے، اس کے دوران ارادہ اور شعور کلی یا جزئی طور پر ختم ہو جاتا ہے، اور بدن کے وظائف موقوف ہو جاتے ہیں۔

(۱) نہایت المحتاج ۶/۱۹۸، مغنی المحتاج ۳/۱۲۸، الحاوی الکبیر ۹/۳۶۹، المبدع

۷/۹۷، الإلصاف ۸/۲۲، مطالب أُولی الثبی ۵/۱۳۔

(۲) مغنی المحتاج ۳/۱۲۸، اور اس کے بعد کے صفحات، نہایت المحتاج ۶/۱۹۹،

روضۃ الطالبین ۵/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۱) سورۃ انفال ۱۱۔

(۲) لسان العرب، القاموس المحیط، المعجم الوسیط۔

(۳) المفردات فی غریب القرآن، أَسْنی المطالب ۲/۵۶۔

نُعاس ۳-۵

انصاری نے کہا ہے: اگر خواب دیکھے اور شگ ہو کہ سویا تھا یا نہیں تو اس پر وضو کرنا لازم ہوگا، اس لئے کہ نیند کے بغیر خواب نظر نہیں آتا ہے^(۱)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ لیٹنے کی حالت میں نعاس دو حال سے خالی نہ ہوگا، یا تو ثقیل ہوگا یا خفیف ہوگا، اگر ثقیل ہوگا تو وہ حدیث ہے، اور اگر خفیف ہوگا تو حدیث نہیں ہے، خفیف اور ثقیل میں فرق یہ ہے کہ اس کے پاس جو گفتگو ہو رہی ہے اس کو اگر سن لے تو خفیف ہے، اگر اس کے پاس کی گفتگو کا اکثر حصہ نہ سن سکے تو وہ ثقیل ہے^(۲)۔

بہوتی نے ابن المنیر سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: معمولی نعاس معاف ہے، مساجد کے ائمہ کے لئے بہتر ہے کہ نیا وضو کر لیں^(۳)۔

جمعہ کے دن مسجد میں نعاس:

۵- ابن قدامہ نے کہا ہے کہ جس کو جمعہ کے دن اونگھ آئے اس کے لئے اپنی جگہ بدل دینا مستحب ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ سے مروی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَلِكَ"^(۴) (اگر تم میں سے کسی کو جمعہ کے دن اونگھ آجائے تو وہ اپنی اس جگہ سے الگ ہو جائے)، نیز اس لئے کہ اپنی جگہ بدل دینے سے نیند دور ہو جائے گی^(۵)۔

(۱) حاشیہ الدسوقی ۳۰۲/۱، شرح الجبل ۶۹/۱، الام ۱۳/۱، ۱۸، اُسنی المطالب ۵۶/۱، المغنی ۱۷۶/۱، شرح صحیح مسلم للنووی ۶۳/۲، طبع دار الکتب العلمیہ۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱۲/۱، ابن عابدین ۹۷-۹۸۔

(۳) کشف القناع ۲۹۵۔

(۴) حدیث: "إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ"^(۴) کی روایت ترمذی (۲/۳۰۴) طبع الحلی (۱) نے کی ہے، اور کہا: حدیث حسن صحیح ہے۔

(۵) المغنی لابن قدامہ ۳۵۳/۲۔

اصطلاح میں یہ ایک فطری حالت ہے جس میں دماغ کی طرف بخارات کے چڑھنے کی وجہ سے قوی معطل ہو جاتے ہیں^(۱)۔

زکریا انصاری نے کہا ہے کہ نعاس اور نوم میں یہ تعلق ہے کہ نوم میں حواس کے ختم ہو جانے کی وجہ سے عقل پر غلبہ ہوتا ہے اور نعاس میں ایسا نہیں ہوتا ہے، اس میں صرف حواس کمزور پڑ جاتے ہیں^(۲)۔

ب- انغماء:

۳- لغت میں انغماء کا معنی: کسی عارض کی وجہ سے حس و حرکت کا ختم ہو جانا ہے^(۳)۔

اصطلاح میں: دل یا دماغ میں ایک ایسی آفت ہے کہ عقل کے مغلوب حالت میں رہنے کے باوجود ادراک کرنے والی اور حرکت پیدا کرنے والی قوتیں اپنا کام چھوڑ دیتی ہیں^(۴)۔

نعاس اور انغماء میں تعلق یہ ہے کہ انغماء میں قوت مدرکہ و محرکہ اپنا کام چھوڑ دیتی ہے، اور نعاس قوت مدرکہ و محرکہ کو اس کے کاموں سے اس طرح نہیں معطل کرتی کہ لوگوں کی بات سننے سے روک دے۔

نعاس سے متعلق احکام:

وضو میں نعاس کا اثر:

۴- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ نعاس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اور اگر نوم (نیند) اور نعاس (اونگھ) میں شگ ہو تو اس پر وضو کرنا واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ اصل طہارت ہے، البتہ وضو کر لینا مستحب ہوگا، زکریا

(۱) المعجم الوسیط، المصباح الممیر، لسان العرب، المفردات للراغب، التخریفات للبرجانی۔

(۲) اُسنی المطالب ۵۶/۱، حاشیہ الشرقاوی ۷۰-۷۱۔

(۳) المعجم الوسیط۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۲۹۷-۲۹۸، ۲۲۲/۲، مراقی الفلاح بحاشیہ الطحاوی ص ۵۰، التقریر والتجیر ۱۷۹/۲۔

نعام، نعی، ۱-۲

نعی

تعریف:

۱- النعی والنعیان کا لغوی معنی: موت کی خبر دینا، داعی کا پکارنا، میت کے موت کی اطلاع کرنا، اس کا اعلان کرنا ہے، الناعی: موت کی خبر لانے والا، یا کسی کی موت کا اعلان کرنے والا، یا میت کو پکارنے والا۔

ابن منظور نے کہا ہے: اگر عرب میں سے کوئی شریف قتل کر دیا جاتا یا مرجاتا تو اپنے قبائل کی طرف سوار بھیجتے جو ان کو اس کی موت کی خبر دیتا (۱)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے (۲)، ملاحظہ ہو: ”جنائز“ (نفرہ ۴)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- ندب:

۲- الندب: لغت میں ندب کا ایک معنی لفظ نداء کے ساتھ میت کے محاسن کو شمار کر کے رونا جیسے واسیدہ، واجبلہ۔
اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے (۳)۔

امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی کو جمعہ کے دن مسجد میں اونگھ آئے اور کوئی دوسری جگہ موجود ہو، اور کسی کی گردن پھلانگنے کی ضرورت نہ ہو تو مجھے پسند ہے کہ وہ اپنی جگہ بدل دے تاکہ جگہ چھوڑ دینے اور کھڑے ہو جانے کی وجہ سے نیند اس سے دور ہو جائے، اور اگر اپنی جگہ پر ثابت رہے اور کسی مناسب طریقہ سے جس سے نیند دور ہو جاتی ہے اپنے کو نیند سے بچا سکے تو یہ مجھے ناپسند نہیں ہے، اگر وہ سمجھتا ہے کہ اپنی جگہ رہتے ہوئے کسی طریقہ سے نیند سے محفوظ رہے گا تو جگہ بدلنا مجھے پسند نہیں ہے، اور میرے خیال میں نبی کریم ﷺ نے جگہ بدلنے کا جو حکم دیا ہے وہ صرف اس وقت ہے جب کہ اس پر نیند کا غلبہ ہو اور غالب گمان ہو کہ جگہ بدلے بغیر نیند سے نجات نہیں ملے گی اگر اونگھتا ہو اپنی جگہ برقرار رہے تو مجھے یہ ناپسند ہے لیکن اس پر نماز کا اعادہ واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ اس طرح سویا نہیں ہے کہ سیدھے بیٹھنے کی حالت سے نکل جائے (۱)۔

نعام

دیکھئے: ”المعمد“۔

(۱) لسان العرب لابن منظور، الصحاح للسخو ہری مادہ: (نعی)۔

(۲) المجموع شرح المہذب للووی ۲۱۹/۵، فتح الباری ۴۵۲/۳، ۴۵۳، الفتاویٰ

الہندیہ ۱۵۵/۱، الشرح الصغیر ۵۷۰، غایۃ المنتہی ۲۲۸/۱۔

(۳) الصحاح، المصباح الممیر۔

(۱) الأم ۱۹۸/۱۔

نہی ۳-۵

وضاحت کے ساتھ کہ اس میں مباحات اور مفاخرت کے الفاظ نہ ہوں، البتہ انہوں نے صراحت کی ہے کہ ایسے الفاظ ہوں جن سے عاجزی اور رحم طلب کرنا معلوم ہو۔

ابن عابدین نے الفتاویٰ الہندیہ^(۱) سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مناسب ہے کہ ایسے الفاظ ہوں: اللہ تعالیٰ کا فلاں محتاج بندہ مرگیا، پھر ابن عابدین نے لکھا ہے کہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے: ”أن أباهيرورة كان يؤذن بالجنابة، فيمّر بالمسجد فيقول: عبد الله دعي فأجاب، أو أمة الله دعيت فأجابت“^(۲) (حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کا اعلان کرتے تھے تو مسجد میں گذرتے ہوئے کہتے تھے کہ اللہ کے بندے کو بلایا گیا تو چلا گیا، یا اللہ کی بندی کو بلایا گیا تو چلی گئی)۔

نہی کا شرعی حکم:

۵- نہی کے حکم میں فقہاء کے اقوال بہت مختلف ہیں، یہاں تک کہ ایک ہی مذہب میں استحباب، اباحت، کراہت اور تحریم میں اختلاف ہے، اسی وجہ سے بعض محققین کی رائے ہے کہ ان کے اقوال حکم میں اختلاف کے قبیل سے نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ نہی کی مطلق صورت پر وارد نہیں ہوتے ہیں۔

علامہ مبارکپوری نے ابو بکر بن العربی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ احادیث کے مجموعہ سے تین حالات معلوم ہوتے ہیں:

۱- گھر والوں کو، دوست احباب کو اور نیک لوگوں کو خبر دینا تو یہ سنت ہے۔

۲- کثرت پر فخر کرنے کے لئے اجلاس کی دعوت دینا، یہ

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲۲۹/۱۔

(۲) اثر ابی ہریرہؓ: ”كان يؤذن بالجنابة“ کی روایت ابن ابی شیبہ نے المصنف (۲۷۶/۳ طبع الدار السلفية) میں کی ہے۔

ندب اور نہی میں تعلق یہ ہے کہ ندب کبھی نہی کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی اس کے بعد ہوتا ہے، لہذا ندب اور موت کی خبر دینے میں تلازم نہیں ہے۔

ب- نوح:

۳- لغت میں النوح کا معنی غم کے ساتھ بلند آواز سے رونا ہے، أم عطیہ سے مروی ہے: ”أخذ علينا رسول الله ﷺ عند البيعة أبا نوح“^(۱) (بیعت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گے)، حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے: ”لعن رسول الله ﷺ النائحة والمستمعة“^(۲) (رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی ہے)۔

نوح اور نہی میں تعلق یہ ہے کہ نہی مطلق اعلان ہے، خواہ اس میں رونا ہو یا نہ ہو، اور نوح رونے کے ساتھ اعلان کرنا ہے، اور یہ کبھی موت کی خبر کے بعد ہوتا ہے^(۳)۔

نہی کے الفاظ:

۴- فقہاء نے نہی کے لئے کوئی متعین لفظ نہیں ذکر کیا ہے، اس

(۱) حدیث: ”أخذ علينا رسول الله ﷺ عند البيعة أبا نوح“ کی روایت بخاری (الفتح ۱۷۶/۳ طبع السلفية) اور مسلم (۶۴۵/۲ طبع عیسیٰ الحکمی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”لعن رسول الله ﷺ النائحة والمستمعة“ کی روایت ابوداؤد (۴۹۳/۳ طبع حصص) نے اور احمد نے المسند (۶۵/۳ طبع المیمیہ) میں کی ہے، خطابی نے معالم السنن بہامش سنن ابی داؤد (۴۹۳/۳ طبع حصص) میں لکھا ہے کہ اس کی اسناد میں محمد بن الحسن بن عطیہ العوفی عن أبی عن جدہ ہے، اور تینوں ضعیف ہیں۔

(۳) لسان العرب مادہ: (نوح)، اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق الشیخان ۱۸۸۔

نہی ۶

مکروہ ہے۔

المصلی، و کبر أربع تکبیرات“ (۱) (رسول اللہ ﷺ نے جس دن نجاشی کا انتقال ہوا لوگوں میں ان کی موت کا اعلان کیا اور ان کو لے کر عید گاہ گئے اور چار تکبیرات کہیں) کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کا اعلان کرنا مستحب ہے، مگر اہل جاہلیت کے اعلان کی صورت میں نہیں بلکہ محض اس پر نماز پڑھنے، اس کے جنازہ کے ساتھ جانے اور اس بارے میں اس کا حق ادا کرنے کے لئے ہوگا، اور نہی سے جو ممانعت منقول ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے بلکہ صرف جاہلیت کی نہی مراد ہے جس میں مفاخر وغیرہ کا ذکر ہوتا تھا۔

۳- دوسری طرح اطلاع کرنا مثلاً نوحہ کرنا وغیرہ تو یہ حرام ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ہر قسم کا نہی ممنوع نہیں ہے، نہی صرف اس صورت سے ہے جس کو اہل جاہلیت کرتے تھے، کسی فقیہ کی رائے منقول نہیں ہے کہ نہی واجب ہے، ابن مفلح نے قریب کے رشتہ داروں کے لئے بھی عدم وجوب کی صراحت کی ہے، انہوں نے کہا ہے، رشتہ دار کو خبردار کرنا لازم نہیں ہے (۱)۔

مستحب نہی:

ابن مفلح نے کہا ہے کہ اس کے استحباب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے صحابہ کو نجاشی کی موت کی خبر دی، نیز اس شخص کے بارے میں جو مسجد میں جھاڑ دیا کرتا تھا، آپ نے فرمایا: ”أفلا کنتم آذنتمونی بہ دلونی علی قبرہ“ (تم لوگوں نے اس کے بارے میں مجھ کو کیوں نہیں بتایا، مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ)، ابن سیرین نے کہا ہے کہ اگر کسی کے مرنے پر اس کے دوست احباب کو خبر دی جائے تو میرے علم میں کوئی حرج نہیں ہے (۲)۔

۶- مستحب نہی یا بعض فقہاء کی تعبیر میں مندوب نہی یہ ہے کہ پڑوسیوں اور دوست احباب کو اطلاع کر دی جائے جیسا کہ اس کی صراحت حنفیہ اور بعض شافعیہ نے کی ہے، اور یہی حنابلہ کے نزدیک راجح ہے اور یہی نخی اور ابن سیرین کا قول ہے۔

الفتاویٰ الہندیہ میں ہے: مستحب ہے کہ اس کے پڑوسیوں اور اس کے دوستوں کو اطلاع کر دی جائے تاکہ وہ اس پر نماز جنازہ پڑھ کر اور اس کے لئے دعا کر کے اس کا حق ادا کریں۔

مسجد میں جھاڑ دینے والے کی حدیث جس کی طرف ابن مفلح وغیرہ نے میت کے دوستوں اور اس کے رشتہ داروں کو خبر کرنے میں اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے جس کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ نے کی ہے: ”أن أسود (رجلاً أو امرأة) كان یقم المسجد فمات ولم یعلم النبی ﷺ بموته، فذکرہ ذات یوم فقال: ما

سعید بن منصور نے نخی سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی مر جائے تو اس کے دوستوں اور ساتھیوں کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، مجلس میں گھوم گھوم کر یہ کہنا مکروہ ہے کہ میں فلاں کے مرنے کی اطلاع کرتا ہوں، اس لئے کہ یہ اہل جاہلیت کا عمل ہے، اسی کے جیسا اختصار کے ساتھ ابن سیرین سے بھی مروی ہے۔

علامہ نووی نے اس حدیث: ”أن رسول اللہ ﷺ نعی

(۱) حدیث: ”أن رسول اللہ ﷺ نعی للناس النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ“ کی روایت بخاری (فتح ۲۰۲/۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۶۵۶/۲ طبع عیسیٰ الخلی) نے ابو ہریرہؓ سے کی ہے، الفاظ مسلم کے ہیں۔
(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۵۷، شرح صحیح مسلم للنووی ۱/۲۱۷، فتح الباری ۳/۵۳۳، الفروع لابن مفلح ۲/۱۹۲، المجموع شرح المہذب للنووی ۵/۲۱۶، حاشیہ ابن عابدین ۲/۲۳۹، مطالب اُولی النہی ۱۱/۴۱۔

الناس النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ فخرج بہم إلی (۱) الفروع ۲/۱۹۲، فتح الباری ۳/۱۱۶، تحفۃ الأحموزی ۴/۵۹، جامع الترمذی بشرح ابن العربی ۳/۲۰۶۔

نہی

پڑھیں اور سب کے سب اس کے لئے سفارش کریں تو اس کے بارے میں ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ما من رجل مسلم يموت فيقوم على جنازته أربعون رجلاً ليسركون بالله شيناً إلا شفعمهم الله فيه“^(۱) (اگر کوئی مسلمان مر جائے اور اس کے جنازہ میں ایسے چالیس آدمی شریک ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتے ہوں تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول کرے گا۔)

استحباب کے حکم میں بازاروں میں اعلان کرنا بھی داخل ہے جیسا کہ ابن عابدین میں انہما یہ سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ اگر میت عالم یا زاہد ہو تو بعض متاخرین نے اس کے جنازہ کے لئے بازاروں میں اعلان کرنے کو مستحسن کہا ہے، اور یہی صحیح ہے، لیکن تعظیم کی ہیئت میں نہ ہو^(۲)۔

مباح نہی:

۷۔ مباح نہی یہ ہے کہ کسی بھی حرام عمل سے خالی شکل میں محض موت کا اعلان کر دیا جائے، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کا محض اعلان کر دینا مکروہ نہیں ہے، اگر اس سے زائد کچھ ہو تو جائز نہیں ہے۔ ابن عابدین نے کہا ہے کہ اگر اس کی موت کی اطلاع کچھ لوگ ایک دوسرے کو کر دیں تاکہ اس کا حق ادا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بعض لوگوں نے گلیوں میں بازاروں میں اعلان کرنے کو مکروہ کہا ہے، اس لئے کہ یہ جاہلیت کی نہی کے مشابہ ہے، صحیح یہ ہے

(۱) حدیث: ”ما من رجل مسلم يموت فيقوم على جنازته“ کی روایت مسلم (۶۵۵/۲ طبع الحلی) نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے۔
(۲) فتح الباری ۴/۲۳۳، المفتی لابن قدامہ ۲/۴۳۳، الشرح الکبیر علی المفتی ۴/۳۲۲، حاشیہ ابن عابدین ۲/۲۳۹۔

فعل ذلك الإنسان؟ قالوا: مات يا رسول الله، قال: أفلا أذنتموني؟ فقالوا: إنه كان كذا وكذا قصته (قال الراوي: فحقروا شأنه) قال: فدلوني على قبره فأنتى قبره فصلى عليه“^(۱) (ایک حبشی (مرد یا عورت) مسجد میں جھاڑو دیتا تھا، اس کا انتقال ہو گیا، اور نبی کریم ﷺ کو اس کی موت کی اطلاع نہ ہو سکی، ایک دن آپ نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ آدمی کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اس کا تو انتقال ہو گیا، آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھ کو کیوں نہیں بتایا؟ تو لوگوں نے کہا کہ وہ تو یونہی معمولی آدمی تھا (راوی کہتے ہیں: اس کو حقیر بتایا)، آپ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ، چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لئے گئے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔)

علامہ نووی نے ماوردی کی الحادوی سے نقل کیا ہے کہ بعض شافعیہ نے اس مسافر کی نہی کو مستحب قرار دیا ہے کہ اگر اس کا اعلان نہیں کیا جائے تو لوگوں کو اس کا علم نہیں ہو سکے گا^(۲)۔

ابن قدامہ کے نزدیک استحباب کی وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنے والے زیادہ ہوں گے تو ان کو اجر ملے گا، اور میت کو بھی نفع ہوگا، اس لئے کہ ان میں سے ہر نمازی کو اجر کا ایک قیراط ملے گا، نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ما من میت يصلي عليه أمة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون له إلا شفعموا فيه“^(۳) (اگر کسی میت پر سو مسلمان نماز جنازہ

(۱) حدیث ابی ہریرہؓ: ”أن أسود كان يقيم المسجد“ کی روایت بخاری (الفتح ۲۰۵/۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۶۵۹/۲ طبع عینی الحلی) نے کی ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔
(۲) المجموع للنووی ۲۱۶/۵۔
(۳) حدیث: ”ما من میت يصلي عليه أمة“ کی روایت مسلم (۶۵۳/۲ طبع الحلی) نے حضرت عائشہؓ سے کی ہے۔

نہی ۸

بہت سارے مصالِح ہیں، اس لئے کہ اس کے جاننے کے بعد ہی اس کے جنازہ میں حاضر ہونے میں جلدی کریں گے، اس کے معاملہ کو درست کریں گے، اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے، اس کے لئے دعا واستغفار کریں گے، اس کی وصایا کو نافذ کریں گے، اس کے علاوہ اس پر احکام مرتب ہوں گے۔

علامہ نووی نے اباحت کے لئے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن سے استحباب کے قائلین نے استدلال کیا ہے، پھر کہا ہے کہ صحیح بات جس کا احادیث صحیحہ تقاضا کرتی ہیں یہ کہ اس کے جاننے والوں کو اس کی موت کی خبر دینا مکروہ نہیں ہے، بلکہ اگر اس سے ارادہ نمازیوں کے زیادہ ہونے کے لئے خبر دینا ہو تو یہ مستحب ہوگا، مکروہ تو صرف مباحات اور مفاخر کا ذکر کرنا اور ان کے ذکر کے ساتھ لوگوں میں چکر لگانا ہے، اور یہی جاہلیت کی نہی ہے جس سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ صحیح احادیث میں خبر کرنے کا ذکر ہے، لہذا ان کو نظر انداز کرنا جائز نہیں ہوگا^(۱)۔

مکروہ نہی:

۸- حنا بلہ کے نزدیک مکروہ نہی کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ رشتہ دار، دوست، پڑوسی اور وہ شخص جس کی دعا کے قبول ہونے کی امید ہو، اور ان کے علاوہ لوگوں کو خبر دی جائے۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ نداء کے ساتھ نہی ہو، یہی مالکیہ کا مذہب بھی ہے۔

الشرح الصغیر میں ہے کہ مسجد میں یا اس کے دروازہ پر شور کرنا مکروہ ہے مثلاً کہا جائے کہ فلاں شخص مر گیا ہے، اس کی نماز جنازہ میں

(۱) المجموع ۲۱۶/۵

کہ یہ مکروہ نہیں ہے، اگر اس کے ذکر کے ساتھ تعریف و تعظیم وغیرہ نہ ہو، مثلاً کہے کہ اللہ تعالیٰ کا فلاں محتاج بندہ انتقال کر گیا ہے، اس لئے کہ جاہلیت کی نہی میں شور و شغب اور نوحہ کے ساتھ چکر لگانے کا ارادہ ہوتا تھا، اور ارشاد نبوی میں دعویٰ الجاہلیہ سے مراد یہی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”لیس منا من ضرب الخدود و شق الجيوب و دعا بدعوی الجاہلیة“^(۱) (ہم میں سے وہ شخص نہیں ہے جو چہرہ پر مارے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کے نعرے لگائے)، جیسا کہ شرح المنیہ میں ہے۔

الفتاویٰ الہندیہ میں ہے کہ بعض فقہاء نے بازاروں میں اعلان کرنے کو مکروہ کہا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ سرخسی کی المحیط میں ہے۔

حنابلہ نے نہی مباح صرف اس کو کہا ہے جس میں اعلان نہ ہو، الرحیبانی نے کہا ہے کہ اعلان کے بغیر اس کے دوست احباب اور رشتہ داروں کو بتادینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ جس دن نجاشی کا انتقال ہوا تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو بتایا، نیز اس میں اس پر نماز جنازہ پڑھنے والے زیادہ ہوں گے تو اس کو ثواب ہوگا اور میت کو بھی نفع ہوگا^(۲)۔

بخاری کے ایک شارح ابن المرابط نے اباحت کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے رشتہ دار کی موت کی اطلاع دینا مباح ہے، اگرچہ اس میں اس کے گھر والوں کو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرنا ہے، لیکن اس مفسدہ میں

(۱) حدیث: ”لیس منا من ضرب الخدود و شق الجيوب و دعا بدعوی الجاہلیة“ کی روایت بخاری (فتح ۱۶۶/۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۹۹/۱ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت ابن مسعود سے کی ہے۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۵۷، حاشیہ ابن عابدین ۲/۲۷۹، مطالب اولیٰ النہی ۱/۸۴، المجموع شرح المہذب ۲/۱۶، فتح الباری ۳/۵۳۳۔

نہی ۹

ہے کہ کہیں نہی ہو جائے، اس لئے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے نہی سے منع فرمایا۔

حنابلہ میں سے الرحبیانی نے کہا ہے نہی معروف جو عورتیں کرتی ہیں بدعت ہے، یعنی زور سے رونے، ندبہ کرنے، اور جزع فزع کرنے کے ساتھ ہو۔

حرمات کے قائل فقہاء نے اس میں یہ حکمت بیان کی ہے کہ میت کی موت پر ناراضگی ظاہر کرنا ظالم کی طرف سے ظلم کی شکایت کے مشابہ ہے، اور بندوں پر موت کا حکم کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عین انصاف ہے، اس لئے کہ اپنی مخلوقات میں جو چاہے اس کو تصرف کرنے کا حق ہے، اس لئے کہ وہ سب اس کی ملک ہیں^(۱)۔

اور فقہاء نے جس نہی کے حرام ہونے کی صراحت کی ہے وہ ہے جو جاہلیت کی نہی کی صورت میں ہو۔

اس کے وصف میں حافظ ابن حجر نے سعید بن منصور کی حدیث ذکر کی ہے کہ ہم کو ابن علیہ نے ابن عون سے نقل کر کے بتایا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابراہیم سے کہا کہ کیا وہ لوگ نہی کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے کہا: ہاں، ابن عون نے کہا ہے کہ اگر کوئی آدمی مرجاتا تو ایک آدمی کسی چوپائے پر سوار ہوتا پھر لوگوں میں چیخ چیخ کر کہتا: میں فلاں کی نہی کرتا ہوں^(۲)۔

شرکت کے لئے جلدی کرو، لیکن پست آواز میں شور و شغب کے بغیر اعلان کرنا مکروہ نہیں ہے۔

ابن مفلح نے کہا ہے کہ نہی یعنی اس کی موت کی نداء مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے، امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے اور کہا ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے، امام احمد سے ایک روایت ہے کہ رشتہ دار یا دوست کے علاوہ کو خبر کرنا مکروہ ہے، حنبل نے ان سے پڑوسی کو بھی نقل کیا ہے، ایک روایت میں اہل دین کا ذکر بھی ہے۔

علامہ نووی نے شافعیہ کی ایک جماعت سے جن میں ابواسحاق شیرازی اور بغوی بھی ہیں نقل کیا ہے کہ میت کی نہی اور اس پر نماز جنازہ کے لئے نداء کرنا مکروہ ہے^(۱)۔

حرام نہی:

۹- حرام نہی - جیسا کہ حنابلہ نے ذکر کیا ہے - وہ ہے جس میں بہت بلند آواز سے رونا چلانا ہو اور نحر کے طور پر اور تکلیف کے اظہار کے طور پر اس کے محاسن اور خصوصیات کو شمار کرایا جائے۔

ابن القیم نے کہا ہے کہ نہی کو ترک کر دینا حضور اکرم ﷺ کی سنت ہے، اور آپ نے اس سے منع بھی فرمایا ہے، اور یہ جاہلیت کے عمل سے بھی ہے، چنانچہ حذیفہ بن الیمانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "إِذَا مِتَ فَلَا تَوَذُّنَا بِي، إِنْ أُنْخِفَ أَنْ يَكُونَ نَعِيًّا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَنْهَى عَنِ النَّعْيِ"^(۲) (جب میں مرجاؤں تو میرے بارے میں اعلان نہ کرنا مجھے اندیشہ

(۱) الفروع ۲/۱۹۲، مطالب اُولیٰ الٰہی ۱/۸۴۱، الشرح الصغیر ۱/۵۷۰، فتح الباری ۲/۴۵۳، المجموع ۵/۲۱۶۔

(۲) حدیث: "إِذَا مِتَ فَلَا تَوَذُّنَا " کی روایت ترمذی (۳۳۳/۳ طبع الحلی) اور ابن ماجہ (۱/۳۷۴ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے، الفاظ ترمذی کے ہیں، اور انہوں نے کہا: یہ حسن صحیح ہے۔

(۱) مطالب اُولیٰ الٰہی للرحیبانی ۱/۸۴۲، ۹۲۵، بحوالہ "الفصول"، زاد المعاد لابن القیم ۱/۵۲۸، فتح الباری ۳/۹۳، المجموع شرح المہذب للنووی ۵/۲۱۶، ۲۱۵۔

(۲) الصحاح للحویری، النہایہ لابن الاثیر مادہ: (نہی)، فتح الباری ۳/۴۵۳۔

نفاذ ۱-۴

نفاذ اور اجازت میں تعلق یہ ہے کہ دونوں جاری کرنے اور راضی ہونے کے معنی میں ہیں، البتہ اجازت کا اطلاق عقد موقوف پر ہوتا ہے، نافذ اور باطل پر نہیں ہوتا ہے۔

نفاذ

ب- صحت:

۳- لغت میں صحۃ مصدر ہے، اور اس چیز کا نام ہے جس کے مقابلہ میں مرض ہوتا ہے۔

اصطلاح میں ایسی حالت یا ملکہ ہے جس کی وجہ سے افعال اپنی جگہ سے درست صادر ہوتے ہیں، اور یہ فعل کا ایسا ہونا ہے کہ عبادات میں قضا کو ساقط کرنے والا ہو، اور معاملات میں اس سے جو ثمرات شرعاً مطلوب ہیں ان کے مرتب ہونے کا سبب ہو اور اس کے مقابلہ میں بطلان ہے^(۱)۔

نفاذ اور صحت کے درمیان عموم خصوص مطلق کا تعلق ہے، چنانچہ ہر نافذ صحیح ہے مگر ہر صحیح نافذ نہیں ہے۔

نفاذ کے احکام:

۴- جن تصرفات پر شارع کی طرف سے آثار مرتب ہوتے ہیں ان میں سے بعض نافذ ہیں اور بعض غیر نافذ ہیں۔

چنانچہ غیر نافذ صورتوں میں: فضولی، باشعور بچہ، سفیہ اور جس میں وکیل بنایا گیا ہے اس کے علاوہ میں وکیل کے تصرفات، اسی طرح راہن کا مرتہن کی اجازت کے بغیر شیئ مرہون کو فروخت کر دینا اور مالک مکان کا کرایہ دار کی اجازت کے بغیر کرایہ پر دیئے ہوئے مکان کو فروخت کر دینا، شریک کا اپنے مشترک و مشاع حصہ کو شریک کی اجازت کے بغیر فروخت کر دینا ہے اور یہ فی الجملہ ہے۔

(۱) القاموس المحیط، المصباح المنیر، لسان العرب، قواعد الفقہ للمرکتی۔

تعریف:

۱- لغت میں نفاذ، نفذ السهم نفوذا سے ماخوذ ہے، یہ باب نصر سے ہے، یعنی شکار کو چھید کر پار ہو جانا، یہ ہمزہ اور تضعیف سے متعدی ہو جاتا ہے (یعنی باب افعال اور تفعیل میں لے جانے سے متعدی ہو جاتا ہے) نفذ الأمر نفوذا و نفاذا: جاری ہونا، امرہ نافذ: یعنی جاری کرنے والے قابل اتباع کا حکم دینا۔

نفاذ: کسی شیئ کا کسی شیئ سے آگے بڑھ جانا، اس سے نجات پانا، اسی طرح نفوذ ہے، أنفذ الأمر: جاری کرنا، نافذ کرنا^(۱)۔

اصطلاح میں: فی الحال صحیح تصرف کے اثر کا مرتب ہونا ہے^(۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- اجازت:

۲- لغت میں اجازة، جاز المكان یجوزہ جوزا و جوازا سے ماخوذ ہے، یعنی چلنا، اجازہ- الف کے ساتھ- آگے بڑھ جانا اور اجازہ: یعنی نافذ کرنا^(۳)۔

اصطلاحی معنی لغوی معنی سے الگ نہیں ہے۔

(۱) لسان العرب، القاموس المحیط۔

(۲) در الاحکام شرح مجلۃ الأحکام العدلیہ ۱/۹۵۔

(۳) المصباح المنیر، لسان العرب۔

نفاذ ۵

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”عقد موقوف“ (فقہہ ر
- (۲۴، ۶)

اور غیر نافذ صورتوں میں: قاضی کا فیصلہ بھی ہے، اس کے
بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا وہ ظاہر اور باطن دونوں میں نافذ
ہوتا ہے، یا صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”قضاء“ (فقہہ ر ۸۵)۔

نفاذ کے آثار:

۵ - شرعاً تصرف کے نفاذ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ صحیح ہوتا ہے، اور فی
الحال حکم کا فائدہ دیتا ہے، رہا عقد موقوف تو حنفیہ و مالکیہ کی رائے اور
امام شافعی کا قدیم اور حنابلہ کے نزدیک ایک روایت یہ ہے کہ وہ صحیح
ہے اور اس کا نفاذ اس شخص کی اجازت پر موقوف ہے جس کو اجازت
دینے کا حق ہے۔

مشہور قول کے مطابق شافعیہ کی رائے اور یہی حنابلہ کے
ز نزدیک راجح مذہب ہے کہ عقد موقوف باطل ہے، اجازت سے صحیح نہ
ہوگا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اصطلاح ”عقد موقوف“ (فقہہ
- (۵)



تراجم فقہاء

جلد ۴۰ میں آنے والے فقہاء کا مختصر تعارف

ابن بطہ: یہ عبید اللہ بن محمد العکبری ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن البنا: یہ حسن بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۲۱ ص میں گزر چکے۔

ابن تمیم: یہ محمد بن تمیم ہیں:
ان کے حالات ج ۱۱ ص میں گزر چکے۔

ابن تیمیہ:
دیکھئے: تقی الدین بن تیمیہ۔

ابن جزئی: یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن الحاج: یہ محمد بن محمد المالکی ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

ابن الحاجب: یہ عثمان بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن حامد: یہ حسن بن حامد ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

ابن حبیب: یہ عبد الملک بن حبیب ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الف

الآجری: یہ محمد بن الحسین بن عبد اللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱۹ ص میں گزر چکے۔

الآلوسی: یہ محمد بن عبد اللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۵ ص میں گزر چکے۔

الآمدی: یہ علی بن ابی علی بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابراہیم:
دیکھئے: ابراہیم نخعی۔

ابراہیم نخعی: یہ ابراہیم بن یزید ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن الاثیر: یہ مبارک بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

ابن بطلال: یہ علی بن خلف ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن عبدالحکم

تراجم فقہاء

ابن حجر العسقلانی

ابن الرفعة: یہ احمد بن محمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۹ ص میں گزر چکے۔

ابن حجر العسقلانی: یہ احمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

ابن سخون: یہ محمد بن عبد السلام ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

ابن حجر الہیتمی: یہ احمد بن حجر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن سیرین: یہ محمد بن سیرین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن دقیق العید: یہ محمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۴ ص میں گزر چکے۔

ابن شناس: یہ عبد اللہ بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن رجب: یہ عبد الرحمن بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن شعبان: یہ محمد بن القاسم ہیں جو ابن القرطی کے نام سے
مشہور ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن الصباغ: یہ عبد السید بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

ابن عابدین: یہ محمد امین بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن عباس: یہ عبد اللہ بن عباس ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن عبدالحکم: یہ عبد اللہ بن الحکم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن رزین (?-۶۵۶ھ)

یہ عبد الرحمن بن رزین بن عبد العزیز بن ابی الجیش الغسانی،
الحرانی، پھر دمشق ہیں، ان کا لقب سیف الدین اور کنیت ابو الفرج
ہے، یہ ایک حنبلی فقیہ ہیں، انہوں نے دمشق میں ابو العباس احمد بن
سلامۃ التجار الحرانی سے اور بغداد میں ابو المظفر محمد بن مقبل بن الہیتمی
اور محی الدین بن الجوزی سے علم حاصل کیا۔

بعض تصانیف: ”التہذیب“ دو جلدوں میں جو ”المغنی“ کا اختصار
ہے، اور ”النهاية مختصر الهدایة“، خلافت میں ان کا ایک
مختصر حاشیہ بھی ہے۔

[تاریخ الاسلام (وفیات ۶۵۱-۶۶۰) ص ۲۶۳؛ الذیل علی
طبقات الحنابلہ ۲/۲۶۳؛ المدخل لابن بدران ص ۱۴۴]

ابن رشد (الحفید): یہ محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن عبدالسلام

تراجم فقہاء

ابن عمر

ابن عبدالسلام: یہ محمد بن عبدالسلام بن یوسف ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

بعض تصانیف: ”المطلع في الأحكام على أبواب المقنع“
ہے، انہوں نے ”المقنع“ کے ابتدائی کچھ حصہ کی شرح لکھی، اور ”زوائد
الكافي والمحور على المقنع“ کے نام سے اس کو جمع کیا۔

[ذیل طبقات الحنابلہ ۲/۲۳۳؛ شذرات الذهب ۸/۱۸۷]

ابن عبدوس (۵۱۰-۵۵۹ھ)

یہ علی بن عمر بن احمد بن عبدوس الحرانی ہیں، ان کی کنیت ابوالحسن
ہے، یہ ایک حنبلی فقیہ ہیں۔

ابن العربی: یہ محمد بن عبداللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

انہوں نے بغداد میں الحافظ بن ناصر اور ان کے ہم عصر فقہاء
سے حدیث و فقہ حاصل کی، نیز فقہ، تفسیر اور وعظ میں مہارت حاصل
کی۔

ابن عرفہ: یہ محمد بن محمد بن عرفہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

اور جن لوگوں سے علم حاصل کیا ان میں ابوالفتح نصر اللہ بن
عبدالعزیز، ان کے ماموں فخر الدین ابن تیمیہ اور عمر بن علی القرشی
ہیں۔

ابن عطاء اللہ: یہ عبدالکریم بن عطاء اللہ سکندری ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

بعض تصانیف: ”تفسیر کبیر“، ”المذهب في المذهب“
اور ”مجالس و عظیمیة علی طریقة ابن الجوزی“۔

ابن عطیہ: یہ عبدالحق بن غالب ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

[الذیل علی طبقات الحنابلہ ۱/۲۴۱؛ الأرشد
۲/۲۴۲؛ المنجیح للأحمد ۳/۱۶۹]

ابن عقیل: یہ علی بن عقیل ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

ابن عبیدان (۶۷۵-۷۳۴ھ)

یہ عبدالرحمن بن محمود بن عبیدان البعلی، الحنبلی ہیں، ان کا
لقب زین الدین اور کنیت ابوالفرج ہے، ابن رجب نے کہا ہے:
انہوں نے شیخ تقی الدین وغیرہ سے علم حدیث اور علم فقہ حاصل کیا اور
مہارت حاصل کی، مفتی بنے، فقہ اور اس کے دقیق مسائل، نیز
اصول، حدیث، عربی زبان اور تصوف کے اچھے عالم تھے، بہت سے
علماء نے ان سے علم حاصل کیا، ان میں عزالدین حمزہ بن شیخ السلامیہ
بھی ہیں۔

ابن علان: یہ محمد علی بن محمد علان ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن عمر: یہ عبداللہ بن عمر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابن عون

تراجم فقہاء

ابن المرابط

ابن عون: یہ عبداللہ بن عون ہیں:

ابن کثیر: یہ محمد بن اسماعیل ہیں:

ان کے حالات ج ۲۱ ص..... میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۴ ص..... میں گزر چکے۔

ابن فتحون (?-۵۰۵ھ)

ابن کج: یہ یوسف بن احمد ہیں:

یہ خلف بن سلیمان بن خلف بن محمد بن فتحون ہیں، ان کی کنیت ابو القاسم ہے، یہ اندلسی، اور یولی ہیں، یہ مالکی فقیہ ہیں، بڑے باکمال شاعر اور ادیب ہیں، شاطبہ اور اس کے بعد دانیہ میں قاضی رہے۔ اپنے والد، ابو الولید باجی اور طاہر بن مفوز سے حدیث کی روایت کی، ان سے ان کے صاحبزادے محمد اور زیاد بن محمد نے حدیث کی روایت کی۔

ان کے حالات ج ۱۰ ص..... میں گزر چکے۔

ابن الباہہ: یہ محمد بن عمر بن الباہہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

ابن المباحثون: یہ عبدالملک بن عبدالعزیز ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

بعض تصانیف: ”الشروط“ میں ایک کتاب ہے، اس سے قبل اس طرح کی کتاب نہیں لکھی گئی۔

ابن المرابط (?-۴۸۵ھ)

[الصلة لابن بشكوال ۱۷۳، بغية الملتمس ص ۷۳، ۲۸۴]

یہ محمد بن خلف بن سعید بن وہب ہیں، ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، اندلسی، المری ہیں، ابن المرابط کے نام سے مشہور ہیں، مالکی فقیہ ہیں، شہر المریہ کے مفتی و قاضی رہے، علوم میں بڑے فنکار، صاحب فہم اور اہل روایت ہیں، ان کو ابو عمر اللطیفی اور ابو عمر والدانی نے روایت حدیث کی اجازت دی، نیز انہوں نے ابو القاسم المہلب بن ابی صفرہ اور ابو الولید بن مقبل سے حدیث کی روایت کی، ان کے پاس لوگ سفر کر کے آتے تھے، ان سے علم حاصل کرنے والوں میں ابو عبداللہ تیمی، ابو علی بن سکرہ، ابو محمد السبئی اور دوسرے بہت سے علماء ہیں۔

ابن القاسم: یہ عبدالرحمن بن القاسم مالکی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

ابن القصاص: یہ احمد بن ابی احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص..... میں گزر چکے۔

ابن قدامہ: یہ عبداللہ بن محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

ابن القیم: یہ محمد بن ابی بکر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

بعض تصانیف: صحیح بخاری پر ایک بڑی شرح ہے، فقہ میں ”المدونة“ پر حاشیہ لکھا ہے، اور ”الوصول إلى الغرض المطلوب من جواهر قوت القلوب“ ہے۔

[سیر أعلام النبلاء ۱۹/۶۶؛ الدیباچ المذہب ۲/۲۴۰؛ معجم

المؤلفین ۹/۲۸۴]

ابوبکر المزنی

تراجم فقہاء

ابن مسعود

ابو اسحاق بن شافلا: یہ ابراہیم بن احمد بن عمر ہیں:

ابن مسعود:

ان کے حالات ج ۷ ص میں گزر چکے۔

دیکھئے: عبداللہ بن مسعود۔

ابو اسحاق شیرازی: یہ ابراہیم بن علی ہیں:

ابن مفلح: یہ محمد بن مفلح ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۴ ص میں گزر چکے۔

ابوبکر: یہ احمد بن محمد الخلال ہیں:

ابن المنذر: یہ محمد بن ابراہیم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابوبکر: یہ عبداللہ بن ابی قحافہ ہیں:

ابن المنیر: یہ احمد بن محمد بن منصور ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱۱ ص میں گزر چکے۔

ابوبکر الآجری:

ابن نافع: یہ عبداللہ بن نافع ہیں:

دیکھئے: الآجری۔

ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

ابوبکر الخفاف (؟-؟)

ابن نجیم: یہ زین الدین بن ابراہیم ہیں:

یہ ابوبکر احمد بن ابی اسحاق عمر بن یوسف الخفاف ہیں، یہ شافعی

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

فقیہ ہیں، امام لغت ہیں، ابواسحاق شیرازی نے ان کو ابن الحداد

(متوفی ۳۴۵ھ) کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

ابن الہمام: یہ محمد بن عبدالواحد ہیں:

بعض تصانیف: کتاب ”الخصال“ مذہب شافعی میں ہے۔

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

[طبقات ابن الصلاح ۱۳/۲، طبقات الإسئوی ۲/۶۴،

طبقات ابن قاضی شہبہ ۱/۱۲۴؛ طبقات ابن ہدایت اللہ ص ۲۴؛ نسیم

الریاض للخفاجی ۳/۷۹]

ابن وہب: یہ عبداللہ بن وہب ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابوبکر المزنی:

ابن یونس: یہ احمد بن یونس ہیں:

دیکھئے: المزنی۔

ان کے حالات ج ۱۰ ص میں گزر چکے۔

اسحاق بن راہویہ

تراجم فقہاء

ابو ثور

ابو محمد الجویبی: یہ عبداللہ بن یوسف بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابو ثور: یہ ابراہیم بن خالد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابو ہریرہ: یہ عبدالرحمن بن صخر الدوسی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابو جعفر الفقیہ: یہ محمد بن عبداللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۴ ص میں گزر چکے۔

ابو الیسر: یہ محمد بن محمد بن الحسین ہیں:
ان کے حالات ج ۳۵ ص میں گزر چکے۔

ابو حامد: یہ احمد بن محمد الإسفرائینی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابو یوسف: یہ یعقوب بن ابراہیم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابو الحسن الشاذلی: یہ علی بن محمد المنوفی ہیں:
ان کے حالات ج ۳۹ ص میں گزر چکے۔

ابو بن کعب:
ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

ابو حنیفہ: یہ نعمان بن ثابت ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الأجوری: یہ علی بن محمد بن عبدالرحمن ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابو الخطاب: یہ محفوظ بن احمد الکلونی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

احمد بن حنبل:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابو عبید: یہ قاسم بن سلام ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الأذری: یہ احمد بن حمدان ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابو عیسیٰ الترمذی: یہ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

اسحاق بن راہویہ:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ابو الیث: یہ نصر بن محمد السمرقندی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

اشہب: یہ اشہب بن عبدالعزیز ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

اصح: یہ اصح بن الفرغ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الاصطخری: یہ حسن بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الأقفہسی: یہ عبداللہ بن مقداد ہیں:
ان کے حالات ج ۲۸ ص میں گزر چکے۔

الکلیا الہراسی: یہ علی بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱۳ ص میں گزر چکے۔

امام الحرمین: یہ عبدالملک بن عبداللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

انس بن مالک: یہ انس بن مالک انصاری ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

الأوزاعی: یہ عبدالرحمن بن عمرو ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ب
الباجی: یہ سلیمان بن خلف ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

البرزلی: یہ ابوالقاسم بن احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

البعلی: یہ محمد بن ابی الفتح ہیں:
ان کے حالات ج ۱۹ ص میں گزر چکے۔

البعوی: یہ حسین بن مسعود ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

البلقینی:
دیکھئے: الجلال البلقینی۔

البلقینی: یہ عمر بن سلامہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

البنانی: یہ محمد بن الحسن ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

الجزیری

تراجم فقہاء

البہوتی

البہوتی: یہ منصور بن یونس ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

البہوتی: یہ احمد بن الحسین ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

ث

الثوری: یہ سفیان بن سعید ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ت

تقی الدین:

دیکھئے: تقی الدین بن تیمیہ۔

ج

تقی الدین بن تیمیہ: یہ احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

جابر بن عبد اللہ:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

التونسی: یہ ابراہیم بن حسن بن اسحاق ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

الجزجانی: یہ علی بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۴ ص میں گزر چکے۔

الجزیری (؟-۵۸۵ھ تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں)

یہ علی بن یحییٰ بن القاسم الصنہاجی ہیں، ان کی کنیت ابو الحسن ہے، الجزیری ہیں، یہ مالکی فقیہ ہیں، اندلس میں ایک جزیرہ خضراء (خالی جگہ) میں اقامت اختیار کی، اور وہاں کے قاضی مقرر ہوئے، اس لئے اس کی طرف منسوب ہو گئے، انہوں نے وہاں فقہ اور عقدا لشروط (شروط کے معاملات) کا درس دیا۔

بعض تصانیف: شروط میں ”المقصد المحمود في تلخیص العقود“ ہے۔

[نیل الایہتاج ص ۳۱۶؛ شجرة النور الزكية ص ۱۵۸]

ح

الجصاص: یہ احمد بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

الحارث العکلی: یہ حارث بن یزید ہیں:
ان کے حالات ج ۲۱ ص میں گذر چکے۔

الجلال البلقینی (۷۶۳-۸۲۴ھ)

یہ عبدالرحمن بن عمر بن رسلان بن نصیر بن صالح ہیں، پیدائشی اعتبار سے عسقلانی، پھر بلقینی، اور قاہری ہو گئے، لقب جلال الدین اور کنیت ابوالفضل اور ابوالیمان دونوں ہیں، یہ ایک شافعی فقیہ ہیں، قاہرہ میں نشوونما پائی، مصر و دمشق میں اپنے والد اور دوسرے لوگوں سے علم فقہ حاصل کیا، فقہ، اصول، عربی ادب، تفسیر، معانی و بیان میں مہارت حاصل کی، مصر و دمشق میں درس دیا، مفتی رہے اور قضاء کی ذمہ داری بھی سنبھالی۔

الحسن:

دیکھئے: حسن البصری۔

حسن البصری: یہ حسن بن یسار ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

بعض تصانیف: ”حواشی الروضة“، ”نکت المنہاج“ نامکمل ہے، ”ضوابط في الفقه منظومة“ اور ”نکت علی الحاوی الصغیر“۔

حسن بن زیاد:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

حسین بن الفضل (۱۷۸-۲۸۲ھ)

یہ حسین بن الفضل بن عمیر الجبلی ہیں، کوفہ کے رہنے والے تھے، نيساپور میں رہائش اختیار کر لی، ان کی کنیت ابوعلی ہے، یہ امام مفسر، لغت کے ماہر اور بڑے محدث تھے، معانی قرآن میں اپنے زمانہ کے امام تھے، ابن طاہر ان کو اپنے ساتھ نيساپور لے آئے، لوگوں کو تعلیم و فتویٰ دیتے رہے یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔

[طبقات الشافعية لابن قاضي شہبہ ۸۷/۴؛ الضوء اللامع

۱۰۶/۴؛ شذرات الذہب ۲۴۲/۹]

انہوں نے یزید بن ہارون، حسن بن قتیبة اور اکابر علماء کی ایک جماعت سے علم حدیث حاصل کیا، اور خود ان سے ابوالطیب محمد بن

خلیل

تراجم فقہاء

الخطاب

عبداللہ بن المبارک، محمد بن صالح بن ہانی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے حدیث کا علم حاصل کیا۔
[سیر أعلام النبلاء ۱۳/۴۱۴؛ طبقات المفسرین للداؤدی

[۱۵۹/۱

الحتاطی: یہ حسین بن محمد الطبری ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص ۳۷۷..... میں گذر چکے۔
حنبل: یہ حنبل بن اسحاق الشیبانی ہیں:
ان کے حالات ج ۴ ص ۴۷..... میں گذر چکے۔

الخطاب: یہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۱۷..... میں گذر چکے۔

خ

حفصہ: یہ حفصہ بنت عمر بن الخطاب ہیں:
ان کے حالات ج ۶ ص ۶۷..... میں گذر چکے۔

الخرشی: یہ محمد بن عبداللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۱۷..... میں گذر چکے۔

حکم بن عتیبہ: یہ حکم بن عتیبہ الکندی ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص ۲۷..... میں گذر چکے۔

الخرقی: یہ عمر بن الحسین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۱۷..... میں گذر چکے۔

الخلوانی: یہ عبدالعزیز بن احمد بن نصر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۱۷..... میں گذر چکے۔

الخطابی: یہ محمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۱۷..... میں گذر چکے۔

الکلبی: یہ حسین بن الحسن ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۱۷..... میں گذر چکے۔

الخطیب الشربنی: یہ محمد بن احمد الشربنی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۱۷..... میں گذر چکے۔

حماد بن ابی سلیمان:
ان کے حالات ج ۱ ص ۱۷..... میں گذر چکے۔

خلیل: یہ خلیل بن اسحاق ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۱۷..... میں گذر چکے۔

حمید الطویل: یہ حمید بن ابی حمید ہیں:
ان کے حالات ج ۳۹ ص ۳۹..... میں گذر چکے۔

ر

د

الراغب:

دیکھئے: راغب الاصفہانی۔

الراغب الاصفہانی: یہ حسین بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۶ ص میں گذر چکے۔

الرافعی: یہ عبدالکریم بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

ربیعہ:

دیکھئے: ربیعہ بن ابی عبدالرحمن۔

ربیعہ بن ابی عبدالرحمن: یہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن فروخ

(ربیعۃ الراعی) ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

الرجراجی (?-۸۱۰ھ)

یہ عمر بن محمد ہیں، ان کی کنیت ابوعلی اور ابو حفص ہے، رجراجی،

فاسی ہیں، مالکی فقیہ ہیں، ابن غازی نے ان کی تعریف شیخ صالح کہہ کر

کی ہے، ان کے علم و صلاح پر لوگوں کا اتفاق ہے، ان کے بارے میں

الدارمی: یہ محمد بن عبدالواحد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۲۶ ص میں گذر چکے۔

داؤد بن ابی ہند (۶۵-۱۲۰ھ)

یہ داؤد بن ابی ہند دینار بن عذافر ہیں، ان کو طہمان بھی کہا جاتا

ہے، ولاء کی بنا پر قشیری کہلاتے ہیں، کنیت ابو محمد یا ابو بکر، فقیہ، حافظ اور

ثقہ ہیں، حضرت حسن بصری کے دور میں بصرہ میں فتویٰ دیا کرتے

تھے۔ انہوں نے حدیث کا علم بکر بن عبداللہ المزنی، حسن بصری،

ابوالعالیہ اور سعید بن المسیب سے حاصل کیا، انہوں نے حضرت انس

بن مالک کو بھی دیکھا تھا۔

اور خود ان سے سفیان ثوری، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ہشیم،

ابن علیہ، شعبہ اور یحییٰ القطان وغیرہ نے حدیث کی روایت کی ہے۔

[تہذیب الکمال ۸/۳۶۱؛ سیر اعلام النبلاء ۶/۳۷۶]

الدردیر: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

الدرسوقی: یہ محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

زینب بنت أم سلمہ

تراجم فقہاء

الرحیبانی

زکریا الأنصاری: یہ زکریا بن محمد الأنصاری ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الزہری: یہ محمد بن مسلم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

زید بن ثابت:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الزبلی: یہ عثمان بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

زینب بنت أم سلمہ (؟-؟)

یہ زینب بنت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن عمرو بن مخزوم،
مخزومیہ ہیں، نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ کی بیٹی ہیں، ان کی ماں
ام سلمہ بنت ابی امیہ ہیں، کہا گیا ہے کہ ان کی پیدائش سرزمین حبشہ
میں ہوئی، جس وقت نبی کریم ﷺ نے ان کی والدہ سے نکاح کیا
اس وقت یہ دودھ پی رہی تھیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے علم
حاصل کیا، آپ سے حدیث کی روایت کی، نیز ازواج مطہرات میں
سے اپنی والدہ اور حضرت عائشہ وام حبیبہ سے بھی روایت کی ہے۔
خود ان سے ان کے صاحبزادے ابو عبیدہ، نیز محمد بن عطاء، علی
بن الحسین، ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور عروہ بن الزبیر وغیرہ نے روایت
کی ہے۔

[معرفة الصحابة ۶/۱۳۳۳؛ الإصابہ ۷/۶۷۵]

سخاوی نے کہا ہے کہ فاس میں جامع اندلس کے امام تھے، علم فقہ میں
مہارت کے ساتھ ان پر زہد و ورع کا غلبہ تھا، انہوں نے مشائخ فاس
کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا، ان میں ابو عمران العبدوسی،
القباب اور فاس کے نابینا مفتی الواعلی ہیں، اسی طرح ان سے علم
حاصل کرنے والوں کی فہرست بھی لمبی ہے، ان میں اہم ابن الخطیب
القسنینی اور ابن علال المصمودی ہیں۔

[نیل الایہتاج رص ۳۰۳؛ توشیح الایہتاج رص ۵۳، ۱۲۸؛
شجرة النور الزكية رص ۲۵۰]

الرحیبانی: یہ مصطفیٰ بن سعد ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

الرویانی: یہ عبدالواحد بن اسماعیل ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ز

الزركشي: یہ محمد بن عبداللہ بن بہادر ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

زفر: یہ زفر بن الہذیل ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

سلیمان بن یسار:

ان کے حالات ج ۱۴ ص میں گذر چکے۔

السیوری (؟-۴۶۰ھ)

یہ عبدالحق بن عبد الوارث السیوری ہیں، کنیت ابو القاسم ہے، یہ مالکی فقیہ ہیں، علماء افریقہ کے خاتم اور قیروان کے آخری امام تھے، حفظ، مذہب کی خدمت اور اختلاف علماء کی معرفت میں بے مثال تھے، فاضل، زاہد، بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے، علم حدیث اور علم قراءۃ پر خصوصی توجہ تھی۔

ابوبکر بن عبد الرحمن اور ابو عمران الفاسی اور ان کے ہم عصر علماء سے علم فقہ حاصل کیا، اور خود ان سے عبد الحمید الصانع، اللخمی، حسان البربری اور عبد الحق الصقلی وغیرہ نے علم فقہ حاصل کیا۔

کہا جاتا ہے کہ آخری عمر میں ان کا میلان امام شافعی کے مذہب کی طرف ہو گیا تھا

بعض تصانیف: ”المدونہ“ کے نکات پر ایک حاشیہ ہے، جس کو ان کے شاگردوں نے ان سے نقل کیا ہے۔

[ترتیب المدارک ۷۰۲:۷؛ الدیباچ المذہب ۲۲/۲؛

شجرۃ النور الزکیہ ص ۱۱۶]

س

سالم: یہ سالم بن عبد اللہ بن عمر ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گذر چکے۔

السبکی: یہ عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

سخون: یہ عبد السلام بن سعید التنوخی ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گذر چکے۔

السرخسی: یہ محمد بن احمد بن ابی سہل ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

سعید بن جبیر:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

سعید بن المسیب:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

سفیان بن عیینہ:

ان کے حالات ج ۷ ص میں گذر چکے۔

الشوکانی: یہ محمد بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

شیخین:

اس لفظ سے مراد کی وضاحت ج ۱ ص میں گزر چکی ہے۔

ش

شارح الطحاویہ: یہ علی بن ابی العز الحنفی ہیں:

ان کے حالات ج ۳۴ ص میں گزر چکے۔

الشاطبی: یہ ابراہیم بن موسیٰ ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

ص

صاحب الإقناع: یہ موسیٰ بن احمد الحجاوی ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

الشافعی: یہ محمد بن ادریس ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

صاحب الإصناف: یہ علی بن سلیمان المرادوی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الشبر املسی: یہ علی بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

صاحب الدر المختار: یہ محمد بن علی الحسکفی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الشریبی الخطیب: یہ محمد بن احمد شمس الدین ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

صاحب الشامل: یہ عبدالسید محمد بن عبدالواحد ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

الشرقاوی: یہ عبداللہ بن جازی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

صاحب الشفاء: یہ عیاض بن موسیٰ الجھمی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الشیعی: یہ عامر بن شراحیل ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

صاحب العدة (۴۱۸-۴۹۸ھ)

سے مشہور ہیں، جنہاں فقیہ ہیں۔

عقل و فہم میں بے مثال تھے، ان کو علم میں سرداری حاصل تھی، بڑے صاحب فن، حدیث اور اس کے علل کے ماہرین عالم تھے، نحو، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث اور منطق کے بڑے عالم تھے، جزیات میں ان کا قدم راسخ تھا، مذہب میں اپنی کچھ خاص آراء رکھتے تھے، انہوں نے شیخ تقی الدین بن تیمیہ کی شاگردی اختیار کی اور مختلف علوم و فنون میں متعدد کتابیں ان سے پڑھیں، اور انہوں نے ان کو افتاء کی اجازت دی، نیز ان کو ان کے والد نے، اور المنجبا التنوخی، ابن القواس اور ابن عساکر نے بھی اجازت دی، ان کے مشائخ کی فہرست طویل ہے۔

دمشق اور مصر میں قاضی رہے، اور متعدد مدارس میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔

بعض تصانیف: فقہ میں ”الفائق“ ہے، ایک کتاب اصول فقہ میں بھی ہے جو مکمل نہ ہو سکی، ”الرد علی الکیالیہراسی“، ”قطر الغمام فی شرح أحادیث الأحکام“ اور ”تنقیح الأبحاث فی رفع التمیم للأحداث“ ہیں۔

[ذیل طبقات الحنابلہ ۲/۴۵۳؛ الأرشد ۱/۹۲؛ المنہج الأحمد ۱/۱۳۵]

یہ حسین بن علی بن الحسین ہیں، ان کی کنیت ابو عبد اللہ طبری ہے، یہ شافعی فقیہ ہیں، مکہ میں اقامت اختیار کی اور وہاں کے محدث و فقیہ بنے، ان کو امام الحرمین کہا جاتا تھا، خراسان میں ناصر العمری سے اور بغداد میں قاضی ابو الطیب الطبری سے علم فقہ حاصل کیا، پھر اسحاق شیرازی کے ساتھ لگے رہے اور مذہب میں اور اختلافی مسائل میں مہارت حاصل کی اور ان کے بڑے شاگردوں میں ہو گئے، اور بغداد میں مدرسہ نظامیہ میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔

ان سے اسماعیل التیمی، السلفی اور ابو بکر بن العربی اور دوسرے لوگوں نے حدیث کی روایت کی۔

بعض تصانیف: کتاب ”العدة“ ہے جو الفورانی کی ”الإبانة“ کی شرح ہے، علامہ نووی جب الروضہ کی زیادات میں مطلق العدة لکھتے ہیں تو اس سے مراد ابو عبد اللہ طبری کی العدة ہوتی ہے، اور جہاں رافعی دونوں شرح میں مطلق العدة لکھتے ہیں تو ان کی مراد ابو المکارم الرویانی کی العدة ہوتی ہے۔

[طبقات ابن الصلاح ۲/۴۴؛ الطبقات للسبکی ۴/۳۹۹؛ طبقات ابن ہدایۃ اللہ ص ۶۶، ۷۹]

صاحب العنایہ: یہ محمد بن محمد بن محمود البابر تہی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

صاحب الفائق ”ابن قاضی الجبل“ (۶۹۳-۷۷۱ھ)

یہ احمد بن الحسن بن عبد اللہ بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ ہیں، ان کا لقب شرف الدین اور کنیت ابو العباس ہے، پیدائش کے اعتبار سے مقدسی ہیں، پھر دمشق میں رہائش اختیار کر لی، ابن قاضی الجبل

صاحب الکافی: یہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گذر چکے۔

صاحب مجمع البحرین ”الناظم“

تراجم فقہاء

الصیمری

صاحب مجمع البحرین ”الناظم“ (۶۳۰-۶۹۹ھ)

حاصل تھی، اسی طرح علم حدیث میں بہت سے لوگوں نے ان سے مہارت حاصل کیا۔

یہ محمد بن عبدالقوی بن بدران بن عبداللہ المقدسی، المرادوی الصالحی ہیں، ان کا لقب شمس الدین، کنیت ابو عبداللہ ہے، اور الناظم سے اور ابن عبدالقوی سے مشہور ہیں، یہ حنبلی فقیہ ہیں، محدث اور نحوی بھی ہیں، ایک جماعت سے حدیث روایت کی، اور شیخ شمس الدین بن ابی عمرو غیرہ سے علم فقہ حاصل کیا۔

بہت سے لوگوں نے ان سے احادیث سنی اور ایک جماعت نے ان سے روایت بھی کی۔

بعض تصانیف: ”مطالع الأنوار“، ”الکواکب الدریۃ فی المناقب العلویۃ“۔

ابن رجب نے کہا ہے کہ انہوں نے صاحبیہ میں درس دیا، فضلاء کی ایک جماعت نے ان سے علم میں مہارت حاصل کی، ان سے عربی پڑھنے والوں میں شیخ تقی الدین بن تیمیہ ہیں۔

[الذیل علی طبقات الحنا بلہ لابن رجب ۲/۴۲۱]

صاحب المغنی: یہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ ہیں: ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

بعض تصانیف: ”منظومة الآداب الصغری“، ”منظومة الآداب الكبرى“، ”الفرائد“، ”مجمع البحرین“ یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی، اور ”الفروق“ ہیں۔

صاحب المہذب: یہ ابراہیم بن علی الشیرازی، ابواسحاق ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص..... میں گزر چکے۔

[ذیل طبقات الحنا بلہ ۲/۴۲۲؛ الإرشد ۲/۴۵۹؛ المنج الأحمدر ۴/۳۵۷]

صاحبین:

صاحب المطالع (۶۶۳-۷۳۳ھ)

اس لفظ سے مراد کی وضاحت ج ۱ ص..... میں گزر چکی ہے۔

یہ محمود بن علی بن محمود بن مقبل بن سلیمان بن داؤد ہیں، پیدائش کے اعتبار سے دقوتی اور رہائش کے اعتبار سے بغدادی ہیں، ان کا لقب تقی الدین اور کنیت ابوالثناء ہے، یہ حنبلی فقیہ ہیں، محدث اور حافظ حدیث ہیں۔

الصدر الشہید: یہ عمر بن عبدالعزیز بن مازہ ہیں: ان کے حالات ج ۱۲ ص..... میں گزر چکے۔

بغداد میں علم حدیث اور وعظ کے سب سے بڑے عالم تھے، ان کے دور میں ان سے اچھا حدیث پڑھنے والا کوئی نہ تھا، نہ حدیث کی لغات کی معرفت اور اس کے یاد کرنے میں ان کا کوئی ثانی تھا، ان کو فقہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔

الصنعانی: یہ محمد اسماعیل ہیں:

ان کے حالات ج ۵ ص..... میں گزر چکے۔

الصیمری: یہ عبدالواحد بن الحسین بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۳۹ ص..... میں گزر چکے۔

شام و عراق کے علماء کی ایک بڑی جماعت سے ان کو اجازت

ض

الضحاک: یہ ضحاک بن قیس ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ع

عائشہ:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

عبدالباقی: یہ عبدالباقی بن یوسف الزرقانی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

عبداللحق: یہ عبداللحق بن غالب بن عطیہ ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

ط

طاؤوس: یہ طاؤوس بن کیسان ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

عبدالرحمن بن ابی لیلی:

ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

عبدالرحمن بن مہدی:

ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

الطبری: یہ محمد بن جریر طبری ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

العبدری: یہ علی بن سعید ہیں:

ان کے حالات ج ۱۳ ص میں گزر چکے۔

الطحاوی: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

عبدالعزیز بن المہاشون: یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی

سلمہ المہاشون ہیں:

ان کے حالات ج ۱۱ ص میں گزر چکے۔

الطیبی: یہ حسین بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۶ ص میں گزر چکے۔

العینی

تراجم فقہاء

عبدالقاهر البغدادی

عبدالقاهر البغدادی: یہ عبدالقاهر بن طاہر اسمعیلی ہیں:
ان کے حالات ج ۳۲ ص..... میں گزر چکے۔

عطاء:
دیکھئے: عطاء بن ابی رباح۔

عبداللہ بن عباس:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

عطاء بن ابی رباح:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

عبداللہ بن مسعود:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

عکرمہ:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

عبدالملک: یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن المہاشون ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

عمر: یہ عمر بن الخطاب ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

عبد اللہ بن الحسن العنبرمی:

ان کے حالات ج ۲ ص..... میں گزر چکے۔

عمر بن عبدالعزیز:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

عثمان البتی: یہ عثمان بن مسلم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

عیاض:

دیکھئے: القاضی عیاض۔

عثمان بن ابی العاص:

ان کے حالات ج ۲ ص..... میں گزر چکے۔

العینی: یہ محمود بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص..... میں گزر چکے۔

العدوی: یہ علی بن احمد المالکی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

عروہ: یہ عروہ بن زبیر بن العوام ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص..... میں گزر چکے۔

الغزالی

تراجم فقہاء

القاضی ابویعلیٰ

بعض تصانیف: ”معانی القرآن“، ”المصادر في القرآن“،

”كتاب اللغات“، ”كتاب الوقف و الابتداء“ ہیں۔

[مجمم الأدياء ۹/۲۰؛ بغية الوعاة ۲/۳۳۳]

الفضیل: یہ فضیل بن عیاض التمیمی ہیں:

ان کے حالات ج ۲۴ ص..... میں گذر چکے۔

غ

الغزالی: یہ محمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گذر چکے۔

ق

قاسم بن محمد:

ان کے حالات ج ۲ ص..... میں گذر چکے۔

القاضی:

دیکھئے: القاضی ابویعلیٰ۔

القاضی: یہ حسین بن محمد المروزی ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص..... میں گذر چکے۔

القاضی ابوالطیب: یہ طاہر بن عبداللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۶ ص..... میں گذر چکے۔

القاضی ابویعلیٰ: یہ محمد بن الحسین ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گذر چکے۔

ف

الفخر الرازی: یہ محمد بن عمر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گذر چکے۔

الفراء (۲۰۷ اور ایک قول ۲۰۳-۲۷۰ھ)

یہ تکی بن زیاد بن عبداللہ بن منظور بن مروان السلمی، دیلمی، کوفی

ہیں، بنی اسد (یا بنی منقر) کے غلام تھے، ان کی کنیت ابوزکریا ہے،

الفراء کے نام سے معروف ہیں، اہل کوفہ کے امام تھے، نحو، لغت اور

فنون ادب کے سب سے بڑے عالم تھے، خلافت کے جاننے والے

بڑے فقیہ تھے، مناظر تھے، ان کا میلان اعتزال کی طرف تھا۔

انہوں نے کسائی اور یونس سے علم حاصل کیا، اور قیس بن الرزج

اور مند بن علی سے حدیث روایت کی، اور خود ان سے سلمہ بن عاصم

اور محمد بن الجہم النمری وغیرہ نے علم حاصل کیا۔

القاضی حسین

تراجم فقہاء

اللیث بن سعد

القاضی حسین: یہ حسین بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

ک

القاضی عبدالوہاب: یہ عبدالوہاب بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

الکاسانی: یہ ابوبکر بن مسعود ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

القاضی عیاض: یہ عیاض بن موسیٰ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الکرنخی: یہ عبید اللہ بن الحسین ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

قنادہ: یہ قنادہ بن دعامہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

القرافی: یہ احمد بن ادریس ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

ل

القرطبی: یہ محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

اللخمی: یہ علی بن محمد الربیع ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

الغفال: یہ عبداللہ بن احمد المروزی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

اللقانی: یہ ابراہیم بن ابراہیم بن حسن اللقانی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

القلیوبی: یہ احمد بن احمد بن سلامہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

اللیث بن سعد:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

المحالی: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

محمد:

دیکھئے: محمد بن عبدالحکم۔

محمد بن الحسن: یہ محمد بن الحسن بن الشیبانی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

محمد بن عبدالحکم: یہ محمد بن عبد اللہ بن عبدالحکم ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

المرداوی: یہ علی بن سلیمان ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

مروان: یہ مروان بن الحکم الاموی ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

المزنی: یہ اسماعیل بن یحییٰ المزنی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

مسروق:

ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

المطرزی: یہ ناصر بن عبد السید بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص میں گزر چکے۔

م

المازری: یہ محمد بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

مالک بن انس: یہ مالک بن انس الأصحیحی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

المادودی: یہ علی بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

المتولی: یہ عبد الرحمن بن مامون ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص میں گزر چکے۔

المختیطی: یہ علی بن عبد اللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱۸ ص میں گزر چکے۔

مجاہد: یہ مجاہد بن جبر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

المجد: یہ عبد السلام بن تیمیہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص میں گزر چکے۔

مطرف

تراجم فقہاء

ہلال

مطرف: یہ مطرف بن عبدالرحمن بن ابراہیم ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص..... میں گزر چکے۔

مکحول:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

المناوی: یہ محمد عبدالرؤف بن نافع ہیں:

ان کے حالات ج ۱۱ ص..... میں گزر چکے۔

المواق: یہ محمد بن یوسف ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص..... میں گزر چکے۔

اعتبار سے مقدسی ہیں، پھر دمشق میں رہائش اختیار کر لی اس لئے دمشق
کہلائے، ان کی کنیت ابوالفتح ہے، پہلے ابن ابی حافظ سے مشہور
ہوئے، پھر شیخ ابونصر کے نام سے ان کی شہرت ہوئی، شافعی فقیہ ہیں،
شام میں شافعیہ کے شیخ تھے، امام زاہد تھے، ان کی جلالت شان اور
فضیلت پر لوگوں کا اتفاق ہے، سلیم رازی اور محمد بن بیان الکاظمی
سے علم فقہ حاصل کیا، اور ایک جماعت سے حدیث کا سماع کیا اور
بہت سی احادیث کی روایت کی۔

بعض تصانیف: ”الانتخاب الدمشقی“، ”التہذیب“،
”الکافی“، ”شرح الإشارة“ اور ”الحجة علی تارک
الحجة“ ہیں۔

[طبقات ابن الصلاح ۲/۸۹۲؛ تہذیب الأسماء واللغات

۲/۱۲۵؛ طبقات السبکی ۵/۳۵۱]

النووی: یہ یحییٰ بن شرف ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

ن

نافع: یہ نافع المدنی، ابو عبداللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص..... میں گزر چکے۔

النخعی:

دیکھئے: ابراہیم النخعی۔

ہلال (?-۲۲۵ھ)

یہ ہلال بن یحییٰ بن مسلم الرأی ہیں، بصرہ کے رہنے والے
تھے، اپنے علم کی وسعت اور فقہ کی کثرت کے سبب ”رأی“ کے لقب
سے مشہور ہو گئے، اسی وجہ سے امام مالک کے شیخ ربیعہ کا لقب بھی

نصر المقدسی (?-۴۹۰ھ)

یہ نصر بن ابراہیم بن نصر بن ابراہیم بن داؤد ہیں، پیدائش کے

”الرأى“ تھا۔

امام ابو یوسف اور امام زفر سے علم فقہ حاصل کیا، اور حدیث کی روایت ابو عوانہ اور ابن مہدی سے کی، اور خود ان سے بکار بن قتیبہ، عبد اللہ بن قحطبہ اور حسن بن احمد بن بسطام نے علم حاصل کیا۔ بعض تصانیف: الشروط میں ایک کتاب ہے، اور اس میں وہ معاصرین پر سبقت رکھتے تھے، ان کی ایک کتاب ”أحكام الوقف“ ہے، جس کو علماء نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

[الجواهر المضیئہ ۵/۲۳۵؛ تاج التراجم ص ۳۱۲؛ الفوائد

السبیہ ص ۲۲۳]



ی

یزید بن ابراہیم التمیمی (خلافت عبد الملک (۶۵-۸۶ھ)

میں ولادت-۱۶۲ھ)

یہ یزید بن ابراہیم التستری ہیں، ان کی کنیت ابو سعید ہے، بصری ہیں، ولاء کی وجہ سے تمیمی ہیں۔

انہوں نے ابن سیرین، الحسن، عطاء بن ابی رباح اور ایک جماعت سے علم حدیث حاصل کیا، اور خود ان سے ابن المبارک، وکیع، ابن مہدی، یزید بن ہارون اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں نے حدیث کا علم حاصل کیا۔

[سیر أعلام النبلاء ۷/۲۹۲؛ تہذیب التہذیب ۱۱/۳۱۱]